

اُردو ترجمہ
حق ایتین

جلد اول



مصنّف

علامہ سید محمد باقر مجلسی علیہ الرحمۃ

مترجم

جناب سید بشارت حسین صاحب

ناشر

Ketabton.com

(پاکستان)

فہرست مضامین اردو ترجمہ حق الیقین جلد اول

صفحہ	عنوان
۷	درباچہ شراف
۹	پہلا باب - خدا تعالیٰ کے وجود اور اس کے صفات کما کیہ
۱۰	پہلی فصل : صانع عالم کے وجود کا بیان
۱۲	دوسری فصل : خداوند عالم کا ازلی وابدی ہونا
۱۱	تیسری فصل : خداوند عالم کا قادر مختار ہونا۔
۱۲	چوتھی فصل : خداوند عالم ہر معلوم کا عالم ہے
۱۳	پانچویں فصل : خداوند عالم کا سمیع و بصیر ہونا۔
۱۴	چھٹی فصل : خداوند عالم کا حتی یعنی زندہ ہونا
۱۵	ساتویں فصل : خداوند عالم کا مرید یعنی صاحب ارادہ ہونا
۱۶	آٹھویں فصل : خداوند عالم کا مکمل ہونا۔
۱۷	نویں فصل : خداوند عالم کا صادق ہونا
۱۸	دسویں فصل : خداوند عالم کی صفات کما کیہ اسکی عین ذات ہیں۔
۱۹	دوسرا باب - صفات سلبیہ
۲۰	پہلی بحث - خدا کی یکتائی
۲۱	دوسری بحث - خدا مرکب نہیں
۲۲	تیسری بحث - خدا کا کوئی مثل نہیں
۲۳	چوتھی بحث - خدا کی رویت محال ہے
۲۴	پانچویں بحث - خدا عمل حوادث نہیں
۲۵	چھٹی بحث - اسمائے باری تعالیٰ کے بارے میں

صفحہ	عنوان
۲۱	ساتویں بحث - خدا کسی چیز سے متحد نہیں ہوتا
"	آٹھویں بحث - خدا کا قدیم ہونے میں کوئی شریک نہیں
۲۲	تیسرا باب - وہ صفتیں جو خدا کے افعال سے متعلق ہیں
"	پہلی بحث - افعال کی اچھائی اور بُرائی عقلی ہے
"	دوسری بحث - خدا سے فعل قبح محال ہے۔
۲۳	تیسری بحث - خدا کسی کو اسکی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا
۲۵	چوتھا باب - بیان نبوت
"	پہلا مقصد - خدا پر پیغمبروں کی بشت عتلاً واجب ہے۔
۲۶	دوسرا مقصد - پیغمبروں کے پیغمبری کی دلیل اُنکے معجزات ہیں۔
۲۷	تیسرا مقصد - پیغمبر کو تمام اُمت سے افضل ہونا چاہیئے۔
۲۸	چوتھا مقصد - انبیاء و ائمہ کا تمام فرشتوں سے افضل ہونا۔
۲۹	پانچواں مقصد - حضرت محمد مصطفیٰ کی نبوت کی حقیقت کا بیان اور اُنکی دلیلیں اور معجزات - معجزہ قرآن اور اسکی فصاحت و بلاغت
۳۳	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام معجزات کا بھلا تذکرہ
۳۵	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض دوسرے معجزات اور اُنکی چند قسمیں ہیں
۳۴	پہلا عنوان باب - امامت کا بیان
"	پہلا مقصد - نصب امام کا واجب ہونا
۳۸	دوسرا مقصد - شرائط امامت کا بیان
۵۰	تیسرا مقصد - امام کے صفات و خصائص
۵۶	چوتھا مقصد - امام کے پہچاننے کے طریقے
۵۹	پانچواں مقصد - بعض آیتیں جو امیر المؤمنین کی امامت و فضیلت پر دلالت کرتی ہیں۔
۱۰۷	چھٹا مقصد - جناب امیرؓ کی امامت و خلافت پر دونوں فرقوں کی متواتر حدیثیں
۱۰۸	پہلی فصل - حدیث غدیر خم کا بیان

صفحہ	عنوان
۱۳۰	دوسری فصل - حدیث منزلت کا بیان
۱۳۵	تیسری فصل - خدا و رسول کے ساتھ جناب امیر کا اختصاص
135	چوتھی فصل - جناب رسول خدا کے ساتھ اخوت اور ہراز ہونا - جناب امیر کی خصوصیت ہے۔
۱۴۷	پانچویں فصل - حق کا امیر المؤمنین کے ساتھ ہونا
۱۵۱	چھٹی فصل - تمام صحابہ پر جناب امیر کی افضلیت
۱۵۶	ساتھویں فصل - حضرت علی کی امامت پر نص - وہ روایتیں جو مخالفین نے بیان کیں ہیں
۱۶۴	آٹھویں فصل - ان لوگوں کے مطاعن جنہوں نے حضرت علی کا حق غصب کیا اور وہ خود قابل خلافت نہ تھے۔
174	۱۷۴
۲۹۵	جناب ابوذر کی بیسی و تہائی میں وفات
۲۹۷	حضرت عمار پر حضرت عثمان کے مظالم
۲۹۸	حضرت عمار سے حضرت عثمان کی بحث اور سخت کلامی حضرت عمار کا ان کو جواب کرنا
۲۹۹	حضرت عثمان کا مسلمانوں کے مال کی اپنے عزیزوں پر بارش
۳۰۴	عبد اللہ بن مسعود کو قرآن کا علم تمام صحابہ سے زیادہ تھا
۳۱۰	ابن جوزی کو ایک عورت کا بچہ میں شکست دینا
۳۱۲	حدیث عشرہ مبشرہ کی تردید بزبان امیر المؤمنین
۳۱۶	جہنم کے سب سے نیچے طبقہ کا حصہ
۳۱۹	ساتھواں مقصد - جملہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام کی امامت کا بیان
۳۱۸	رسول خدا کے بعد بارہ خلفاء کی پیشین گوئیاں
۳۱۹	بارہ خلفاء رسول کے متعلق حدیثیں
۳۲۳	حسین کی محبت کے لئے جناب رسول خدا کے ارشادات
۳۲۲	متوکل کا امام حسین کے روضہ پر نل چلانے اور اسکو منہدم کرنے کی ناکام کوشش
۳۲۳	دشمنوں پر ائمہ اہل بیت کی ہیبت

صفحہ	عنوان
۳۳۳	✓ ائمہ و اہل مقصد - بارہویں امام کے وجود اور آپ کی غیبت کا ثبوت
۳۳۸	✓ حضرت صاحب الامر کے وجود اور غیبت کی دلیلیں
۳۳۳	✓ سیف حضرت صاحب الامر حسین بن رُوح کے معجزات
۳۳۴	نمازِ مغرب تمام ستارے نکلنے سے پہلے پڑھنے کی تاکید
"	امام زمانہ کے معجزہ سے سنگریزے کا سونا بن جانا
۳۳۵	✓ امام زمانہ سے عامل قم کی ملاقات اور اُن سے خمس ادا کرنے کی تاکید
۳۳۶	حضرت صاحب الامر کی دعا سے ابن بابویہ کو خدا نے دو فرزند عطا کئے { ایک من لایخیر الفقیہ کے مؤلف ہیں
۳۳۸	حضرت صاحب الامر کی غیبت کی ابتداء
۳۵۰	حضرت صاحب الامر کی والدہ شہزادی روم کا حال
۳۵۱	حضرت صاحب الامر کی والدہ ماجدہ تیس خاتون کا مفصل حال خود انہی کی زبانی
۳۵۶	حضرت صاحب الامر کی ولادت کا حال
۳۶۰	امام عصر کی فضیلت و ہمیشہ خدا منزلت
۳۶۱	معجزہ حضرت صاحب الامر اپنے امام زمانہ ہونے کے ثبوت میں
۳۶۲	امام زمانہ کے معجزات
"	محمد کا امام زمانہ کی گرفتاری کے لئے لوگوں کو بھیجا اور اُن کا ناکام واپس آنا
۳۶۷	{ ہند کے ایک شخص کا دین حق کی تلاش میں بغداد وغیرہ پہنچنا - آخر میں امام زمانہ سے ملاقات کا شرف پانا
۳۷۱	محمد بن ابراہیم کی بعد کوشش و سعی بسیار حضرت صاحب الامر سے ملاقات
۳۷۵	اُن کے نام جن لوگوں کو حضرت صاحب الامر سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔
۳۷۸	امام زمانہ کے طویل العمر ہونے پر دلائل اور نظیریں
۳۷۹	غیبت میں حضرت امام زمانہ کے انتظار کا ثواب

دیباچہ مؤلف

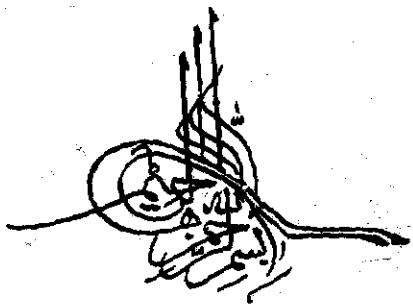
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للہ الواحد الاحد الفرد الصمد العليم القديم القدير الذی لیس کمثله شیء وهو السميع البصیر والصلوة علی اشرف العارفين وفخر التبتين محمد وعترته الطيبين الطاهرين الذين فازوا بالقبح المعلى من الفضل والعلم واليقين ولعننا الله على اعدائهم اجمعين الى يوم الدين -

ابا بعد خادم محمد باقر بن محمد تقی حشر بما اللہ مع موالیہما الا کہ میں اخبار انہ ظاہرین صلوات اللہ علیہم طالبان راہ حق و یقین کی خدمت میں یوں بیان کرتا ہے کہ چونکہ دلائل عقلیہ و نقلیہ سے ظاہر و آشکار ہو چکا ہے کہ حق تعالیٰ نے اس جہان فانی کو عبث و بیکار نہیں پیدا کیا ہے اور انسان جو اس دنیا کا چشم و چراغ ہے اس کے پیدا کرنے کا آخری سبب معرفت و عبادت خالق ہے تاکہ ان دو روحانی قدم سے جاودانی بہشت کی بلندیوں پر پہنچے اور اس پر قریب دنیا کی فانی لذتوں پر مغرور نہ ہونے ہوتے ان دو جبلتین کے واسطے سے اپنے تئیں آخرت کی باقی رہنے والی سعادت پر سرفراز ہو۔ اور بہت سی آیتوں اور حدیثوں سے ظاہر ہے کہ عبادت بغیر معرفت کے جس کی جڑ ایمان ہے صحیح و مقبول نہیں لہذا سب سے پہلے جو چیز ابتدائی تکلیف میں مکلف پر واجب ہے ایمان کا حاصل کرنا ہے۔ لیکن اکثر حضرات اس سے غافل ہیں۔ اور دین کے ارکان نہیں جانتے اور چند ناقص دلائل میں سے مختصر اور کم جو جان لیا ہے اس میں تحقیق کی نگاہ سے نظر نہیں کی اور صرف تقلید پر اکتفا کر لیا ہے اور گمان کی پستی سے یقین کے بلند درجہ پر قدم نہیں پہنچایا۔ اگرچہ اس بندہ نے عربی اور فارسی کی متوسط کتابوں میں ان بلند مطالب کو نہایت واضح اور کافی دلائل سے صحیح کر دیا ہے۔ لیکن اکثر لوگ امور دین میں توجہ اور اہتمام نہ کرنے، کم استطاعت ہونے، باطل امور میں مشغول رہنے یا پوری قابلیت نہ رکھنے کے سبب ان کو نہیں سمجھتے اور فائدہ نہیں حاصل کرتے لہذا اس فقیر نے ارادہ کیا کہ اس مختصر رسالہ میں ان بلند مطالب کو واضح اور قابل فہم الفاظ میں بیان

کردوں۔ خدا تعالیٰ کی توفیق سے عوام شمس کے مطابق یہ کتاب مسیحی یقین انجام کو پہنچی چونکہ یہ سعادت سلطان بن سلطان شاہ سلطان حسین بہادر خان مدظلہ اللہ جلالتہ علی رؤس العالمین کے حمد کی برکتوں سے تھی اس لئے بنظر الہام منظر اشرف میں پیش کیا ہے تاکہ مقبول طبع اقدس ہو اور اس کا بہترین نتیجہ فرخندہ آثار زمانہ میں ظاہر ہو۔

چونکہ ایمان کا مطلب ہے خداوند عالم کے وجود اور اس کی صفات کمالیہ اور اس کو ہر عیب و نقصان سے منزہ ہونے کی تصدیق کرنا اور ان انبیاء کی حقیقت کا اقرار کرنا ہے۔ جو حق تعالیٰ کی جانب سے خلافت کی تکمیل کے لیے ان پر مبعوث ہوئے ہیں خصوصاً پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کی نبوت کا اور جو کچھ آنحضرتؐ خداوند عالم کی جانب سے لائے ہیں تفصیل کے ساتھ ضروریات دین کا اور جو ضروری نہیں ہیں ان سب کا اجماعاً اقرار کرنا اور حق تعالیٰ کی عدالت کا اور اس کا افعال قبیہ سے منزہ ہونے کا اور حشر و معاد اور ان کے تابع امور کا اقرار کرنا ہے۔ لہذا ان مطالب عالیہ کی تحقیق چند ابواب میں کی جاتی ہے۔



پہلا باب

خدا تعالیٰ کے وجود اور اس کے صفات کمالیہ کے اقرار میں ہے اور اس میں چند فصلیں ہیں

پہلی فصل

صانع عالم کے وجود کے اقرار میں ہے۔

اس کا وجود ہر چیز سے واضح تر ہے کیونکہ آسمان و زمین، آفتاب و ماہتاب، ستاروں، ہواؤں، بادلوں، بارشوں، دریاؤں، پہاڑوں اور اپنے بدن و روح کی خلقت میں جو خد کر رہے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کی خلقت میں جو عجیب معجزات ہیں ان پر نظر کرتا ہے۔ تو اسے یقین ہو جاتا ہے۔۔۔ کہ یہ تمام چیزیں بغیر کسی بنانے والے کے خود پیدا نہیں ہوئی ہیں اور جس نے ان کو پیدا کیا ہے ان کے مانند نہیں ہے اور اپنی ذات میں نکل ہے اور اس کی ذات و صفات میں کسی طرح کا نقص نہیں ہے۔ یہ اجمالی دلیل ہے جو عوام کی اکثریت کے لیے کافی ہے۔ اب ہم چند قرین عقل و فہم تفصیلی دلیلیں پیش کرتے ہیں۔

پہلی دلیل - ہر وہ مفہوم جو انسان عقل سے پرکھتا ہے یا اس طرح ہے کہ اس کی ذات میں غور و فکر کرنا بغیر خارجی امور کو ملاحظہ کئے ممکن نہیں اور خارج میں اس کا کوئی سبب بنا جاسکتا ہے کو واجب الوجود کہتے ہیں۔ یا یہ کہ اس کی ذات میں نظر کرنا محال ہے تو اس کو منتہی الوجود کہتے ہیں یا یہ کہ اس کی ذات میں نظر کرنا واجب ہے نہ منتہی تو اس کو ممکن الوجود کہتے ہیں کہ ہونا اور نہ ہونا دونوں اس کی ذات کے لیے جائز ہیں۔ اگر کوئی علت اس کے لیے پیدا ہوتی ہے تو وہ موجود ہوتا ہے ورنہ معدوم ہوگا۔ لہذا ہم کہتے ہیں کہ اگر تمام موجودات ممکنات میں منحصر ہوں اور کوئی واجب الوجود ان میں موجود نہ ہو تو سب کو اکتھالا حظ کیجئے تو ایک جسم کی مانند ہوں گے لہذا ان سب کا وجود میں نہ ہونا بھی درست ہوگا جس طرح یہ محال ہے کہ مثلاً زید بیکری علت ویر (مال باپ) کے وجود کو اس میں تزیج بلا مرجح لازم آئے گی جو عقل کے نزدیک واضح طور پر محال ہے۔ اسی طرح تمام مخلوق کا بغیر کسی خارجی علت کے موجود ہونا جو ان

..... حال ہے۔ اور ضروری ہے کہ وہ علت و سبب موجود ہو کیونکہ یہ بالکل واضح

ہے کہ جو چیز خود موجود نہ ہو کسی دوسرے کے وجود کی علت نہیں ہو سکتی اور وہ موجود جو تمام ممکنات

سے خارج ہے واجب الوجود ہے۔ لہذا اثبات ہوا کہ کوئی واجب الوجود یقیناً موجود ہے۔ اگر کہا

جائے کہ اجزاء میں سے ہر ایک جزو دوسرے وجود کی علت ہے۔ اور تمام اشیاء کی علت اجزاء

کی علتوں کا مجموعہ ہے تو ہم کہیں گے کہ ہر ایک کا وجود وجود علت کی شرط کے ساتھ لازم ہے۔ لیکن

اس کا عدم اپنی تمام علتوں کے نہ ہونے کے ساتھ ممکن ہے۔ تو جب کوئی واجب الوجود نہ ہو تو ترجیح

بلا مرجع لازم آئے گی۔ *لہذا اس کا عدم ممکن ہے۔*

دوسری دلیل بعض محققین نے کہا ہے کہ جس طرح عسوسات کا تواتر علم کا فائدہ دیتا ہے۔

کیونکہ عادتاً محال ہے کہ یہ عدد کثیر کذب یا صدق پر اتفاق کرے اور سب کے سب غلط کریں۔

لہذا جب کہ تمام انبیاء، اوصیاء، اولیاء اور عقلا وجود صانع عالم اور کائنات کے حادث ہونے پر اتفاق

کرتے ہیں اور یہ کہ اللہ ہر حیثیت سے کامل ہے اور نقص اس کے لیے جائز نہیں ہے تو انسان کو علم

ہوتا ہے کہ یہ سچی ہے اور اس جماعت کثیر نے کذب پر اتفاق نہیں کیا ہے اور ان کا علم دالوں (انبیاء

وغیرہم) نے اس اتفاق میں غلطی نہیں کی ہے۔ نیز ان کا اتفاق اس بات کی دلیل ہے کہ یہ ہمارے

مقدمات بدیہی ہیں یا اگر نظری ہیں تو ان کے دلائل اس حیثیت سے واضح ہیں کہ ان میں غلطی نہیں ہے

اور یہ دلیل نہایت مخصوص ہے۔

تیسری دلیل - معجزات ہیں جو پیغمبروں اور ان کے اوصیاء سے ظاہر ہوئے۔ جیسے عصا کا

اڑوہا بنانا، دریا کو شگافہ کرنا، مردہ کو زندہ کرنا، اندھے کو بینا کرنا، چاند کو دو ٹکڑے کرنا، کثیر

پانی انگلی سے یا پھوٹے پتھر سے جاری کرنا اور اسی طرح کے معجزات جو ہر عاقل پر ظاہر ہے کہ بشری

حافظت سے باہر ہیں لہذا ضروری ہے کہ ایک خدا ہو جو ان معجزات کو ان کی حقیقت کے اظہار کے لیے ان

کے ہاتھوں پر جاری کرے اور یہ عوام بلکہ اکثر خواص کے لیے اجمالی دلیل ہے جو ان عجیب الہی صنعتوں

میں غور و فکر سے آفاق اور نفوس میں ظاہر ہوتی ہے۔ اور خدا نے تعالیٰ نے قرآن مجید میں اکثر اس کی

طرف اشارہ کیا ہے کافی ہے بلکہ صانع عالم کے وجود کا علم بدیہی ہے اور تمام مخلوق کی پیدائش اسی پر ہوتی

ہے۔ جیسا کہ خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ اگر کافروں سے سوال کرو کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس

نے پیدا کیا ہے تو بیشک کہیں گے کہ خدا نے پیدا کیا ہے۔ پھر فرمایا ہے کہ *أَفَلَا تَشْكُرُونَ*

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ (ابراہیم: ۱۰۳) کیا خدا کے بارے میں کوئی شکست جو آسمان اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ نیز فرمایا

ہے کہ *يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ فَأَلْفُوفٌ سَأَلُوا النَّاسَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَن يُعْزِبُوا عَنْهُمْ أَصْحَابَهُمْ فَهُمْ لَكَاظِمُونَ* (تہ: ۲۵) اور انہوں نے خدا کی تعظیم و یگانہ پرستی اور *لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ* کہنے کا حکم دیا ہے نہ کہ صنائع کے اقرار کا۔

سماصل = کلمے کا مجموعہ
فصل - تشکر

اور اس کی دلیل یہ ہے کہ تمام مخلوق مصیبت و اضطراب کے وقت جبکہ ان کو ظاہری وسیلوں کا سہارا نہیں رہتا یقیناً اپنے پیدا کرنے والے کی پناہ لیتے ہیں اور اقرار کرتے ہیں کہ ان کا خدا ایک ہے چنانچہ یہ مضمون احادیث معتبرہ میں وارد ہوا ہے۔ ایک عارف باللہ نے کہا ہے کہ اکثر کفار اور جاہل اگرچہ ظاہر میں مبدار کے وجود کے منکر ہیں۔ لیکن باطن میں اُس کے وجود کی حقیقت و ثبوت مقرر اور معترف ہیں لہذا مبدار کے وجود میں کسی عاقل کا اختلاف مروی نہیں ہے۔ اور اس بارے میں کلام کی توضیح یہ ہے کہ شرعی، عقلی و نقلی دلائل کا اتفاق ہے کہ حق تعالیٰ و تقدس اس سے بزرگ اور بزرگ تر ہے کہ اس کی کنہ ذات عقل کے احاطہ میں آسکے۔ سو اَضافی رابطہ کے واسطے اور ذریعہ سے جو مالک اور بندوں کے مابین بے انتہا رحمت کی وجہ سے سے تحقیق شدہ ہے جس کا بَدَلِ لال علم و فضل و کرم اور قدرت کے چشموں اور حکمت و ارادت کے منبع سے ہمیشہ جاری اور رواں ہے اور مخلوقات کی عقل و طبیعت اعتراف و قبولِ صالح پر مجبور ہے اس وجہ سے تخلیقوں اور واقعات کے واقع ہونے اور اضطراب کے وقت بغیر دیکھے ہوئے درد و درگم کی خواہش اور تکلیف دہ کرنے کی امید میں اپنے حفاظت کرنے والے کی طرف دیکھتے ہیں۔ اور طبیعت کی توجہ کے ساتھ ہر جاندار جس میں تامل اور تکلف نہیں ہوتا اس صورت سے یہ حالت تو عاقل کی قبولیت کا مظہر ہوتی ہے جیسا کہ آیہ کریمہ **أَمَّن يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ** (النحل ۶۲) سے ظاہر ہے اور خوف کے وقت حیوانات کی بے قراری اور ہراس و وہم کے غلبہ کے وقت ان کا گریز اسی حقیقت کی قبیل سے ہے لہذا مختلف گروہ اور مختلف قومیں جو ہر عہد و زمانہ میں اور ہر دین میں رہی ہیں ان کے کسی عاقل سے مبدار کے وجود کے خلاف مروی نہیں ہے۔ بلکہ اُس کے احوال و اوصاف کے خلاف کچھ کہنا محال ہے۔ اور فخر لازمی نے ایک شخص سے نقل کیا ہے کہ کسی زمانہ میں عظیم خشک سالی اور شدید قحط واقع ہوا اور لوگ دعائے استسقا کے لیے صحرا میں گئے اور دعا کی۔ لیکن ان کی دعا قبول نہیں ہوئی۔ وہ شخص کہتا ہے کہ ہم اُس وقت ایک پہاڑ کی جانب گئے۔ اور ایک ہرن کو دیکھا کہ پیاس کی شدت سے ایک پانی کے چشمہ کی طرف دوڑ رہا تھا اور جب چشمہ پر پہنچا تو اس کو خشک پایا تو کسی منزہ آسمان کی جانب دیکھا اور سر کو حرکت دی ناگاہ ایک ابر ظاہر ہوا اور اس قدر برساکہ چشمہ بھر گیا۔ ہرن نے پانی پیا اور سیراب ہو کر واپس چلا گیا۔ اور صاحب رسالہ انخوان الصفا نے نقل کیا ہے کہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ خشک سالی کے زمانہ میں حیوانات سر آسمان کی جانب کر کے بارش طلب کرتے ہیں۔ ایک شکاری سے نقل کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے ایک پہاڑی گائے کو دیکھا جو اپنے بچہ کو دودھ پلا رہی تھی۔ جب میں اُس کی طرف چلا تو وہ اپنا بچہ چھوڑ کر بھاگ گئی۔ میں نے اُس کے بچہ کو پکڑ لیا۔ جب اُس نے بچہ کو میرے ہاتھ میں دیکھا مضطرب ہوئی اور سر آسمان کی جانب بلند

۱۶۱

ظاہر ہے اس کی قدرت کے چشموں اور حکمت و ارادت کے منبع سے ہمیشہ جاری اور رواں ہے اور مخلوقات کی عقل و طبیعت اعتراف و قبولِ صالح پر مجبور ہے اس وجہ سے تخلیقوں اور واقعات کے واقع ہونے اور اضطراب کے وقت بغیر دیکھے ہوئے درد و درگم کی خواہش اور تکلیف دہ کرنے کی امید میں اپنے حفاظت کرنے والے کی طرف دیکھتے ہیں۔ اور طبیعت کی توجہ کے ساتھ ہر جاندار جس میں تامل اور تکلف نہیں ہوتا اس صورت سے یہ حالت تو عاقل کی قبولیت کا مظہر ہوتی ہے جیسا کہ آیہ کریمہ **أَمَّن يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ** (النحل ۶۲) سے ظاہر ہے اور خوف کے وقت حیوانات کی بے قراری اور ہراس و وہم کے غلبہ کے وقت ان کا گریز اسی حقیقت کی قبیل سے ہے لہذا مختلف گروہ اور مختلف قومیں جو ہر عہد و زمانہ میں اور ہر دین میں رہی ہیں ان کے کسی عاقل سے مبدار کے وجود کے خلاف مروی نہیں ہے۔ بلکہ اُس کے احوال و اوصاف کے خلاف کچھ کہنا محال ہے۔ اور فخر لازمی نے ایک شخص سے نقل کیا ہے کہ کسی زمانہ میں عظیم خشک سالی اور شدید قحط واقع ہوا اور لوگ دعائے استسقا کے لیے صحرا میں گئے اور دعا کی۔ لیکن ان کی دعا قبول نہیں ہوئی۔ وہ شخص کہتا ہے کہ ہم اُس وقت ایک پہاڑ کی جانب گئے۔ اور ایک ہرن کو دیکھا کہ پیاس کی شدت سے ایک پانی کے چشمہ کی طرف دوڑ رہا تھا اور جب چشمہ پر پہنچا تو اس کو خشک پایا تو کسی منزہ آسمان کی جانب دیکھا اور سر کو حرکت دی ناگاہ ایک ابر ظاہر ہوا اور اس قدر برساکہ چشمہ بھر گیا۔ ہرن نے پانی پیا اور سیراب ہو کر واپس چلا گیا۔ اور صاحب رسالہ انخوان الصفا نے نقل کیا ہے کہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ خشک سالی کے زمانہ میں حیوانات سر آسمان کی جانب کر کے بارش طلب کرتے ہیں۔ ایک شکاری سے نقل کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے ایک پہاڑی گائے کو دیکھا جو اپنے بچہ کو دودھ پلا رہی تھی۔ جب میں اُس کی طرف چلا تو وہ اپنا بچہ چھوڑ کر بھاگ گئی۔ میں نے اُس کے بچہ کو پکڑ لیا۔ جب اُس نے بچہ کو میرے ہاتھ میں دیکھا مضطرب ہوئی اور سر آسمان کی جانب بلند

علم ان چیزوں پر ان کے وجود کا محتاج نہیں ہے بلکہ ان کے وجود سے پہلے اور ان کے معدوم ہونے کے بعد کا علم رکھتا ہے۔ اسی طرح جیسے کہ ان کے وجود کے وقت ان کو جانتا ہے اور یہ دو صفات علم سے ظاہر ہوتی ہیں۔ چونکہ خدا نے ان دونوں صفتوں سے اپنی ذات کو موصوف کر کے علیحدہ ذکر کیا ہے۔ شاید اس کی حکمت یہ ہو کہ ان کے ضمن میں حکماء کی یہ رائے رد ہو جو خداوند عالم کو جزئیات کا عالم نہیں مانتے یا چونکہ بندوں کے اکثر اعمال خدا کی تکلیف کا سبب بن سکتے اور دیکھنے کے لہذا ان دو صفتوں کو مطلق علم سے ذکر میں مخصوص فرمایا تاکہ گناہوں میں ان کی تشبیہ اور اطاعت میں تشریب کا باعث نہ ہو یعنی ان دونوں صفتوں کو صفت علم کے علاوہ سمجھتے ہیں جن کے ذکر سے کچھ فائدہ نہیں۔ یہ کہ خداوند عالم حتیٰ یعنی زندہ ہے اور حتیٰ سے مراد وہ صفت ہے جس سے طاقت اور سمجھ حاصل ہوتی ہے۔ جب یہ معلوم ہوا کہ خداوند تعالیٰ عالم و قادر ہے تو صفت حیات بھی اس میں ہوگی۔ لیکن زندگی ممکنات میں علیحدہ سے ایک صفت کا پیدا ہونا ہوتی ہے اور جناب مقدس الہی بذات خود زندہ ہے بغیر اس کے کوئی موجود صفت اس کو عارض ہو۔ حقیقت میں یہ صفت اس کے علم و قدرت کی جانب پلٹتی ہے۔

چھٹی فصل

حق تعالیٰ مرید ہے یعنی ہر کام اس کے ارادہ و اختیار سے ظاہر ہوتا ہے نہ کہ افعال۔ اضطراریہ کے مانند جو بغیر ارادہ و اختیار کے صادر ہوتے ہیں جیسے آگ کا جلنا اور ہوا سے پتھر کا نیچے آنا اور ہم سے جو فعل اختیار سے صادر ہوتا ہے تو پہلے ہم اس فعل کا قصد کرتے ہیں اس کے بعد اس کے فائدہ پر غور کرتے ہیں اور وہ ہمارا محرک ہوتا ہے یہاں تک کہ حد عزم و جزم تک پہنچتا ہے پھر وہ فعل ہم سے صادر ہوتا ہے۔ لیکن ذات اقدس الہی میں چونکہ احوال و عوارض کا اختلاف نہیں ہوتا۔ لہذا وہی علم جو خداوند عالم رکھتا ہے کہ فلاں امر کا جو فائدہ فلاں وقت نظام عالم کے لیے زیادہ مناسب ہے۔ اس وقت اس کے وجود کا سبب ہوتا ہے۔ لہذا تکلیفیں امامیہ نے کہا ہے کہ ارادہ علم کی جانب پلٹتا ہے۔ اور علم ارادہ کے زیادہ مناسبت کے ساتھ ہے اور احادیث میں وارد ہوا ہے کہ ارادہ وہی ایسا ہے اور فعل کی صفت سے ہے اور حادث ہے۔ اس بارے میں بہت گفتگو کی ضرورت ہے اور تکلف کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ جانتے کہ خداوند عالم کے افعال ارادہ و اختیار کے ساتھ حکمت و مصلحت کے موافق صادر ہوتے ہیں۔ وہ ان افعال میں مجبور نہیں ہے۔

آٹھویں فصل

یہ کہ خداوند عالم متکلم ہے۔ یعنی جسم میں حروف و آواز کو پیدا کرتا ہے بغیر اس کے کہ اس کے کوئی عضو، دہن یا زبان ہو۔ چنانچہ درخت میں کلام پیدا کیا اور جناب موسیٰ نے سنا۔ اور آسمان میں کلام ایجاد کرتا ہے اور فرشتے سنتے ہیں اور وحی لاتے ہیں۔

یا الواح پر نقوش ایجاد فرماتا ہے اور فرشتے پڑھتے اور وحی لاتے ہیں اور ان کی ایجاد فرشتوں انبیاء اور اوصیاء کے دلوں میں کرتا ہے اور تکلم ذات الہی کی صفتوں میں سے نہیں ہے کہ قدیم ہو بلکہ فعل کی صفت ہے اور حادث ہے۔ کیونکہ جو حق تعالیٰ کا کمال ہے ان حروف و معانی کا علم ہے اور جس میں چاہے حروف اور آوازوں کی ایجاد پر قدرت رکھتا ہے اور یہ دو صفتیں قدیم ہیں اور عین ذات ہیں اور ہم نے ان صفتوں کو علیحدہ ذکر کیا ہے، اس لیے کہ انبیاء کی بعثت حق تعالیٰ کی تکالیف اور کتابوں اور خدا کی وحیوں کے نزول کی بنیاد اسی پر ہے اور خدا کے کلام جو قرآن مجید اور تمام آسمانی کتابوں میں ہیں سب حادث ہیں اور خدا کا علم ان کے بارے میں قدیم ہے۔ اور یہ کلام سے الگ ہے اور کلام نفسی جس کے قائل اشاعرہ ہیں باطل ہے۔

نویں فصل جاننا چاہیے کہ حق تعالیٰ صادق ہے اور کذب و دروغ اس کے لیے جائز نہیں ہے کیونکہ عقل حکم کرتی ہے کہ کذب قبیح ہے اور وہ قباح سے پاک ہے اور دروغ مصلحت آمیز جو ہمارے لیے جائز ہے نہایت قلیل قبیح کے ارتکاب کے اعتبار سے ہے اور یہ ہمارے عجز کے سبب سے ہے کہ ہم اس پر قادر نہیں ہیں کہ سچی بات کے نقصان کو دفع کر سکیں لیکن خدا عجز سے موصوف نہیں ہو سکتا۔ اور یہ کہ قوموں اور صاحبان عقل کا اجماع اس پر ہے کہ خدا وند تمام اقوال و افعال میں سچا ہے اور تمام الہی کتابیں اس پر بھری پڑی ہیں۔ اور یہ ضروریات دین تھیں۔

دسویں فصل یہ کہ خدا کے صفات کمالیہ اس کی عین مقدس ذات ہیں۔ اس معنی سے کہ اس کے لیے کوئی صفت موجود نہیں ہے جو اس کی ذات مقدس کے ساتھ قائم ہو۔ بلکہ اس کی ذات تمام صفات کی قائم مقام ہے۔ جیسا کہ ہم میں ذاتی صفت ہے اور صفت قدرت موجود ہے جو اس ذات میں عارض ہے اور ذات مقدس حق تعالیٰ تمام صفات کی قائم مقام ہے۔ اسی طرح تمام صفات کمالیہ میں ذات سب کی قائم مقام ہے اور ذات مقدس کے سوا کوئی چیز بسیر ^{مطلق} نہیں ہے کیونکہ اگر کوئی صفت ذات کے علاوہ ہو تو یا تو وہ قدیم ہوگی یا حادث اور دونوں محال ہیں اس لیے کہ اگر قدیم ہوگی تو قدیم میں تعدد لازم آئے گا اور قدیم خدا کے سوا کوئی نہیں لہذا وہ بھی ایک دوسرا خدا ہوگا۔ اور اگر حادث ہو تو لازم آئے گا کہ واجب الوجود محل حوادث ہو اور یہ محال ہے جیسا کہ انشاء اللہ مذکور ہوگا۔ نیز لازم آئے گا کہ حق سبحانہ و تعالیٰ اپنے کمالات میں غیر کا محتاج ہوگا۔ اور وہ عجز اور نقص کا لازمہ ہے۔ چنانچہ حضرت امیر المؤمنین نے فرمایا ہے:-

ومن وصفه فقد قرننا ومن قرننا فقد نشأه ومن نشأه فقد جزأه ومن جزأه فقد جهلنا یعنی جس نے خدا کے لیے اس کی ذات پر زائد کوئی وصف قرار دیا تو اس نے اس کو دنیاوی صفتوں سے متصل کیا اور جس نے اس کو دنیاوی صفات سے متصف کیا تو اس

نے دو خداؤں کا اعتقاد کیا۔ یا ذاتِ خدا میں دوئی کا قائل ہوا اور جس نے یہ اعتقاد کیا تو خدا کی ذات میں اجزاء کا قائل ہوا اور جو ایسا اعتقاد رکھے اُس نے خدا کو نہیں پہچانا ہے نیز فرمایا ہے کہ دین کا سب سے پہلا امر خدا کا پہچانا ہے کہ اُس کو کیٹا جانے اور اس کو کیٹا جانے کا کمال یہ ہے کہ اُس کی ذات سے صفاتِ زائدہ کا انکار کرے۔

خدا کی صفاتِ کمالیہ کی تعداد میں اختلاف ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ علم، قدرت، اختیار، حیات، ارادہ، کراہت، سمیع، بصر، کلام، صدق۔ ازلی ہونا اور ابدی ہونا۔ بعضوں نے ان دونوں صفتوں سے مراد کے معنی لیے ہیں۔ ہمیشہ سے ہونا اور ہمیشہ رہنا۔ لہذا جاننا چاہیے کہ حق تعالیٰ عالم، قادر، صاحب اختیار، حقی (زندہ) مرید (صاحب ارادہ) کارہ (بے کاموں کو ناپسند کرنے والا) سمیع، بصیر، متکلم، صادق، ازلی اور ابدی ہے۔ چونکہ بعض صفتیں بعض دوسری صفتوں کی جانب پلٹتی ہیں اور بعض صفاتِ تنزیہیہ میں داخل ہیں اس لیے ان کی تعداد میں اختلاف کیا ہے اور سب انہی کی طرف پلٹتی ہیں جو مذکور ہوئیں۔

دوسرا باب

ان صفتوں کا بیان جن کی ذاتِ قدسِ الہی سے نفی کرنی چاہیے

یہ کہ وہ کیٹا ہے اس کی خدائی میں اور اشیاء کے پیدا کرنے میں کوئی اُس کا شریک نہیں۔ جیسا کہ موسیٰ یزدان اور اہرن کہ وہ نور و ظلمت کے قائل ہیں اور نہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت اور پرستش کا حق ہے، جیسا کہ کفار مکہ نے خدا کے ساتھ بتوں کو پوجنے اور ان کو سجدہ کرنے میں شریک کیا تھا اور یہ مطلب تمام اخبارِ انبیاء اور دینِ حقہ کی تمام ضرورتوں سے ثابت ہے۔ اور عقل کی بجاہت سے معلوم ہے کہ نظامِ عالم وجود اور اُس کے حالات کا انتظام بغیر ایک خدا کے ممکن نہیں جبکہ ایک گھر میں دو صاحب اختیار، ایک شہر میں دو حاکم اور ایک ملک میں دو بادشاہ ملک کے حالات و نظام میں خلل کا باعث ہوتے ہیں تو آسمانوں اور زمینوں کے حالات اور کارخانہ ایجاد کا نظام باوجود اس قدر وسعت کے دو خداؤں سے کیونکر منظم ہو سکتا ہے۔ بلکہ تھوڑے غور و فکر سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام عالم اپنے باہمی اجزاء کے ساتھ ارتباط کے اعتبار سے بمنزلہ ایک جسم کے ہے تو جس طرح عقل تجویز نہیں کرتی کہ ایک جسم میں

پہلی بحث

دو نفس ہوں اسی طرح یہ بھی تجویز نہیں کرتی کہ دو خدا برتر عالم ہوں۔ محقق دوانی نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص بصیرت و اعتبار کی آنکھ سے عالم کے سرو پا کے گرد دیکھے اُس کی ابتداء جو عالم روحانیات ہے اس کی انتہا تک جو عالم جسمانیات ہے تو وہ ہر ایک کو ایک سوراخ دار سلسلہ میں منظم دیکھے گا بعض میں بعض داخل ہیں اور ہر ایک اپنے بعد کے سوراخ سے منقطع ہے تو تم سمجھو کہ ایک خانہ ہے، اور ارباب بصیرت پر غصی نہیں ہے کہ اس ارتباط اور التیام کے مثل سوائے ایک صانع کے نظام پذیر نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ متعدد صاحبان بصیرت دہوشس پر یہ مطلب واضح ہے کہ باوجود اس کے کہ موجود کی حقیقت میں سب ایک ہیں کیونکہ محققان اہل دانش و بینش پر ظاہر و آشکار ہے کہ تمام اشیاء میں مفرد حقیقی جزو واحد نہا نہیں ہے اس واسطے کہ صورتوں کی مختلف صورتیں ہیں جن میں بہت سی نفرت انگیز اور انکار آفریں صورتیں ان کی مصنوعات میں ظاہر ہوتی ہیں اور اس بات اور ایسی ہی باتوں کے ملاحظہ سے ہوشمند صنایع کو معلوم ہوتا ہے کہ ایسی وحدت اور انتظام جو اجزائے عالم میں واقع ہے ایک واحد اور یکتا صانع کے سوا کبھی ممکن نہیں جیسا کہ آئیہ کریم کا مضمون لوکان فیہما الالہتا الا اللہ لفسدتا اگر ان (زمین و آسمان) میں سوائے اللہ کے کوئی اور خدا ہوتا تو (نظام عالم میں) خرابی ہو جاتی۔ اس پر مبنی ہے اور اہل اعتبار کے لیے معمولی تبصیر کافی ہے کہ ان فی خلق السموات والارض واختلاف الليل والنهار لآیات لاوی الالباب (یعنی آسمان و زمین کی خلقت اور شب و روز کے ادل بدل میں صاحبان عقل کے لیے قدرت کی) نشانیاں ہیں محقق دوانی کا قول ختم ہوا، اور سابقہ تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح وجود صانع بدیہی و فطری ہے اسی طرح اس کی وحدت بھی بدیہی اور فطری ہے اور سب کا رخ ایک خدا کی جانب ہے اور ایک بارگاہ میں مقیم ہیں اور صاحبان عقل سلیم کا اتفاق بھی اسی پر ہے۔ اور اکثر تنویہ (دو خدا ماننے والے) بھی مبدا اصلی کو ایک جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نور اور یزدان قدیم ہیں۔ اور اگر من اسی سے پیدا ہوا وہ حادث ہے۔ ان میں سے تھوڑے بظاہر دونوں کے قدیم ہونے کا اظہار کرتے ہیں۔ اور اگر باطن میں تھوڑا سا غور کریں تو وحدت کا اقرار کر لیں اور ان کی عقل باتوں کو ہر جاہل سُنتا ہے۔ اور ان کے باطل ہونے کو بدیہی طور سے جانتا ہے جن کا ذکر طوالت کا باعث ہے۔ اور جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی اور خدا ہوتا تو چاہیے تھا کہ اُس کی کتابیں اور اُس کے انبیاء بھی ہمارے پاس آتے اور یہ قطعی دلیل ہے کیونکہ واجب الوجود کو چاہیے کہ صاحب کمال اور فیاض مطلق ہو۔ جب ایک خدا ایک لاکھ چوبیس سو ہزار انبیاء و مرسلین اپنی معرفت اور عبادت کے لیے بھیجتا ہے اور مخلوق کی ہدایت کرتا ہے۔ اگر نوح و ابراہیم و محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا تو اُس کو بھی چاہیے تھا کہ انبیاء اپنے پچاننے اور عبادت کے لیے بھیجتا اور نہایت تادم نہیں بلکہ عاجز ہے پھر حکم نہیں ہے

بلکہ تجلیل اور جاہل ہے اور ان صفتوں میں کوئی واجب الوجود کے لیے جائز نہیں ہے اور اس بارے میں بے شمار دلیلیں ہیں جن کے ذکر کی گنجائش اس رسالہ میں نہیں ہے۔ لیکن یہ کہبت جو چند جمادات ہیں اور ان سے نفع و نقصان متصور نہیں ہوتا یا چند مخلوق ہیں جو تادیر مطلق سے مغلوب اور اس کے نزدیک مقہور ہیں عبادت کے مستحق نہیں ہو سکتے۔ اس سے بہت واضح ہے کہ بیان کی احتیاج رکھتا ہے۔ اور اس کی نفی دین اسلام کے ضروریات سے ہے۔

دوسری بحث یہ کہ خدا تعالیٰ مرکب نہیں ہے۔ یعنی جسم، جوہر اور عرض نہیں ہے اور اس کے لیے کوئی مکان اور جہت (سمت) نہیں ہے۔ جاننا چلیسے کہ موجود یا مرکب ہے یا بسیط۔ مرکب وہ ہے جس کے اجزاء خارج میں جیسے آدمی جو مرکب ہے اعضا، اخلاط بدنی اور عناصر اربعہ سے۔ یا ذہنی جو جیسے جنس و فعل اور بسیط وہ ہے جس کے اجزاء نہ ہوں اور حق تعالیٰ بسیط مطلق ہے۔ اس کے کوئی جزو نہیں ہے۔ کیونکہ اگر کوئی جزو رکھتا ہوتا تو وجود میں اس جزو کا محتاج ہوگا، اور ممکن ہوگا اور وہ جوہر نہیں ہے۔ کیونکہ جوہر ممکن کی ایک قسم ہے۔ وہ بالذات واجب الوجود ہے اور عرض نہیں ہے جیسے سفیدی و سیاہی کیونکہ عرض محل و مقام کا محتاج ہے اور ہر محتاج ممکن ہے اور جسم نہیں ہے کیونکہ جسم اجزاء سے مرکب ہوتا ہے اور مرکب محتاج ہے اجزاء کا۔ وہ کسی مکان (مقام) اور جہت میں نہیں ہے۔ کیونکہ جو کچھ مکان اور جہت (سمت) میں ہے یا جسم ہے یا جسم میں حلول کئے ہے اور خدا ان دونوں سے پاک ہے اور حرکت اور ایک جگہ سے دوسری جگہ اور ایک مقام سے دوسرے مقام کو منتقل ہونا اس کے لیے محال ہے کیونکہ یہ باتیں جسم اور جسمانیت کے لوازم سے ہیں۔

تیسری بحث یہ کہ صنایع عالم اپنا مثل نہیں رکھتا چنانچہ فرمایا ہے۔ لیس کہ مثلہ شئی و هو السميع البصیر (اس کے مثل کوئی شے نہیں اور وہ سنتے والا اور دیکھنے والا ہے) اور کوئی شبیبہ اور نظیر نہیں رکھتا کیونکہ ذات اور کنہ صفات اس کے ساتھ شریک ہوتے ہیں اور وہ اپنا کوئی ضد نہیں رکھتا جو اس کے ساتھ محارضہ (مقابلہ) کر سکے۔ اور اشیاء کے پیدا کرنے میں کوئی مددگار اور معین نہیں رکھتا اور جو اعتقاد کہ خلوق کرنے والے رکھتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے رسول اور آئمہ علیہم السلام کو پیدا کیا اور عالم کے خلق کرنے کو ان پر چھوڑ دیا کفر ہے۔ اور بندوں کے افعال کے سوا تمام چیزوں کا خالق ہے۔

چوتھی بحث یہ کہ دنیا کا بنانے والا دیکھنے کے لائق نہیں ہے اور سر کی آنکھوں سے نظر نہیں آسکتا۔ نہ دنیا میں نہ آخرت میں اور یہ شیعوں کے دین کی ضروریات سے ہے۔ اور جو کچھ لوگ توہم کرتے ہیں اس مطلب پر آیتیں اور حدیثیں بہت وارد ہوئی ہیں۔ اس کے خلاف جو

وارد ہوا ہے، اُس کی دل کی آنکھوں سے ادراک کرنے کی تاویل کی گئی ہے جیسا کہ جناب امیر فرماتے ہیں کہ اُس کو آنکھیں نہیں دکھتی ہیں۔ لیکن اس کو ایمان کی تحقیقوں کے ساتھ دل نے دیکھا ہے اور جاننا چاہیے کہ خدائے عالم کی کُنہ ذات اور اُس کی صفات کمالیہ سوائے اس کے کوئی نہیں جانتا۔ اور پیغمبرِ آخر الزمان نے جو اشرف عالمین اور عارفوں میں سب سے افضل ہیں عجز کا اقرار کیا اور فرمایا ہے کہ ما عرفناکَ حق معرفتکَ یعنی ہم نے تجھ کو نہیں پہچانا جو پہچاننے کا حق ہے اور خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ما تدروا اللہ حق قدسہ یعنی بندوں نے خدا کی قدر و عظمت نہیں کی جیسی کہ مزاوار ہے۔ اُس نے فرمایا ہے کہ لا تدركہ الابصار و هو یدرک الابصار و هو اللطیف الخبیر یعنی اس کو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں وہ آنکھوں کو دیکھتا ہے۔ اور احادیث میں وارد ہوا ہے کہ دل کی آنکھیں اُس کی کُنہ ذات کا ادراک نہیں کرتی ہیں تو سر میں جو آنکھیں ہیں اُن کا کیا ذکر۔ ایضاً تمام ظاہری حواس اُس کا ادراک نہیں کر سکتے یعنی سامعہ باہر شامہ اور لامسا اور چکھنے کی قوت۔ حواس باطنہ بھی اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔ جیسے وہم و خیال۔

پانچویں بحث

یہ ہے کہ حضرت اقدس الہی محلِ حوادث نہیں ہے کہ مختلف حالات اُس پر وارد ہوتے ہوں جیسے سو و نسیان، نیند، پریشانی، بیماری، لذت اور غم، درد، تکلیف، جوانی، بڑھاپا، کھانے پینے اور جماع کی لذت اور عرض کے مقولات میں سے کسی مقولہ کا محل و مقام نہیں ہے۔ کیونکہ ان عوارض سے اُس کو موصوف کرنا سب عجز و نقص و احتیاج کی دلیل ہیں اور خداوند تعالیٰ عجز و نقص اور احتیاج سے بری ہے۔ اس بلکہ میں محلِ گفتگو یہ ہے کہ جو کچھ خدا کے صفات کمالیہ سے ہے، حادث نہیں ہو سکتا اور اُس سے علیحدہ نہیں ہو سکتا۔ جیسے ظلم اور قدرت کیونکہ اگر یہ حادث ہوتے تو حق تعالیٰ ان (صفتوں) کے عارض ہونے سے پہلے ناقص، عاجز اور جاہل ہوگا۔ اور اگر صفتیں اُس سے علیحدہ ہو جائیں تو اُن کے بعد ناقص ہو جائے گا اور کسی حال میں نقص اُس کے لیے جائز نہیں ہے اور اگر جو کچھ حادث ہوتا ہے اور صفت ناقص ہوتا ہے اس کا عارض ہونا محال ہوگا اور جو ذات کی صفتوں میں سے نہیں ہے بلکہ صفت فعل ہے وہ حادث ہو سکتی ہے۔ جیسے خالق، رازق، مجیب (زندہ کرنے والا) اور ممیت (مردہ کرنے والا) اگر خداوند عالم (ان صفات کا مالک) انزل میں نزل رہا ہو تو چاہیے کہ عالم قدیم ہو، اور خدا کی صفت خلق ہمیشہ رہی ہو حالانکہ یہ خدا تعالیٰ کی کمال صفت نہیں ہے جن کے نہ ہونے سے اُس کا نقص لازم آئے بلکہ جو کچھ صفت کمال ہے پیدا کرنے پر قادر ہونا ہے کہ جس وقت مصلحت سمجھے ایجاد کرے اور وہ قدیم ہے اور ہرگز اُس سے علیحدہ نہیں ہوتی۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ صفت فعل کا دائمی ہونا خدا کے لیے نقص ہوتا ہے جیسے زید کے پیدا کرنے کی مصلحت ظلالِ روز

رہی ہو اگر اُس روز سے پہلے پیدا کرے تو خلافِ مصلحت ہے اور نقص کا باعث ہے۔ اسی طرح زید کو محروم کرنا جس وقت مناسب نہ ہو اور وہ محروم کرے تو اُس کا نقص ہوگا نہ کہ اُس کا کمال۔ چنانچہ حکمرانے کہا ہے کہ صفت ذات وہ ہے جس سے حق تعالیٰ موصوف ہوتا ہے۔ اور اس کے ضد سے موصوف نہیں ہو سکتا۔ اور صفت فعل وہ ہے کہ اُس سے اور اُس کے ضد سے موصوف ہو سکتا ہے۔

اول علم الہی کی مثال ہے جو تمام چیزوں سے متعلق ہے وہ جہل سے مطلق موصوف نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح ہر ممکن پر حق تعالیٰ کی قدرت ہے اور عجز کی اُس کی ذات سے کسی طرح نسبت نہیں دی جا سکتی۔

دوسرے۔ خلق کی مثال کہا جا سکتا ہے کہ خداوندِ عالم نے سات آسمانی پیدا کئے اور چونکہ مصلحت نہ تھی اس سے زیادہ خلق نہیں کیا اور زید کو خلق کیا اور اس کے لڑکے کو خلق نہیں کیا۔ زندہ کرنے اور مردہ کرنے سے موصوف ہوا۔ ایک کو غنی اور دوسرے کو فقیر بنایا ان میں سے کوئی ایک اُس کی ذات مقدس میں تبدیلی اور اُس کا نقص نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی ذات متقدس کا کمال کامل قدرت، سابق علم اور خیر محض ہے۔ اختلاف ممکنات کے مادوں کی قابلیت میں ہوتا ہے اور ہر چیز میں اُس کی قابلیت مادہ اور نظام کل کی مصلحت کے لحاظ سے فیض حاصل کرنے کا حصہ شامل ہے۔ لیکن اُس سے زیادہ عطا فرمائے تو اُس کے علم کے خلاف شامل ہوگا مصلحت کل کے ساتھ اور کل کی مصلحت بلا تشبیہ ہے کہ بالانِ حجت کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ جب بارش ہوتی ہے ہر ایک زمین پر خوب ہوتی ہے اور اختلاف موارد و قابلیت کے اعتبار سے ایک زمین میں گل و سنبل آگاتی ہے اور ایک زمین میں بیقری کاٹے ظاہر کرتی ہے۔ ایک زمین میں اشجار اور پھل، اور دوسری میں دریا اور نہریں عمل میں لاتی ہے۔ ایک مکان کو آباد کرتی ہے، دوسرے کو ویران اور یہ سب ایک بارش کا فیض ہے۔ بقول حافظ :-

ھر چه هست از قامت ناسازی اندام ماست

ورنہ تشریف تو بر بالائے کس کو تاہ نیست

یعنی جو کچھ خرابی ہے وہ ہمارے تقدیر کی نامناسبیت ہے، ورنہ تیرا حاکم کردہ خلعت کسی تقدیر کو تاہ

نہیں ہوتا۔ اس رسالہ میں اس سے زیادہ بیان مناسب نہیں ہے۔

یہ کہ جناب مقدس الہی کے نام بہت ہیں جب کہ اُس نے فرمایا ہے کہ

چھٹی بحث | **الاسم الحسنى فناء عجزها** یعنی خداوندِ عالم کے نام بہت اچھے ہیں۔ اُن کے ذریعہ سے اُس سے دعا کرو۔ اور بہت سے نام جو آیتوں، حدیثوں اور روایات میں وارد ہوئے۔

اور احوط ہے کہ خدا سے بغیر اُس کے ناموں کے جو آیتوں، حدیثوں اور دُعاؤں میں مذکور ہیں نہ دُعا کریں۔ اور حق یہ ہے کہ اس کے نام چند معروف ہیں جو مخلوق اور حادث ہیں اور بعض سُنی قائل ہوئے ہیں کہ عین اُسی کے ہیں اور یہ قول باطل ہے۔ اور اخبار میں وارد ہوا ہے کہ جو اس قول کا قائل ہو کافر ہے اور جو بے معنی نام کی عبادت کرے کافر ہے اور جو شخص نام کی اور معنی کی عبادت کرے اُس نے دونوں کو خدا کے ساتھ شریک کیا۔ اور جو شخص ذات کے ساتھ نام کی عبادت کرے کہ نام اُس کی ذات پر اطلاق کرتے ہیں تو اُس نے خدا کی یکتائی کے ساتھ پرستش کی۔

ساتویں بحث یہ کہ خداوند تعالیٰ کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں ہوتا کیونکہ دو کا اتحاد محال ہے اور اُس کے زن و فرزند نہیں ہوتے اور کسی چیز میں حلول نہیں کرتا جیسا کہ نصاریٰ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) خدا کے بیٹے ہیں یا خدا نے اُن میں حلول کیا ہے یا اُن کے ساتھ متحد ہوا ہے اور یہ تمام باتیں خدا کا جحش اور نقص ظاہر کرتی ہیں اور عین کفر ہیں اور جو کچھ بعض صوفیہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ عین اشیاء ہے۔ یا یہ کہ ماہیات ممکنہ اعتباراً امور ہیں اور خدا کی ذات میں عارض ہوئے ہیں یا یہ کہ خدا عارف میں حلول کرتا ہے اور اس کے ساتھ متحد ہو جاتا ہے۔ یہ تمام اقوال عین کفر ہیں۔ اسی طرح بعض خالیان شیعہ کہتے ہیں کہ خداوند عالم نے رسول خدا اور ائمہ ہدیٰ میں حلول کیا ہے یا ان کے ساتھ متحد ہو گیا ہے یا ان کی صورت میں ظاہر ہوا ہے سب کفر ہے، اور ائمہ نے ان سے علیحدگی اختیار کی ہے اور اُن پر لعنت کی ہے اور اُن میں سے بعض نے اُن کے قتل کا حکم دیا ہے اور امیر المؤمنین علیہ السلام نے ان کی ایک جماعت کو دھوئیں سے ہلاک کیا تھا۔

آٹھویں بحث یہ کہ خداوند عالم قدیم ہونے میں شریک نہیں رکھتا اور جو کچھ اُس کی ذات مقدس کے علاوہ ہے حادث ہے۔ اس مطلب پر تمام قوموں کا اتفاق ہے اگرچہ حدوث و قدم کو حکما کی اصطلاح میں چند معنی پر اطلاق کیا ہے لیکن جس پر ارباب مل کا اتفاق ہے یہ کہ جو کچھ خدا تعالیٰ کے علاوہ ہے ابتدائی وجود رکھتا ہے اور اُس کے وجود کے زمانے ازل کی طرف سے متناہی ہیں اور خدا کے سوا کسی کا وجود ازل سے نہیں ہے اور یہ معنی مسلمانوں کا اجماعی ہے بلکہ تمام اہل ادیان کا اجماعی ہے اور آیتیں اور حدیثیں جو اس معنی پر صریح دلالت کرتی ہیں بہت ہیں۔ اور اس فقیر (مراد خود جناب مجلسی علیہ الرحمہ ہیں) نے کتاب بحار الانوار میں خاصہ و عامہ کی کتب معتبرہ سے تقریباً دو سو حدیثیں اس بارے میں عقلی دلیلوں کے ساتھ نقل کی ہیں۔ اور احادیث معتبرہ میں فلسفیوں کا جواب وارد ہوا ہے کہ جو شخص خدا کے سوا کسی قدیم کا قائل ہوتا ہے وہ کافر

تیسرا باب

اُن صفتوں کا بیان جو حق تعالیٰ کے افعال سے متعلق ہیں اور اس میں چند بحثیں ہیں

پہلی بحث یہ کہ مذہب امامیہ کا اعتقاد یہ ہے کہ افعال کی اچھائی اور بُرائی عقلی ہے اور اچھائی سے مراد یہ ہے کہ فاعل اور قادر اگر اس فعل کو بجالائے تو مستحق ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ اور بُرائی سے مراد یہ ہے کہ اگر فاعل اور قادر اس فعل کو عمل میں لائے تو مذمت اور عذاب کا سزاوار ہوتا ہے اور فعل قطع نظر اس کے جو شرع کی رو سے اچھا اور بُرا ہوتا ہے جس کے سبب سے تعریف اور ثواب یا مذمت اور عذاب کا مستحق ہوتا ہے عقل سے بدیہی طور پر ہر شخص صحیح بولنے کی اچھائی جانتا ہے جو فائدہ پہنچاتی ہے، اور جھوٹ بولنے کی بُرائی جو نقصان پہنچاتی ہے اور کبھی خور و نکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے جیسے سچائی جو کبھی کسی کو نقصان پہنچاتی ہے یا کوئی جھوٹ جو کسی کو فائدہ پہنچاتا ہے کہ اُن کی اچھائی اور بُرائی کا علم فکر و نظر کا محتاج ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اکثر لوگوں کی عقلیں اُن کے سمجھنے سے عاجز ہوتی ہیں مگر شرع کے ذریعہ سے اُن کی اچھائی و بُرائی معلوم ہوتی ہے جیسے ماہ رمضان کے آخری دن کے روزہ کی اچھائی۔ اور ماہ شوال کے پہلے دن کے روزہ کی خرابی۔ اور اہل سنت کا فرقہ شاعرہ کتا ہے کہ اعمال کی اچھائی اور بُرائی شارع کے اہد نہی کے سبب سے ہے۔ جو کچھ شارع نے امر کیا ہے وہ بھلائی اور اچھائی ہے اور جن باتوں سے منع کیا ہے وہ بُرائی ہے۔ لہذا اگر لوگوں کو زنا کا حکم کرنا تو زنا اچھا فعل ہوتا۔ اور اگر نماز کی ممانعت کرنا تو نماز پڑھنا بُرا فعل ہوتا اور اس مذہب کا باطل ہونا قطع نظر عقل کے بہت سی روایتوں، قرآنی آیتوں اور حدیثوں سے ظاہر ہے۔

دوسری بحث یہ کہ صانع عالم فعل قبیح نہیں کرتا اور محال ہے کہ فعل قبیح اُس سے صادر ہو۔ کیونکہ بُرا فعل کرنے والا یا تو اس فعل کی بُرائی سے واقف نہیں ہوتا، یا ہوتا ہے لیکن اُس کے ترک کرنے پر قادر نہیں ہوتا یا اُس فعل قبیح کا محتاج ہے اور اُس کے ترک کرنے پر قادر ہے یا اُس کا محتاج نہیں ہے لیکن اُس کو عیب کرتا ہے۔ پہلی بات کی بنا پر خدا کا جمل لازم آتا ہے اور دوسری بات کی بنا پر اُس کا عجز لازم آتا ہے اور تیسری کی بنا پر احتیاج اور چوختی کی بنا پر (معاذ اللہ) حماقت۔ اور یہ چاروں امور حق سبحانہ و تعالیٰ کے لیے محال ہیں۔ لہذا فعل قبیح اُس سے صادر نہیں ہوتا۔

تیسری بحث

یہ کہ خداوند عالم بندوں کو اُن افعال کی تکلیف نہیں دیتا جو ان کے اختیار میں نہیں ہوتے۔ نہ اُن کے بجالانے کی تکلیف دیتا ہے نہ ترک کرنے کی۔

بلکہ بندے اپنے فعل میں مختار ہیں اور خود اپنے افعال کے فاعل ہیں خواہ وہ اطاعت میں ہو یا نافرمانی میں۔ اکثر امامیہ اور معتزلہ اسی کے قائل ہیں اور اشاعرہ جو اہل سنت میں زیادہ ہیں کہتے ہیں کہ بندوں کے تمام افعال کا فاعل خدا ہے۔ اور بندے افعال میں بالکل خود مختار نہیں ہیں بلکہ خدا اُن کے ہاتھ سے افعال کرتا ہے اور بندے اُن میں مجبور ہیں۔ لیکن ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ بندہ کا ارادہ اس فعل میں شامل ہوتا ہے۔ لیکن وہ ارادہ مطلق اُس فعل کے وجود میں داخل نہیں ہوتا اور یہ مذہب چند وجوہ سے باطل ہے۔

پہلی وجہ : یہ کہ ہم اپنی عقل اور وجدان کی صراحت سے سمجھتے ہیں کہ ہمارے افعال میں رعشہ کی حرکت سے جو ہمارا فعل ہے اختیار ہی ہوتا ہے اور اُس حرکت میں جو ہم اپنے اختیار سے کرتے ہیں فرق ہے اسی طرح فرق سناں شخص میں جو کوٹھے سے نیچے گر پڑے اور اس شخص میں جو کوٹھے سے اتر کر نیچے آئے۔ اگر کوئی فعل ہمارے اختیار میں نہ ہو تو چاہیے کہ ہمارے افعال میں کوئی فرق نہ ہو۔

دوسری وجہ : یہ کہ خداوند عالم نے اپنی اطاعت کا حکم دیا ہے اور اُس پر ثواب کا وعدہ کیا ہے اور نافرمانی کی ممانعت کی ہے۔ اور اُس پر عذاب کی وعید فرمائی ہے۔ اگر بندوں کے افعال اُن کے اختیار میں نہ ہوتے تو ان کو تکلیف دینا اور نافرمانی پر عذاب کرنا ظلم و قبیح ہوتا۔ جیسے کوئی شخص اپنے غلام کے ہاتھ پاؤں باندھ کر کہے کہ جا اور فلاں چیز لا، اور اُس کو مارے کہ کیوں نہیں لایا یا یہ کہے کہ آسمان پر چلا جا اور مارے کہ کیوں نہیں گیا اور یہ واضح ہے کہ قول قبیح خدا پر جائز نہیں ہے اور اُس سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے جو کسی کے دل و زبان پر بے اختیار کفر و معصیت جاری کرے اور اس سبب سے ابد الابد تک اُس کو جہنم میں جلاتے۔ حالانکہ خود قرآن مجید میں بہت مقامات پر فرماتا ہے کہ خدا بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔

تیسری وجہ : یہ کہ خداوند عالم نے قرآن مجید میں بے شمار جگہوں پر بارگاہِ احدیث کے مقرروں کی اطاعت پر مدح کی ہے اور بارگاہِ عروت کے مردودوں کی اُن کے کفر و معصیت پر مذمت فرمائی ہے۔ اگر وہ اپنے افعال کے فاعل خود نہ ہوتے تو اُن کی مدح و مذمت کی حماقت اور بے عقلی ہوگی۔ اور یہ خدا پر محال ہے اور واضح ہو کہ بہت سی حدیثوں میں وارد ہے کہ جبر ہے کہ افعال میں اُن پر جبر کیا ہے اور نہ تفویض ہے کہ ان کو آزاد چھوڑ دیا ہے بلکہ ان دونوں کے درمیان ایک امر ہے۔ اکثر علماء نے کہا ہے کہ خدا نے بندوں پر جبر نہیں کیا ہے۔ بندہ اپنے ارادہ سے حرکت کرتا ہے لیکن اُس

کے تمام اسباب خدا کی جانب سے ہیں مثل اعضاء و جوارح اور قوائے بدنی و روحانی کے اور آلات و اوزار جن کی کاموں میں ضرورت ہوتی ہے خدا کی جانب سے ہیں اور وہ امر جو دونوں امور کے درمیان وارد ہوا ہے یہی ہے لہ

چوتھی وجہ : یہ کہ حق تعالیٰ پر عقل کے مطابق لطف واجب ہے اور لطف وہ امر ہے جو مکلف کو اطاعت سے قریب اور مصیبت سے دور کرتا ہے، جیسے پتھروں کو بھینچنا اور اماں کو مقرر کرنا اور ثواب و عذاب کے وعدے اور وعید اور مثل انہی کے۔

پانچویں وجہ : یہ کہ حق تعالیٰ حکیم ہے اور اس کے کام حکمت اور مصلحت پر مبنی ہوتے ہیں اور اس سے فعل عبادت لیے فائدہ صادر نہیں ہوتا اور اس کو افعال میں صحیح اغراض و عظیم مصلحتیں ملحوظ ہوتی ہیں لیکن خدا کے افعال میں غرض بندوں کے لیے ہوتی ہے اپنے لیے کوئی فائدہ حاصل کرنے

لہ مؤلف فرماتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ بندوں کے افعال میں خدا کا دخل اس سے زیادہ ہے کیونکہ خدا کی خاصیت ہے اور توفیق اس کے لیے ہیں جو اپنے اچھے اعمال اور اچھی نیتوں کی وجہ سے اس کا مستحق ہوتا ہے۔ خدا کی طاعت و نافرمانی کے افعال میں خدا کا دخل ہوتا ہے اور اس کے مصیبت کے افعال میں اس کو آزاد چھوڑ دینے میں دخل ہوتا ہے۔ کیونکہ ان میں سے کوئی حد تک نہیں پہنچتا۔ جبکہ اس کا اختیار سلب ہو اور وہ فعل یا ترک میں مضطرب ہو اس آقا کی مانند جو غلام رکھتا ہو اور ہر ایک کو ایک فعل پر مامور کرے مثل اس کے کہ کئے کل جانا اور فلاں چیز میرے لیے خرید کر لانا اور جو شخص یہ کام کرے گا اس کو سو دینار دوں گا اور جو نہ کرے گا اس کو دس تازیانے اردوں گا۔ اگر دونوں کے بارے میں اسی پر گفتگو کرے اور ایک غلام اس کا حکم بجالائے اور دوسرا عمل میں نہ لائے۔ تو جس نے کیا ہے وہ سو دینار کا مستحق ہے اور جس نے نہیں کیا وہ تازیانے کا مستحق ہے۔ اگر ایک غلام فرمانبردار ہے اور زیادہ خدمتیں کرتا ہے اور آقا اس کو بہت زیادہ دوست رکھتا ہے۔ اس کے بعد جب کہ دونوں پر وہ تکلیف عائد کی اور بھت تمام کر دی (تو جس نے عمل کیا) اس کو کٹھالی میں طلب کر کے اس پر لطافت و مہربانی بہت کرتا ہے کہ ضرور کل وہ خدمت انجام دینا، اور رات کو اس کے لیے کھانا بھیجتا ہے اور دوسرے غلام کی نسبت اس پر زیادہ نوازشیں کرتا ہے۔ دوسرے روز وہ غلام وہ خدمت انجام دیتا ہے اور دوسرا غلام نہیں انجام دیتا تو اس کو سو دینار دے اور اس کو سونمازیلے مارے تو کوئی شخص آقا پر کوئی الزام نہیں رکھ سکتا۔ کیونکہ یہ غلام کرنے پر اور وہ غلام نہ کرنے پر مجبور نہیں ہوتے۔ اور دونوں نے اپنے اختیار سے اطاعت و نافرمانی کی اور آقا کی بھت دونوں پر تمام ہے۔ اسی قدر خدائے سبحانہ و تعالیٰ کا دخل بندوں کے اعمال میں آیات و احادیث سے معلوم ہوتا ہے اور اتنے ہی پر گفتگو کرنا چاہیے۔ کیونکہ یہ مقام نہایت مشکل اور قدموں کی لغزش کا سبب ہے اور اس مسئلہ میں فکر و تامل کرنے کی بہت سی حدیثوں میں ممانعت وارد ہوئی ہے۔ ۱۲

کی غرض نہیں ہوتی۔ اس قول پر امامیہ معتزلہ، اور حکماء کا اتفاق ہے۔ اور اشاعرہ کہتے ہیں کہ خدا کے افعال میں کوئی غرض (مصلحت) نہیں ہوتی۔ حالانکہ یہ سچا آیتیں اور حدیثیں اس قول کے باطل ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور اکثر امامیہ کا اعتقاد یہ ہے کہ بوطیق اور نظام عالم کیلئے زیادہ بہتر ہوتا ہے اس کا فعل (عمل میں لانا) خدا پر واجب ہے اور بعض متکلمین کا اعتقاد یہ ہے کہ افعال الہی چاہیے کہ مصلحت کے ضمن میں ہو اور زیادہ بہتر ہونا ضروری نہیں ہے۔ اور ظاہر اس مسئلہ میں غور و فکر کرنا بھی ضروری نہیں ہے۔

چوتھا باب

نبوت کی بحثوں کا بیان۔ اس میں چند بحثیں ہیں

پہلا مقصد یہ کہ امامیہ کا اعتقاد یہ ہے کہ پیغمبروں کی بعثت حق تعالیٰ پر عقلاً واجب ہے کیونکہ باجماع شیعہ لطف خداوند عالم پر واجب ہے اور اس پر نصوص متواترہ وارد ہوئے ہیں کہ تمام انبیاء اول عمر سے آخر عمر تک عمداً و سہواً صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے معصوم ہیں اور اس پر عقلی و نقلی دلیلیں قائم ہیں اور تبلیغ رسالت و وحی میں سہو و نسیان اُن پر جائز نہیں ورنہ ان کے قول پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن عادیہ (عادت والی باتوں) اور عبادات کے علاوہ بھی علمائے امامیہ میں مشہور یہ ہے کہ جائز نہیں۔ بعضوں نے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ اور ابن بابویہ اور بعض محدثین فرماتے ہیں کہ ان سے سہو و نسیان جائز نہیں ہے لیکن جائز ہے کہ خداوند عالم اُن سے کسی مصلحت کی بنا پر سہو کرادے جیسا کہ جناب رسول خدا نے نماز عصر یا ظہر میں سہو کیا اور تشہد اول میں سلام پڑھ لیا۔ جب لوگوں نے یاد دلایا تو اُس نے اور دوسری دو رکعت (یقینہ) نماز ادا فرمائی۔ کہتے ہیں کہ اُمت پر شفقت کی وجہ سے ایسا کیا کہ اگر کوئی نماز میں سہو کرے تو لوگ اُس کو سرزنش نہ کریں اور دوسرے یہ کہ اُن (یعنی رسول) پر خدائی کا گمان نہ کریں۔ اور دوسرے اکثر علماء اُس سہو کو واقع ہونا نہیں مانتے اور ان حدیثوں کو تفسیر پر محمول کیا ہے جو اس بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ جاننا چاہیے کہ معصوم ترک گناہ پر مجبور نہیں ہے۔ لیکن خداوند عالم اُس پر نوازشیں فرماتا ہے جس سے وہ اپنے اختیار سے قوت عقل و فطانت و ذکا اور حق تعالیٰ کی عبادت میں کمال اہتمام کے سبب سے اور اخلاق ذمیرہ اور اخلاق حسنہ سے اُس کی تحلیل اس حد تک پہنچتی ہے کہ محبت جناب اقدس الہی اس کے دل میں مستقر ہوتی ہے اور وہ قید شوائب نفسانی اور خیالات جسمانی سے رہائی پاتا ہے اور ہمیشہ جمال حق کے مطالعہ میں مشغول رہتا ہے اور جلال و

عظمت الہی اُس کے دل پر جلوہ فرما ہوتے ہیں لہذا معصوم بسبب کمال معرفت ہمیشہ اپنے کو خدا کا منظرِ نظر شمار کرتے ہیں اور جو کچھ اُن کے محبوب کی رضا کے خلاف اُس میں ہوتا ہے وہ ان کے دل کے قریب نہیں آتا۔ اگر کسی عجیب و غریب صورت میں اُن کے دل میں خیالِ معصیت آتا ہے تو جلالِ الہی کے ملاحظہ کے سبب وہ اُس کے قریب بھی نہیں جاتے۔ نیز وہ شرم کرتے ہیں اس سے کہ ایسے خداتے جلیل کے حضور جو ہمیشہ اُن کا نگہبان سے معصیت کے مرتکب ہوں۔ ان وحیوں سے گناہ اُن سے صادر نہیں ہو سکتا اور اگر ایسا ہوتا جیسا کہ کچھ گروہ نے گمان کیا ہے کہ حق تعالیٰ اُن کو ترک گناہ پر مجبور کرتا ہے تو کسی طرح عصمت ان کے لیے باعثِ تعریف نہ ہوگی اور نہ اُس کے ترک پر ان کے لیے کچھ ثواب ہوگا۔

واضح ہو کہ جو آیتیں اور حدیثیں انبیاء سے صدورِ معصیت کا وہم پیدا کرتی ہیں جو ان کی خطا کے ضمن میں ہیں ان کی تاویل اور کتابِ مکروہ اور ترکِ اولیٰ سے کی گئی ہے اور چونکہ ان کے مرتبہ کی بلندی کے لحاظ سے یہ بھی عظیم ہے اس لیے اس کو معصیت سے تعبیر کیا ہے اور دوسری وہیں بھی ہیں جن کا ذکر میں نے حیاتِ القلوب میں کیا ہے اور جو تفاسیر اور تخریج میں انبیاء کے حالات میں ان کی خطا سے متعلق ذکر ہے وہ اکثر حضراتِ اہل سنت کی موضوعات اور افترا پر وازیلوں سے ہے جو سیو دیوں کی کتابوں سے لی گئی ہیں تاکہ اپنے خلفائے جور کی خطائیں قابلِ اعتراض نہ ہوں اور اپنی کتابوں میں لکھی ہیں اور ناقص شیعوں کے ایک گروہ نے بھی ان کو اپنی کتابوں میں کھ دیا ہے۔ لیکن اہل بیت علیہم السلام کے طریقوں سے ان کی رد میں حدیثیں بہت ہیں جن کو میں نے عربی اور فارسی کتابوں میں تحریر کیا ہے۔ یہ رسالہ اُن کے ذکر کی گنجائش نہیں رکھتا اور ان غلط روایتوں پر اعتماد و اعتقاد نہ رکھنا چاہیے۔

واضح ہو کہ پیغمبروں کی حقیقت جانتے کا طریقہ معجزات ہیں۔ کیونکہ جو شخص بلند مرتبہ کا دعویٰ کرتا ہے۔ بعض لوگ ان کے دعوے کو سچ نہیں مانتے۔

دوسرا مقصد

اے بسا ابلیس آدم رو کہ بہت پس بہر دستے نیاید داد دست

(اے مخاطب آدمی کی شکل میں بہت سے ابلیس ہیں لہذا ہر ایک کے ہاتھ میں ہاتھ نہ

دینا چاہیے۔ یعنی ہر ایک کی بغیر سمجھے اطاعت نہ کرنا چاہیے)

جس طرح کوئی شخص دعوے کرے کہ میں بادشاہ کی جانب سے تمہارا حاکم ہوں تم کو چاہیے کہ میری اطاعت کرو۔ لہذا صرف اُس کے کہنے پر کوئی یہ بات قبول نہیں کرتا جب تک کہ کوئی تخریر یا نشانی بادشاہ کی جانب سے جو مخصوص ہوتی ہے نہ رکھتا ہو، اور معجزہ وہ فعل ہے جس کے کرنے سے عام لوگ عاجز ہوتے ہیں اور وہ عادت کے خلاف ہو۔ وہ پیغمبری کے دعوے کے ساتھ ہی

صادر ہوتا ہے۔ لہذا اگر ایسا فعل ہو جو عام لوگوں سے صادر ہو تو وہ معجزہ نہیں ہے جیسے شعبدہ کے طور پر عجیب باتیں ہوتی ہیں اور اگر فعل خدا ہو اور معمولاً عمل میں آتا ہو، وہ بھی پیغمبر کا معجزہ نہیں ہے جیسے کہ طلوع آفتاب کے وقت کہے کہ یہ میرا معجزہ ہے کہ اس وقت آفتاب طلوع ہوتا ہے۔ اور اگر وہ فعل پیغمبری کے دعوے کے ساتھ نہ ہو تو اس کو کرامت کہتے ہیں معجزہ نہیں جیسے حضرت مرثم کے لیے خوانِ نعمت آنا۔ جو شخص پیغمبری کا دعویٰ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ خدا نے مجھ کو دین و مخلوق کی دنیا کی ریاست کے لیے بھیجا ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ میرے اشارہ سے چاند کو دو ٹکڑے کرے گا یا مردہ کو زندہ کرتا ہے اور فوراً ہی وہ امر واقع ہو تو بیشک ہم جانتے ہیں کہ وہ سچا ہے۔ کیونکہ خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ اور اس کا ہر علم ہر چیز پر محیط ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا لہذا اگر یہ شخص جھوٹا ہو تو اس کا دعویٰ قبیح ہو گا اور ہمارا اس کی اطاعت کرنا بھی قبیح ہے۔ پھر خدا ہی نے ہر ایک کو قبیح کی جانب گمراہ کیا۔ اور یہ قبیح سے اور امر قبیح خدا کے لیے محال ہے جیسا کہ معلوم ہوا اور چاہیے کہ معجزہ دعا کے موافق ہو، جو پیغمبر کی سچائی پر دلالت کرے اور اگر موافق نہ ہو تو اس کے فاعل کے کذب پر دلالت کرتا ہے۔ چنانچہ نقل کیا ہے کہ مسلمانہ کذاب پیغمبری کا دعویٰ کرنا تھا۔ اُس سے لوگوں نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک اندھے کے لیے دعا کی اس کی آنکھوں میں بینائی پیدا ہو گئی۔ اُس نے ایک شخص کو بلایا جس کی ایک آنکھ اندھی تھی اور دُعا کی تو دوسری آنکھ بھی کور ہو گئی۔ لوگوں نے اُس سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنا لعابِ دہن اُس کنوئیں میں ڈالا جو خشک تھا وہ کنواں پانی سے بھر گیا۔ اُس ملعون نے ایک کنوئیں میں اپنا لعابِ دہن ڈالا جس میں کم پانی تھا وہ بالکل خشک ہو گیا۔ لہذا اس کو معجزہ کہہ کر کہا گیا ہے۔

تفسیر مقصد چاہیے کہ پیغمبر اپنی تمام امت سے افضل ہو، اور سب سے زیادہ عالم ہو کیونکہ تفضیل مفضول عقلاً قبیح ہے اور چاہیے کہ تمام علوم کا عالم ہو جس کی امت محتاج ہو اور چاہیے کہ کمال صفتوں سے موصوف ہو۔ جیسے کمال عقل و دانائی و فطانت اور طاقت و عفت و راستے و شجاعت و کرم و سخاوت و ایثار (دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دینا) اور دین میں غیرت اور رافت و رحم و مروت و تواضع و نرمی و مدارات اور ترک دنیا، و رعایت صلحاء و علماء و اہل دین اور صفات ذمیرہ سے پاک ہو، جیسے کینہ، نجل، حسد، حرص دنیا، حب مال، کج خلقی اور ان امراض سے محفوظ ہونا جو خلائق کی نفرت کا باعث ہو جیسے خورہ، برص (جسم پر سفید داغ) اندھا، بہرا، اور گونگا ہونا اور ازیں قبیل اور نسب میں ولد الزنا نہ ہو، اور نہ کسی قسم کا شبہ ہو۔ اور پیدائش پست نہ ہو اور نہ ذلیل پیشہ ہو جیسے بولاہوں، حجاموں اور جانوروں کے علاج کرنے والوں کا پیشہ اور مروت کے خلاف کوئی کام اُس سے صادر نہ ہو جیسے بازاروں میں یا راستہ

چلتے ہوئے کوئی چیز کھانا وغیرہ ان امور کو بعض علماء نے ذکر کیا ہے، اور بعض امور کا ذکر کیا جاتا ہے اور پیغمبروں کے آبا و اجداد جو جناب رسول خدا کے باپ دادا تھے، ہمیشہ مسلمان رہے ہیں جیسا کہ اس کے بعد مذکور ہوگا۔ لیکن تمام پیغمبروں کے باپ اگرچہ بعضوں کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ چاہیے کہ مسلمان ہوں لیکن میرے نزدیک ثابت نہیں ہے اور اس پر عقلی و نقلی دلیل قائم نہیں ہے۔ اور بعض حدیثوں سے جو حضرت خضر وغیرہ کے حالات میں وارد ہوئی ہیں، اس کے خلاف دلائل کرتی ہیں۔ لیکن اس بارے میں توقف کرنا زیادہ بہتر ہے۔

چوتھا مقصد یہ کہ علمائے امامیہ نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ انبیاء و آئمہ علیہم السلام تمام فرشتوں سے افضل ہیں۔ اس بارے میں بہت سی حدیثیں ہیں اور عقلی دلائل بھی بہت بیان کی گئی ہیں۔ لیکن غیروں کے یہاں اس مسئلہ میں بہت اختلاف ہے اور انبیاء علیہم السلام کی تعداد بھی ثابت نہیں ہے۔ مشہور تو ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر ہیں۔ مجملاً اعتقاد رکھنا چاہیے کہ تمام انبیاء اور ان کے اوصیاء حق پر ہیں۔ اور جو کچھ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے (حق ہے) اور ان کی نبوت دین اسلام کی ضروریات میں سے ہے جیسے آدم و شیث و ادریس و نوح و ہود و صالح و شعیب و ابراہیم و لوط و موسیٰ و عیسیٰ و اسماعیل و اسحاق و یوسف و داؤد و سلیمان و ایوب و یونس الیاس علیہم السلام ہیں۔ ان کی نبوت و حقیقت کا اقرار واجب ہے اور جو شخص ان میں سے کسی ایک کا انکار کرے وہ کافر ہے اور ان کے مرتبوں کی فضیلت میں بہت فرق ہے اور ان میں پانچ افراد سے افضل ہیں اور وہ نوح و ابراہیم و عیسیٰ و موسیٰ علیہم السلام اور جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ ان کو اول العزم کہتے ہیں۔ ان کی شریعتیں اپنے سے پہلے کی شریعتوں کی تابع ہیں اور سب سے افضل جناب رسول خدا ہیں ان کے بعد جناب ابراہیم تمام نبیوں سے افضل ہیں نبی اور رسول کے درمیان شگفتہ و جرح سے فرق تسلیم کیا گیا ہے۔ رسول وہ ہے کہ بیداری میں اُس پر فرشتہ نازل ہوتا ہے۔ نبی وہ ہے جس پر فرشتہ خواب میں نازل ہوتا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ رسول وہ ہے جو کسی جماعت پر مبعوث ہو اور نبی وہ ہے جو کسی پر مبعوث نہ ہو۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ رسول وہ ہے جو کوئی کتاب یا کوئی شریعت رکھتا ہو اور نبی وہ ہے کہ دوسرے رسول کی شریعت کا لحاظ ہو۔ اور احادیث معتبرہ میں وارد ہوا ہے کہ پیغمبر چار قسم کے ہیں۔ اول وہ پیغمبر جو اپنی ذات پر مبعوث ہو اور دوسروں پر مبعوث نہ ہو۔ دوسرے وہ پیغمبر جو فرشتہ کو خواب میں دیکھتا ہے اور اُس کی آواز سنتا ہے۔ فرشتہ کو بیداری میں نہیں دیکھتا اور کسی پر مبعوث نہیں ہوتا۔ اُس پر ایک امام (میشواہ) ہوتا ہے یعنی وہ دوسرے پیغمبر کا تابع ہوتا ہے۔ جیسے حضرت لوط علیہ السلام جو حضرت ابراہیم کے تابع تھے۔ تیسرے وہ پیغمبر جو خواب میں فرشتہ کو دیکھتا اور اُس کی آواز

سُننا ہے اور کسی گروہ پر مبعوث ہوتا ہے۔ لیکن دوسرے پیغمبر کے تابع ہوتا ہے جیسے یونس علیہ السلام چوتھے وہ پیغمبر جو خواب اور بیداری میں فرشتہ کو دیکھتا ہے اور اس کی آواز سُننا ہے اور خود صاحب شریعت ہوتا ہے اور وہ امام ہے اور احادیث معتبرہ میں وارد ہوا ہے کہ نبی وہ ہے جو خواب میں دیکھتا ہے اور فرشتہ کی آواز سُننا ہے لیکن (بیداری میں) فرشتہ کو نہیں دیکھتا اور رسول وہ ہے جو خواب اور بیداری میں فرشتے کو دیکھتا اور اس کی آواز سُننا ہے۔ اور امام صدائے ملک سُننا ہے۔ لیکن بیداری میں اس کو نہیں دیکھتا۔ اور اس میں اختلاف ہے کہ قوم جن سے پیغمبر ہوتا ہے یا نہیں۔ اکثر نے انکار کیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ جنوں پر ایک پیغمبر یوسف نامی مبعوث ہوئے تھے۔ لیکن یہ ثابت نہیں اور اس میں توقف ہی بہتر ہے۔

پانچواں مقصد | حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بن عبد اللہ ابن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد منات کی پیغمبری کی حقیقت کے بیان میں۔

آنحضرت کی پیغمبری کی دلیل یہ ہے کہ دعوت نبوت دی اور بہت سے نہایت واضح معجزات اپنی پیغمبری کے دعوے کے مطابق ظاہر فرمائے اور یہ دونوں باتیں متواتر ہیں۔ دعویٰ پیغمبری کے بارے میں یہ ہے کہ تمام قومیں قائل ہیں کہ آپ نے پیغمبری کا دعویٰ کیا۔ اور معجزات کے متعلق یہ ہے کہ آنحضرت کے معجزات حد و شمار سے زیادہ ہیں۔ بلکہ آپ کے تمام اقوال و افعال اور اخلاق معجزہ تھے اور آپ کے معجزات دو طرح کے ہیں۔ پہلا معجزہ قرآن مجید ہے اور وہ قیامت تک باقی اور متواتر ترین معجزات ہے اور جس زمانہ میں کوئی پیغمبر مبعوث ہوا اُس زمانہ کے فن کے مثل غالب معجزہ اس کی پیغمبری کا تھا جو اُس زمانہ میں زیادہ مشہور تھا اور اُس زمانہ کے لوگ اُس فن میں بہت ماہر تھے۔ تاکہ اُن پر حجت زیادہ سے زیادہ تمام ہو۔ چنانچہ جناب موسیٰ کے زمانے میں جادو کا بہت زور تھا تو خدا نے اُن کو عصا اور ید بیضا اور انہی کے ایسا معجزہ عطا فرمایا کہ اُن کی قوم ویسا لانے سے عاجز تھی۔ باوجود اس کے کہ اُس فن میں وہ لوگ ماہر تھے۔ اور جس زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ چونکہ مزمن امراض بہت تھے اور عاذق طبیب جالینوس وغیرہ تھے تو خداوند عالم نے زندہ کرنے اور اندھے کو بینا کرنے اور غورہ اور بصر کو شفا دینے اور ایسے ہی معجزات اُن کو عطا فرمائے جو ظاہر میں اُن کے فن کی شبیہ تھے۔ لیکن انسانی فعل کے قسم سے نہ تھے اور جس زمانہ میں حضرت رسالت پناہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے عرب میں نصاحت و بلاغت کے فن کا زور تھا اور اشعار اور سخنان فصیح و بلیغ پیش کرتے اور کعبہ کے دروازہ پر لٹکتے تھے اور اُس پر فخر کرتے تھے۔ اُن کے مقابلہ میں حضرت قرآن مجید لاتے اور نہایت زوردار دعویٰ کیا اور فرمایا کہ اگر میری پیغمبری میں تم کو شک ہے تو اس قرآن کے مثل لاؤ۔ لیکن وہ لوگ عاجز ہوئے اور نہ لاسکے

تو فرمایا کہ اچھا دین سورے اس کے مثل لاؤ اور وہ نہ لاسکے تو فرمایا کہ اچھا ایک ہی سورہ اس کے مثل لاؤ، تو وہ لوگ متوجہ ہوئے اور کوشش کی، لیکن ایک چھوٹی سورہ کے مانند بھی باوجود اس آرزو کے جو آپ کی تکذیب میں رکھتے تھے نہ لاسکے بلکہ سخت جھگیں کرنے، قتل ہونے اور قید ہونے کا ارتکاب کیا اور جو کچھ ان سے چاہا گیا تھا نہ لائے۔ اگر قادر ہوتے تو ضرور لاتے۔ باوجودیکہ فصحاء جو عرب میں تھے اور علماء اور دانشوران اہل کتاب جو بعد کے زمانہ میں اس وقت سے آج تک تھے اور ہر زمانہ میں آنحضرت کے دوستوں کے بہت زیادہ دشمن تھے۔ لیکن نہ لائے نہ لاسکے۔ لہذا معلوم ہوا کہ قرآن مجید انسانی فعل نہیں بلکہ فعل خالق عالم ہے۔ اگر آنحضرت پیغمبر نہ ہوتے تو خداوند عالم ایسی بات ان کی زبان پر جاری نہ کرتا۔ ورنہ کذب و دروغ پر اُجھارنا اور خلق کو گمراہ کرنا اور طرح طرح کی قبیح باتیں لازم آتی ہیں اور وہ قبیح ہے اور حق تعالیٰ پر قبیح کا ظاہر کرنا محال ہے اور قرآن مجید کے اعجاز کی وجہ میں اختلاف ہے کہ وہ انتہائی فصاحت و بلاغت کی وجہ سے معجزہ ہے یا یہ کہ جب وہ اس کے معارضہ کا ارادہ کرتے تھے خداوند عالم ان کے قلوب و ذہنوں کو کند کر دیتا تھا۔ اس لیے نہ لاسکتے تھے۔ اگرچہ اعجاز دونوں وجہوں سے حاصل ہوتا ہے لیکن حق یہ ہے کہ اس کا معجزہ ہونا کئی وجہوں سے ہے۔

پہلی وجہ : فصاحت و بلاغت و طلاق کی جہت سے کہ جو کبھی قرآن کو سنتا ہے اس کو دوسروں کے کلام سے امتیاز کرتا ہے اور اس کا ہر فقرہ جو کسی فصیح کلام میں واقع ہوتا ہے۔ مثل یا قوتِ ربانی اور لعلِ بخشاں کے چمکتا ہے اور تمام فصحاء عدنان اور بلخائے قحطان نے اس کی فصاحت و بلاغت کا اعتراف کیا ہے۔ روایت ہے کہ جو شخص کوئی بہت بلیغ یا فصیح شعر کہتا تھا مغافرت کے لیے کعبہ پر لٹکا دیتا تھا اور جب آیہ وقیل یا ارضی ابلعی مائٹک ویاسملا اقلعی نازل ہوا تو سب کے سب رسوائی کے خوف سے رات کو آتے اور کعبہ پر سے اپنے نوشتے اتار لے گئے اور چھپا دیئے۔

دوسری وجہ : اسلوب کی غزابت کی جہت سے کہ کوئی کتاب ہی ان کے فصحاء کے کلام، اشعار اور ان کے خطبوں کی پیروی کرے، اس کے غریب اسلوب کی شباهت نہیں پاتا اور اس زمانہ کے تمام بلغار اس کی غزابت سے متعجب و حیران تھے۔

تیسری وجہ : کلام میں کہیں اختلاف کا نہ ہونا۔ جیسا کہ خدا نے تعالیٰ نے فرمایا ہے لو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً۔ یعنی اگر قرآن غیر خدا کے پاس آیا ہوتا تو اس میں لوگ کثیر اختلاف پاتے۔ کیونکہ جب انسان سے کبھی اس طور کا کلام صادر ہوتا ہے تو ممکن نہیں کہ اس میں نقیض اور بہت اختلاف نہ ہو۔ دو صورتوں سے ایک اختلاف حکم اور مضمون سے خصوصاً جبکہ

انشاء پر دواز لکھنا اور پڑھنا نہ جانتا ہو اور دوسرے آیت ایت اور سورہ سورہ لکھیں حالانکہ اکثر لکھنے والے منافق اور اس کے دشمن ہوں۔ دوسرا اختلاف فصاحت میں کیونکہ سب سے زیادہ فصیح شخص کے قصائد و خطبات کا اگر ایک فقرہ فصیح ہوتا ہے تو دوسرا نہیں ہوتا۔ اگر ایک بہت بلند ہے تو دوسرا نہیں ہے۔ اگر اُس کا ایک جزو تحقیق میں ہے تو دوسرا جزو کھیل اور باطل اثر میں ہے اور جو کلام کہ اول سے آخر تک تمام بلاغت کے اعلیٰ درجوں پر ہو اور سب کا سب حقائق و معارف پر مشتمل ہو صادر نہیں ہوتا۔ مگر اسی سے جس کی ذات و صفات اور اقوال میں کسی طرح کا اختلاف نہ ہو۔

چوتھی وجہ : معارف ربانی کی شمولیت ہے کیونکہ جس وقت عرب خصوصاً اہل مکہ میں علم بر طرف ہو گیا تھا اور آنحضرتؐ بعثت سے پہلے اہل کتاب کے کسی ایک عالم یا ان کے علاوہ کسی اور سے معاشرت نہیں رکھتے تھے۔ اور دوسرے ملکوں کا سفر نہیں کیا تھا کہ طلب علم کرتے اور جو کچھ حکماء نے معارف الہی میں ہزاروں سال فکر و غور کیا تھا ہر سورہ اور آیت میں نہایت خوبی سے بیان فرمایا اور جو بات سلیم عقول اور صحیح فہموں کے مخالف ہوتی ہے اس میں مطلق نہیں ہے اور آنحضرتؐ کی برکت سے اہل عرب کا گروہ جو فہم و علم و ادب سے عاری ہونے میں مشہور آفاق تھے۔ علم اور محاسن اخلاق و مکارم اخلاق کی زیادتی میں بغت اقلیم میں قبول ہوئے اور دنیا بھر کے علماء علم و ایمان حاصل کرنے میں ان کے محتاج ہوئے۔

پانچویں وجہ : آدابِ کریمہ و شرائعِ قہر کے مشتمل ہونے کی جہت سے۔ کیونکہ مکارم اخلاق میں جو کچھ علماء و حکماء نے سالہا سال غور و فکر کیا تھا ہر سورہ میں اُس سے زیادہ بیان ہوئے اور شریعت میں چند قوانین بندوں کے انتظامِ احوال اور معاملات و مناکحات و معاشرت و حدود و احکام اور حلال و حرام کے بارے میں مقرر کیا کہ جن کے ہر باب میں جس قدر علمائے عصر اور عقلا نے عالم نے غور و فکر کیا کوئی حد نہ پلے اور جو بہتر طریقہ کلام مجرب نظام اور شریعت بتیلا نام علیہ و علیٰ آلہ السلام میں مقرر ہوا اس سے بہتر طریقہ اور قاعدہ نہ بنا سکے۔ اگر کوئی اپنی عقل کی جانب رجوع کرتا ہے تو سمجھتا ہے کہ اس سے عظیم تر مجزہ نہیں ہو سکتا۔

چھٹی وجہ : انبیاء سابقہ اور گذشتہ زمانوں کے قصوں پر مشتمل ہونے کی جہت سے کہ اُس زمانہ میں مخصوص اہل کتاب تھے اور دوسروں کو خصوصاً اہل مکہ کو ان حالات و واقعات کی اطلاع نہ تھی۔ اس طرح سے بیان فرمایا کہ باوجود بے شمار دشمنوں کے خصوصاً اہل کتاب میں سے کوئی آنحضرتؐ کی ان قصوں کے اجزاء کے کسی جزو کی تکذیب نہ کر سکا اور جو کچھ مخالف باتیں ان میں مشہور تھیں ان کی حقیقت اُن پر ظاہر فرمائی۔ جیسے حضرت عیسیٰ کو قتل کر کے آپ کو دار پر پھینچنا اور

جو کچھ ان کتابوں میں تھا اور مصلحت کی بنا پر پوشیدہ رکھتے تھے۔ ان پر ثبات کیا جیسے حکم نگار اور اونٹ کے گوشت کا حلال ہونا وغیرہ جن کا ذکر میں نے تفصیل سے حیات القلوب میں کیا ہے۔

ساتویں وجہ : آیات کریمہ اور سوروں کے خواص کی جہت سے۔ اور وہ ہیں جن میں جسمانی و روحانی تشکیفوں کی شفا اور نفسانی اور شیطانی وسوسوں سے نجات اور ظاہری و باطنی اور اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے امن کے طریقے اور تاثیریں ہیں اور سچے تجربوں سے معلوم ہوا ہے اور قلوب کو جلا بخشنے اور دلوں کی شفا اور جناب مقدس ربانی سے رابطہ اور نفسانی شبہات سے نجات کے لیے قرآن مجید کی تاثیریں اُس سے زیادہ ہیں کہ کوئی صاحبِ دل اُس سے انکار کرے یا کسی حائل کو اُس میں تامل کی مجال ہو۔

آٹھویں وجہ : قرآن مجید کا انبارِ معینہ پر مشتمل ہونا جن پر سوائے خدا تعالیٰ کے کوئی مطلع نہیں ہے اور وہ اس قدر زیادہ ہیں جن کا احصا نہیں ہو سکتا اور وہ دو قسم پر ہیں۔

پہلی قسم :- یہ ہے کہ بہت آیتوں میں اُن باتوں کی خبر دی گئی ہے جو کفار، اور منافقین اپنے مکالموں میں کہتے تھے اور ایک دوسرے سے بطور راز کے پوشیدہ ذکر کرتے تھے یا اپنے دلوں میں گذارتے تھے۔ لیکن ان کی خبر دینے پر آنحضرتؐ کی تردید نہیں کرتے تھے اور نہ انہی و خجالت کا اظہار کرتے تھے جب بات کرتے تو خائف ہوتے اور کہتے تھے کہ اسی وقت جبریلؑ آنحضرتؐ کو خبر دے دیں گے۔ اس طرح کی باتیں ہیں جن میں سے اکثر کا ذکر میں نے حیات القلوب میں کیا ہے۔

دوسری قسم :- وہ ہے کہ بہت سی آیات کریمہ میں آئندہ امور کی اُن کی خبر دی ہے جن پر خدا کے سوا کسی کو اطلاع نہیں۔ لیکن وحی والہام الہی کے ذریعہ سے جیسے ابولہب اور کچھ دوسرے لوگوں کے ایمان نہ لانے کی خبر۔ اور قیامت تک یہودیوں کی ذلت کی خبر اور ایسا ہی ہوا۔ اور اب تک ان کو بادشاہی نہیں حاصل ہوئی ہے۔ اور شہروں اور ملکوں میں زمانہ کے ذلیل ترین افراد ہیں اور ان کی ذلت کی لوگ مثال دیتے ہیں۔ اور شہروں کا اسلام کے لیے مفتوح ہونے کی خبر اور کہ تعظیم میں عمرہ کے لیے داخل ہونے کی خبر۔ اور فتح مکہ کی خبر۔ اور اُن حضرت کے اس شہر مقدس میں داخل ہونے کی خبر۔ اور جناب رسولِ خداؐ کے دشمنوں کے شر سے محفوظ رہنے کی خبر اور رومیوں کے عجم کے گہروں پر غالب ہونے کی خبر۔ اور سورہ کوثر سے آنحضرتؐ کی کثرتِ اولاد و اتباع کی خبر اور بنی اُمیہ کے نابود ہونے اور ان کی نسل کے نائل ہونے کی خبر جو آنحضرتؐ کو اہتر کہتے تھے۔ اور یہودیوں کے موت کی آرزو نہ کرنے کی خبر، اور ایسا ہی ہوا جن میں سے اکثر کا ذکر حیات القلوب میں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام معجزات کا مجملہ تذکرہ

واضح ہو کہ حق تعالیٰ نے کسی پیغمبر کو کوئی معجزہ نہیں عطا فرمایا۔ مگر یہ کہ اُس کے مثل اور اُس سے زیادہ آنحضرت کو عطا کیا ہے۔ آنحضرت کے معجزات کا شمار نہیں ہو سکتا۔ ہزار معجزات سے زیادہ میں نے تمام اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ آنحضرت کے تمام معجزات کی چند قسمیں ہیں۔ اُن میں سے بعض معجزات آنحضرت کے جسم اقدس کے ہیں اور وہ جو ہمیں معجزے ہیں :-

پہلا معجزہ : یہ کہ ہمیشہ آپ کی پیشانی مبارک سے نورِ سامع رستا اور چاند کے مانند اُس معدنِ انوار کی جبینِ مبارک سے شعاعِ درو دیوار پر چمکتی تھی۔ اور جب دستِ مبارک بلند کرتے تو حضرت کی انگلیاں دس ٹمھوں کے مانند روشنی دیتی تھیں۔

دوسرا معجزہ : آنحضرت کی خوشبوئے مبارک اور وہ ایسی تھی کہ حضرت جس راستے سے گزر جاتے تھے دو روز تک بلکہ زیادہ دنوں تک جو شخص اس راستے سے جاتا وہاں کی خوشبو سے سبھ جاتا کہ آنحضرت اس راہ سے گزرے ہیں۔ حضرت کا پسینہ لوگ جمع کرتے تھے جو بہترین خوشبودار عطر ہوتا۔ لوگ دوسرے عطروں میں اُس کو داخل و شامل کرتے تھے۔ اور پانی کا ڈول حضرت کے سامنے لاتے اور حضرت اُس میں ایک چلو پانی منہ میں لے کر مضمضہ کر کے اُس ڈول میں ڈال دیتے تو تمام پانی مُشک سے زیادہ خوشبودار ہو جاتا۔

تیسرا معجزہ : یہ کہ جب آپ دھوپ میں کھڑے ہوتے یا راستہ چلتے تو جسمِ اقدس کا سایہ نہ ہوتا۔

چوتھا معجزہ : یہ کہ جو شخص آنحضرت کے ساتھ چلتا وہ کتنا ہی لانا ہوتا لیکن حضرت کا سر اور گردن اُس سے زیادہ بلند دکھائی دیتی۔

پانچواں معجزہ : یہ کہ اگر ہمیشہ دھوپ میں آپ کے سر اقدس پر سایہ لگن رہتا تھا اور آپ کے ساتھ ڈبالاتے سر چلتا رہتا تھا۔

چھٹا معجزہ : یہ کہ کوئی پرندہ آپ کے سر کے اوپر سے پرواز نہیں کرتا تھا اور کوئی جانور مثل کھٹی و مچھر وغیرہ کے آپ کے جسم اقدس پر نہیں بیٹھتا تھا۔

ساتواں معجزہ : آنحضرت اپنی پشت کی جانب سے بھی اسی طرح دیکھتے تھے جس طرح اپنے سامنے سے دیکھتے تھے۔

آٹھواں معجزہ : یہ کہ آنحضرت کی نیند اور بیداری یکساں تھی۔ نیند آپ کے فوائے ادراک کو محفل نہیں کرتی تھی۔ آپ فرشتوں کی آواز سنتے تھے۔ دوسرے لوگ نہیں سنتے تھے۔ حضرت فرشتوں کو دیکھتے تھے اور دوسرے لوگ نہیں دیکھتے تھے جو کچھ لوگوں کے دلوں میں گزرتا تھا حضرت اُس پر مطلع ہو جاتے تھے۔

نواں معجزہ : آپ کے مشام میں کبھی بدبو نہیں پہنچتی تھی۔

دسواں معجزہ : حضرت اپنا آپ دہن جس کنوئیں میں ڈالتے اُس کی برکت سے کنواں پانی سے بھر جاتا تھا اور جس درد والے کے جسم پر ل دیا جاتا وہ شفا پاتا تھا۔ حضرت کا دست مبارک جس غذا کو مس کر دیتا اُس میں اس قدر برکت ہوجاتی کہ مختصر قدا کثیر آدمیوں کو سیر کر دیتی تھی چنانچہ ایک بکری کے پتھر اور ایک صابح جو سے سات نٹوں سے زیادہ افراد سیر ہوئے۔

گیارہواں معجزہ : تمام زبانوں کو حضرت سمجھتے اور ہر زبان میں گفتگو کرتے تھے۔ بارہواں معجزہ : حضرت کی داڑھی میں سترہ سیفید بال تھے جو آفتاب کے مانند چمکتے تھے۔ تیرہواں معجزہ : حضرت کی پشت مبارک پر مہر نبوت تھی جس کا نور آفتاب کے نور پر چھا جاتا تھا۔

چودھواں معجزہ : حضرت کی مبارک انگلیوں سے پانی جاری ہوا جس سے جماعت کثیر سیراب ہوئی۔

پندرہواں معجزہ : حضرت نے اپنی انگلی کے اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ سولہواں معجزہ : یہ کہنگلیاں آپ کے دست مبارک میں تسبیح کرتی تھیں اور لوگ سنتے تھے۔ سترہواں معجزہ : یہ کہ آپ نعتنہ شدہ و نافع میدہ اور عون وغیرہ کی آلائش سے پاک پیدا ہوئے اور ولادت کے وقت پیروں کی طرف سے پیدا ہوئے نہ کہ سر کی جانب سے۔ جب زمین پر آئے تو مشک سے بہتر خوشبو آپ کے جسم اقدس سے پھیل گئی اور کونیا کو معطر بنا دیا تھا۔ پھر حضرت کعبہ کی جانب سجدہ میں گر پڑے۔ جب سجدہ سے سر اٹھایا تو ہاتھ آسمان کی جانب بلند کئے اور خدا کی وحدانیت اور اپنی رسالت کا اقرار کیا۔ پھر آپ کے جسم اقدس سے ایک نور ساطع ہوا جس نے مشرق و مغرب کو روشن کر دیا۔

اٹھارہواں معجزہ : ہرگز آپ محکم نہیں ہوئے اور نہ کبھی شیطانی خواب دیکھا۔ انیسواں معجزہ : یہ کہ جو فضلہ حضرت سے جدا ہوتا، مشک کی خوشبو اُس سے آتی اور کوئی اُس کو دیکھنے نہ پاتا تھا۔ بلکہ زمین مامور تھی کہ اس کو اپنے اندر چھپالے۔ بیسواں معجزہ : یہ کہ جس چوپائے پر حضرت سوار ہوتے درست صحیح ہوجاتا اور کبھی بڑھانہ ہوتا۔

ایسواں معجزہ : یہ کہ کوئی قوت میں آپ سے مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ بائیسواں معجزہ : یہ کہ تمام مخلوقات آپ کی حرمت کی رعایت کرتی تھی اور جس پتھر اور درخت کے پاس سے آپ گزرتے وہ حضرت کی تعظیم کے لیے خم ہوجاتا۔ اور حضرت کو سلام کرتا تھا۔

اور آپ کے بچپن میں چاند آپ کی گہوارہ جنمائی کرتا تھا۔

تیسواں معجزہ : یہ کہ جب حضرت نرم زمین پر سے گزرتے تو آپ کے پیروں کے نشانات نہیں پڑتے تھے اور جب پتھر پر چلتے تھے آپ کے پیروں کا نشان پڑتا تھا۔

چوبیسواں معجزہ : یہ کہ خداوند عالم نے لوگوں کے دلوں میں حضرت کی ہیبت ڈال دی تھی کہ باوجود آپ کی اس قدر تواضع و شفقت و مرحمت کے کوئی آپ کے چہرہ پر پورے طور سے نظر نہیں کر سکتا تھا۔ اور جو کافر و منافق حضرت کو دیکھتا خوف سے کانپنے لگتا اور دو ماہ کی راہ کے فاصلہ سے آپ کا رعب کافروں کے دلوں میں اثر کرتا تھا۔

حضرت کے دوسرے معجزات کی چند قسمیں ہیں :-

پہلی قسم :- آپ کی ولادت باسعادت کے معجزات -

خاصہ و عامہ نے متعدد طریقوں سے روایت کی ہے کہ آنحضرت کی ولادت باسعادت کی رات آسمانوں پر شیطانوں کو جانے سے روک دیا گیا۔ اس سبب سے آسمان سے شہاب (انگارہ) ظاہر ہوئے یہاں تک کہ لوگوں نے سمجھا کہ قیامت آجائے گی اور کائناتوں کا علم زائل ہو گیا اور جادوگر کا جادو کمزور ہو گیا اور دنیا میں جس قدر بت تھے منہ کے بل گر پڑے اور طاق کسریے میں جس کو بادشاہ عجم نے نہایت مستحکم تعمیر کرایا تھا اور ابھی کچھ باقی تھا لرزہ پیدا ہوا۔ اور چودہ لکھ لڑکے اُس کے ٹوٹ کر گر پڑے اور پوری عمارت درمیان سے پھٹ گئی اور زمین تک دو حصے ہو گئی، اور اب تک سوائے اس کے اُس میں شکستگی نہیں ہوئی اور جو عمل جملہ پر تعمیر کرایا تھا منہدم ہو گیا اور اُس میں پانی جاری ہو گیا اور دریائے ساوہ خشک ہو گیا جس کی پرستش کرتے تھے اور آج تک نگر سے جو کاشان کے نزدیک ہے اور فارس کا آتشکدہ جس کو ہزار سال سے پُجیتے تھے اُس رات گل ہو گیا۔ اور ساوہ کی بڑی نہر جو سالہا سال سے خشک تھی اُس میں پانی جاری ہو گیا اور حجاز کی طرف سے اُس رات ایک نور ساطع ہوا اور تمام عالم پر چھا گیا اور ہر بادشاہ کا تخت اُٹ گیا۔ اُس روز تمام بادشاہ گونگے ہو گئے تھے اور بات نہیں کر سکتے تھے اور مقرب فرشتے اور پیغمبروں کی پاک رُو میں حضرت کی ولادت باسعادت کے وقت حاضر ہوئیں اور رضوانِ غازی بہشت حوروں کے ساتھ نازل ہوئے اور بہشت کے سونے اور چاندی اور زمرد کے طشت اور حایان لے کر حاضر ہوئے اور جنابِ آمنہ کے لیے بہشت کے شربت لاتے جن کو انھوں نے پیا اور ولادت کے بعد آنحضرت کو بہشت کے پانی سے غسل دیا اور فردوس کے عطروں سے مسح کیا اور آپ کی پشت اقدس پر نہر نبوتِ شہت کی کہ نقشِ ابھر آیا اور بہشت کے سیندری کی پتے میں آپ کو لپیٹا اور تمام روحانیوں کے سامنے پیش کیا اور آسمانوں کے تمام فرشتے آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام

کیا اور حضرت کی ولادت کے وقت کعبہ معظمہ کے چار رکن زمین سے جدا ہو کر حضرت کے حجرہ مبارکہ کی جانب سجدہ میں گر پڑے اور ولادت کے عجیب و غریب واقعات اور وہ معجزات جو اس حالت میں رونما ہوئے اور اُس کے بعد جو نشوونما کے دنوں میں ظاہر ہوئے شمار و حساب سے زیادہ ہیں اور تھوڑا سا اُن کا ذکر حیات القلوب میں کیا گیا ہے

معجزہ کی دوسری قسم - وہ معجزات جو امیر آسمانی سے متعلق ہیں بہت ہیں -

معجزہ اول | سب سے پہلے شق القمر ہے - خداوند عالم نے فرمایا ہے اقربت السعۃ والنشق القمر یعنی قیامت نزدیک ہو گئی اور چاند ٹکڑے ہو گیا - اکثر مفسروں نے کہا ہے کہ یہ آیت اُس وقت نازل ہوئی جبکہ قریش نے آنحضرت سے معجزہ طلب کیا تو حضرت نے انگلی سے اشارہ کیا اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا پھر باہم مل گیا جب دوسرے شہر والوں سے پوچھا گیا تو انھوں نے بھی خبر دی کہ نصف چاند نما کعبہ پر گرا اور دوسرا نصف کوہ ابویس پر گرا -

دوسرا معجزہ | آفتاب کا مغرب سے واپس ہونا - خاصہ و عامہ کی بیشمار سندوں سے اسما بنت عمیس وغیرہ سے روایت ہے کہ ایک روز رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو کسی کام کے لیے بھیجا تھا اور جناب رسول خدا کے نماز عصر سے فارغ ہونے کے بعد جناب امیر واپس آئے - جناب رسول خدا نے اپنا سر مبارک امیر المومنین کی گردنیں رکھ کر بیٹے تھے کہ وحی نازل ہونا شروع ہوئی - جب وحی منقطع ہوئی تو آنحضرت نے فرمایا کہ اے علی تم نے نماز پڑھی - عرض کی یا رسول اللہ میں آپ کا سر مبارک زمین پر رکھنے کی ہجرت نہ کر سکا تو حضرت نے دعا کی کہ خداوند اعلیٰ تیری اور میرے رسول کی اطاعت میں تھے آفتاب کو پٹا دے - اسما کہتی ہیں کہ خدا کی قسم میں نے دیکھا کہ آفتاب پلٹ آیا اور اس قدر بلند ہوا کہ اُس کی شعاعیں زمین پر پڑیں تو حضرت امیر المومنین نے نماز پڑھی - پھر آفتاب یکبارگی غروب ہو گیا - اسی معجزہ کے مثل ایک معجزہ جناب رسول خدا کی وفات کے بعد واقع ہوا -

تیسرا معجزہ | آنحضرت کی ولادت کے وقت ستاروں کا ٹوٹنا اور شہاب ثاقب کا ظاہر ہونا جیسا کہ مذکور ہوا -

چوتھا معجزہ | آسمان سے اہل بیت کے لیے خوان کا نازل ہونا -

پانچواں معجزہ | بجلیاں اور عذاب جو آپ کے بعض دشمنوں پر نازل ہوئے -

چھٹا معجزہ | جمادات و نباتات کا آنحضرت کی اطاعت کرنا اور وہ تمام جو کچھ آنحضرت

سے ظاہر ہوئے جیسے یہ معجزہ کہ خرما کی کڑی کا نالہ کرنا جس سے آنحضرتؐ پشت ٹیک کر کھڑے ہوتے تھے۔ جب آنحضرتؐ کے لیے منبر بنایا گیا تو حضرت کی مفاہرت سے اُس کا نالہ و فریاد کرنا۔ اور آنحضرتؐ کا درخت کو طلب کرنا اور اس کا قبول کرنا اور آنحضرتؐ کے پاس آنا، اور آنحضرتؐ کے اشارہ سے بتوں کا منہ کے بل کرنا اور درخت خشک کا ایک آن میں سرسبز ہو کر پھل دینا اور درخت و پتھر کا حضرت کو سلام کرنا اور حضرتؐ کا مسلمانوں کے لیے درخت خرابو نا اور فوراً اُس کا پڑا ہو کر پھل دینا۔ اور زمین کا سراقہ کے پیروں کو اندر کودھنسا دینا۔ اس قسم کے معجزات حد و حساب سے زیادہ ہیں۔

تیسری قسم معجزات کی حیوانات کا آنحضرتؐ سے گفتگو کرنا ہے۔ جیسے ہرنوں، شیر، بھیرتیے، سوسہار، اور بیاں بکری کے بچہ اور آنحضرتؐ کے ناقہ کاشیب عقبہ کلام کرنا اور غلام آنحضرتؐ سیفینہ کو شیر کا راستہ بتانا اور آنحضرتؐ کی رسالت پر مختلف حیوانات کا گواہی دینا۔ اس طرح کے بہت سے معجزات ہیں۔

چوتھی قسم - مُردوں کے زندہ کرنے اور اندھوں کے بینا کرنے اور بیماروں کے شفا پانے میں آنحضرتؐ کی دعا کا مستجاب ہونا۔

پانچویں قسم - آنحضرتؐ صلعم کا دشمنوں پر غالب ہونا اور اُن کے شر سے محفوظ رہنا، اور آسمان سے فرشتوں کا حضرتؐ کی مدد کے لیے نازل ہونا جیسا کہ جنگ بدر، احد وغیرہ میں ہوا اور اُن کی علامت لوگوں پر ظاہر ہوئی۔

چھٹی قسم - آنحضرتؐ کا شیاطین پر غالب ہونا اور جنوں کا ایمان لانا جیسا کہ قرآن مجید اس پر ناظر ہے اور بہت سی حدیثوں میں وارد ہوا ہے اور شیاطین کے لیے آسمان پر جانے کی ممانعت ہونا اور اُن کو شہابِ ثاقب سے بھگایا جانا قرآن مجید میں مذکور ہے۔

ساتویں قسم - پوشیدہ اور آئندہ کے امور کی خبر دینا اور بنی اُمیہ کی بادشاہی کے بارے میں خیر و جاکہ ہزار ماہ تک بادشاہی کریں گے اور بنی عباس کی حکومت کی پیشین گوئی فرمانا اور اہلبیت کی مظلومیت، جناب امیر اور حسین علیہم السلام کی شہادت کی خبر دینا اور ہر ایک کی شہادت کی کیفیت بیان فرمانا اور بادشاہانِ عم کے ملک کے ختم ہونے اور نصاریٰ کی حکومت باقی رہنے کی پیشین گوئی۔ اور امام رضا علیہ السلام کی شہادت اور خراسان میں اُن کے دفن ہونے کی خبر دینا اور جناب عمار اور دوسروں کی شہادت کی اطلاع دینا اور اس کی کیفیت بیان فرمانا اور امیر المومنینؑ کے عائشہ، طلحہ، زینر، ثعابہ اور عمار ج سے جنگ کرنے کی پیشین گوئی کرنا اور ابوذرؓ کے مظلوم ہونے اور مدینہ سے اخراج بلکہ اُن تمام واقعات کی خبر دینا جو آپ کے بعد اہلبیت اور دوسرے صحابہ پر واقع ہوئے اور

بادشاہ حبشہ نجاشی کی وفات کی خبر دینا جس وقت وہ فوت ہوئے اور جنگ تبوک میں شہادت جناب جعفر طیارؓ و زید و عید اللہ بن رواحہ کی خبر ان کی شہادت کے وقت دینا اور حبیب بن عدی کی شہادت کی اطلاع دینا اور اُس مال سے آگاہ فرمانا جسے جناب عباسؓ نے مکہ میں چھپا رکھا تھا اور جو کچھ منافقین اپنے گھروں میں کتے اور صحابہ جو کچھ اپنے گھروں میں کرتے تھے اُن سب کی اطلاع دینا اور اکثر لوگوں کو جو حضرت کے پاس آتے تھے۔ اُن کے بدلنے سے پہلے ان کی حاجتیں بیان کرنا حالانکہ اُن حضرت کی کم سخنئی ظاہر تھی جبکہ معجزہ سے موقع غالی ہوتا تھا جو شخص ان معجزات کی تفصیل دیکھنا چاہے کتاب حیات القلوب کی جانب رجوع ہو۔

آٹھویں قسم۔ آنحضرتؐ کے معراج کے معجزات کا بیان جس پر قرآن مجید کے نصوص صریحہ و دلالت کرتے ہیں۔ اور دین اسلام کی ضروریات میں سے ہے اور اُن کا منکر کافر ہے اور بعض قاصر لوگوں نے جو اُس کی خصوصیات میں اختلاف کیا ہے، عدم تنبیح یا قلت تدبیر کا نتیجہ ہے کیونکہ عامہ میں سے بعض نے اختلاف کیا ہے کہ معراج خواب میں ہوئی کہ بیداری میں جسم کے ساتھ ہوئی یا تنہا۔ روح کو معراج ہوئی یا روح و بدن کے ساتھ ہوئی۔ اور مسجد اقصیٰ تک محدود تھی یا آسمان تک ہوئی۔ اور بعض شیعہ تکلمین نے بھی ان اختلافات میں سے بعض کے ذکر میں ان کی متابعت کی ہے کہ ان دو جہتوں میں سے ایک جو مذکور ہوئی اور جو کچھ آیات کریمہ اور احادیث متواترہ خاصہ و عامہ سے ظاہر ہوتا ہے یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے جناب رسول خداؐ کو ایک رات میں مکہ معظمہ سے مسجد اقصیٰ کی جانب جو شام میں ہے لے گیا پھر وہاں سے آسمانوں اور سدرۃ المنتہیٰ تک لے گیا، اور عرش اعلیٰ کی سیر کرائی اور آسمانی عجائب آنحضرتؐ کو دکھائے اور پوشیدہ لایوں اور بے انتہا معارف سے حضرت کو سرفراز فرمایا اور آنحضرتؐ نے بیت المعمور میں اور عرش الہی کے نیچے عبادت میں قیام کیا اور ارواح انبیاء سے مع اُن کے جسموں کے طلاقات کی اور بہشت جنہر سرشت میں داخل ہوئے اور اہل بہشت کے منازل مشاہدہ کئے اور احادیث خاصہ و عامہ اس پر دلالت کرتی ہیں کہ آنحضرتؐ کا عروج بدن کے ساتھ تھا اور بیداری میں تھا عالم خواب میں نہ تھا قدیم علمائے شیعہ کے درمیان اس میں اختلاف نہ تھا۔ چنانچہ ابن بابویہ اور شیخ طوسی وغیرہ نے ان مراتب کی تصریح کی ہے اور اتفاق کیا ہے کہ معراج مشہور ہجرت سے پہلے واقع ہوئی اور احتمال ہے کہ مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد بھی واقع ہوئی ہو جیسا کہ کچھ لوگ قائل ہوتے ہیں کہ معراج دوم مرتبہ ہے ابن بابویہ، صفار اور دوسرے محدثین نے بسند ہائے معتبرہ حضرت صادقؑ سے روایت کی ہے کہ خداوند تعالیٰ آنحضرتؐ کو ایک آسمان چوبیس مرتبہ آسمان پہلے لے گیا اور ہر مرتبہ امیر المؤمنینؑ اور تمام آئمہ طاہرینؑ کی ولایت و محبت کی تمام فرائض سے زیادہ تاکید کی اور حضرت صادقؑ سے منقول ہے

کہ وہ شخص ہم سے نہیں ہے جو ان چار چیزوں میں سے ایک کا بھی انکار کرے (۱) معراج (۲) قبر میں سوال ہونا (۳) بہشت و دوزخ کا مخلوق ہونا اور (۴) شفاعت۔ حضرت امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص معراج پر ایمان نہ لائے تو اس نے آنحضرت صلعم کی تکذیب کی ہے۔ نویں قسم۔ آنحضرت کے فضائل و مناقب کا مختصر بیان۔ جانا چاہیے کہ آنحضرت تمام انسانوں پر غواہ وہ عرب کے ہوں یا عجم کے ہوں اور جنوں پر نبص قرآن مجسوت ہوئے اور آپ کا دین تمام پیغمبروں کے دینوں کا منشوخ کرنے والا ہے۔ آنحضرت کے بعد کوئی پیغمبر نہ ہوگا۔ اور آنحضرت تمام انس و جن و ملائکہ وغیرہ ساری مخلوقات سے افضل ہیں اور امیر المؤمنین اور تمام امم علیہم السلام بھی افضل ہیں اور یہ جو بعض غلو کرنے والے کہتے ہیں کہ امیر المؤمنین جناب رسالت مآب سے بھی افضل تھے کفر ہے۔ اور آنحضرت تمام صفات کمالیہ بشری کے حامل تھے۔ آنحضرت کے معجزات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایسے گروہ کے درمیان نشوونما پائی جو تمام اخلاق حسنہ سے عاری تھے۔ اور ان کی زندگی کا دار و مدار عصبیت، کینہ، فساد، نزاع اور اپنی تعریف اور افتخار پر تھا۔ اور حج میں حیوانوں کی طرح ہنگے ہو جاتے اور کعبہ کے گرد تالیاں اور شیشیاں بجاتے اور اچھلتے کودتے تھے۔ یہ تھی ان کی عبادت اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اور ان کے تمام اطوار کیسے ہوں گے اور اس وقت جبکہ ہزار سال سے زیادہ حضرت کی بعثت کو گزر چکے ہیں اور شریعت مقدسہ نے طوعاً و کرہاً ان کی اصلاح کی ہے جو شخص صحرائے مکہ میں ان کو دیکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ مختلف خصائل میں چوپالیوں سے بدتر ہیں۔ ایسے گروہ کے درمیان آنحضرت تمام اخلاق حسنہ و اطوار حمیدہ کے ساتھ پیدا ہوئے۔ جیسے علم، علم، کرم، سخاوت، شجاعت اور موت وغیرہ تمام صفات کمالیہ سے آراستہ کہ علمائے خاصہ و عامہ نے اس باب میں کتابیں لکھی ہیں اور ان سو حصوں میں سے ایک حصہ کا بھی احصاء کر سکے اور عجز کا اعتراف کیا ہے میں نے ان میں سے بہت تھوڑا سا حیات القلوب میں لکھا ہے۔

ایضاً۔ اس پر امامیہ کا اجماع ہے کہ آنحضرت اور آئمہ اطہار کے باپ دادا آدم تک سب کے سب مسلمان رہے ہیں۔ بلکہ سب انبیاء و اوصیاء تھے۔ کوئی ایک کافر نہ تھا اور آذر جو کافر تھا حضرت ابراہیم کا باپ نہ تھا۔ بلکہ چچا تھا چونکہ اس نے حضرت ابراہیم کی پرورش کی تھی اس لیے حضرت اس کو باپ کہتے تھے۔ حضرت ابراہیم کے والد بزرگوار تاریخ تھے جو حدیثیں اس کے خلاف دلالت کرتی ہیں وہ تفتیہ پر محمول ہیں۔ جناب عبداللہ اور حضرت آمنہ دونوں مسلمان تھے اور جناب عبدالملک حضرت ابراہیم کے اوصیاء میں سے تھے۔ اسی طرح آپ کے آبا و اجداد حضرت اسمعیلؑ، یحییٰؑ، یونسؑ، یونسؑ اور حضرت ابوطالب علیہ السلام پر جناب امیر علیہ السلام حضرت عبدالملک

کے بعد وصی تھے۔ اور کبھی آپ نے بتوں کی پرستش نہیں کی اور نہ کافر تھے۔ لیکن مصلحت کی بنا پر اپنا ایمان اپنی قوم سے پوشیدہ رکھتے تھے تاکہ آنحضرت کی رعایت و اعانت بہتر طریقہ سے کسب کیں اور وصیتیں اور تبرکات جناب ابراہیم و اسماعیل اور تمام انبیاء و اوصیاء کی کتابیں ان کے پاس تھیں اور اپنی وفات کے وقت جناب رسول خدا کو سپرد کیں۔ اور اسی وقت اظہار اسلام کیا۔ لہذا احادیث میں وارد ہوا ہے کہ وہ اصحاب کف کے مانند تھے جو اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھتے تھے اور تقیہ کی بنا پر کفر کو ظاہر کیا تھا۔ تو خداوند عالم نے ان کے ثواب کو بہت زیادہ کر دیا۔ اس بارے میں احادیث متواترہ اہلبیت علیہم السلام سے وارد ہوتی ہیں اور اسلام ابو طالب اور آنحضرت کے آباؤ اجداد کا ایمان ضروریات دین شیعہ سے ہے۔ احادیث متواترہ میں وارد ہوا ہے کہ وہ ہمارا شیعہ نہیں جو ابو طالب کے اسلام کا قائل نہیں ہے۔ ان حضرت کے باپ دادا اور آئمہ علیہم السلام کی مائیں سب عقیقہ، نجیبہ اور کرمہ تھیں اور کسی برائی سے متم نہ تھیں۔ جس وقت ان کا نطفہ ان کے باپ داداؤں کا نطفہ ان کے رحموں میں قرار پایا وہ مسلمان رہا ہیں۔ لیکن لازم نہیں ہے کہ ہمیشہ مسلمان رہی ہوں۔ جیسے شہر بانو۔ مادر علی بن الحسین علیہما السلام اور اکثر آئمہ کی مائیں جو کبیر تھیں کیونکہ حالت کفر میں ان کا نطفہ ان کے رحم میں نہ تھا۔ بخلاف ان کے اجداد کے۔ جب تک ان کا پاک نطفہ ان کے صلب میں رہا ہے چاہے کہ ہرگز کافر نہ رہے ہوں۔ اور یہ بات عقلی و نقلی دلیلوں سے ظاہر و باہر ہے۔ لیکن اکثر اس بارے میں متعرض نہیں ہوتے ہیں واللہ الموفق۔

دسویں قسم۔ اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا آپ فرشتوں پر مبعوث تھے یا نہیں۔ اس امر میں توقف زیادہ بہتر ہے۔ لیکن بہت سی حدیثوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت کی اور آپ کے اوصیاء کی ولایت کی میثاق خدا نے تمام فرشتوں سے لی تھی اور تمام فرشتے آپ حضرات کے مطیع و فرمانبردار ہیں۔ فرشتوں نے ان کے انوار مقدسہ سے خدائے تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس و تہنیر یہ سیکھی اور کوئی فرشتہ زمین پر کسی ضرورت سے نہیں آتا۔ مگر یہ کہ پہلے امام علیہ السلام کی خدمت میں آتا ہے۔ اس کے بعد اس کام کے لیے جاتا ہے اور جبرئیل علیہ السلام آنحضرت کی اجازت کے بغیر آپ کے گھر میں داخل نہیں ہوتے تھے۔ اور جب داخل ہوتے تھے تو غلاموں کی طرح ادب سے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیٹھتے تھے۔

گیارہویں قسم۔ اس میں اختلاف ہے کہ جناب رسول خدا بعثت سے پہلے آیا کسی سابقہ شریعت پر عمل کرتے تھے یا نہیں؟ بعضوں کا اعتقاد یہ ہے کہ کسی شریعت سے الگ نہیں تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ تھے اور بعض نے توقف کیا ہے۔ فرقہ دوم میں بھی اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ حضرت شرح کی شریعت پر عمل کرتے تھے۔ بعض شریعت ابراہیم کہتے ہیں۔ بعض جناب موسیٰ کی شریعت اور

بعض حضرت عیسیٰؑ کی شریعت پر عمل پیرا ہونا کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ تمام شریعتوں پر عمل کرتے تھے۔ لیکن میرے نزدیک یہ ہے کہ بعثت کے بعد آنحضرتؐ اپنی شرع کے علاوہ کسی دوسرے کی شریعت پر عمل نہیں کرتے تھے۔ اور آنحضرتؐ کی شریعت تمام شریعتوں کی ناسخ تھی لہذا آپ سے جس امر کے بارے میں لوگ سوال کرتے تھے۔ جب تک وحی نازل نہیں ہوتی تھی آپ جواب نہ دیتے تھے اور کسی امر میں سابقہ کتابوں سے متمسک نہیں ہوتے تھے اور زنا کار کے بارے میں سنگساری کا حکم جو قرینیت سے حضرت نے بنایا تھا یہودیوں پر حجت کے لیے تھا اور ان کے قول (انکار) کو جھٹلانے کی غرض سے تھا اور ان کی کتابوں پر اپنے علم کا اظہار تھا اور جن آیتوں سے انبیاء کی متابعت کا اظہار ہوتا ہے وہ اصول دین میں ہے جو تمام دینوں میں متفق علیہ ہے۔ اور تبلیغ رسالت میں ان کی موافقت اور امور شائقین محل و صبر کے بارے میں ہے۔ لیکن بعثت سے پہلے بہت سی دلیلیں ہیں کہ آنحضرتؐ عبادت میں اور مکارم اخلاق میں تتبع اور محرمات سے پرہیز اور براہِ بزرگے آداب میں ہر شخص سے زیادہ اہتمام فرماتے تھے۔ کیسے ممکن ہے کہ تمام خلق سب بلوغ میں شریعت میں مکلف ہوتے ہیں۔ اور خدا کی عبادت کرتے ہیں اور عواشرف مخلوقات ہو چالیس سال تک کسی عبادت کا مطلق مکلف نہ ہو اور اپنے دین کا راستہ نہ جانتا ہو۔ باوجودیکہ اس پر اتفاق ہے کہ آنحضرتؐ طرح طرح سے عبادت کرتے تھے اور ہجرت سے پہلے پوشیدہ طور سے بیس حج بجالاتے تھے اور آداب حسنہ مثل تسبیح و تہجد و تسلیم کے اور ترک محرمات و مکروہات اور روزہ اور انواع عبادت آنحضرتؐ سے صادر ہوتے تھے اور نہیں ممکن ہے کہ یہ سب دوسروں کی شریعت کی متابعت میں بجالاتے ہوں۔ کسی وجہوں سے ایسا ممکن نہیں ہے۔

پہلی وجہ : اگر دوسرے پیغمبر کی شریعت پر عمل کرتے تو اس کی رعایا میں سے ہوتے۔ پھر اس پیغمبر کو آپ سے افضل ہونا چاہیے تھا اور یہ ضروریات دین کے خلاف ہے۔

دوسری وجہ : یہ کہ چاہیے کہ اس پیغمبر کی شریعت جلتے ہوں تاکہ اس کی شرع پر عمل کریں۔ اگر وحی کے ذریعے سے جانا تو پیغمبر ہوتے اور اپنی شریعت پر عمل کیا جو دوسرے پیغمبر کی شریعت کے موافق ہوگی۔ اگر بغیر وحی کے جانا تو چاہیے کہ ان کے علماء سے اخذ کیا ہو اور آپ کے معجزوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ لکھتے پڑھتے نہ تھے اور علمائے کتاب کے ساتھ رہتے نہ تھے اور انبیاء کے حالات جس طرح ان کی کتابوں میں تھے بیان کیا تو کس طرح ان سے حاصل کیا۔ ایضاً۔ اس زمانہ میں اکثر علمائے اہل کتاب فاسق و فاجر تھے تو کس طرح ان کے کہنے پر اعتماد کیا جاسکتا تھا۔

تیسری وجہ : یہ کہ بہت سی حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ دنیا میں کوئی زمانہ حجت خدا سے خالی نہیں ہوتا اگر جناب رسول خدا تکلیف کی ابتداء میں پیغمبر نہ تھے تو چاہیے کہ وحی عیسیٰؑ یا

وصی ابراہیمؑ کی پیروی کریں اور ان پر ایمان لائیں اور ان کے تابع ہوں لہذا چاہیے کہ اس بات کو اکثر اہل مکہ جانتے ہوں اور بیان کیا ہو قطع نظر اس کے لازم آتا ہے کہ آنحضرتؐ کا مرتبہ اس وصی سے پست ہو۔ حالانکہ تمام خلق پر آنحضرتؐ کی افضلیت دین اسلام کی ضروریات سے ہے۔ لہذا ہم کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کی پیغمبری ہمیشہ سے رہی ہے اور ہمیشہ حضرت وحی والہام الہی کے ذریعہ سے اپنی شریعت پر عمل فرماتے تھے۔ اور چالیس سال کے بعد رسول ہوئے اور مامور ہوئے کہ لوگوں کو خدا کی جانب دعوت دیں۔ اس کی کئی وجہیں ہیں۔ (پہلی وجہ) یہ کہ خاصہ و عامہ نے خود آنحضرتؐ سے روایت کی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں اُس وقت پیغمبر تھا۔ جبکہ آدمؑ آب و گل کے درمیان تھے۔ بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں کہ روح آنحضرتؐ کو عالم ارواح میں انبیا کی روحوں پر مبعوث کیا اور سب آپؐ پر ایمان لائے اور فرشتوں نے خدا کی تسبیح و تقدیس حضرت اور آپ کے اہلبیت سے سیکھی۔ (دوسری وجہ) یہ کہ امیر المؤمنین علیہ السلام نے خطبہ قاصیہ میں فرمایا کہ خداوند عالم نے اپنے پیغمبر کے ساتھ ایک سب سے بڑے فرشتے کو کیا تھا جب کہ آنحضرتؐ کا دودھ چھوڑا گیا تھا۔ وہ فرشتہ آپ کو مکارم افعال اور محاسن اخلاق کے راستہ کی شب و روز رہنمائی کرتا تھا۔ یہی پیغمبری کے معنی ہیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ حضرت اپنے دین کے طریقے فرشتے سے حاصل کرتے تھے۔ (تیسری وجہ) یہ کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہوا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے جناب ابراہیمؑ کو اپنا بندہ خاص قرار دیا، قبل اس کے کہ ان کو پیغمبر قرار دے۔ اور پیغمبر بنایا، قبل اس کے کہ ان کو رسول بنائے۔ اور رسول قرار دیا، قبل اس کے کہ ان کو خلیل قرار دے اور خلیل قرار دیا، قبل اس کے کہ ان کو امام بنائے۔ اور حدیث میں وارد ہوا ہے کہ نبی وہ ہے جو خواب میں دیکھتا ہے، جیسے خواب ابراہیمؑ اور جیسے کہ آنحضرتؐ اسباب پیغمبری دیکھتے تھے، قبل اس کے کہ جبرئیلؑ رسالت کی وحی اُن کے لیے لائیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ پیغمبری رسالت سے ہوئی۔ (چوتھی وجہ) بہت سی صحیح حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ رسول خداؐ اور ائمہ ہدیٰ صلوات اللہ علیہم ابتدائے عمر سے آخر عمر تک روح القدس سے تائید یافتہ تھے۔ جو ان کو تعلیم دیتی اور صحیح راستہ پر قائم رکھتی اور سو و نسیان و خطا سے محفوظ رکھتی تھی۔ (پانچویں وجہ) قرآن اور احادیث معتبرہ کی نص سے ثابت ہے کہ حضرت رسول خداؐ افضل انبیاء ہیں اور بر فضیلت و کرامت جو دوسرے پیغمبروں کو دی گئی ہیں آنحضرتؐ کو اُن سب سے زیادہ کرامت ہوئی ہیں۔ کیسے ممکن ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام گوارہ میں پیغمبر ہوں اور حضرت یحییٰؑ یسعی میں شرف نبوت سے فائز ہوں اور جناب رسول خداؐ باوجود اس قدر بلند مرتبت کے چالیس سال تک خلعت نبوت سے محروم رہیں۔ ایضاً بہت سی حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ ائمہ صلوات اللہ علیہم وقت طفولیت میں بلکہ ولادت کے

وقت اُن سے آثارِ علم و کمالِ ظاہر بر وقتاً تھا اور حضرت قائم علیہ السلام نے بچپن میں اپنے پدرِ بزرگوار کی گود میں مشکل اور مبہم مسائل کا جواب دیا اور حضرت جواد علیہ السلام نو سال کی عمر میں تین روز میں تیس ہزار مشکل مسائل کو حل کیا اور نہایت واضح طور پر بیان فرمایا تو کیسے ہو سکتا ہے کہ جناب رسالت مآب اُن سے کمتر ہوں۔ (چھٹی وجہ) اس میں اختلاف ہے کہ حضرت اقدس الہی نے آنحضرت کا نام آئی کیوں رکھا ہے۔ اکثر لوگوں نے کہا ہے کہ یہ اس سبب سے تھا کہ آنحضرت پڑھتے لکھتے نہ تھے اور حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ حضرت کا آئی نام ام القریٰ کی نسبت سے وارد ہوا ہے جو مکہ مشرف میں ہے اور اس میں اختلاف نہیں ہے کہ آنحضرت نے بعثت سے پہلے کسی سے لکھنے پڑھنے کی تعلیم نہیں حاصل کی تھی۔ چنانچہ قرآنی نص اس پر دلالت کرتی ہے۔ اختلاف اس میں ہے کہ بعثت کے بعد حضرت لکھ پڑھ سکتے تھے یا نہیں حتیٰ یہ ہے کہ آپ اس پر قادر تھے چنانچہ وحی الہی کے ذریعے ہر چیز کو جانتے تھے اور بقدرتِ خدا جن کاموں سے دوسرے عاجز تھے حضرت کر سکتے تھے لیکن مصلحتاً خود نہیں لکھتے تھے اور خدا کی وحی کو دوسروں سے لکھواتے تھے اور زیادہ تر دوسروں کو خطوط پڑھنے کے لیے فرماتے تھے۔ اور حضرت صادقؑ سے منقول ہے کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خط پڑھتے تھے اور لکھتے نہ تھے اور بسند معتبر منقول ہے کہ ایک شخص نے امام محمد تقیؑ سے پوچھا کہ کیوں جناب رسولِ خدا کو آئی کہا گیا۔ حضرت نے فرمایا کہ غیر کیا کہتے ہیں۔ عرض کی کہتے ہیں کہ کچھ لکھ نہ سکتے تھے۔ فرمایا کہ جھوٹ کہتے ہیں اُن پر خدا کی لعنت ہو خدا کی قسم آنحضرت بہتر زبانوں میں پڑھتے اور لکھتے تھے۔ بلکہ خدا نے ان کو امی اس لیے کہا کہ حضرت اہل مکہ سے تھے اور مکہ کا ایک نام امی القریٰ ہے۔

دوم۔ آنحضرت کے بہت سے خصوصیات تھے جن میں دوسرے شریک نہ تھے۔ پہلی خصوصیت یہ کہ نمازِ شب و نمازِ وتر آنحضرت پر واجب تھی۔ (دوسری خصوصیت) آنحضرت پر قربانی واجب تھی۔ (تیسری خصوصیت) بعضوں نے کہا کہ سواک کرنا حضرت پر واجب تھا۔ (چوتھی خصوصیت) اصحاب سے مشورہ کرنا بعضوں نے کہا ہے کہ واجب تھا۔ (پانچویں خصوصیت) ہر بلائی جو ملاحظہ فرماتے ضرور اُس سے انکار کرتے۔ (چھٹی خصوصیت) عذر نوں کو اختیار دینا جو کتابِ مطلق میں مذکور ہے۔ (ساتویں خصوصیت) زکوٰۃ واجب کا آنحضرت اور آپ کی ذریت پر حرام ہونا اور زکوٰۃ سنت و صدقات کی حرمت میں اختلاف ہے۔ (آٹھویں خصوصیت) اُس شخص کے قرض کا ادا کرنا واجب تھا جو مر جائے اور فقیر ہو۔ (نویں خصوصیت) کہتے ہیں کہ آنحضرت کو لہسن و پیاز سے رغبت نہ تھی بعضوں نے کہا ہے کہ حضرت پر وہ چیزیں حرام تھیں۔ (دسویں خصوصیت) یہ کہ پہلو ترکیب کر کے کھانا پسند نہ فرماتے تھے بعضوں نے کہا ہے کہ اس طرح کھانا حضرت پر حرام تھا۔ (گیارہویں خصوصیت)

بعضوں نے کہا کہ خط لکھنا اور شعر کہنا حضرت پر حرام تھا۔ (اور یہ) ثابت نہیں ہے۔ (بارہویوں خصوصیت)
 روزہ میں وصال آنحضرت کے لیے جائز تھا۔ اور دوسروں پر حرام تھا۔ وصال اُس کو کہتے ہیں کہ
 دو روزوں کے درمیان افطار نہ کرے یا افطار کرنا سحر تک بالقصد متوی رکھے۔ (تیرہویوں
 خصوصیت) آنحضرت کے لیے دائمی عقد چار سے زیادہ عورتوں سے جائز تھا اور دوسروں پر حرام
 (چودھویں خصوصیت) آنحضرت کے لیے وہ عورت بغیر نکاح حلال تھی جو اپنا نعش آپ کو بخش دے
 (پندرہویں خصوصیت) آنحضرت کی عورتیں دوسروں پر آپ کی حیات و ممات دونوں حالتوں میں
 حرام تھیں خواہ آپ نے دخل کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ (سولہویں خصوصیت) حرام تھا کہ آنحضرت کو آپ
 کا نام لے کر پکاریں کہ یا محمدؐ اور یا احمدؑ کہیں اور خداوند عالم نے بھی قرآن مجید میں کسی جگہ آنحضرت
 کا نام لے کر نہیں پکارا ہے۔ بلکہ یا ایہا النبیؐ اور یا ایہا الرسولؐ اور یا ایہا المرسلؐ اور یا ایہا المرسلونؐ
 فرمایا ہے۔ (سترہویں خصوصیت) لوگوں کے لیے حرام تھا کہ بات کرنے میں آنحضرت کی آواز
 سے اپنی آواز بلند کریں۔ (اٹھارہویں خصوصیت) لوگوں پر حرام تھا کہ آپ کو جھروں کے پیچھے سے
 آواز دیں۔ ان کے علاوہ دوسرے خصوصیات بھی ذکر کئے گئے ہیں جو میرے نزدیک ثابت نہیں ہیں۔
 اور اس رسالہ میں ذکر کے قابل نہیں ہیں اور نہ مناسب ہے۔ حیات القلوب میں اگر چاہیں ملاحظہ کریں

پانچواں باب

امامت کا بیان

امام سے مراد وہ شخص ہے جو اُمت کا دین و دنیا کے تمام اُمور میں مقتدا اور پیشوا ہو جس
 طرح پیغمبرؐ عمل کرتے تھے پیغمبر کی نیابت و جانشینی کی حیثیت سے ذکر استقلال کی صورت سے اور
 اس میں چند مقصد ہیں۔

پہلا مقصد نصب امام کا واجب ہونا۔ واضح ہو کہ اُمت نے اختلاف کیا ہے اس میں کہ
 امام کا اُسی معنی میں جو مذکور ہوا نصب کرنا ضروری اور واجب ہے یا نہیں۔
 اور واجب ہونے کی صورت میں خدا پر واجب ہے یا اُمت پر؟ نیز اس میں بھی اختلاف ہے کہ اس
 کے وجوب پر عقل حکم کرتی ہے یا شرع سے معلوم ہوا ہے ان کے اختلاف کے ذکر سے کوئی فائدہ نہیں
 بلکہ جس پر فرقہ ناجیہ نے اتفاق کیا ہے یہ ہے کہ عقلاً و ممعاً امام کا نصب کرنا خدا پر واجب ہے۔

پسند عقلی و جوفیل میں درج کی جاتی ہیں۔

پہلی وجہ۔ ہر وہ دلیل جو انبیاء کے بھیجنے کے وجوب پر دلالت کرتی ہے، نصب امام پر بھی دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ معلوم ہے کہ لوگوں کو ان کے دین و دنیا کے امور کے انتظام کے لیے ایک رئیس اور سرکردہ کا ہونا ضروری ہے، جو مختلف امور میں اُن کو راہِ راست کی ہدایت کرے اور ان کی معاشرت میں ضرورتاً جو نزاع، جھگڑے اور فسادات پیدا ہوں اُن کو سنی و انصاف کے ساتھ حل کرے۔ تمام عقلمند اس معنی پر متفق ہیں اور ایسا شخص یا نبی ہے یا امام ہے جو اُس کا جانشین ہے خصوصاً جناب رسول خدا کے بعد جو قائم پیغمبر ہیں کسی دوسرے پیغمبر کی بعثت کی امید نہیں ہے۔

دوسری وجہ۔ یہ کہ نصب امام لطف ہے اور لطف خدا پر عقلاً واجب ہے نیز صلح خدا پر واجب ہے اور اس میں شک نہیں ہے کہ بندوں کے لیے تمام احوال میں اور وجوہ کے زمانہ سے اصلاح ایک رئیس و حاکم ہے جس کے اختیار میں مطلقاً اُن کا دین و دنیا ہو اور ایسا رئیس یا پیغمبر ہے یا امام جس زمانہ میں کسی پیغمبر نہ ہو اُن کے تمام حالات امام پر منحصر ہیں۔

تیسری وجہ۔ یہ کہ بعثت رسول انہی حضرات کے زمانہ تک مخصوص و محدود نہ تھی۔ بلکہ حضرت تمام خلق پر قیامت تک کے لیے مبعوث ہوئے ہیں اور ان کے لیے ایک کتاب لائے۔ اور ایک شریعت خدا کی جانب سے مقرر ہوئی اور ہر امر میں یہاں تک کہ کھانے پینے اور جماع کرنے اور ہیبت اٹھانے کے آداب و طریقے اُن کے لیے مقرر کئے اور فرائض اور وراثت اور مقدمات و معاملات میں احکام واقعہ حقہ وحی الہی کے ذریعہ مقرر کئے اور آنحضرت کی مدت بعثت قلیل مدت تھی۔ اور اُس مدت میں بظاہر قلیل جماعت نے اسلام کا اقرار کیا اور ان میں بہت سے باطن میں منافق تھے، پھر کون عاقل یہ تجویز کرتا ہے کہ خدا اور رسول ایسے امرِ عظیم کو ناتمام چھوڑ دیں گے۔ اور اس شریعت اور ملت اور کتاب و سنت کا جو کذب و سہو و تبدل سے محفوظ و مطمئن ہیں کوئی محافظ نہ مقرر کریں گے اور کچھ اور ظاہر و باطن مطالب کی حامل کتاب ان میں چھوڑ دیں گے جبکہ ابھی اس کتاب کی ترتیب اور وہ صحیح بھی نہ ہوئی ہو، اور جو کچھ اس میں ہو انتہائی اجمال کے ساتھ ہو کہ جو جس طرح چاہے سمجھے اور کسی کو اُس کا مفسر نہ معین کیا ہو۔ یا یہ کہ ہزاروں احکام میں سے ایک ضروری حکم ظاہر میں اس میں نہ ہو۔ اور احادیثِ سنت میں نہایت اختلاف و تشویش ہو اور چند نو مسلموں کو جن میں سے ہر ایک فاسد فرائض رکھتا ہو امت کا امیر قرار دیں جو جس باطل امر کو چاہیں اپنے لیے معین کریں اور وہ باطل پر داز ناواقف ہر امر میں صحابہ کو جمع کر کے اور خود دلدل میں پھنسنے ہوئے گدھے کے مانند ہو اور اس سے اور اُس سے دریافت کرے تاکہ اپنے باطل اغراض کے مطابق ایک کو ترجیح دے۔ جو شخص تھوڑی عقل بھی رکھتا ہے ایسے امرِ شنیع کو خدا اور رسول کے لیے جائز نہیں

قرار دیتا۔ اور خداوند تعالیٰ باوجود اس رافت و رحمت کے جو بندوں کے ساتھ خصوصاً اس امت کے ساتھ رکھتا ہے اور پیغمبر باوجود اس مہربانی اور شفقت کے جو امت سے ہے، کس طرح ایسی حیران کن اور مگر اہی کا باعث ان کے لیے ہوں گے۔ ایسا بزرگت پیغمبر جس نے وہ تمام اذیتیں اور تکلیفیں اپنے بدن شریف اور روح اقدس پر امت کی ہدایت کے لیے برداشت کیں کیسے ممکن ہے کہ اس نے یکبارگی ہاتھ اُن سے اٹھالیا اور کوئی رئیس اُن کے لیے قرار نہ دیا۔ حالانکہ ایک دنقان جب گاؤں میں بیمار ہوتا ہے تو اپنی رعایا اور زمین کے لیے کسی ایک شخص کو مقرر کرتا ہے اور اُن کے بارے میں وصیت کرتا ہے اور کچھ قواعد و ضوابط اپنی متروکات کے لیے معین کرتا ہے۔ پیغمبر آخر الزمان دُنیا سے جلتے ہیں اور کتاب و سنت اور اپنی رعایا اور امت کے لیے کسی کی تعیین نہیں کرتے۔ اگر اس بائیں عقل حکم نہیں کرتی تو کسی بدیہی معاملہ میں حکم نہ کرے گی۔

چوتھی وجہ۔ یہ کہ مخالفین بھی معترف ہیں کہ آدم سے خاتم النبیین تمام انبیاء کے ساتھ خدا کا یہی طریقہ اور معمول رہا ہے۔ جب تک اُن کے لیے اُن کا خلیفہ مقرر نہیں کرتا تھا۔ وہ دنیا سے جلتے نہیں فرماتے تھے۔ اور سنت جناب رسالت مآب تمام غزوات اور جزوی سفروں میں جبکہ حضرت مدینہ منورہ سے فرماتے تھے یہ تھی کہ کسی کو رئیس اور اپنا خلیفہ مقرر فرماتے اور تمام اسلامی شہروں اور قریوں میں بھی یقیناً خود حاکم مقرر فرماتے تھے۔ اور اُن کے معاملہ کو انہی پر نہیں چھوڑتے تھے۔ لہذا ایسی لامتناہی جدائی اور لامتناہی سفر میں اُن کے حالات کو بیکار اور معطل کیسے چھوڑ دیا۔

پانچویں وجہ۔ امامت کا مرتبہ جیسا کہ آپ کو معلوم ہوا منصب جلیل نبوت کے مثل ہے۔ اگر امام کو لوگ اختیار کر سکتے تو نبی کو بھی اختیار کر سکتے ہیں اور یہ باتفاق باطل ہے۔ ایضاً عام بندوں کی مصلحتوں کے بارے میں امت کی ناقص عقل کب حکم کر سکتی ہے۔ صاحب تدبیر عقلا بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی کو کسی شہر یا حکومت کے انتظام کے لیے مقرر کرتے ہیں اور تھوڑی مدت میں ظاہر ہوتا ہے کہ غلطی کی ہے اور اس کو بدل دیتے ہیں لہذا عام مخلوق کی دین و دنیا کی ریاست و حکومت کے لیے لوگوں کی عقلیں کیونکر وفا کر سکتی ہیں۔ ایضاً اس عہدہ کے لیے عصمت شرط ہے جیسا کہ معلوم ہوگا اور کوئی شخص سوائے خدا تعالیٰ کے اس پر مطلع نہیں ہو سکتا۔ اس بارے میں عقلی دلیلیں بہت ہیں۔ جن کی گنجائش اس رسالہ میں نہیں ہے۔ لیکن جو آیتیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ امام خدا کی جانب سے منصوب ہوتا ہے۔ ان میں چند آیتوں کے ذکر پر وہم اکتفا کرتے ہیں۔ آیتہ دافی ہدایا لیسوا املت لکم دینکم واقموا علیہم نعمتی یعنی آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کیا اور تم پر اپنی نعمتیں پوری کر دیں اور اس میں شک نہیں کہ امام ارکان دین میں سب سے بڑی نعمت ہے اور کوئی نعمت امت کی دنیا و دین کی بہتری کے لیے امام سے بڑھ کر نہیں ہے۔ لہذا

چاہئے کہ خداوندِ عالم نے اُمت کے لیے امام نصب کیا ہو باوجود اس کے احادیث مستفیضہ جو عامہ و خاصہ طریقوں سے وارد ہوئی ہیں کہ یہ آیت شریفہ امیر المؤمنین کو امام و حاکم امت غدیر خم میں مقرر کرنے کے بعد نازل ہوا۔

دوسری دلیل۔ اس آیت کریمہ کے بارے میں وقالوا لولا نزل هذا القرآن علی رجل من القریۃین عظیمہم لکون یرحمنا رحمۃ ربک نحن قسمنا بینہم معیشتہم فی الحیوۃ الدنیا ورفعنا بعضہم فوق بعض درجات لیتخذ بعضهم بعضا سخریا ورحمۃ ربک خیر مما یجمعون۔ مفسران خاصہ و عامہ نے کہا ہے کہ بعض کفار قریش کہتے تھے کہ یہ قرآن کیوں نہ دوڑے رئیس مردوں پر جو اہل مکہ و طائف سے ہیں نازل ہوا جیسے ولید بن مغیرہ جو مکہ میں تھا اور عروہ بن مسعود جو طائف میں تھا۔ ان دونوں کے پاس بہت دولت اور باغات وغیرہ تھے۔ خداوندِ عالم نے ان کے باطل قول کی رد میں فرمایا کہ کیا وہ تمہارے پروردگار کی رحمت تقسیم کرتے ہیں یعنی تمہاری پیغمبری کو جس کو چاہیں دیں۔ ہم نے ان کو دنیاوی زندگی میں ان کی معیشت میں بعض سے بعض کو دنیاوی حیثیت سے بہت سے درجوں میں بلند کیا ہے تاکہ ایک دوسرے کے محتاج رہیں تاکہ ان میں سے بعض بعض کو اپنے کام میں لگاتے رکھیں۔ اس سبب سے احوال عالم منظم ہو۔ حالانکہ تمہارے پروردگار کی رحمت دنیا کے فانی اموال سے جو کچھ وہ جمع کرتے ہیں بہتر ہے یعنی جبکہ دنیاوی اموال و زیورات جن کی ہمارے نزدیک کوئی قدر و منزلت نہیں۔ ان کی تقسیم ہم نے ان پر نہیں چھوڑی۔ بلکہ خود تقسیم کرتے ہیں تو نبوت کو باوجود شان کی اس بلندی کے کیسے ان کے اختیار میں چھوڑ دیں اور جبکہ تم کو معلوم ہو چکا کہ مرتبہ نبوت مثل مرتبہ امامت کے ہے اور نبوت کے بعد کوئی نعمت امامت تک نہیں پہنچتی لہذا چاہیے کہ اس کو بھی لوگوں کے اختیار میں نہ چھوڑے اور خود نصب و تعیین فرمائے اور یہ مطلب اس آیت کریمہ سے نہایت واضح ہے اگر تعصب و عناد کی پر آشوبی مخالفین کی آنکھوں میں نہ ہو۔

تیسری دلیل۔ خداوندِ عالم فرماتا ہے کہ وریک یخلق ما یشاء و یختار ما کان للہم الخیرۃ سبحان اللہ عما یشرکون یعنی تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے خلق کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اختیار کرتا ہے اور ان کو (مخلوق کو) کوئی اختیار نہیں ہے۔ اور خدا پاک ہے اُس سے جو وہ لوگ اس کا شریک قرار دیتے ہیں۔ اس آیت کی دلالت بھی ظاہر ہے۔ کہ دین و دنیا کے لیے اختیار کرنا خدا کے قبضہ میں ہے نہ کہ خلق کے اختیار میں۔ عامہ کے مفسروں نے روایت کی ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کی رد میں نازل ہوئی ہے جو کہتے تھے کہ کیوں خدا نے دوسرے کو پیغمبری نہ دی۔

چوتھی دلیل۔ بہت سی آیتیں ہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ خدا نے تمام چیزوں کو قرآن میں

بیان فرمایا ہے جیسے ما فطننا فی العتب من شئنا یعنی کتاب (قرآن) میں کسی شے کو چھوڑنا نہیں ہے۔ وکل شئنا فضلنا تفصیلاً ہر چیز کی تفصیل کر دی جو تفصیل کا حق ہے ولا رطب ولا یابس آلائی کتاب میں اور کوئی خشک و تر نہیں جو ظاہر کرنے والی کتاب میں نہ ہو۔ لہذا جب دنیا عالم نے قرآن مجید میں سب چیزوں کو بیان فرمایا ہو تو کیسے ممکن ہے کہ تعین امام کو جو اہم امور ہے نہ بیان فرمایا ہوگا۔

پانچویں دلیل - فرمایا ہے اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم یعنی خدا کی اطاعت کرو اور رسول کی، اور ان کی اطاعت کرو جو تم میں صاحبان امر ہیں۔ تو جس طرح خدا و رسول کی اطاعت عام ہے چاہیے اولی الامر کی اطاعت بھی عام ہو اور یہ معلوم ہے کہ خداوند عالم ہر صاحب امر و ہر صاحب حکم کی ہر معاملہ میں اطاعت کا حکم نہیں کرتا ہے۔ لہذا چاہئے کہ اولی الامر بھی مثل رسول ہو جس سے غلطی و خطا جھوٹ و گناہ اور سہو نہ صادر ہو۔ ورنہ لازم آئے گا کہ حق تعالیٰ لوگوں کو ان باتوں کا حکم دیتا ہے جس سے منع کیا ہے اور ایسا شخص امام ہو جس کو حق تعالیٰ نے نصب کیا ہو اور وہ معصوم ہو۔ اور بالفاق سوائے ائمہ اثنا عشر کے اس شان کا کوئی نہیں ہے۔

دوسرا مقصد پہلی شرط - یہ کہ چاہیے کہ امام ہر حیثیت سے تمام امت سے افضل ہو خاص کر علم میں ورنہ تفصیل مفضول اور ترجیح مزوج لازم آئے گی۔ اور یہ عقلاً قبیح ہے۔ ایضاً حق تعالیٰ فرماتا ہے - اذین یلہی الی الحق ان یتبع امن لایلہدی الا ان یتبعی فما لکم کیف تتکون یعنی جو شخص کہ خدا تعالیٰ کی جانب ہدایت کرتا ہے زیادہ مستحق ہے کہ اس کی پیروی لوگ کریں یا وہ جو خود ہدایت یافتہ نہیں ہے اور دوسرے لوگ اس کی ہدایت کریں تو تم کو کیا ہوگا ہے کہ نہیں سمجھتے اور عدم افضلیت امام کا تم کیسے حکم کرتے ہو۔ پھر فرمایا ہے کہ ھل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون انما یتذکر اولوالالباب یعنی کیا باہم برابر ہیں جو صاحب علم و رائے ہیں اور وہ جو صاحب علم نہیں ہیں نصیحت تو بس صاحبان عقل ہی حاصل کرتے ہیں۔ ایضاً فرماتا ہے فاسئلوا اھل الذکر ان کتبت لکم الذکر لعلکم تتقون یعنی دریافت کرو۔ اہل علم اور اہل قرآن سے اگر تم نہیں جانتے۔ اور جب حق تعالیٰ نے فرشتوں سے خطاب کیا اتی جاعل فل لارض خلیفنا یعنی چاہتا ہوں کہ زمین میں (اپنا) خلیفہ و جانشین قرار دوں۔ یہ سن کر فرشتوں نے کہا کیا تو ایسے شخص کو قرار دے گا جو زمین میں فساد برپا کرے اور لوگوں کا خون بہائے اور ہم تیری تسبیح و تقدیس کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے فرمایا میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ پھر خدا نے آدم کو اسما را تعلیم کئے اور اس کے ذریعہ سے فرشتوں پر حجت تمام کی کہ چونکہ وہ تم سے زیادہ علم رکھتا ہے اس لیے خلافت کا زیادہ سزاوار ہے لہذا معلوم ہوا کہ اعلم ہونا

خلاف کے حق کا باعث ہے۔ ایضاً اور جب بنی اسرائیل نے طاوت کی بادشاہی قبول نہیں کی تو خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے اس کو علم و جسم میں زیادتی دی ہے لہذا معلوم ہوا کہ معیار ریاست و بادشاہی علم و شجاعت ہے کیونکہ جسم کی زیادتی قوت و شجاعت ہوتی ہے نہ کہ جسم کا بڑا اور بھاری ہونا شرط ہے۔

دوسری شرط۔ امامت کی شرائط سے عصمت ہے اور اجماع علمائے امامیہ اس پر منحصر ہے کہ امام بھی مثل پیغمبر ابتدائے عمر سے آخر عمر تک تمام صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے پاک و معصوم ہوتا ہے اور اس ضمنوں پر احادیث متواترہ بہت ہیں۔ ایضاً امام لوگوں کے دین و دنیا پر خدا کا امین ہوتا ہے تو اگر خود خدا کے احکام میں خیانت کرے تو کیا وہ قابل امامت ہوگا۔ (ہرگز نہیں) بلکہ بقول خدا قابل ملامت ہوگا۔ جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے اتامرون الناس بالبروتنسون انفسکم وانتم تملون العتاب اذلا تعقلون یعنی کیا تم لوگوں کو توبہ کی کا حکم کرتے ہو اور اپنی ذات کو بھول جاتے ہو باوجودیکہ کتاب خدا کی تلاوت کرتے ہو کیا عقل نہیں رکھتے ہو اور اس بات کی قیامت نہیں سمجھتے۔ پھر فرمایا ہے کہ اے مومنین کیوں ایسی بات کہتے ہو جس کو خود نہیں کرتے۔ حق تعالیٰ اس بات کو بہت دشمن رکھتا ہے کہ وہ بات کہتے ہو جو خود نہیں کرتے اور ظاہر ہے کہ جو شخص ان ملامتوں کا مستحق ہو قابل خلافت و امامت نہیں ہے۔ ایضاً۔ جب خدا نے جناب ابراہیم سے خطاب کیا کہ میں نے تم کو لوگوں کا امام بنایا۔ جناب خلیل خدا کی اس عطا و بخشش سے بہت خوش ہوئے اور اپنی اولاد کے لیے بھی یہ عہدہ طلب کیا اور کہا کہ میری ذریت میں سے بھی امام قرار دے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا۔ ایسا عہدہ الظالمین یعنی امامت کا میرا عہد ظالموں اور گناہ کرنے والوں کو نہیں پہنچے گا۔ جو اپنے نفس پر ظلم کرتا اور اپنی عمر کے اوقات میں گناہ کرتا ہے۔ اُس پر (ظلم) صادق ہوگا۔ کہ عہد امامت اُس کو نہیں پہنچے گا۔ ایضاً۔ سب سے بہتر فائدہ نصب امام کا یہ ہے کہ وہ شریعت کی حفاظت کرتا ہے اور محافظ شریعت ہوتا ہے اور جب گناہ اور معصیت اس کے لیے جائز ہوگی تو دوسرا امام چاہیے کہ اس کو معصیت سے منع کرے اور جو خطا اُس سے سرزد ہوئی ہے اُس سے نازل کرے تو وہی امام کل ہوگا نہ کہ پہلا غامی امام ایضاً۔ اُمت پر واجب ہے کہ امام کی قول و فعل میں اطاعت کرے جیسا کہ آیہ اولی الامر سے معلوم ہوا۔ اگر وہ معصیت کا حکم دے اور اُمت اطاعت نہ کرے تو ایک امر چاہیے کہ واجب بھی ہو اور حرام بھی ہو۔ ایضاً۔ آئمہ پر منکر کی ممانعت کرنا واجب ہے اب اگر عوام اس منکر کو انجام دیں تو امام کی اطاعت و رعایت کے ساتھ ساتھ مخالفت بھی ہوگی اور اگر امام منکر کی ممانعت نہ کریں تو ایک امر واجب کے ترک کے مرتکب ہونگے اور اگر امام کی اطاعت صرف حلال میں ہے اور امام نبی عن المنکر نہیں کرتا تو ضروری ہے کہ ان کا امام کوئی دوسرا بھی ہو جس سے وہ حلال و حرام کے احکام اخذ کریں اس صورت میں دو امام کے معتدج ہوں گے اگر وہ بھی معصوم نہ ہو تو دوسرے امام کے محتاج ہوں گے لہذا یا تو

تسلسل لازم آئے گا یا امام معصوم پر انتہا ہوگی اور یہ دلیل کسی دلیلوں کی طرف پلٹتی ہے اور غور و فکر سے معلوم ہوگی۔

تیسری شرط۔ امامت کی شرائط میں سے امامیہ کے نزدیک امام کا ہاشمی ہونا ہے اور وہ ان نصوص کے سبب جو ائمہ میں سے ہر ایک کے لیے خاص طور سے وارد ہوئے ہیں۔ معلوم ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ اور مخالفین ان تینوں شرطوں میں سے کسی ایک کے قائل نہیں ہیں اور ان تین صفتوں کو متکلمین نے ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ چاہیے کہ جو صفیں پیغمبروں کے لیے مذکور ہوئیں اس میں موجود ہوں اسی کے ساتھ شبہ اس کے نسب میں نہ ہو۔ اور ان کی ماں غیر عقیقہ نہ ہو، اور جو عیوب خلق کی نفرت کا باعث ہیں ان سے وہ بتر ہو جیسے خورہ، برص، اندھا ہونا، گونگا ہونا، بد مزاجی، کج خلقی، بخل، نفس کی مہابت و دنیایت پیشہ جیسے حجامی وغیرہ اور ایسے افعال جو عقل کی کمزوری پر دلالت کرتے ہوں۔

اور سلطان المحققین نصیر الملک والیدین رحمہ اللہ نے اپنے کسی رسالہ میں لکھا ہے کہ امام میں آٹھ شرطیں معتبر ہیں۔ (شرط اول) صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے اس کا معصوم ہونا۔ ان میں سے بعض مذکور ہوئے۔ (دوسری شرط) یہ کہ وہ عالم ہو ان تمام امور کا جن کی امامت میں احتیاج ہوتی ہے۔ جیسے علوم دینی و دنیوی مثل احکام شرعیہ، سیاست مدینہ، آداب حسنہ و دشمنان دین کا دفع کرنا اور ان کے شبہات کا بظرف کرنا۔ کیونکہ امامت کی غرض ان کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ (تیسری شرط) شجاعت و شہادت اور فتنوں کو دفع کرنے، اہل باطل کو مغلوب کرنے اور حق کو غالب کرنے کے لیے بعض سپاہیوں کے برخلاف۔ اگر وہ جو ہر دار ہے بھاگ جائے دین میں نقصان عظیم پیدا ہو جائے گا۔ (چوتھی شرط) یہ کہ تمام صفات کمال میں جیسے شجاعت، سخاوت، مروت، کرم، علم اور جو کچھ صفات کمال سے ہو ہر ایک میں اپنی تمام رعایا سے کامل تر ہو۔ ورنہ تفضیل مفضول لازم آئے گی اور عقلاً وہ قبیح ہے (پانچویں شرط) یہ کہ ان عیبوں سے پاک ہو جو لوگوں کی نفرت کا باعث ہے خواہ وہ خلقت میں ہو جیسے نابینا ہونا۔ خورہ اور برص وغیرہ خواہ خلق میں ہو۔ جیسے بخل، حرص کج خلقی خواہ اصلیت میں جیسے نسب میں ذلیل ہونا ولد الزنا ہونا اور نسب میں تہم ہونا یا اس کے باپ دادا کے نسب میں کسی خرابی کا ہونا خواہ فرج میں ہو جیسے لپست و ذلیل پیشہ ور ہونا کیونکہ یہ سب لطف کے منافی ہیں۔ (چھٹی شرط) یہ کہ خدا کے نزدیک اس کی قدر و منزلت تمام اشخاص سے زیادہ ہو۔ (ساتویں شرط) یہ کہ اس سے حجرات ظاہر ہوں جن سے دوسرے لوگ عاجز ہوں تاکہ ضرورت کے وقت اس کی حقیقت کی دلیل ہوں۔ (آٹھویں شرط) یہ کہ اس کی امامت عام ہو، اور اسی میں منحصر ہو۔ ورنہ رعایا کے درمیان فساد کا باعث ہوگا اور ان باتوں کا ثبوت باجماع اور احادیث متواترہ سے بدرجہ اولیٰ ہے۔

تیسرا مقصد امام کے صفات و خصائص کا بیان جو احادیث معتبرہ سے ظاہر ہوتے ہیں۔ یہاں

حدیثوں میں بہت ہیں اور حیات القلوب میں مذکور ہیں۔ لیکن اس رسالہ میں بھی بعض کا ذکر کیا جاتا ہے۔
 کلیدی نے بلند معتبر امام محمد باقر سے روایت کی ہے کہ امام کی دس علامتیں ہیں۔ وہ پاکیزہ ناف بریدہ
 تختہ شدہ پیدا ہوتا ہے (۲) جب مال کے شکم سے زمین پر آتا ہے ہاتھوں کو زمین پر رکھ کر شہادتین
 زبان پر جاری کرتا ہے (۳) علم نہیں ہوتا (۴) جنابت کی نجاست اُس کو نہیں پہنچتی (۵) اُس کی آنکھیں
 سوتی ہیں مگر اس کا دل نہیں سوتا یعنی اُس حال میں جو کچھ واقع ہوتا ہے وہ جانتا ہے اور (۶)
 جانی اور انگریزی نہیں لیتا (۷) پشت گھر سے بھی اسی طرح دیکھتا ہے جس طرح سامنے سے دیکھتا
 ہے (۸) فضلہ جو اُس سے جدا ہوتا ہے اُس سے بڑے مشک آتی ہے۔ زمین کو خدا نے موکل کیا ہے
 کہ اس کو اپنے اندر چھپا لیتی ہے (۹) جب حضرت رسالت مآب کی زہ پنتا ہے اس کی قامت پر
 درست اور ٹھیک ہوتی ہے اور جب کوئی دوسرا پنتا ہے تو ایک بالشت اُس کی قامت سے
 زیادہ ہوتی ہے اور (۱۰) فرشتہ اُس کے آخریام تک اُس سے گفتگو کرتا ہے۔

ابن بابویہ نے حضرت امام رضا علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ امام حکمت میں وانا ترین آدمی ہوتا
 ہے اور حکمت اور امور کی گہرائی کے علم میں سب سے زیادہ ہوتا ہے اور پرہیزگار و بڑبارہ سمجھی، اور
 شجاع تمام لوگوں میں سب سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ اس کی عبادت سب سے بلند و زیادہ ہوتی ہے۔
 اور اُس کے جسم کا سایہ نہیں ہوتا۔ شاید اس سے مراد یہ ہو کہ سایہ کا نہ ہونا کبھی کبھی ہوتا ہے اور جناب
 رسول خدا کا سایہ کبھی نہ ہوتا تھا اور امام کے پیشاب پانخانے کو کوئی نہیں دیکھتا جو کچھ خارج ہوتا ہے زمین
 اُس کو اندر چھپا لیتی ہے تاکہ لوگوں پر ظاہر نہ ہو۔ اور اُس میں مشک سے بہتر خوشبو ہوتی ہے۔ اور امام
 لوگوں کی جانوں سے اولیٰ ہوتا ہے کہ چاہیے کہ لوگ اس کو اپنی ذات پر مقدم رکھیں اور ہر موقع پر اپنی جان
 اُس پر فدا کر دیں یا یہ کہ لوگ اس حالت کو بے اختیار اُس کی نسبت ہم پہنچائیں۔ وہ اُن پر اُن کے باپ
 ماں سے زیادہ شفیق اور مہربان ہوتا ہے۔ اور خدا کے سامنے اُس کی تواضع و فروتنی تمام لوگوں سے بہت
 زیادہ ہوتی ہے اور وہ لوگوں کو جس بات کا حکم دیتا ہے خود دوسروں سے زیادہ عمل کرتا ہے اور جن
 باتوں کی اُن کو ممانعت کرتا ہے خود دوسروں سے زیادہ اُس کے ترک میں اہتمام کرتا ہے۔ اس کی دعا
 مقبول و مستجاب ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر پہاڑ کے لیے دعا کرے تو وہ دو ٹکڑے ہو جائے جناب
 رسول خدا کے اسلحے اور حربے سب اُس کے پاس ہوتے ہیں خصوصاً شمشیر ذوالفقار جو آسمان سے نازل
 ہوئی تھی۔ اُس کے پاس ایک نوشتہ ہوتا ہے جس میں قیامت تک کے شیعیان اہل بیت کے نام
 لکھے ہوتے ہیں اور ایک نوشتہ اور بھی ہوتا ہے جس میں قیامت تک ہونے والے دشمنوں کے نام تحریر
 ہوتے ہیں۔ اور امام کے پاس ایک جامع ہوتا ہے۔ وہ ایک خط ہے جس کی لمبائی ستر گز اور چوڑائی ایک
 گوسفند کے چمڑے کے برابر ہے جب پٹیا جاتا ہے تو اُس کی موٹائی اونٹ کے ران کے برابر ہو جاتی ہے

اُس میں وہ تمام احکام درج ہیں کہ آدم کی اولاد جن کی محتاج ہوتی ہے اور اُس کے پاس حضور بزرگ
 و جعفر غرور ہوتا ہے۔ ایک بکری کی کھال پر ہے اور دوسرا بھیڑ کی کھال پر۔ اُن میں احکام حدود وغیرہ
 درج ہیں یہاں تک کہ ایک خراش کا قصاص بھی مرقوم ہے جو کوئی شخص کسی کے بدن پر ڈالتا ہے
 اور ایسے گناہ بھی درج ہیں جن کی سزا ایک تازیانہ یا نصف تازیانہ یا تہائی تازیانہ ہے۔ اُس کو جناب
 رسول خدا نے ارشاد فرمایا اور امیر المؤمنین نے خود اپنے دست مبارک سے لکھا ہے۔ اور مصحف
 حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا اُس کے پاس ہے جس میں قیمت تک کے بادشاہوں کے نام اور
 اُن کے حالات مرقوم ہیں۔ اُن معصومہ سے اس کی نسبت اس لیے دیتے ہیں کہ جب جناب رسول خدا
 نے اِس دنیا سے رحلت فرمائی جناب فاطمہ کو آنحضرت کی جدائی سے اور منافقین کے مظالم سے
 بے انتہا صدمہ عارض ہوا، تو خداوند عالم نے اُن معصومہ کی تسلی کے لیے حضرت جبرئیل کو بھیجا جو آئندہ
 قیمت تک کی خبریں اُن معظّمہ سے بیان کرتے اور جناب امیر علیہ السلام کھتے تھے۔ اور دوسری حدیث
 میں فرمایا کہ امام اور حق تعالیٰ کے درمیان نور کا ایک ستون ہے جس میں امام بندگان خدا کے حالات
 دیکھتا ہے اور جو کچھ اس پر مشتبہ ہوتا ہے اُس میں نظر کرتا ہے اور معلوم کر لیتا ہے۔

بسنہ معتبر امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ امام کو چند خصالتوں سے پہچانا جاسکتا ہے
 (خصلت اول) یہ کہ اُس سے پہلے کا امام اُس پر نص کرتا ہے۔ جیسا کہ جناب رسول خدا نے امیر المؤمنین
 کی خلافت پر نص کی۔ (خصلت دوم) یہ کہ جو کچھ اُس سے پوچھا جاتا ہے اس کا شافی جواب دیتا
 ہے اور اگر لوگ نہیں پوچھتے تو وہ خود شلوانے میں ابتدا کرتا ہے۔ (تیسری خصلت) لوگوں کو آئندہ
 کی خبر دیتا ہے۔ (چوتھی خصلت) یہ کہ تمام دنیا کی زبانیں جانتا ہے اور ہر ایک کو اُس کی زبان میں
 جواب دیتا ہے۔ (پانچویں خصلت) یہ کہ کسی پرند و چرند کی زبان اُس سے پوچھتا ہے۔ وہ
 ہر ایک کی زبان جانتا ہے۔

احادیث مستفیضہ بلکہ متواترہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حضرات معجزہ کے اظہار میں جبکہ مصطفت
 ہوتی تھی مردہ کو زندہ کر دیتے تھے جیسا کہ امیر المؤمنین علیہ السلام نے کر مرده کو زندہ کیا ہے۔ اور
 حضرت امام محمد باقر و جعفر صادق علیہما السلام نے ابوبصیر کو بینا کیا اور صاحب غورہ و بروس کو
 شفا دی۔

احادیث معتبرہ میں وارد ہوا ہے کہ وہ تمام معجزات جو خدا نے علیحدہ علیحدہ پیغمبروں کو دیئے تھے
 سب جناب رسول خدا اور ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کو عطا فرمائے ہیں۔ وہ حضرات زمین طے کرنے پر
 قادر تھے کہ بہت دور کے فاصلوں کو نہایت تھوڑے وقت میں طے کرتے تھے۔ بلکہ ایک روز سے
 کم میں تمام دنیا کے گرد کئی بار گھومے ہیں اور تمام پیغمبروں کی کتابوں کو جیسے تورات، انجیل اور زبور اور

صحف آدم صحف ثنیدت و ادیس و ابرہیم و الواح موسیٰ علیہم السلام سب ان کے پاس تھیں اور تمام پیغمبروں کے آثار جیسے عصائے موسیٰ، پیراہن ابراہیم و یوسف اور جناب موسیٰ کا وہ پتھر جس سے بارہ چٹخے جاری ہوئے اور جناب سلیمان کی انگشتری اور بساط اور انبیاء کے تمام تبرکات ان کے پاس تھے اور اب وہ تمام تبرکات حضرت صاحب الامر علیہ السلام کے پاس ہیں اور حق تعالیٰ نے ابر کو ان کا مسخر فرمایا تھا جس پر سوار ہو سکتے تھے تاکہ ملکوت سماوات و زمین کی سیر کریں اور وہ خدائے تعالیٰ کے بہتر اسم اعظم جانتے تھے کہ جس امر کے لیے پڑھتے تھے یقیناً وہ دعاستجاب ہوتی تھی۔ ان میں ایک اسم امصاف بن بزخیا جانتے تھے جس کے ذریعہ سے تخت بلقیس دو مہینے کی راہ کے فاصلہ سے انہوں نے ایک چشم زدن میں جناب سلیمان کے پاس حاضر کر دیا۔ ان کے علوم کسی طرح کے تھے۔ کبھی صدائے ملک نسنے تھے اور کبھی روح القدس جد ایک مخلوق جبریل و میکائیل سے بہت بڑی ہے ان کے زبور و آکر ان کو بتاتی تھی اور کبھی خدا کی جانب سے الہام کے ذریعہ آقا ہوتا تھا اور فرشتوں کی آواز زنجیر کی آواز کے مانند جو کسی طشت میں ٹکراتی ہے ان کے کان میں پہنچتی تھی۔ بہت سی احادیث میں وارد ہوا ہے کہ ہمارا سب سے بہتر علم وہ ہے جو ہر وقت اور ہر آن خدا کے لانا تھا علم سے ہم پر فائز ہوتا ہے اور فرشتے اور روح جو فرشتوں سے عظیم ہے شب قدر میں امام زمان پر نازل ہوتی ہے اور ان حضرت کو سب سلام کرتے ہیں اور اُس سال میں جو کچھ مقرر ہوا ہے سب کچھ ان کو بتاتے ہیں۔ ان اماموں کے پاس علوم گذشتہ و آئندہ سب ہوتا ہے اور جو علم آسمان سے زمین پر آیا ہے ان کے پاس ہے۔ وہ تمام پیغمبروں کے علوم کے وارث ہیں اور وہ متوہمین ہیں کہ جس شخص کے چہرے کو دیکھتے ہیں اس کی پیشانی سے ایمان و کفر و نفاق جان لیتے ہیں اور جس درخت، پتے، فوسے اور پتھر کو امام دیکھتا ہے اُس کا علم اُس پر ظاہر ہوتا ہے اور تمام قرآن اور اُس کا ظاہری و باطنی علم ستر بطن تک امام سے مخصوص ہے اور جناب رسول کے مثل اسلحوں، زبرہوں، سواروں (گھوڑے، بچر وغیرہ) انگوٹھیوں کے تمام ظاہری و باطنی تبرکات جناب امیر کو ملے اور تمام ائمہ اطہار تک پہنچے (اور اب امام آخر کے پاس ہیں) اور چہرے کا ایک صندوق ان کے پاس ہے جس میں پیغمبر اور اوصیا اور تمام گذشتہ عمار کے علم اس میں درج ہیں۔ اس کو جفر ابیض کہتے ہیں اور ایک دوسرا صندوق بھی ان کے پاس ہے جس میں رسول خدا کے تمام اسلحے محفوظ ہیں اور اس کو جفر احمر کہتے ہیں اور جناب صاحب الامر اس کو کمولیں گے۔

بہت سی معتبر حدیثوں میں منقول ہے کہ ہر شب جمعہ جناب رسول خدا کی مقدس روح اور گذشتہ اماموں کی مطہر روہیں اور امام زمانہ کی روح کو اجازت ہوتی ہے کہ آسمانوں پر بلند ہوں۔

وہ عرشِ اعظم الہی تک پہنچتے ہیں اور اُس کے گرد سات مرتبہ طواف کرتے ہیں اور عرش کے ہر پائے کے پاس دو رکعت نماز پڑھتے ہیں اُس کے بعد اپنے جسموں کی جانب نہایت فرحت اور بے انتہا علوم کے ساتھ پلٹتے ہیں۔ اور اس امت میں سے ہر ایک نیک و بد کے اعمال ہر صبح و شام اور ہر بخت اور ہر عینے جناب رسولِ خدا اور گذشتہ اماموں اور امام زمانہ کی روحوں کے سامنے پیش ہوتے ہیں۔ دروازے، دیواریں، پہاڑ اور درے ان کے علم کے مانع نہیں ہوتے اور عالم کے مشرق و مغرب میں جو کچھ واقع ہوتا ہے وہ حضراتِ خدا کی جانب سے اُس پر مطلع ہو رہے ہیں اور جناب رسولِ خدا نے وفات کے وقت اپنے تمام علوم کو امیر المؤمنین علیہ السلام کے سپرد کیا۔ امیر المؤمنین فرماتے ہیں کہ حضرت نے اُس وقت ہزار باب مجھے تعلیم فرمائے۔ جس کے ہر باب سے دوسرے ہزار باب مجھ پر منکشف ہو گئے۔ اور حضرت نے فرمایا کہ جب مجھ کو غسل، کفن اور حنوط دینا مجھ کو بٹھا دینا اور جو کچھ چاہنا مجھ سے پوچھنا۔ میں نے ایسا ہی کیا اور اُس وقت بھی علم کے ہزار باب تعلیم فرمائے کہ جن کے ہر باب سے دوسرے ہزار ہزار باب واضح ہو گئے۔ اسی طرح ہر امام تمام علوم اپنے بعد کے امام کو سپرد کرتا ہے۔ اور امام کو بغیر امام کے کوئی ذوق و کوشش نہیں کرتا اور نہ نماز پڑھتا ہے۔ اگر کوئی امام مشرق میں دنیا سے جاتا ہے۔ اور اس کے بعد دوسرا امام مغرب میں اگر ہوتا ہے تو بیشک اُس وقت اعجازِ امامت سے وہ اُس کے پاس آتا ہے اور اُس سے علوم حاصل کرتا ہے اور اُس کی تجہیز کرتا ہے اس طرح کہ دوسرے لوگ اُس سے آگاہ نہیں ہوتے جیسا کہ حضرت امام رضا علیہ السلام بغداد میں پہنچے اور حضرت امام محمد تقی علیہ السلام خراسان میں پہنچے۔ اس کی تفصیل میں نے جلال العیون میں درج کی ہے۔

اور اکثر و بیشتر حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ ان کی روحیں خدا کے انوارِ مقدسہ سے خلق ہوئی ہیں اور ان کے بدن اور دل عرش کی طینت سے پیدا ہوئے ہیں۔ جب خداوند عالم چاہتا ہے کہ امام کو خلق کرے۔ ایک فرشتہ کو حکم دیتا ہے کہ زیرِ عرش کے پانی کا شربت لے کر امام کے پدرِ بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ وہ اس کو پیتے ہیں۔ وہ پانی سے زیادہ رقیق۔ مسک سے زیادہ نرم۔ شہد سے زیادہ میٹھا اور دودھ سے زیادہ سفید ہوتا ہے۔ وہ فرشتہ امام سے حجاج کا حکم دیتا ہے اور امام کا نطفہ اُس سے منعقد ہوتا ہے۔ جب رحم میں اُس کو چالیس روز گزار جاتے ہیں۔ روح اس میں چھوڑ دیا جاتی ہے۔ اور دوسری روایت کے مطابق چار ماہ کے بعد روح چھوڑی جاتی ہے۔ اُس وقت وہ لوگوں کی آواز سنتا ہے اور سمجھتا ہے پھر ایک فرشتہ اُس کے بازو پر یہ آیت لکھتا ہے۔ وقت کلمتہ، رتبات ہدقا و عدا لا یمدل لکلماتہ وهو السميع العليم۔ وہ ماں کے شکم میں حق تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے اور سورۃ انا انزلناہ اور تمام آیتوں کی تلاوت کرتا ہے جب

پیدا ہوتا ہے تو چاروں ہاتھوں پیروں کے بل بیٹھتا ہے اور پیر کی جانب سے پیدا ہوتا ہے جب زمین پر آتا ہے قبلہ کی جانب رخ کرتا ہے اور ہاتھوں کو زمین پر رکھ کر سر آسمان کی جانب بلند کرتا ہے اور کلمہ شہادت باواز بلند پڑھتا ہے۔ پھر وہ فرشتہ اس کی دونوں آنکھوں اور دونوں شانوں کے درمیان موبی آیت نقش کرتا ہے۔ پھر اس کو عرش کی جانب سے آواز آتی ہے کہ سنی پر نیابت قدم رہنا کیونکہ میں نے تجھ کو ایک امیر عظیم کے لیے خلق کیا ہے۔ تو خلق میں میرا برگزیدہ میرے راز کا محل و مقام، میری وحی کے لیے میرے علم کا صندوق اور زمین میں میرا خلیفہ ہے۔ اور تیرے اور اس کے لیے جو تجھ کو دوست رکھتا ہے میں نے اپنی رحمت واجب قرار دی ہے اور اس کو اپنی بہشت عطا کی ہے اور اپنے عزت و جلال کی قسم کھاتا ہوں کہ جو شخص تجھ سے دشمنی کرے۔ اس کو اپنے بدترین عذاب (جہنم) میں جلاؤں گا۔ اگرچہ میں نے دنیا میں اس کی روزی فراخ کی ہوگی۔ جب یہ آواز تمام ہوتی ہے امام آیہ شہادۃ کو آخر تک اس آواز کے جواب میں پڑھتا ہے۔ اس وقت خداوند عالم اس کو علم اولین و آخرین عطا فرماتا ہے اور وہ اس کا مستحق ہوتا ہے یعنی رُوح القدس شب قدر اور اس کے علاوہ دوسری راتوں میں اس کی زیارت کرتی ہے۔ جب وہ مرتبہ جلیل امامت پر فائز ہوتا ہے تو خداوند عالم نور کا ایک علم اور ایک منارہ ہر شہر میں اس کے لیے بلند کرتا ہے تاکہ اس میں بندوں کے اعمال دیکھے۔ ایک روایت کے مطابق جس رات وہ پیدا ہوتا ہے ایک نور اس کے گھر میں چمکتا ہے کہ اس کے باپ اور ماں اس کو دیکھتے ہیں۔ جب زمین پر آتا ہے قبلہ کی جانب رخ کرتا ہے اور زمین مرتبہ چھینکتا ہے اور تمجید میں انگلی بلند کرتا ہے۔ ناف بریدہ اور ختنہ شدہ دنیا میں آتا ہے۔ اور تمام دانست موجود ہوتے ہیں۔ اس کے ہاتھوں سے ایک شبانہ روز ایک زرد نور ساطع ہوتا رہتا ہے۔ بہت سی حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ ان کے مکانات مقدس ملائکہ کے نازل ہونے کے مقام ہیں اور ان کے مکانوں میں بار بار نازل ہوتے ہیں۔ حضرت صادق نے فرمایا کہ۔

فرشتے ہمارے پتھوں پر ہم سے زیادہ مہربان ہیں اور آپ نے اپنے مکان کے تکیوں میں سے ایک تکیہ پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ فرشتوں نے ان پر بہت تکیہ کیا اور بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ہم ان کے پرچن سچن کر جمع کرتے ہیں اور اپنے لڑکوں کے نعرہ بند بنتے ہیں۔ ائمہ تمام جنوں پر محبت خدا ہیں۔ جنوں کی فوجیں ان کی خدمت میں آتی ہیں اور اپنے دین کے احکام اور حلال و حرام ان سے معلوم کرتے ہیں اور ائمہ علیہم السلام ان کو خدمتیں سپرد کرتے ہیں اور پیغام دے کر دوسرے مقالات پر بھیجتے ہیں۔ ایک جن ایک عظیم اژدہ سے کی صورت میں مسجد کوفہ میں حضرت امیر المؤمنین کی خدمت میں آیا جس وقت کہ آنحضرت منبر پر جلوہ افروز تھے۔ حضرت نے اس سے پوچھا تو کون ہے، اس نے عرض کی عمرو بن عثمان جس کے باپ کو..... آپ نے جنوں پر خلیفہ مقرر فرمایا تھا اور وہ اس

وقت فوت ہو گیا۔ یہ سن کر حضرت نے اُس کو اُس کے باپ کی جگہ خلیفہ مقرر فرمایا۔ یہ ظاہری محل حالات ہیں جن تک اکثر لوگوں کی عقلیں پہنچ سکتی ہیں۔ لیکن ان عجیب و غریب حالات اور پوشیدہ اسرار کو نہیں جانتی ہیں اور نہ ان کے سننے کی طاقت رکھتی ہیں۔ سوائے کوئی مقرب فرشتہ یا پیغمبر مرسل یا مومن کامل کے۔ کیونکہ حق تعالیٰ ان کے دلوں کا امتحان کر چکا ہوتا ہے اور ذرا ایمان سے متوڑ گئے ہوتا ہے۔

حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ ہم کو خدا کا شریک مت قرار دو اور ہماری پروردگاری کے قائل نہ ہو۔ ان کے علاوہ جس قدر فضائل و کمالات ہمارے لیے ثابت کروم ہے۔ اور خداوند عالم نے فرمایا ہے۔ قل لو کان البعیر مداولاً لکلما تری فی السعد الجوز قبل ان تنفد کلمات رقی و لو جئنا بمثلہ مددا۔ یعنی اسے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہہ دو کہ اگر میرے پروردگار کے کلمات لکھنے کے لئے سمندر روشنائی ہو تو یقیناً ختم ہو جائے قبل اس کے کہ میرے پروردگار کے کلمات تمام ہوں اگرچہ ہم ویسا ہی روشنائی کا سمندر اور تیار کر دیں اور احادیث میں وارد ہوا ہے کہ ہم ہیں کلمات خدا کہ ہمارے فضائل کا احصا نہیں ہو سکتا۔ جیسا کسی شاعر نے کہا ہے کہ

کتاب فضل تو را آب حیرت
کہ ترکنی سدا گشت وصفہ بشماری

آپ کے فضائل لکھنے کے لئے سمندر کا پانی کافی نہیں ہے۔ کیونکہ فضائل کا دفتر اس قدر زیادہ ہے کہ سمندر سے انگلیاں ترک کر کے اُس کے صفحات گنتے گنتے سمندر تمام ہو جائیں گے اور دفتر کے صفحات گنتے کے لئے کافی نہ ہوں گے۔

چوتھا مقصد۔ امام کے پہچاننے کے بیان میں۔ امام کو چند وجوہ سے پہچان سکتے ہیں۔ (پہلی وجہ) یہ جو سب سے زیادہ ظاہر اور سب سے زیادہ آسان اور لطف و مرحمت و رحمت الہی کے مناسب ہے جیسا کہ تم کو معلوم ہوا جناب رسول خدا کی جانب سے امت کے کسی فرد کے لیے امامت پر نص ہے اور سابق امام کی نص آنے والے امام پر جیسا کہ معلوم ہوگا کہ ائمہ اثنا عشر صلوات اللہ علیہم اجمعین خدا و رسول اور امام سابق کی جانب سے مخصوص ہیں۔ (دوسری وجہ) امام کا تمام امت مع اُس گروہ کے جہلمت کے مدعی ہوتے ہیں افضل ہونا اور باجماع امت امامت اُن سے باہر نہیں ہے۔

(تیسری وجہ) جو معجزہ کہ دعویٰ امامت سے وابستہ ہو۔ اور یہ جو حضرات اہلسنت کہتے ہیں کہ امامت تھوڑے لوگوں کی بیعت سے حاصل ہو جاتی ہے اگرچہ ایک ہی شخص ہو جیسا کہ ابو بکرؓ عمر کے بیعت کرنے سے خلیفہ ہو گئے بعضوں نے کہا ہے کہ چاہیے کہ پانچ اشخاص بیعت کریں جیسا کہ عمر نے شوریٰ میں پانچ شخصوں کے اجتماع پر اکتفا کی اور پانچ سے زیادہ نہیں کہا ہے۔ ایسی بات

ہے جس کو کوئی صاحب انصاف عاقل تجویز نہیں کرتا کہ خلق کے بارے میں باطل اغراض اور فاسد خیالات رکھنے کے باوجود پانچ افراد یا ایک شخص کسی جاہل کی بیعت کر لیں۔ چاہیے کہ تمام خلق امور دین و دنیا میں اُس کی اطاعت کرے اور اگر نہ کریں تو ان کا قتل حلال بلکہ واجب ہو۔ اگرچہ وہ مخالفت کرنے والے علی بن ابی طالب علیہ السلام یا امام حسن علیہ السلام یا امام حسین علیہ السلام ہوں اور لوگوں پر بیزید پلید کی اطاعت واجب ہو۔ اور اُس ظالم و جاہل، ولدا الزنا، شراب خور، اور دنیا بھر کے عیوب سے لوث ملعون کی مخالفت کی وجہ سے امام حسین جگر گوشہ رسول گرامر جو انان بہشت کا قتل جاتز بلکہ واجب ہو اور ایسی بیعت جو خفیہ طور سے سقیفہ بنی ساعدہ میں چند منافقین و دشمن امیر المومنین کے اتفاق سے امیر المومنین و حسین علیہما السلام اور بنی ہاشم میں سے کسی ایک شخص کی موجودگی کے بغیر اور سلمانؓ و ابوذرؓ و مقدادؓ و عمارؓ و زبیر و اسامہ بلکہ تمام صحابہ کی اطلاع کے بغیر واقع ہو اس کا نام اجماع رکھا ہے۔ اور جبر و تشدد سے امیر المومنین اور تمام صحابہ کو کھینچ کر بیعت کے لیے لائیں تو اس کا نام اہل مل و عقد کا اتفاق رکھیں اور اپنی کتابوں میں لکھیں۔ آبا کسی عاقل کی عقل تجویز کرتی ہے کہ حق تعالیٰ ریاست دین و دنیا جو نبوت کی جانشینی ہے، ایسے کھیل و تماشہ پر بنا کرے گا۔ اگر کسی رئیس کو کسی گاؤں میں مقرر کرتے ہیں تو جب تک اُس قریہ کے اکثر لوگ کسی شخص پر اتفاق نہ کریں اُس کا تقرر پسند نہیں کرتے۔ اس بحث کی تفصیل انشا اللہ اس کے بعد مذکور ہوگی۔ لہذا معلوم ہوا کہ امام کا یقین ان تین امور میں سے ایک کے ساتھ وابستہ ہے اور ان یقینوں میں سے ہر ایک کے بارے میں ائمہ معصومین کے اخبار متواترہ سے ہم پر ثقات و معتدین روایات شیعہ امامیہ کے ذریعہ سے جن کی صداقت و صلاح و دیانت کا علم ہم کو ہے ثابت ہوا ہے اور ہم عین الیقین کے ساتھ اُن کی حقیقت جانتے ہیں۔ لیکن اگر ہم چاہیں کہ مخالفین پر حجت تمام کریں تو چاہیے کہ ان کی معتبر کتابوں کی حدیثوں سے ہم ان پر حجت قرار دیں اسی لیے ہمارے علماء رحمہم اللہ نے ہمیشہ ان کی معتبر کتابوں سے اُن پر حجت تمام کی ہے۔ کیونکہ اگر ہم اپنی کتابوں سے اُن پر حجت تمام کریں تو وہ انکار کریں گے۔ اسی طرح اگر وہ اپنی وضعی احادیث کو جو خلفائے ہجر کے غلبہ کے زمانہ میں منافق صحابہ نے منصب و عہدہ اور مال و زر کی طمع میں وضع کی ہیں ہمارے اوپر حجت قرار دیں تو اُن کو قبول کرنا ہم پر لازم نہ ہوگا۔ لہذا چاہیے کہ ہم اُن حدیثوں سے جو متواتر اور فریقین میں مقبول ہیں یا اُن کی معتبر کتابوں میں مذکور ہیں اپنے مذہب کا حق ہونا ثابت کریں اور اُن کو بھی چاہیے کہ اُن حدیثوں سے جو متواتر ہیں یا ہماری معتبر کتابوں میں مذکور ہیں استدلال کریں نہ کہ اُن وضعی حدیثوں سے جو اُن کی کتابوں سے مخصوص ہیں اور جن کے متعلق اُن کے علماء کے ایک گروہ نے بھی اقرار کیا ہے کہ موضوع ہیں استدلال کریں اور چونکہ اس زمانہ میں اُن کے تعصب کی شدت سے اکثر کتابیں جو سابق

زمانہ میں اُن کے درمیان راجح تھیں اور جن میں اہلیت کے فضائل اور خلفائے جور کے عیوب و نقائص درج تھے متروک ہیں۔ لہذا میں اس رسالہ میں ان کی معتبر اور راجح کتابوں سے بیان کرتا ہوں جس سے انکار نہیں کر سکتے۔ جیسے صحیح بخاری و صحیح مسلم سن کو قرآن مجید کا ثانی مانتے ہیں درج احادیث ابن الاثیر جو ان کے سب سے بڑے عالموں میں سے ہیں اور ان کی تمام صحاح ستہ کی حدیثیں جن سے مراد صحیح بخاری، صحیح مسلم، موطائے مالک، سنن نسائی، جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد سجستانی ہیں۔ ان کتابوں میں جمع کیا ہے۔ اور مثل مشکوٰۃ کے جس کے مؤلف اُن کے مشہور علماء میں سے ہیں اور طیبی وغیرہم نے اس کی شرحیں لکھی ہیں۔ اور اس زمانہ میں ان کے تمام شہروں میں وہ کتابیں راجح ہیں اور پڑھی جاتی ہیں۔ وہ اپنی کتاب کی ابتدا میں کہتے ہیں کہ میں نے ان حدیثوں کو چند کتابوں سے نقل کیا ہے کہ جب میں حدیث کو ان کی طرف نسبت دیتا ہوں ایسا ہے کہ جناب رسول خدا کی جانب نسبت دی ہے اور کتاب استعیاب ابن عبدالبر کہ وہ بھی ان کے مشہور علماء میں سے ہیں اور اُن کی کتاب بھی اُن میں راجح ہے اور کتاب شرح ابن ابی الحدید شیخ البلاغی جو ان کے بڑے علماء میں سے ہیں اور کتاب دندھ سید علی جو اُن کے مشہور فضلاء میں ہیں اور تفسیر ثعلبی جس سے مضامین اخذ کرنے پر ان کی تفسیروں کا دار و مدار ہے۔ اور تفسیر فخر رازی جو اُن کے امام ہیں اور تفسیر کشاف و تفسیر میشا پوری و تفسیر بیضاوی و تفسیر واحدی اور انہی جیسی کتابوں سے جو ہمارے پاس موجود ہیں اور ان کے درمیان متداول اور معتد ہیں اور احادیث اہل بیت علیہم السلام کتاب حیات القلوب میں بیان کر چکا ہوں۔

جاننا چاہیے کہ فرقہ ناجیہ کا مذہب یہ ہے کہ جناب رسول خدا کے بعد اور رسول کی نص سے بغیر کسی واسطہ کے خلیفہ علی بن ابی طالب علیہ السلام ہیں اور اہل سنت کہتے ہیں کہ لوگوں نے ابو بکرؓ کو جناب رسول خدا کے بعد مقرر کیا ہے اور خلیفہ اول وہ ہیں۔ ابو بکر نے عمر کو اپنے بعد خلیفہ مقرر کیا اور وہ دوسرے خلیفہ ہیں۔ اور عمر نے اپنی وفات کے وقت شوریٰ چھ آدمیوں کے درمیان قرار دیا اور امیر المومنین کو ان چھ اشخاص کے درمیان داخل کیا اور یہ تدبیر کی کہ یا امیر المومنین قتل ہوں یا مجبوراً عثمان کی بیعت کریں۔ کیونکہ امیر المومنین کو عثمان، طلحہ، زبیر، عبدالرحمن بن عوف اور سعد بن وقاص کے ساتھ ضم کیا اور کہا کہ اگر سب ایک شخص پر اتفاق کر لیں تو وہی خلیفہ ہوگا اور اگر اختلاف کریں اور ایک طرف زیادہ ہوں تو جو حکم ہوں ان کو قتل کر دیں اور اگر دونوں طرف برابر ہوں اور دو اشخاص ایک ایک شخص کو اختیار کریں تو عبدالرحمن جن کی طرف ہوں اس کو اختیار کریں اور دوسرے تینوں اشخاص کو قتل کر دیں۔ اگر وہ (عبدالرحمن کے گروہ سے) اتفاق نہ کریں عمر کے پاس سے جب باہر نکلے تو امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنی تدبیر کو شمش مجھے قتل

کرنے کی پوری کردی کیونکہ عبدالرحمن سعد کا چچا زاد بھائی ہے اور عثمان عبدالرحمن کے داماد ہیں اور یہ تینوں اشخاص ایک دوسرے کے خلاف نہیں ہو سکتے۔ آخر میں یہ کہ طلحہ و زبیر میرے ساتھ ہوں۔ چونکہ عبدالرحمن دوسری طرف ہوں گے تو چاہیے کہ میں قتل ہو جاؤں یا ان تینوں میں سے کسی کی بیعت کروں اور آخر روز شوریٰ ایسا ہی ہوا اس کے بعد جبکہ جناب امیر نے اپنے تمام فضائل و مناقب ان کو گنوائے اور سب نے تصدیق کی۔ اس کے باوجود عبدالرحمن نے حضرت امیر المؤمنین سے کہا کہ میں آپ کی بیعت اس شرط سے کرتا ہوں کہ کتاب خدا و سنت رسول اور ابو بکر و عمر کی سیرت پر آپ عمل کریں گے۔ حضرت نے فرمایا کہ میں کتاب خدا و سنت رسول خدا پر عمل کروں گا۔ سیرت شیعین پر نہیں کروں گا اور یہ بات اس لیے کہی کہ وہ جانتے تھے کہ جناب امیر علیہ السلام ان کی سیرت پر عمل کرنا منظور نہیں کریں گے۔ پھر یہی بات عثمان سے کہی اور انہوں نے قبول کر لیا تو عبدالرحمن اور سعد دونوں نے عثمان کی بیعت کر لی اور لوگوں نے بھی جبراً بیعت کی۔ اس طرح خلیفہ رسوم ان کو مانتے ہیں۔ جب عثمان کے مظالم اور بدعتیں حد سے گذر گئیں تو صحابہ نے اتفاق کیا اور ان کو قتل کر دیا اور خلیفہ برحق امیر المؤمنین سے بیعت کی۔ لہذا ان حضرت کو خلیفہ چہارم جانتے ہیں اور بعض منافقوں نے خلفائے عباسی کی خوشامد میں اختراع کیا ہے کہ جناب رسول خدا کے بعد آپ کے چچا عباس نے دعوائے خلافت کیا اور وہ خلیفہ ہیں اور اس قول کا باطل ہونا بخوبی ظاہر ہے۔ اور اس کے قائل لوگ سب ختم ہو گئے۔ کوئی باقی نہیں ہے۔ اور جناب امیر کی خلافت ثابت ہونے سے بھی اس قول کا باطل ہونا ظاہر ہے۔

پانچواں مقصد۔ بعض اُن آیتوں کا بیان جو امیر المؤمنین کی امامت و فضیلت پر دلالت

کرتی ہیں۔ (اول) آية دافى هدايه انما وليكم الله ورسوله والذين امنوا الذين يقيمون الصلوة ويطون الزكوة وهدوا صراطا يعنى تمھارے حاكم تو ہیں خدا و رسول ہیں اور وہ ایمان والے جو نماز کو قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اس حال میں جبکہ رکوع میں ہوتے ہیں۔ عامہ و خاصہ نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ یہ آیت انہی حضرت کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ جامع الاصول میں صحیح نسائی کے حوالہ سے عبد اللہ بن سلام سے روایت کی ہے وہ

کہتے ہیں کہ میں جناب رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ چونکہ ہم نے خدا و رسول کی تصدیق کی ہے۔ لوگ ہم سے کنارہ کش ہو گئے اور ہم سے دشمنی کرتے ہیں اور قسم کھاتی ہے کہ ہم سے بات نہ کریں گے اسی وقت خدا نے یہ آیت نازل کی۔ بلال نے نماز ظہر کے لیے اذان دی۔ لوگ اٹھے اور نماز میں مشغول ہو گئے۔ بعض سجدہ میں بعض رکوع میں تھے اور بعض مسواک کر رہے تھے۔ ناگاہ ایک سائل نے سوال کیا۔ امیر المؤمنین نے رکوع میں اپنی انگوٹھی اُس کو دی اور سائل نے رسول خدا

کو خبر دی کہ علی علیہ السلام نے رکوع میں یہ انگوٹھی مجھ کو دی۔ جناب رسول خدا نے اس آیت کو بعد
 کی آیت کے ساتھ پڑھا۔ اور ثعلبی نے اپنی تفسیر میں روایت کی ہے کہ ایک روز عباس چاہہ ازہم
 کے کنارے بیٹھ ہوئے تھے اور حدیث ذکر کر رہے تھے ناگاہ ابوذر رضی اللہ عنہ آئے اور کہا
 ایہا الناس میں ابوذر خفاری ہوں۔ میں نے رسول خدا سے اپنے انہی دونوں کانوں سے سنا ہے
 اگر میں جھوٹ کہتا ہوں تو میرے یہ کان ہرے ہو جائیں اور اپنی انہی دونوں آنکھوں سے دیکھا
 ہے اگر جھوٹ ہو تو میری یہ دونوں آنکھیں اندھی ہو جائیں کہ علی میکو کاروں کے پیشوا، کافروں
 کے قتل کرنے والے ہیں اور امداد یافتہ ہے وہ جو ان کی مدد کرے اور ذلیل و گمراہ ہے وہ جو ان
 کی مدد نہ کرے۔ یقیناً میں نے ایک روز جناب رسول خدا کے ساتھ نماز ظہر ادا کی۔ ایک سال
 نے اسی وقت مسجد کے ایک دروازہ سے سوال کیا کسی نے اس کو کچھ نہ دیا تو سائل نے آسمان
 کی طرف ہاتھ بلند کر کے کہا خداوند اگواہ رہنا کہ میں نے رسول خدا کی مسجد میں سوال کیا اور کسی
 نے مجھ کو کچھ نہ دیا۔ اُس وقت علی علیہ السلام رکوع میں تھے۔ آپ نے اسی حالت میں سائل کی
 طرف اپنے داہنے ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے اشارہ کیا۔ آپ ہمیشہ اُس ہاتھ میں انگشتری پہنتے رہتے
 تھے سائل آیا اور اُن حضرت کی انگلی سے انگوٹھی اُتاری۔ جناب رسول خدا بھی نماز میں تھے اور
 یہ صورت مشاہدہ فرمائی جب نماز سے فارغ ہوئے سر آسمان کی جانب بلند کیا اور کہا خداوند اگواہ
 بھائی موسیٰ نے مجھ سے سوال کیا اور کہا تھا کہ پالنے والے میرے اہل میں سے میرے بھائی ہارون
 سے میرا سینہ کشادہ فرما اور میرے کاموں کو آسان کر اور میری زبان کی گرہ (گنت) کھول دے
 تاکہ لوگ میری بات سمجھیں اور اُن کو میرا وزیر قرار دے۔ میرے بازو اُن سے قوی فرما اور میرے
 کاموں میں اُن کو میرا شریک قرار دے تو اے خدا تو نے ان کی دُعا مستجاب فرمائی اور اُن سے
 خطاب فرمایا کہ عنقریب تمہارے بھائی کے ذریعہ تمہارے بازو قوی کر دوں گا اور تم دونوں کو
 قلبہ اور قوت دوں گا۔ خداوند میں تیرا بندہ محمد تیرا پیغمبر برگزیدہ ہوں۔ میرا سینہ بھی کشادہ فرما۔
 اور میرے کام بھی آسان فرما اور میرے اہل میں سے میرا وزیر علی بن ابی طالب کو قرار دے اور اُن
 سے میری پشت قوی کر دے۔ ابوذر نے کہا کہ ابھی آنحضرت کا کلام تمام نہیں ہوا تھا کہ جبرئیل
 علیہ السلام خدا کی جانب سے نازل ہوئے اور کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ آیت علی کو
 سنا دیجئے۔ آنحضرت نے سنا یا۔ پہنچنے لے بہت سی سندوں کے ساتھ اور حفصہ رازی نے دو سندوں
 سے اور زمشتری، یرضادی، عیسا پوری، ابن الطبع واحدی، سمعانی، بہیقی، نظری، صاحب مشکوٰۃ
 مؤلف مصابیح اور تمام مفسرین و محدثین خاصہ و عامہ مثل سعدی، حجاب، حسن بصری، اعلمش، عقبہ
 بن ابی حکم، غالب بن عبد اللہ، قیس بن ربیعہ، عیاب بن ربیع، ابن عباس، ابوذر اور جابر بن عبد اللہ

انصاری وغیر ہم نے روایت کی ہے اور حسان شاعر اور اُس کے علاوہ دوسرے شاعروں نے اس واقعہ کو نظم کیا ہے اور جوہر آنحضرت کی امامت پر دلیل ہے یہ ہے کہ انما مکہ حصہ ہے اور ولی کے تخت میں چند معنی آتے ہیں یاور، دوست، صاحب اختیار، اولیٰ بتصرف۔ آخری دونوں معنی ایک دوسرے سے نزدیک ہیں اور پہلے دونوں معنی ظاہر ہے کہ اس آیت میں مراد نہیں ہیں کیونکہ مومنین کے یاور اور دوست مخصوص خدا و رسول اور بعض مومنین جو اس صفت سے موصوف ہوتے ہیں نہیں ہیں بلکہ تمام مومنین آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں جیسا کہ خداوند عالم نے فرمایا ہے۔

والمؤمنون والمؤمنات بعضهم اولیاء لبعض اور فرشتے بھی مومنین کے محب و یاور ہیں جیسا کہ فرمایا ہے کہ نحن اولیاءکم فی الحیوة الدنیا۔ بلکہ بعض کفار بعض مومنین کے محب و یاور ہوتے ہیں۔ اگر کہیں کہ آیت میں لفظ جمع وارد ہوا ہے۔ کیونکہ آنحضرت سے مخصوص ہوگا۔ تو اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ عرب و عجم میں جمع کا اطلاق واحد پر باعتبار تعظیم کے عام ہے یا دوسرے نکات آیات کریمہ میں بہت ہیں یا یہ کہ ہم اختصاص کا دعوے نہیں کرتے ہیں۔ کیونکہ ہماری حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ اس آیت میں تمام ائمہ داخل ہیں اور ہر امام قرب امامت میں یقیناً اس فضیلت سے فائز ہوتا ہے اور صاحب کشف نے کہا ہے کہ اس آیت سے مراد اگرچہ وہی حضرت ہیں لیکن لفظ جمع اس لیے لایا گیا ہے کہ دوسرے بھی اُن حضرت کی متابعت کریں۔ اس کی تائید کہ یہ آیت انہی حضرت کی شان میں ہے اور اس آیت سے مراد انہی حضرت کی ذات ہے اور مراد ولایت و امامت ہے۔ صحیح مسلم اور صحیح ترمذی میں عمر بن حصین سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک لشکر کہیں بھیجا اور امیر المومنین کو اُس لشکر کا امیر مقرر کیا۔ حضرت نے فتح کیا اور غنیمت میں سے ایک کینز لے لی۔ اہل لشکر کو یہ امر پسند نہ آیا صحابہ میں سے چار اشخاص نے یہ طے کیا کہ جب رسول خدا کی خدمت میں پہنچیں گے تو اس کی شکایت حضرت سے کریں گے۔ قاعدہ یہ تھا کہ جب مسلمان جنگ سے واپس آتے تھے پہلے آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور سلام کرتے تھے۔ اس کے بعد اپنے اپنے گھروں کو جاتے تھے جب آنحضرت کی خدمت میں پہنچے اور سلام کیا۔ اُن چار افراد میں سے ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ امیر المومنین نے ایسا کیا ہے۔ یہ سن کر جناب رسول خدا نے اُس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ دوسرے شخص نے کھڑے ہو کر یہی بات کہی۔ حضرت نے اُس کی طرف سے بھی منہ پھیر لیا۔ تیسرے نے بھی کہا۔ حضرت نے اُس کی جانب سے بھی منہ پھیر لیا۔ جب چوتھے نے بھی کہا تو حضرت نے اُن سب کی طرف رخ کیا اور غضب حضرت کے پھرہ مبارک سے ظاہر تھا اور تین مرتبہ فرمایا کہ علی سے کیا چاہتے ہو۔ بیشک علیؑ مجھ سے ہے اور میں اُس سے ہوں اور وہ ہر مومن اور مومنہ کا ولی ہے۔ ابن عبد البر نے استعیاب

میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا ﷺ نے علیؑ ابن ابی طالب سے فرمایا کہ میرے بعد تم ہر مومن کے ولی ہو۔ لہذا معلوم ہوا کہ ولایت وہ امر ہے جو ان حضرت سے مخصوص ہے۔ ولی جو اس آیت میں ہے انہی کی شان میں ہے اور حدیث اول کے فقرہ اول سے معلوم ہے کہ جو خصوصیت ان حضرت کو جناب رسول خدا ﷺ سے تھی کسی دوسرے کو نہیں تھی۔ ایضاً جناب رسول خدا ﷺ کے ارشاد کے مطابق آپ کے بعد ولی ہونے کی خصوصیت دونوں ولیوں میں خلافت پر ہے۔ کیونکہ محبت اور نصرت حیات کی حالت میں بھی تھی اور ہر عاقل جانتا ہے کہ ایسا شخص ابوبکر و عمر و عثمان کی رعایا اور ان کے حکم کا تابع نہیں ہو سکتا تھا۔

(دوسری آیت) یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وكونوا مع الصادقین یعنی اے وہ گروہ جو ایمان لائے ہو چاہیے کہ اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ ہر معاملہ میں خصوصاً کردار و گفتار سے (یعنی اپنے قول و عمل سے) اپنے ایمان کے دعوے میں اور ظاہر ہے کہ ان کے ساتھ ہو جانے سے مراد قول و عمل میں ان کی اطاعت و پیروی ہے نہ یہ کہ جسم اور بدن سے ان کے ساتھ ہونا۔ کیونکہ وہ محال ہے اور بے فائدہ اور امامت کے معنی یہی ہیں۔ چونکہ بالاتفاق امت قرآن مجید میں خطابات عام ہیں اور تمام امت اور ہر زمانہ کے ساتھ شامل ہیں۔ لہذا چاہیے کہ ہر زمانہ میں ایک صادق کا ہونا ضروری ہے تاکہ امت اس کے ساتھ ہو اور معلوم ہے کہ فی الجملہ صادق سے یہی مراد ہے ورنہ لازم آئے گا کہ ہر شخص صادق ہو اور اس کی متابعت واجب ہو، اور یہ امر باتفاق باطل ہے لہذا چاہیے کہ صادق جمیع افعال و اقوال میں مراد ہو، اور وہ معصوم ہے اس لیے ہر زمانہ میں امام کا وجود ثابت ہوا۔ اور اس کی اطاعت و پیروی بھی، اور بالاتفاق سوائے جناب رسول خدا ﷺ اور بارہ اماموں کے کوئی معصوم نہیں ہے۔ الغرض ان کے مذہبوں کا سچ ہونا اور ان کے ائمہ کی امامت معلوم ہوتی کہ (کیا حقیقت رکھتی ہے) اسی کے ساتھ سیوطی نے تفسیر درمنثور میں اور ثعلبی نے تفسیر مشہور میں ابن عباسؓ اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آیت میں صادقوں سے مراد حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام ہیں اور ابوبکر، عیسیٰ بن محمد الثقفی اور خروکشی نے کتاب شرف النبی میں اسمعی سے اسی کی سند سے حضرت باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ صادقین سے مراد محمد و علی علیہما السلام ہیں اور امیر المومنین سے روایت کی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ صادقوں ہم ہیں اور حضرت صادقؑ سے منقول ہے کہ صادقوں آل محمدؑ ہیں اور بعض روایتوں میں وارد ہوا ہے کہ صادقین وہ ہیں جن کی شان میں خدا نے فرمایا ہے۔ من المؤمنون رجال ہدوا ما عاہدوا اللہ علیہا فسنہم من قسط غیبہ و متلہم من ینتظر و ما یدلوا تبدیلا یعنی مومنین میں وہ چند مرد ہیں جنہوں نے سچ کہا ہے۔ ان باتوں کو جن پر خدا سے عہد و پیمانہ کیا تھا کہ

رسول کے ساتھ ثابت قدم رہیں گے اور دشمنانِ دین سے جنگ کریں گے اور میدان سے نہ بھاگیں گے یہاں تک کہ قتل ہو جائیں اور آنحضرت کی متابعت دل و زبان سے کریں گے۔ لیکن بعض نے اُن میں اپنے عہد کو وفا کیا یہاں تک کہ شہید ہوئے۔ اور بعض شہادت کا انتظار کر رہے ہیں اور انہوں نے اپنے عہد کو نہیں بدلا، جو نہ بدلنے کا حق ہے اور عامہ و خاصہ کی حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ یہ آیت اطمینت کی شان میں نازل ہوئی ہے اور اس سے مراد حضرت حمزہ، جعفر طیار اور امیر المؤمنین علیہم السلام ہیں جنہوں نے عہد کیا تھا کہ جب تک قتل نہ ہو جائیں جناب رسول خدا کی مدد و نصرت سے ہاتھ نہ اٹھائیں گے۔ اور انہوں نے اس عہد کو پورا کیا اور جو شہید ہوئے وہ حمزہ اور جعفر تھے اور جو شہادت کا انتظار کر رہے تھے امیر المؤمنین تھے۔ وہ لوگ جنگ سے کبھی نہ بھاگے مثل ابوبکر و عثمان و انہی کے ایسے لوگوں کے۔ اور اُن لوگوں نے دینِ خدا میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا ہے۔ اسبابِ النزول میں عامہ کے طریقہ سے روایت کی ہے کہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا کہ میں شہادت کا انتظار کر رہا ہوں۔ اور میں نے خدا سے اپنے عہد کو تبدیل نہیں کیا جو نہ کرنے کا حق ہے۔

اس آیت میں دو استدلال اس مدعا استحکام پر نقل کرتا ہوں۔ ایک مشاہیر علمائے عامہ اور ایک اعظم علمائے خاصہ کا۔

(پہلا استدلال) یہ ہے کہ امام فخر رازی نے جو حضرات اہلسنت کے امام ہیں اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ حق تعالیٰ نے اس آیت میں مومنوں کو حکم دیا ہے کہ سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ لہذا چاہیے کہ صادقین موجود ہوں کیونکہ ہونا کسی چیز کے ساتھ مشروط ہے، اُس چیز کے ہونے پر لہذا لازم ہے کہ ہر زمانہ میں صادقین ہوں اور چاہیے کہ تمام امت باطل پر نہ جمع ہوں اور یہ دلیل ہے اس پر کہ یہ اجماعِ حجت ہے اور یہ زمانہ رسول سے مخصوص نہیں ہے کیونکہ بتواتر ثابت ہے کہ قرآن کے خطاباتِ قیامت تک تمام مکلفین سے ہیں۔ ایضاً آیت کے الفاظ تمام اوقات کو شامل ہیں۔ اور کسی زمانہ سے تخصیص کرنا جو آیت سے معلوم نہیں ہوتا، حکم کو معطل کرنے کا باعث ہے۔ ایضاً خدا تعالیٰ نے اول اُن کو تقویٰ کا حکم دیا ہے اور یہ حکم ہر شخص کے شامل ہے اور ہو سکتا ہے کہ وہ متقی نہ ہو اور خطاب اُس سے جائز ہو۔ لہذا آیت کریمہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ جب کوئی شخص جائز الخطا ہے اُس پر واجب ہے کہ اُس کی پیروی کرے جس کی عصمت خطا سے واجب ہو (یعنی خطا سے محفوظ رہنا واجب ہو) اور وہ وہی ہیں جن کو خدا نے صادق فرمایا ہے اور

حکم کی ترتیب اس بارے میں اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جائز الخطا پر اس لیے واجب ہے کہ وہ صادق کی اقتدا و پیروی کرے کہ وہ اس کو خطا سے باز رکھے اور یہ طلب ہر زمانہ سے متعلق ہے لہذا چاہیے کہ محصوم بھی ہر زمانہ میں ہو، اور ہم اس کو قبول کرتے ہیں۔ لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ محصوم ساری

اُمت ہے اور شیعہ کہتے ہیں کہ اُمت میں سے صرف ایک شخص ہے اور ہم کہتے ہیں کہ یہ قول باطل ہے کیونکہ اگر ایسا ہے تو چاہیے کہ ہم پہچانیں کہ وہ شخص کون ہے تاکہ اُس کی ہم متابعت کریں اور ہم وہ ہیں کہ اُس شخص کو اُمت میں نہیں پہچانتے۔ یہاں تک فقر رازی کا کلام تھا۔ اور خداوند تعالیٰ نے اُن کے ہاتھ اور زبان پر نہایت یقین کے ساتھ دلیل تمام کرنے کے بعد جاری کر دیا۔ اُنہوں نے ایسا کمزور جواب دیا جس سے اپنی عصبیت اور عناد تمام عالم پر ظاہر کر دیا۔ اور کسی صاحب عقل پر اس جواب کا ضعف مخفی نہیں ہوگا۔

ہم وضاحت کے لیے چند وجوہ سے اُن کا جواب دیتے ہیں۔

وجہ اول۔ جب کہ انہوں نے تصریح کر دی کہ ہر زمانہ میں مہصوم کی لوگوں کو خطائے محفوظ رکھنے کے لیے ضرورت ہے تو کوئی قائل تجویز کرتا ہے کہ ان زمانوں میں جبکہ جناب رسالت مآب کی اُمت عالم کے مشرق و مغرب میں پھیلی ہوئی ہے کسی ایک شخص کے لیے ممکن ہو سکتا ہے کہ تمام علمائے اُمت کے اقوال کا علم حاصل کرے کہ کسی نے اس مسئلہ میں مخالفت نہیں کی ہے باوجود اس اختلاف آراء اور خواہشات کے جو درمیان اُمت موجود ہے۔ یہ فاضل جو دعویٰ کرتے ہیں کہ اُن کا ہنرمند تمام علماء سے زیادہ ہے اُن کو علم نہیں کہ وہ مسئلہ امامیہ کو جانتے چر جائیکہ تمام اسلامی فرقوں کے مسائل اگر فرض محال سب کو دیکھیں اور سب کی باتیں نہیں تو کہاں سے معلوم ہوگا کہ اُس نے اپنے واقعی اعتقاد اُن سے بیان کئے ہیں جبکہ ممکن ہے کہ تفتیح کیا ہو جیسا کہ مذہب امامیہ میں جاتر ہے۔ ایضاً یہ کہاں سے معلوم ہو سکتا ہے کہ مرنے کے وقت تک اس مذہب پر باقی رہے ہیں کیونکہ یہ بھی اجماع کی تحقیق میں اکثر کے قول کی بنا پر شرط ہے۔

دوسری وجہ۔ مان لیا جائے کہ ایسا اجماع ممکن ہے اور اس کا علم تحقیق سے ہم پہچانایا جاسکتا ہے مگر قلیل مسائل میں ممکن ہے پھر خطا تمام مسائل میں کیسے رفع ہو سکتی ہے۔

تیسری وجہ۔ یہ کہ ظاہراً بلکہ صریحاً یہ ہے کہ کو نواع الصادقین یعنی صادقین کے ساتھ ہونے پر مامور لوگ صادقین کے علاوہ ہوں گے اس وجہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کے لیے عین صادق ہیں۔

چوتھی وجہ۔ یہ کہ جو کچھ مذہب شیعہ کی نفی میں کہا ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو چاہیے تھا کہ ہم جانتے کہ صادق کون ہے اُس کے مثل ہے کہ اہل کتاب کہیں کہ رسول کی نبوت باطل ہے کیونکہ اگر حق ہوتی تو چاہیے تھا کہ ہم اس کو پہچانتے اور اس کی حقیقت جانتے اور کہیں کہ عیسیٰ پیغمبر ہوتے تو ہم ان کی حقیقت جانتے اور حق یہ ہے کہ یہ اُن ہی کی تفسیر کی جانب راجع ہے۔ چاہیے کہ تعصب کو بظن کر کے اذروئے انصاف دلائل و اخبار و آثار کی جانب رجوع ہوں تاکہ بمقتضائے ولذین جاہلاً

فیتا لشمہ دیتھہ مسبلنا حق اُن پر ظاہر ہو اگر سچ کہتے ہیں کہ حق اُن پر واضح نہیں ہوا ہے اور غالب گمان یہ ہے کہ حق اُن پر ظاہر ہو چکا ہے۔ لیکن جب دنیا اور خواہش نفسانی کی پیروی میں اظہار نہیں کرتے اگر وہ یہ وجہ بیان کریں کہ اجماع کی تحقیق کی نفی میں جو قوم نے کسی تو تمہارے علماء پر بھی وارد ہوتی ہے تو ہم جواب میں کہیں گے کہ وہ اجماع کو معصوم کے داخل ہونے کے اعتبار سے حجت مانتے ہیں۔ اگر دو افراد اتفاق کر لیں کہ جانتے ہیں اور ان میں سے ایک معصوم ہے تو حجت جانتے ہیں اور اگر ایک لاکھ اشخاص اتفاق کریں اور معصوم ان کے درمیان داخل نہ ہو تو حجت نہیں جانتے کیونکہ اگر ہر ایک پر خطا و غلطی جائز ہے تو ان کے مجموعے پر بھی جائز ہے اور معصوم کے داخل ہونے کا علم علمائے شیعہ کے اقوال سے جو ائمہ معصوم علیہم السلام کے زمانہ میں اور ان کے زمانہ سے قریب ہے میں ممکن ہے جو ان کے لیے حاصل ہوا ہوگا۔ اس رسالہ میں اس امر کی تحقیق کی گنجائش نہیں ہے۔

(دوسرے پر کہ) جناب شیخ صدیق مفید علیہ الرحمہ سے لوگوں نے اس آیت کی تفسیر دریافت کی اور یہ کہ یہ آیت کس کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ شیخ قدس اللہ روحہ نے جواب میں فرمایا کہ یہ آیت جلیل اللہ لالہ حضرت امیر المومنین کی شان میں نازل ہوئی ہے اور اس کا حکم ان کی اولاد امجاد میں جو پیشوائے دین اور ائمہ صادق ہیں جاری ہوا ہے اور اس باب میں حدیثیں بہت وارد ہوئی ہیں۔ اور آیت کے اسلوب سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جناب مقدس الہی نے اس آیت میں لوگوں کو حکم دیا ہے کہ صادقین کی متابعت کریں اور ان سے جدا نہ ہوں اور چاہیے کہ جن کو خطاب کیا اور حکم دیا ہے ان کے علاوہ ہوں جو ان کے ساتھ رہنے پر مامور ہوئے ہیں۔ کیونکہ یہ محال ہے کہ کسی شخص کو حکم دیں کہ اپنے ساتھ لیں اور اپنے حکم کی پیروی کریں۔ لہذا ہم کہتے ہیں کہ صادقوں سے مراد یا تمام سچے ہوں یا ان میں سے بعض ہوں اور پہلا قول باطل ہے کیونکہ ہر مومن باعتبار ایمان صادق ہے اور سب اس دعوے میں سچے ہیں لہذا لازم آتا ہے کہ سب مومنین اپنی متابعت پر مامور ہوں اور یہ محال ہے اور اگر ان میں سے بعض مراد ہیں یا بعض معہود و معلومی مراد ہیں کہ الف و لام (آیت پر) عہد خارجی کے لیے ہو یا یہ کہ بعض غیر معہودی مراد ہیں بنا بر قول اول تو چاہیے کہ یہ جماعت معلوم و محدوف ہو اور خطاب لوگ ان کو پہچانتے ہوں اور آیتیں ان کے نام و نسب کے ساتھ وارد ہوئی ہوں اور ان لوگوں نے سنی ہوں اور جو شخص ایک شخص کے بارے میں دعوت کرے بغیر اُس جماعت کے جن کے بارے میں ہم دعوت کرتے ہیں تو باطل ہے کیونکہ معلوم ہے کہ دوسرے کے حق میں یہ مراتب تحقیق شدہ نہیں ہیں اور وہ معہود نہیں ہیں اور خود معترف ہیں کہ جناب رسول خدا کے زمانہ میں ان کی خلافت پر عیب نہیں ہوئی اور قول دوم کی بنا پر بعض غیر معہود مراد ہوں گے۔ لہذا یقیناً اُس کے بعد اس بعض کی تعیین و تخصیص ضرور نہ امر مجہول کی تکلیف ہوگی کہ مثل اُس کے نہیں کر سکتا اور وہ محال ہے اور معلوم ہے کہ ہمارے

آئمہ کے سوا کسی نے تعین و تخصیص کا دعویٰ نہیں کیا ہے اور نہ کر سکتا ہے، لہذا ثابت ہوا کہ مراد وہی حضرات ہیں۔ نیز اس پر کہ وہی حضرات مراد ہیں ہم عقل و نقلی دلیل رکھتے ہیں۔

دلیل عقلی۔ چونکہ اس آیت کریمہ میں حکم ہوا ہے کہ امت مطلق ان کی متابعت کرے اور ایک حکم کے علاوہ دوسرے کسی حکم کی تخصیص نہیں ہوئی ہے لہذا چاہیے کہ وہ معصوم ہوں ورنہ لازم آئے گا کہ امت خطا و معصیت میں ان کی متابعت پر مامور ہوئی ہے اور یہ محال ہے۔ چونکہ عصمت ایک امر باطنی ہے جس کو سوائے خداوند تعالیٰ کے کوئی نہیں جان سکتا۔ لہذا چاہیے کہ نص ان کی امامت اور عصمت پر ہوئی ہو اور بالاتفاق ان کے سوا دوسروں پر نص نہیں ہوئی ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ وہی

مراد میں دلیل نقلی۔ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں صادقین کی چند صفحتوں کے ساتھ تعریف کی ہے جو حضرت امیر المومنین کے سوا کسی میں جمع نہیں ہوئی ہیں۔ کیونکہ فرمایا ہے۔ لیس البر ان تولسوا و جوہرہ قبل المشرق والمغرب یعنی یہ نیکی نہیں ہے کہ تم اپنا منہ مشرق اور مغرب کی جانب کرو۔ ولعن البر من امن بالله والیوم الآخر والصلح والکتاب والتبیین لیکن نیک انسان وہ ہے جو خدا و روز قیامت اور فرشتوں اور خدا کی کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لائے و اتی المال علی حبہ خودی القربى والیتاحی والمسکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب اور وہ اس کی محبت میں اپنے قرابت داروں یا رسول کے قرابت داروں پر اور یتیموں اور مسکینوں پر اور مسافروں پر جو اپنے گھر واپس نہیں جاسکتے اور سوال کرنے والے گداؤں پر اور غلاموں کو آزاد کرنے میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں و اقام الصلوة و اتی الزکوٰۃ المفونون بعہدہم اذا عاہدوا والصابرین فی البساء والضرّاء وحین الباس اولئک الذین صدقوا و اولئک ہم المتقون۔ وہ نماز کو قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ جب کوئی عہد کرتے ہیں تو اس کو پورا کرتے ہیں اور وہ تکلیف و پریشانیوں میں صبر کرتے اور ثابت قدم رہتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے سچ کہا اور اپنے دعوئے ایمان میں سچے ہیں اور یہی لوگ پرہیزگار ہیں۔ اس کے بعد شیخ نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ نے اس آیت شریفہ میں ان خصلتوں کو جمع کیا پھر اس شخص کے لیے شہادت دی جس میں یہ اوصاف سچائی اور تقویٰ کے ساتھ کامل طور پر مطلقاً موجود ہیں۔ بلکہ صدق و تقویٰ کو ان میں منحصر کر دیا ہے۔ جیسا کہ علم معانی و بیان میں مقرر ہے۔ پھر پہلی آیت کو اس میں ضم کریں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ صادقین کی متابعت کرو جن میں یہ خصلتیں کامل اور جمع ہوں اور ہم کو جناب رسول خدا کے صحابہ میں امیر المومنین کے سوا کوئی نہیں ملتا جس میں یہ خصلتیں جمع ہوں۔ لہذا چاہیے کہ پہلی آیت میں صادقین سے مراد وہی ہوں اور ساری امت تمام احکام میں ان کی اطاعت پر مامور ہو۔ کیونکہ آیت میں ایک حکم کے

ساتھ دوسرے حکم کی تخصیص نہیں ہوئی ہے۔ اور ان حضرت کی ذات اقدس میں ان اوصاف کا کمال و اجتماع یہ ہے کہ آیت کی ابتدا میں خدا، روز قیامت، ملائکہ خدا کی کتابوں اور روز قیامت پر ایمان لانا مذکور ہوا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ حضرت تمام لوگوں سے پہلے ان چیزوں پر ایمان لائے اور خاصہ و عامہ کی متواتر حدیثوں کے مطابق وہ مردوں میں سب سے پہلے شخص تھے کہ آنحضرت کی اجابت کی۔ چنانچہ جناب رسول خدا نے حضرت فاطمہ علیہا السلام سے فرمایا کہ میں نے تم کو اس شخص سے نزوح کی جو اسلام و اطاعت خدا و رسول میں تمام صحابہ سے بہت پہلے ہے اور علم میں سب سے زیادہ ہے۔ اور یہ خبر بھی متواتر ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ میں خدا کا خالص بندہ اور رسول خدا کا بھائی ہوں اور مجھ سے پہلے کسی نے یہ بات نہیں کہی ہے اور نہ میرے بعد کوئی کہہ سکتا ہے۔ لیکن وہی جو بہت جھوٹا اور افترا کرنے والا ہو، اور میں نے دوسروں سے سات سال پہلے نماز پڑھی اور فرماتے تھے کہ خداوند میں اس امت میں سے کسی کے پاس نہیں کہتا کہ اُس نے مجھ سے پہلے تیری عبادت کی ہو اور جب خوارج سے آپ کی گفتگو ہوئی جب وہ کہتے تھے علی جھوٹ کہتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ میں اُس کو جھوٹ کی نسبت دے کر خدا کو (معاذ اللہ) جھوٹا کہوں حالانکہ میں وہ ہوں جس نے خدا کی عبادت کی اور کیونکر رسول پر افترا کیا ہے جب کہ میں سب سے پہلے ان پر ایمان لایا ہوں اور ان کی تصدیق اور مدد کی ہے۔ اور حضرت امام حسن علیہ السلام نے اُس رات فرمایا جس رات دنیا سے جناب امیر نے رحلت فرمائی کہ آج رات وہ دنیا سے رخصت ہوا کہ اگلے لوگ اس سے کمالات میں آگے نہیں بڑھے اور نہ آنے والے لوگ بڑھ سکتے ہیں۔ اس پر بہت دلیلیں ہیں جن کا ذکر طوالت کا باعث ہوگا۔ خداوند عالم نے ایمان کے بعد آیت میں اموال اور تصدقات کا ذکر فرمایا ہے۔ اور نصوص قرآنی اور احادیث متواترہ کے مطابق حضرت امیر المومنین ان اوصاف میں بھی سب سے زیادہ ہیں۔ حق تعالیٰ سورہ "ہل اتی" میں فرماتا ہے۔

وِطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِمْ كَيْفَ مَسَكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسْيَرًا ۖ يَعْنِي خَدَاكُمُ حُبَّتْ فِي سَكِينٍ وَيَتِيمٍ وَأَسِيرًا كَمَا نَكَلَانِي فِيهِمْ ۖ عَامَهُ وَخَاصَّهُ كَمَا مَفْسَرُونَ ۚ وَرَادِيُونَ لِي فِيهِمْ كَمَا يَكُونُ فِيهِمْ ۚ

آیت بلکہ پورا سورہ علی وفاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام کی شان میں نازل ہوا ہے پھر فرمایا ہے

وَالَّذِينَ يَتَّقُونَ أَمْوَالَهُم بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً تَأْتِيهِمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۖ

یعنی وہ لوگ جو رات اور دن میں چھپا کر اور علانیہ طور پر اپنا مال (راہِ خدا میں) خرچ کرتے ہیں تو ان کے خدا کے پاس ان کا (بہترین) اجر ہے اور نہ ان کے لیے آخرت میں کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ محزون ہوں گے۔ یہ شیخ نے فرمایا ہے کہ روایت مستفیضہ وارد ہوئی ہے کہ یہ آیت امیر المومنین علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اور اس میں اختلاف نہیں ہے

کہ اُن حضرت نے اپنے وقتِ بازو کی محنت سے کثرت سے غلاموں کو آزاد کیا جس کا احصاء نہیں ہو سکتا اور بہت سے کھیتوں اور باغوں کو جن کو اپنے دستِ حق پرست سے لگایا اور تیار کیا تھا فقر و سہاگن کے لیے وقف کر دیا تھا۔

اس کے بعد خداوندِ عالم نے نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کا ذکر فرمایا ہے اور وہ انہی حضرت کی شان میں آیہ کریمہ انما ولیکم اللہ کی دلالت سے ہے جس پر اہل نقل نے اتفاق کیا ہے کہ حضرت نے رکوع کی حالت میں زکوٰۃ دی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ توقف کتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ شیخ نے اس آیت کو اس معنی پر محمول کیا ہو یا یہ کہ واتوا الزکوٰۃ کو واوِ حالہ قرار دیا ہو۔ اس قرینہ سے کہ پہلے اس آیت میں مال کا خرچ کرنا مذکور ہوا۔ اور تاکید سے تا سیس زیادہ بہتر ہے۔ لہذا شیخ نے کہا کہ اس کے بعد خدا نے ایفائے عہد کا ذکر فرمایا اور اصحاب میں سے کوئی شخص نہیں جس سے نقص ظاہر نہ ہوا ہو۔ یا اس کو اس کی نسبت نہ دی گئی ہو۔ لیکن جناب امیرؒ وہ ہیں جن کے بارے میں کسی کو احتمال بھی نہیں ہوتا ہے کہ آپ نے جو عہد رسولِ خدا سے آنحضرت کی حمایت و نصرت و جانفشانی کے لیے کیا ہوا ہے توڑا ہوگا لہذا یہ صفت بھی انہی حضرت سے مخصوص ہے۔

اس کے بعد حق تعالیٰ نے بلاؤں، سختیوں اور جہادوں میں ثابت رہنے اور صبر کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ آپ کے علاوہ کسی شخص نے لڑائیوں اور سختیوں میں صبر نہیں کیا اور نہ ثابت قدم رہا ہے۔ وہ فقط آپ کی ذات ہے کہ باتفاق دوست و دشمن کسی جنگ میں ہلچہ نہیں پھیری اور نہ کسی (بڑے سے بڑے شور) سے خوف کیا۔ خدا نے ان تمام صفتوں کے ذکر کے بعد فرمایا۔ کہ یہی لوگ ہیں جو سچے اور راستگو ہیں۔ اُن کے علاوہ دوسرے نہیں ہیں اور یہی لوگ ہیں جو پرہیزگار ہیں یعنی جس صداقت کی اطاعت و سروری کا ہم نے حکم دیا ہے کہ یہ صفات اس میں مجتمع ہوں گے وہ امیر المؤمنین ہیں۔ اور لفظ جمع سے ان کی تعمیر تعظیم و عظمت کے لیے ہے کیونکہ اہل عرب لفظ جمع واحد پر اطلاق کرتے ہیں۔ جبکہ اُس کی بلندی اور رفعت شان کی جانب اشارہ کرتے ہیں۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ لفظ جمع اس اشارہ کے لیے لاتے ہیں کہ کچھ دوسرے لوگ بھی اس امر میں شریک ہیں اور اس جگہ یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ تمام ائمہ اطہار اس مرتبہ اور ان جلیلہ صفتوں میں اُن حضرت کے شریک ہیں لہ

لہ توقف فرماتے ہیں کہ طبعی نے اپنی تفسیر میں مجاہد سے اُس نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت امیر المؤمنین کے پاس چار دریم تھے۔ ان کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ آپ نے ایک دریم پوشیدہ طور سے خیرات کیا۔ ایک علانیہ طور سے۔ ایک رات کو دیا اور ایک دن کو دیا۔ اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ الذین ینفقون اموالہم باللیل والنہار سعیا وعلاناً (یعنی اچھے صفحے پر)

(تیسرے) یہ کہ مخالفین موافقین کے طریقہ سے بہت سی حدیثیں آپ کے صدق اور صدیق ہونے کی آیتوں کی تفسیر میں وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ ابن مردودہ و حافظ ابو نعیم نے علیہ میں اور سیوطی نے تفسیر در مشور میں اسی طرح دوسرے مفسران نے ابن عباس اور مجاہد سے روایت کی ہے خدا کے اس قول کی تفسیر میں کہ وَالَّذِي جَاءَ بِالصَّدَقِ وَصَدَقَ بِهِ أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ یعنی وہ شخص جو سچائی لایا اور اس کے ساتھ تصدیق کی، ایسے ہی پرہیزگار ہیں۔ کہتے ہیں کہ جو سچائی لایا، ...

وہ جناب رسول خدا ہیں اور جس نے ان کی تصدیق کی وہ حضرت علی بن ابی طالب ہیں۔ اس بنا پر موصول اُس میں صدق مقرر ہے۔ اور عربی دان کو فیوں نے موصول کو حذف کیا ہے۔ پھر حق تعالیٰ فرماتا ہے وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللهِ وَرَسُولِهِ أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ وَالشَّهَادَةُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ احمد بن حنبل اور دوسرے جماعت نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یہ آیت امیر المؤمنین علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے جو خدا اور رسول پر ایمان لائے۔ اور وہ بہت راستگو ہیں اور تصدیق کرنے والے اور پیغمبروں کے گواہ ہیں اس کے کہ اُن پیغمبروں نے تبلیغ رسالت کی ہے جناب رسول خدا کی تصدیق پر ان کے لیے ان کا اجر ہے اور ان کا نور صراط پر ساتھ ہوگا۔ پھر خداوند عالم نے فرمایا ہے۔ وَمَنْ يَطِعِ اللهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصَّادِقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَئِكَ رَفِيقًا۔ یعنی وہ نور، جو خدا و رسول کی اطاعت کرتے ہیں وہ روز قیامت ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے۔ جن پر خدا نے انعام فرمایا ہے اور وہ پیغمبران خدا اور صدیقین اور شہداء و صالحین ہیں اور وہ اچھے رفیق ہیں لہذا معلوم ہوا کہ پیغمبروں کے بعد شہیدوں اور صالحوں سے صدیقین زیادہ بلند مرتبہ ہیں اور یہ امانت و وصایت کے مصداق ہیں۔ اور خاصہ و عام نے بطریق متواتر روایت کی ہے کہ علی بن ابی طالب اس امانت کے صدیق ہیں۔ اور فخر رازی، ثعلبی اور احمد بن حنبل نے اپنی مستندیں اور ابن شہر آشوب نے فرووس، میں اور ابن مغازلی اور دوسروں نے جناب رسول خدا سے روایت کی ہے کہ صدیق تین اشخاص ہیں۔ جیسب بن نجار جو مومنین السبین ہیں۔ حذیفہ بن یمان آل فرعون ہیں اور علی بن ابی طالب جو ان میں افضل ہیں اور ثعلبی نے بسند دیگر روایت کی ہے کہ امتوں میں سب سے سبقت لے جانے والے تین اشخاص ہیں جو ایک چہشمہ زوان کے لیے بھی خدا کے منکر (کافر) نہیں ہوتے تھے۔ علی بن ابی طالب اور صاحب آریسین اور مومنین آل فرعون۔ یہی حضرات صدیق ہیں اور علی بن ابی طالب ان میں سب سے افضل ہیں۔ حافظ ابو نعیم

(بقیہ حاشیہ گزشتہ) جو شیخ مفید کے کلام میں گذر چکی۔ اور زید بن ربیع سے روایت ہے کہ کسی شخص کی شان میں قرآن مجید کی اتنی آیتیں نہیں نازل ہوئیں جس قدر حضرت امیر المؤمنین کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔ ۱۲

نے عباد بن عبد اللہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے سنا کہ امیر المؤمنینؑ فرماتے تھے کہ میں صدیق اکبرؑ ہوں میرے بعد کوئی یہ دعویٰ نہ کرے گا۔ مگر وہ جھوٹا ہوگا۔ میں نے دوسروں سے سات سال پہلے نماز پڑھی ہے۔ اور صدیق لغت اور عرف میں معصوم کے مترادف ہے یا اُس کے قریب اور صاحب صحاح نے کہا ہے کہ صدیق ہمیشہ تصدیق کرنے والا ہوتا ہے اور وہ ہے جو اپنے قول کی اپنے کردار سے تصدیق کرے۔ خداوند عالم نے اس صفت سے پیغمبروں کی تعریف کی ہے حضرت اور اسی کی شان میں فرمایا ہے۔ اِنَّمَا كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا حضرت یوسف کے حق میں فرمایا ہے۔ یوسف ایہا الصدیق اور جو شخص ان آیات کا مصدق اور ان صفات کا مالک ہوگا، یقیناً امامت و خلافت کا اُس سے زیادہ حق دار ہے جس میں یہ صفت نہ ہو۔ پھر اُس کو انفرادی کے ساتھ صدیق کہتے ہیں جیسا کہ برعکس نند نام رنگی کا فور (رنگی سیاہ نام اپنا نام کا فور رکھتے ہیں)۔

(جو تھے) خداوند عالم فرماتا ہے اِنَّكَ كَانَ عَلٰی بَيْنَتَا مَن ذَاتَا وَيَتْلُوْهُ شَاهِدًا مِّنَّا یعنی وہ شخص جو اپنے پروردگار کی جانب سے محبت و برہان پر ہو اور اس کے پیچھے اُس کا گواہ ہو، کیا اُس کے مانند ہے جو ایسا نہ ہو؟ جو دلیل و محبت پر نہیں وہ جناب رسولؐ خدا ہیں اور شاہد میں اختلاف ہے۔ حدیث معتبرہ میں وارد ہوا ہے کہ مراد شاہد سے امیر المؤمنینؑ ہیں جو آنحضرتؐ کی حقیقت پر گواہ ہیں۔ ابن ابی الحدید اور ابن مغاضلی اور سیوطی نے در مشرف میں اور طبری اور اکثر عامہ نے منعقد طریق سے عبادہ بن عبد اللہ اور عبد اللہ بن حارث سے روایت کی ہے کہ ایک روز امیر المؤمنینؑ نے فرمایا کہ قریش میں کوئی ایسا نہیں جس کی مدح یا مذمت میں ایک آیت یا دو آیت نہ نازل ہوئی ہو۔ ایک شخص نے پوچھا آپ کی شان میں کون سی آیت نازل ہوئی ہے حضرت یہ سن کر غضبناک ہوئے اور فرمایا کہ سورۃ ہود میں یہ آیت کیا تو نے نہیں پڑھی ہے۔ کہ رسولؐ خدا حق تعالیٰ کی جانب سے محبت و برہان پر ہیں اور میں ان کا گواہ ہوں۔ فخر رازی نے جب اس روایت کو ذکر کیا، کہا ہے کہ حق تعالیٰ نے اس گواہ کی شرافت کے لیے فرمایا ہے کہ اُسی سے ہے (یعنی رسولؐ خدا سے) یعنی اُن سے مخصوص ہیں اور ان کے جسم کے ٹکڑے کے مانند ہیں۔ اس تفسیر کی بنا پر چاہیے کہ جناب امیرؑ رسولؐ خدا کے تالی (پچھے آنے والے) ہوں اور اُن کے بعد بلا فاصلہ خلیفہ ہوں۔ اور اگر فضل میں تالی مراد ہوں تو وہ امامت پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ تفضیل مفضول قبیح ہے۔ ایضاً اُن حضرت کی عصمت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ گواہی میں ایک شخص جب تک معصوم نہ ہو مدعا ثابت نہ ہوگا۔

(پانچویں) آیۃ اِنَّمَا اَنْتَ مَشْدُوْلٌ لِّكُلِّ قَوْمٍ هٰذَا یعنی اے رسولؐ تم نہیں ہو مگر اس گروہ کو عذاب الہی سے ڈرانے والے اور ہر قوم کے لیے ایک ہدایت کرنے والا ہے بعضوں نے کہا ہے کہ تم ہر گروہ کے ہدایت کرنے والے ہو اور جو آیت کے اسلوب میں غور کرے تو اس کو معصوم

ہوگا کہ معنی اول زیادہ واضح ہے اور اس پر شیعوں کے طریقہ سے احادیث مستفیضہ وارد ہوئی ہیں اور عامہ نے بھی بطریق منقطع روایت کی ہے چنانچہ شواہد التنزیل میں ابی بردہ اسلمی سے روایت کی ہے کہ ایک روز جناب رسول خدا نے آپ کو مخاطب فرمایا۔ جب حضور سے فارغ ہوئے تو حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سینہ حقیقی دینے پر پھیرا اور فرمایا انما انت منذرنا پھر اپنا ہاتھ علیؑ رضی اللہ عنہ کے سینہ پر رکھا اور فرمایا۔ ولکل قوم ہادٍ فرمایا تم ہی نور بخش مخلوق اور علامت راہ ہدایت ہو اور قاریانِ قرآن کے امیرزاد میں گواہی دیتا ہوں کہ تم ایسے ہی ہر اور حافظ ابو نعیم اصفہانی جو عامہ کے محدثین میں مشہور محدث ہیں، اپنی کتاب "ما نزل من القرآن فی حق علیؑ علیہ السلام" میں کئی سندوں سے ابن عباس سے یہ روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی جناب رسول خدا نے اپنا دست مبارک علیؑ علیہ السلام کے کندھے پر رکھا اور فرمایا اے علیؑ تم ہی ہادی ہو اور تم سے میرے بعد ہدایت پانے والے ہدایت پائیں گے۔ ثعلبی نے بھی ابن عباس کی تفسیر میں روایت کی ہے۔

اور ابو نعیم نے دوسری سند سے جناب رسول خدا سے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ میں منذر (ڈرانے والا) اور علیؑ ہادی ہیں۔ اے علیؑ تم سے ہدایت پانے والے ہدایت پائیں گے۔ اور دوسری روایت کے مطابق جناب امیر سے روایت کی ہے کہ منذر رسول اللہؐ ہیں اور ہادی بنی ہاشم میں سے ایک مرد ہے اور معلوم ہے کہ مرد سے مراد خود اپنی ذات کی ہے۔ چنانچہ ثعلبی نے اس کے بعد جبکہ یہ روایت دو سندوں سے حضرت امیر سے روایت کی ہے کہا ہے فی نفسہ یعنی حضرت نے بنی ہاشم میں سے ایک مرد سے خود اپنی ذات مراد کی ہے۔ بعد ازاں ابن احمد و ابن حنبل نے بھی اپنی مسند میں اس حدیث کی روایت کی ہے اور یہ آریہ کریمہ اس تفسیر کی بنا پر جو خاصہ عامہ کی روایات مستفیضہ میں وارد ہوئی ہے، اس پر دلالت کرتی ہے جو کچھ فرقہ زناجیر امامیہ رضوان اللہ علیہم قائل ہیں کہ کوئی زمانہ بندوں پر حجت خدا سے خالی نہیں رہتا۔ یا کوئی پیغمبر یا وصی پیغمبر یا کوئی امام جو لوگوں کی دین خدا کی اور عبادت کے طریقہ کی ہدایت کرتا ہے، لوگوں کو حلالیت مگر اسی سے محفوظ رکھتا ہے۔ جیسا کہ حقل بھی اس پر شاہد عدل ہے۔ والحمد للہ الذی ہدانا لہذا وما كنا لنهتدی لولا ان ہدینا اللہ (اُس خدا کا شکر ہے جس نے اس طریقہ کی ہم کو ہدایت کی اگر خدا ہماری ہدایت نہ کرتا تو ہم ہدایت نہ پاتے)۔

(چھٹی) ومن الناس من یشری نفسہا ابتغاء مرضات اللہ واللہ رؤف بالعباد یعنی لوگوں میں ایک شخص وہ بھی ہے جو اپنی جان خدا کی خوشنودی کے عوض فروخت کرتا ہے، اور اللہ بندوں پر مہربان ہے۔

عامہ و خاصہ کے طریق سے احادیث مستفیضہ بلکہ متواترہ وارد ہوئی ہیں کہ یہ آیت مولائے مومنین کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ جس رات کو کفار قریش نے جناب رسول خداؐ کے قتل پر اتفاق کیا تھا اور آنحضرتؐ خدا کی جانب سے مامور ہوئے کہ ان سے پوشیدہ ہو جائیں اور غار میں چلے جائیں کفار قریش نے اس رات آنحضرتؐ کے خانہ اقدس کا محاصرہ کر لیا تھا اور صبح کا انتظار کر رہے تھے اور آنحضرتؐ کو خدا کا حکم ہوا کہ امیر المؤمنینؑ کو اپنی جگہ (اپنے بستر پر) سلا دیں تاکہ کفار قریش کو گمان ہو کہ خود جناب رسول صلعم ہیں۔ اور حضرتؐ باہر چلے جائیں۔ جب آنحضرتؐ نے یہ خوشخبری جناب امیرؑ کو پہنچائی وہ حضرتؐ خوش ہو گئے اور اس نعمت کے شکر یہ میں کہ اپنی جان شیریں کو حضرتؐ پروردگار عالمینؑ کی جان اقدس پر خدا کریں گے، سجدہ شکر ادا کیا اور آنحضرتؐ کے بستر پر سو گئے اور مشرکین کی سوہرہ نہ تلواریں اپنی جان پر خرید فرمائی۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور ان حضرت کی شان میں اس آیت کے نزول کی مخالفین نے اپنی تفسیر کی کتابوں میں متعدد طریقوں سے روایت کی ہے۔ جیسے فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں اور نیشاپوری نے اپنی تفسیر میں اور قطبی نے اپنی تفسیر میں اور حافظ ابو نعیم نے نزول آیات میں اور احمد نے مسند میں اور سحانی نے فضائل میں اور خزانہ نے احیاء العلوم میں اور تمام مؤرخین و محدثین و شعرا نے۔

ہم اس رسالہ میں قطبی اور ابو نعیم کی چند روایتوں پر اکتفا کرتے ہیں۔ قطبی نے اپنی مشہور تفسیر میں سدی سے اس نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اس رات کو جبکہ جناب رسول خداؐ نماز میں تشریف لے گئے اور علیؑ ابن ابی طالب کو اپنے بستر پر سلا دیا تھا نیز روایت کی ہے کہ جب جناب رسول خداؐ نے مدینہ کی جانب ہجرت کا ارادہ کیا، حضرت امیر علیہ السلام کو مکہ میں چھوڑا تاکہ آنحضرتؐ کے فرض ادا کریں اور لوگوں کی امانتیں جلا حضرت کے پاس تھیں، ان کو واپس دے دیں۔ اس رات جب کہ آنحضرتؐ نے چاہا کہ غار میں جائیں اور مشرکین نے آنحضرتؐ کے مکان کا محاصرہ کر لیا تھا۔ حضرتؐ نے جناب امیرؑ کو حکم دیا کہ آپ کے بستر پر سوئیں اور فرمایا وہ بستر چادر حضرتؐ کی جو راتوں کو اڈھا کرتا ہوں اڈھ لو اور میرے بستر پر سو رہو۔ اگر خدا نے چاہا تو تم کو کوئی ضرر نہ پہنچے گا۔ جناب امیرؑ نے ایسا ہی کیا۔ اس وقت خدا نے تعالیٰ نے جبریل و میکائیل علیہما السلام کو وحی کی کہ میں نے تمہارے درمیان بادرے قرار دی ہے اور تمہاری دونوں کی عمریں ایک دوسرے سے برابر ہیں۔ تم میں سے کون دوسرے کو اپنی جان کے عوض محل زندگی کے لیے اختیار کرتا ہے۔ لیکن ان دونوں فرشتوں میں سے کسی ایک نے اپنی طول زندگی سے ہاتھ نہیں اٹھایا اور دوسرے کی زندگی کی درازی اپنے اوپر اختیار نہیں کی۔ اس وقت خداوند عالم نے ان کو وحی کی کہ کیوں تم مثل علیؑ میں اپنی طالب کے نہ ہوئے کہ میں نے ان کو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

کا بھائی قرار دیا ہے۔ وہ محمد کے بستر پر اُن پر اپنی جان فدا کر کے سو رہے ہیں اور محمد کی زندگی کو اپنی زندگی پر اختیار کیا ہے۔ اب زمین کی جانب جاؤ اور اُن کی دشمنوں کے شر سے حفاظت کرو۔ یہ حکم ملتے ہی وہ دونوں فرشتے زمین پر آئے اور جبریل جناب امیر کے سر ہانے بیٹھے اور میکائیل آپ کے پانچ بیٹھے اور جبریل نے ندا دی کہ اے پسر ابوطالب تمہارے مثل کون ہے کہ خدایم پر فرشتوں سے مباحثات کرتا ہے۔ اور یہ آیت علیؑ کی شان میں آنحضرتؐ کے پاس بھیجی جس وقت کہ حضرت یدینہؓ طیبہ کی جانب متوجہ تھے۔ اور حافظ ابو نعیم نے بھی اس آیت کا علیؑ علیہ السلام کی شان میں نازل ہونا ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔

(ساتویں وجہ) آیت کریمہ تطہیر انما یرید اللہ لیذهب عنک الرجس اهل البیت و یطہرکم تطہیرا یعنی خدائے ارادہ کیا ہے کہ اے اہلبیت پیغمبر تم سے شرک و گناہ و شک اور ہر بدی کو دور رکھے اور تم کو پاک رکھے جو پاک رکھنے کا حق ہے۔ واضح ہو کہ خاصہ و عامہ کے طلاق سے معتبر حدیثیں وارد ہوئی ہیں کہ یہ آیت امیر المؤمنینؑ و جناب فاطمہؑ اور امام حسنؑ و امام حسینؑ علیہم السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے اور عامہ کی جمیع صحاح اور اُن کی معتبر تفسیروں میں مذکور ہے جیسا کہ ثعلبی نے ابو سعید خدری سے روایت کی ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا کہ یہ آیت میری، علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ علیہم السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ نیز ثعلبی وغیرہ نے ام سلمہؓ سے روایت کی ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ جناب رسول خداؐ میرے مکان میں تھے۔ فاطمہؑ آنحضرتؐ کیلئے حریہ قاتیں۔ حضرت چبوترہ پر بیٹھے تھے جو آنحضرتؐ کی خواب گاہ تھا۔ اُس پر چیرہری چاڑ بچھا رکھی تھی اور میں جگرہ میں نماز پڑھ رہی تھی۔ جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ اپنے شوہر اور اپنے لوگوں کو بلاؤ، تو علیؑ و حسنؑ و حسینؑ علیہم السلام آئے۔ سب حضرات بیٹھ گئے اور حریہ کھانے میں مشغول ہوئے۔ اُس وقت حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ جناب رسول خداؐ نے عباؓ اپنی اُن حضرات پر بھی اوڑھا دی اور اپنے دست مبارک آسمان کی جانب بلند کر کے دعا کی کہ خداوندایہ میرے اہلبیت ہیں اور میرے مخصوص افراد ہیں لہذا ان سے جس کو دور رکھ۔ اور پاک رکھ ان کو جو پاک رکھنے کا حق ہے۔ ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ میں نے گھر میں اپنا سر داخل کیا اور عرض کی کہ یا رسول اللہ کیا میں بھی اس شرف میں آپ حضرات کے ساتھ ہوں۔ حضرت نے دو مرتبہ فرمایا کہ تمہاری عاقبت بخیر ہے۔ اور مجھ کو اُن میں داخل نہیں کیا۔ نیز ثعلبی نے مجمع سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے کہ میں اپنی ماں کے ساتھ حالتہ کے پاس گیا۔ میری ماں نے جنگ محل میں خروج کرنے کا سبب پوچھا تو انھوں نے کہا کہ خدا کی قضا و قدر کا ایک امر تھا۔ میری ماں نے کہا علیؑ کے بارے میں آپ کیا کہتی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ تم اس کے بارے میں پوچھتی ہو جو رسول خداؐ کے نزدیک مردوں میں سب سے زیادہ محبوب تھا

اور عورتوں میں سب سے محبوب خاتون کا شوہر تھا۔ یقیناً میں نے علی وفاطمہ اور حسن و حسین علیہم السلام کو دیکھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو چادر کے اندر جمع کیا اور کہا خداوند باریہ میرے اہلبیت اور مخصوص افراد اور میرے دوست ہیں لہذا ان سے جس کو دُور رکھ اور ان کو پاک رکھ جو پاک رکھنے کا حق ہے۔ میں نے چاہا کہ چادر کے اندر میں بھی داخل ہوں تو فرمایا کہ دُور ہو۔ نیز ان حضرات کے حق میں آیت کے نازل ہونے کے بارے میں عبد اللہ بن جعفر طیار سے روایت ہے کہ آنحضرت کی زوجہ حضرت زینب نے چاہا کہ داخل ہوں، حضرت راضی نہ ہوئے۔ اور واٹک بن اسقع سے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ میرے اہل بیت اہل حق ہیں یعنی خلافت کے اور ہر چیز کے زیادہ حق دار ہیں اور ابن عباس سے روایت کی ہے اور صاحب جامع الاصول نے صحیح ترمذی سے روایت کی ہے کہ ام سلمہ نے کہا کہ یہ آیت میرے مکان میں نازل ہوئی۔ میں دروازہ کے پاس بیٹھی ہوئی تھی میں نے آنحضرت سے عرض کی کیا میں اہلبیت میں سے نہیں ہوں۔ فرمایا تمہارا عاقبت بخیر ہے تم ازواج رسول میں سے ہو۔ اس مکان میں نزول آیت کے وقت جناب رسول خدا صلی وفاطمہ و حسن و حسین صلوات اللہ علیہم اجمعین تھے۔ حضرت نے عبائے پر اڑھائی اور فرمایا خداوند باریہ ہیں میرے اہلبیت ان سے جس کو دُور رکھ اور ان کو پاک رکھ جو پاک رکھنے کا حق ہے اور جامع الاصول میں دوسری روایت کے مطابق کہا ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ میرے اہلبیت اور میرے مخصوص افراد ہیں۔ ام سلمہ نے بھی التماس کیا کہ چادر میں ان کے ساتھ داخل ہوں جناب رسول خدا نے منظور نہ فرمایا، اور فرمایا کہ تمہاری عاقبت بخیر ہے۔ پھر صحیح ترمذی سے عمرو بن ابی سلمہ سے اسی مضمون کی روایت کی ہے اور صاحب جامع الاصول اور صاحب مشکوٰۃ نے صحیح مسلم سے عائشہ سے روایت کی ہے۔ ایک روز جناب رسول خدا باہر نکلے آپ ایک سیاہ منقش چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ آپ نے علی وفاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام کو اس چادر کے اندر داخل فرما کر اس آیت کو پڑھا۔ اور ثعلبی نے بھی اس حدیث کو عائشہ سے روایت کی ہے اور ابن حجر نے جو ان کے عالموں میں سب سے زیادہ متعصب ہیں کتاب صواعق محرقہ میں لکھا ہے کہ اکثر مفسروں کا حتمیاً یہ ہے کہ یہ آیت مبارکہ علی وفاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے اس اعتبار سے کہ ضمیر عنکم جمع مذکر ہے اور صحیح مسلم اور جامع الاصول میں روایت ہے کہ حسین بن عمرو نے زید بن ارقم سے پوچھا کہ کیا آنحضرت کی بیبیاں آپ کے اہل بیت ہیں داخل ہیں، زید نے کہا نہیں واللہ زوجہ ایک عرصہ تک شوہر کے ساتھ رہتی ہے۔ جب وہ طلاق دے دیتا ہے تو اپنے باپ کے گھر چلی جاتی ہے اور اپنی قوم سے مل جاتی ہے۔ بلکہ آنحضرت کے اہل بیت آپ کے قرابتدار ہیں جن پر صدقہ حرام ہے اور جامع الاصول میں صحیح ترمذی سے روایت کی ہے کہ انس بن مالک نے

کہا کہ جب آیہ تطہیر اہلبیت کی شان میں نازل ہوئی، آنحضرت تقریباً چھ ماہ تک جب نماز کے لیے حجرہ سے نکلتے تھے تو فاطمہ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر فرماتے تھے *والمصلوۃ یا اہلبیتی لے میرے اہلبیت نماز کے لیے چلو۔ پھر آخر تک آیہ تطہیر کی تلاوت فرماتے تھے۔ اور خاصہ و عامہ نے بہت سے طریقوں سے ابوسعید خدری اور انس بن مالک اور عائشہ اور ام سلمہ اور وائلہ وغیرہم سے روایت کی ہے کہ یہ آیت مبارکہ آل عبا کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ الغرض خاصہ و عامہ کے متواتر اخبار سے ظاہر ہوا کہ یہ آیت ان پانچ حضرات کے لیے مخصوص ہے اور آنحضرت کی بیبیاں اور دوسرے اعراس میں داخل نہیں ہیں۔ لہذا آیت دلالت کرتی ہے کہ وہ حضرات کفر و نفاق، شک و مشرک اور ہر گناہ سے معصوم ہیں۔ کیونکہ ارادہ کو چند معنی میں اطلاق کرتے ہیں (اول) وہ ارادہ جس کے بعد بلا فاصلہ مراد حاصل ہو جیسا کہ خداوند عالم نے فرمایا *انما امرک اخا الانادشیتا* ان يقول لہ کن فیکون یعنی خدا کا ارادہ تو جس چیز کے لیے ہوتا ہے تو بس کہہ دیتا ہے کہ ہو جا۔ تو وہ ہو جاتی ہے۔ (دوسرے) ارادہ بمعنی عزم ہے اور وہ خدا کے لیے محال ہے کہ نہ ہو۔ آیہ سابقہ بھی صریح ہے اس پر کہ ارادۃ الہی اُس کے مراد سے پیچھے نہیں رہتا۔ (تیسرے) ارادہ بمعنی تکلیف ہے اور اس معنی کا اس آیت میں چند وجوہ کی بنا پر احتمال نہیں ہے۔ وجہ اول یہ کہ کلمہ *انما* باتفاق عربی داناں حصر پر دلالت کرتا ہے۔ اور اہلبیت سے جس کے دور ہونے کی تکلیف خصوصیت نہیں رکھتی ہے بلکہ تمام مکلفین حتیٰ کہ کفار بھی اس امر میں مکلف ہیں اور خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے جن و انس کو نہیں پیدا کیا مگر اپنی عبادت کے لیے۔ دوسری وجہ یہ کہ متواتر حدیثوں کے طرز و اسلوب سے معلوم ہے کہ یہ آیت مدح و ثنا میں نازل ہوئی ہے۔ لہذا جناب رسول خدا نے ان کو مخصوص قرار دیا اور چادر اُن پر اُٹھادی اور فرمایا کہ یہی میرے اہلبیت اور میرے مخصوص افراد ہیں تو آیت عظیم تاکیدات سے موکہ نازل ہوئی۔ چنانچہ حضرت الدین رازی نے باوجود تعصب کے کہا ہے کہ لینذهب عنکم الرجس یعنی تمام گناہوں کو تم سے زائل کرے ویطہرکم تطہیراً یعنی اپنی کرا متوں غلعتوں کو تمہیں پہنائے۔ اگر گناہوں کے ترک کی تکلیف مراد ہوتی جس میں کفار اور فاسقین سب شریک ہیں تو کون سی تکلیف اور کون سی شرافت اور کون سی کرامت اُس میں ہوتی۔ (تیسری وجہ) یہ کہ اکثر روایتوں میں مذکور ہوا ہے کہ یہ آیت آنحضرت کی دعا اور استدعا کے بعد نازل ہوئی ہے اور جو حضرت نے استدعا کی تھی وہ جس کا زائل ہونا متقاضی ارادہ جو حصول کاپیرو نہیں ہوتا۔ اگر یہ معنی مراد ہوتے تو آیت آنحضرت کی دعا کے رد پر ہوگی قبولیت پر نہ ہوگی۔ (چوتھی وجہ) یہ کہ اگر یہ معنی مراد ہوتے تو ام سلمہ کیوں اس قدر متبالغہ کرتیں کہ اپنے کو عبا میں داخل کریں اور حضرت ان کے داخل کرنے سے کیوں انکار کرتے اس معنی میں*

کہ ہر شخص اُس میں داخل ہے۔ اور یہ جو بعض مخالفین نے کہا ہے کہ یہ آیت اُن آیتوں کے درمیان میں ہے جن میں آنحضرت کی بیبیوں سے خطاب ہوا ہے۔ لہذا اس آیت میں بھی وہ مخاطب ہوں گی چند وجوہ سے باطل ہے۔

(وجہ اول) یہ کہ ضمیر مونث کا ضمیر مذکر میں تبدیل ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ خطاب اُن بیبیوں سے نہیں ہے۔ اور جو شخص آیات قرآنی میں مورد فکر کرتا ہے جانتا ہے کہ آیات میں اس طرح کے مواقع بہت ہیں کہ ایک قصہ کے درمیان دو سراقصہ مذکور ہو جاتا ہے اور خطاب میں تبدیلی بہت ہوتی ہے جیسا کہ اس سورہ میں بھی اس طرح واقع ہوا ہے کہ ازواج سے خطاب کے درمیان ہونین کی جانب خطاب کا رخ بدل گیا ہے۔ اُس کے بعد پھر اُن ہی (بیبیوں) سے خطاب ہوا ہے باوجود اس جگہ پوری مناسبت ختم ہے اگر کوئی مغرور کرے کیونکہ اس جگہ کلام کا تبدیل ہونا عورتوں کی نسبت سے تبدیلی ہے کہ تم اور اہل بیت سب آنحضرت کے ساتھ ہو۔ بلکہ تجارتی معاشرت اُن سے زیادہ ہے تو کیوں تم طہارت و زراعت و آداب معاشرت کی رعایت میں ان کے مانند نہیں تریں یا یہ کہ ایسا نہ ہو کہ کسی کو گمان ہو کہ باوجود اس اختصاص کے عورتوں کے ایسے اعمال صادر ہوتے ہیں تو ممکن ہے اہلیت سے بھی ایسے ہی الحیاذ باللہ صادر ہوں اور ان کی عصمت کے ذیل میں طہارت کے بیان کے لیے ان حضرات کو درمیان میں داخل کر دیا ہوگا۔ اور یہ دو جہیں جو اس قیر (علامہ مجلسی) کے دل میں آئی ہیں اُن وہوں سے ربط و نظم میں زیادہ واضح اور آسان ہیں جو مفسروں نے بیان کی ہیں

(وجہ دوم) یہ کہ یہ بات اُس صورت میں حجت ہوتی ہے جبکہ قرآن مجید سے کوئی چیز ساقط نہ ہوئی ہوتی اور یہ معلوم نہیں۔ کیونکہ صاحب جامع الاصول نے زید بن ثابت سے نقل کیا ہے۔ کہ اُس کے بعد جبکہ ہم نے قرآن جمع کر لیا تو آ یہ رجال صدقوا ما عاہدوا اللہ علیہا کہ خزینہ بن ثابت کے پاس پایا۔ پھر قرآن میں ملحق کیا۔ لہذا ممکن ہے کہ بہت سی آیتیں اس آیت کی سابق اور لاحق میں رہ گئی ہوں جو اس آیت میں شامل نہ کی گئی ہوں اور حضرت صادق سے منقول ہے کہ کہ سورۃ احزاب میں قریش کے مردوں اور عورتوں کی مذمت میں آیتیں بہت تھیں وہ سورۃ بقرہ سے زیادہ بڑی تھیں ان لوگوں نے کم کر دیا اور تحریف کی۔

(وجہ سوم) یہ کہ یہ بھی معلوم نہیں کہ قرآن کی ترتیب تنزیل کے مطابق ہو۔ کیونکہ بہت سی کئی سورتوں کے بارے میں تصریح کی ہے کہ بعض آیتیں مدنی ہیں اور اس کے برعکس بھی کہ ممکن ہے دوسرے وقت نازل ہوئی ہو اور اس جگہ جان کر یا نادانستہ شامل کر دیا ہو۔

(وجہ چہارم) جبکہ خاصہ و عامہ کی احادیث صحیحہ متواترہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ یہ آیت مخصوص

اہلیت کی شان میں ہے۔ اگر ربط آیات کا سبب ہم پر ظاہر نہ ہوتو کوئی ضرر نہیں اور ان کے دوسرے اعتراضات کے جوابات میں نے اپنی بڑی کتابوں میں درج کئے ہیں جن کے ذکر کی اس رسالہ میں گنجائش نہیں ہے اور جب خداوند عالم نے جس ان سے زائل کر دیا ہے تو چاہیے کہ اس کے خطاب تمام افراد اُس سے دور ہوں۔ خصوصاً جبکہ اس مبالغہ کے بعد جو نظریہ میں واقع ہوا ہے جس کا واضح قرینہ عموم پر ہے۔ اس لیے چاہیے کہ وہ حضرات تمام گناہوں سے پاک ہوں لہذا معصوم ہیں۔ اگر کہیں کہ آئندہ کی عصمت پر آیت دلالت نہیں کرتی تو ہم کہیں گے عصمت جو فی الجملہ حاصل ہے نبی کافنی ہے کیونکہ امت میں سے کوئی قاتل نہیں ہے کہ بعض اوقات معصوم رہے ہوں اور بعض وقت نہ رہیں اور یہ اجماع مرکب توڑنے والی بات ہے جس کو وہ لوگ جانتے نہیں جانتے باوجودیکہ جس جگہ قرآن مجید میں اس صیغہ کے ساتھ ارادہ وارد ہوا ہے اس سے مراد حصول بالفعل اور وراثت ہے۔ **یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر۔** ویرید اللہ ان یرید اللہ ان یخلف عنکم۔ ویریدون ان یبدلوا کلام اللہ۔ ویرید الشیطان ان یضلہم۔ اس کے مثل بہت سی آیتیں ہیں اور جب عصمت ثابت ہوئی تو امامت بھی ان کے مردوں میں ثابت ہوتی ہے۔ ان دلائل سے جو اماموں کی عصمت میں مذکور ہوئیں اس لیے کہ باتفاق امت ان کے علاوہ معصوم نہیں ہیں۔

(آٹھویں وجہ) آیہ مباحثہ ہے فمن حاجک فیہ من بعد ما جئتک من العذر فقل تعالوا ندع ابنائنا وابنائک ونساءنا ونساءک وانفسنا وانفسک ثم تبتهل فنجعل لعنتنا علی الکاذبین ہ اے رسول جو شخص تم سے عیشی کی بارے میں جھگڑا کرے اُس کے بعد جبکہ تمہارے پاس اس کا علم آچکا ہے تو اُن سے (نصارتے بخران سے) کہو کہ ہم بلا تے ہیں اپنے بیٹوں کو اور تم اپنے بیٹوں کو ہم اپنی عورتوں کو اور تم اپنی عورتوں کو۔ ہم اپنی جانوں کو اور تم اپنی جانوں کو پھر مباحثہ کریں پھر خدا سے گھڑا میں اور جھوٹوں پر لعنت کریں خاصہ وعادہ کے طریقہ سے بہت سی متواتر حدیثیں وارد ہوئی ہیں کہ یہ آیت آل عبا کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ صاحب مشکوٰۃ اور جامع الاصول اور دوسروں نے صحیح مسلم سے سعد بن وقاص سے روایت کی ہے کہ جب آیہ مباحثہ نازل ہوئی رسول خدا نے علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ و حسینؑ علیہم السلام کو طلب فرمایا اور فرمایا اللہم ہولاء اہلبیتی (خداوند اہلی میرے اہلیت ہیں) نیز مشکوٰۃ و صحیح مسلم و جامع الاصول میں عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا ایک صبح ایک رنگین چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ اُن کے پاس حسنؑ آئے آپ نے اُن کو عبا کے اندر داخل کر لیا پھر حسینؑ آئے اُن کو بھی داخل عبا کر لیا پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی اور حافظ ابو نعیم اور دوسروں نے ابن عباس سے روایت کی

ہے کہ جب اہل نجران آئے حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی تو رسول خداؐ علی و فاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام کے ساتھ آئے اور ان سے فرمایا کہ جب میں دعا کروں تم آمین کہنا یہ دیکھ کر اہل نجران نے ایک دوسرے پر لعنت بھیجنے سے انکار کیا۔ اور حضرت سے ہزیرہ دینے پر صلح کرنی صاحب کشف نے روایت کی ہے کہ جب جناب رسول خداؐ نے نصاریٰ کو مباہلہ کی دعوت دی تو ان لوگوں نے کہا کہ ہم کو ہمت دیجئے تاکہ ہم جا کر غرور و فکر کر لیں تو کل مباہلہ کے لیے آئیں گے جب وہ آپس میں مل کر بیٹھے اپنے صاحب رائے سے کہا اے عبدالمسیح تم کی مصلحت دیکھتے ہو اس نے کہا کہ اے گروہ نصاریٰ خدا کی قسم تم نے جان یا سے کہ محمدؐ پیغمبر مرسل ہیں اور حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں حجت قاطعہ پیش کر دی ہے۔ خدا کی قسم کسی گروہ نے اپنے پیغمبر سے مباہلہ نہیں کیا کہ ان کا بزرگ زندہ رہا ہو اور ان کے لڑکے بڑے ہوتے ہوں۔ اگر مباہلہ کرو گے اسی وقت سب کے سب ہلاک ہو جاؤ گے۔ اگر بلاشبہ اپنے دین سے اُلفت رکھتے ہو اور چاہتے ہو کہ اس سے جلد نہ ہو تو آنحضرتؐ سے صلح کر لو اور اپنے شہر واپس چلو۔ الغرض وہ لوگ آنحضرتؐ کے پاس آئے۔ حضرت مباہلہ کے لیے صبح ہی کو آگئے تھے حضرت امام حسینؑ کو گود میں لیے ہوئے۔ امام حسنؑ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے حضرت فاطمہؑ آپ کے پیچھے تھیں اور جناب علیؑ ان کے پیچھے تھے جناب رسول خداؐ ان سے فرما رہے تھے کہ جب میں دعا کروں تم لوگ آمین کہنا۔ یہ دیکھ کر نجرانی اسقف (عیسائیوں کے سب سے بڑے پادری) نے کہا کہ اے گروہ نصاریٰ میں چند ایسے پھرے دیکھتا ہوں کہ اگر خدا سے چاہیں کہ اس پہاڑ کو اپنی جگہ سے اکھاڑ دے تو وہ رو نہ کرے گا۔ لہذا اگر ان سے مباہلہ کرو گے تو سب کے سب ہلاک ہو جاؤ گے اور قیامت تک روتے زمین پر ایک نصرانی باقی نہ رہے گا۔ یہ سن کر ان لوگوں نے کہا اے ابوالقاسم ہماری رائے اس پر قرار پاتی ہے کہ آپ سے مباہلہ نہ کریں آپ اپنے دین پر رہیں اور ہم اپنے دین پر قائم رہیں۔ یہ سن کر حضرت نے فرمایا کہ جب تم مباہلہ کرنے سے انکار کرتے ہو تو مسلمان ہو جاؤ تاکہ تمہارے لیے وہ تمام مراعات حاصل ہوں جو مسلمانوں کے لیے ہیں اور جو کچھ فرائض مسلمانوں پر عائد ہیں وہ تمہارے لیے بھی ہوں گے۔ لیکن ان لوگوں نے انکار کیا تو حضرت نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ جنگ کروں گا۔ ان لوگوں نے کہا ہم کو اہل عرب سے جنگ کی طاقت نہیں ہے۔ لیکن ہم آپ سے صلح کرتے ہیں۔ آپ ہم سے جنگ نہ کیجئے اور نہ ہم کو ڈرتیے اور ہم کو ہمارے دین سے برگشتہ نہ کیجئے ہم اس شرط کے ساتھ صلح کرنا چاہتے ہیں کہ آپ کو ہزیرہ میں ہر سال دو ہزار عتق دیں گے۔ ماہ صفر میں ہزار عتق اور ماہ رجب میں ہزار عتق۔ اور تیس زرہ عادی فدیہ دیں گے۔ الغرض حضرت نے اس طرح ان سے صلح کر لی اور فرمایا کہ خدا لا ینزال کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اہل نجران کی ہلاکت قریب آچکی تھی۔ اگر مباہلہ کرتے

تو سب مثل بندر اور سور کے مسخ ہو جاتے اور یہ واوی اُن کے لیے آگ ہو جاتی۔ بیشک خداوند علم
 نجران اور اہل نجران کو فنا کر دیتا بلکہ درختوں پر طائروں کو بھی قتل کر کے سال پورا ہوتا تمام نصاریٰ ہلاک
 ہو جاتے۔ ثعلبی نے اپنی تفسیر میں بھی یہی روایت بعینہ نقل کی ہے۔ پھر صاحب کشف نے عائشہ
 کی روایت کا ذکر کر کے آخر میں کہا ہے کہ جب آنحضرت نے ان کو داخل عبا کیا۔ فرمایا انسا
 یرید اللہ لیزھب عنکھ الوجس الخ۔ مباہلہ کے واقعہ کا مضمون خاصہ و عامہ کے محدثین و مفسرین
 و توحیدین کے درمیان متواتر ہے۔ اگرچہ اُس کے بعض خصوصیات میں اختلاف ہے۔ لیکن اس میں
 کوئی اختلاف نہیں ہے کہ مباہلہ آلِ عبا کے ساتھ ہوا اور اُن کے سوا کوئی عبا میں داخل نہ تھا۔
 بہر صورت یہ واقعہ پیغمبر کی حقیقت اور علیؑ کی امامت اور تمام آلِ عبا کی فضیلت پر متعدد
 صورتوں سے دلالت کرتا ہے۔ اُن پر لاکھوں بار صلوات و سلام ہو چکی صورت۔ یہ کہ اگر جناب
 رسولِ خداؐ کو اپنی حقیقت پر کامل مجرور نہ ہوتا تو اس جرات کے ساتھ مباہلہ پر اقدام نہ فرماتے
 اور اپنے بہت زیادہ پیارے عزیزوں کو اُس گروہ کی سزاجہ تاثیر و دعا کی شمشیر کی دھار کے مقابل
 نہ لاتے جو اپنی حقیقت کا گمان یا احتمال رکھتا تھا۔ دوسری صورت۔ یہ کہ آپ نے خبر دی کہ
 اگر تم لوگ میرے ساتھ مباہلہ کرتے تو تم پر خدا کا عذاب نازل ہوتا اور مباہلہ کرنے میں مباہلہ نہ فرماتے
 اگر اپنی حقیقت پر پورا یقین نہ رکھتے ہوتے اور یہ مباہلہ کرنا اپنے کذب کی کوشش کے اظہار میں
 ہوتا اور کوئی قافل ایسا کام نہیں کرتا باوجود اس کے کہ تمام اہلِ بطن کا اتفاق ہے کہ آنحضرت
 ہر زمانہ کے عافلوں سے بہت زیادہ صاحبِ عقل تھے۔ تیسری صورت۔ یہ کہ نصاریٰ نے مباہلہ
 سے انکار کیا۔ اگر آنحضرت کی حقیقت کا علم نہ رکھتے ہوتے تو چاہیے تھا کہ آنحضرت اور آپ کے اہلبیت
 کے لعنت کرنے کی پروا نہ کرتے اور اپنی قوم کے سامنے اپنی عزت و تہذیب کی حفاظت کرتے اور
 جنگ ہلکہ پر اقدام کرتے، اپنی عورتوں، بچوں اور مال کو قید و قتل و تکلیف میں مبتلا کرتے اور جزیہ
 دینے کی ذلت و خواری منظور نہ کرتے۔ چوتھی صورت۔ اکثر خبروں میں مذکور ہے کہ نصاریٰ ایک
 دوسرے کو آپس میں مباہلہ سے منع کرتے تھے اور کہتے تھے کہ آنحضرت کی حقیقت ہم پر ظاہر و واضح
 ہو چکی ہے کہ آپ ہی پیغمبر موعود ہیں اس سبب سے مباہلہ سے روکتے تھے۔ پانچویں صورت یہ کہ
 اس شریف واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ امیر المؤمنین، جناب فاطمہ اور حسن و حسین علیہم السلام جناب
 رسولِ خداؐ کے بعد خلقِ خدا میں سب سے اشرف و افضل اور آنحضرت کے نزدیک سب سے زیادہ
 محبوب تھے۔ چنانچہ ان کے تمام مخالفین و متعصبین مثل زحمتی، بیضاوی اور فخر رازی وغیرہ نے
 اس کا اعتراف کیا ہے اور زحمتی نے جو سب سے زیادہ متعصب ہیں کشف میں لکھا ہے کہ اگر
 تم کہو کہ مخالف کو مباہلہ کی دعوت دینا اس لیے تھا کہ ظاہر ہو کہ وہ جھوٹے ہیں تو یہ امر آنحضرت اور مخالفین

کے درمیان مخصوص تھا۔ تو مباہلہ میں بچوں اور عورتوں کو شریک کرنے کا کیا فائدہ تھا تو ہم جواب میں کہیں گے کہ مباہلہ میں ان کا شامل کرنا اپنی حقیت پر زیادہ وثوق و اعتماد کی دلیل تھی اس سے کہ خود تنہا مباہلہ فرماتے۔ کیونکہ ان کا شامل کرنا اس جرات کا اظہار تھا کہ خود کو اور اپنے جگہ کے لوگوں کو اور سب سے زیادہ محبوب افراد کو مقام نفیرین و ہلاکت میں لائے اور صرف تنہا اپنی ذات پر اکتفا نہ کی اور یہ ظاہر کیا کہ مخالفین کے دروغ گو ہونے پر پورا یقین رکھتے تھے کہ چاہا کہ مخالفین مع اپنے اعدا و اصحاب کے ہلاک اور فنا ہوں۔ اگر مباہلہ اور مباہلہ کے لیے بیٹوں اور عورتوں کو مخصوص کیا کیونکہ وہ سب سے زیادہ محبوب ہیں اور دوسروں سے زیادہ دل کو پیارے ہیں۔ زیادہ تریب ہوتا ہے کہ آدمی خود ہلاکت کی جگہ پر جاتا ہے تاکہ ان کو کوئی تکلیف و صدمہ نہ پہنچے۔ اسی سبب سے لڑائیوں میں عورتوں اور لڑکوں کو لے جاتے تھے تاکہ نہ بھاگیں۔ اسی سبب سے خداوند عالم نے آیہ مباہلہ میں ان کو اپنی (رسول کی) جان پر مقدم رکھا تاکہ ظاہر کرے کہ وہ جان پر مقدم ہیں۔ اس کے بعد محدث زرخشتری کہتے ہیں کہ یہ اصحاب عبا اہلبیت کی فضیلت پر وہ دلیل ہے جس سے زیادہ قوی دلیل نہیں ہو سکتی۔ کلام زرخشتری ختم ہوا۔

ہم کہتے ہیں کہ جب معلوم ہوا کہ وہ حضرات آنحضرت کے نزدیک غلاق میں سب سے زیادہ محبوب تھے تو چاہیے کہ اس زمانہ میں خلق میں سب سے بہتر ہوں کیونکہ ہر دیانت دار عاقل پر ظاہر ہے کہ ان سے آنحضرت کی دوسروں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ محبت بشریت کے رابطوں کے سبب سے نہ تھی بلکہ جو خدا کے نزدیک زیادہ محبوب ہوتا تھا آنحضرت اس کو زیادہ دوست رکھتے تھے کیونکہ بہت سی آیتوں اور حدیثوں میں محبت و مہربانی نہ رکھنے والے اولاد و آبا و اجداد و رشتہ داروں سے محبت کی مذمت وارد ہوئی ہے نیز آنحضرت کی سیرت سے معلوم تھا کہ جو عزیز و اقربا خدا کے دوست نہ تھے ان کو اپنے پاس سے دور کر دیتے تھے۔ (جیسے کہ ابولہب کو کیونکہ وہ کافر تھا) اور ان حضرات کی رعایت فرماتے تھے۔ اس لیے کہ خدا کے دوست تھے۔ جیسے سلمان، ابوذر، مقداد اور ان کے ایسے صاحبان ایمان۔ چنانچہ تیسرا ساجدین امام زین العابدین علیہ السلام ان حضرات کی مدح میں فرماتے ہیں والی فیث الابدین عادی فیث الاقربین اور جب وہ حضرات خدا کے نزدیک بہترین و محبوب ترین خلق تھے اور بہترین امت تھے ان پر امامت میں دوسروں کو مقدم کرنا عقلاً قبیح ہوگا۔ چھٹی صورت فخر رازی نے جو علمائے اہلسنت کے سب سے بڑے عالم اور تصنیف میں مشہور ہیں کہا ہے کہ شیعہ اس آیت سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ علی بن ابی طالب علیہ السلام سولے پیغمبر آخر الزمان کے سب پیغمبروں اور تمام صحابہ سے افضل ہیں کیونکہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم بلا تے ہیں اپنے نفسوں کو اور تمہارے نفسوں کو تو

نفسوں سے مراد نفس مُتَقَدِّسٌ مُحَمَّدٌ نہیں ہے اس لیے کہ دعوتِ اپنی ذات سے غیر کی متقاضی ہے اور آدمی اپنے کو نہیں بلاتا۔ لہذا چاہیے کہ دوسری ذات مُراد ہو۔ اور باتفاق مخالف و موافق عورتوں اور بیٹوں کے علاوہ جس کو اَنْفُکَ تعبیر کیا ہے وہ علیؑ بن ابی طالب کے سوا کوئی نہ تھا لہذا معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ نے نفسِ علیؑ کو نفسِ رسولؐ کہا ہے اور دو نفس میں اتحادِ حقیقی محال ہے تو چاہیے کہ مجاز ہو اور یہ اصول میں مقرر ہے کہ کل لفظ سب سے قریب کے مجاز پر حقیقت میں سب سے دُور کے مجاز پر عمل کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔ اور سب سے قریب کے مجاز کی تمام امور میں برابری اور تمام کمالات میں شرکت ہوتی ہے۔ سوائے اُس کے جو دلیل سے باہر ہو اور جو اجماع سے باہر ہوگی وہ پیغمبری ہے کہ علیؑ اُن کے ساتھ شریک نہیں ہیں۔ لہذا چاہیے کہ دوسرے کمالات میں باہم شریک ہوں اور آنحضرتؐ کے تمام کمالات میں سے ایک کمال یہ ہے کہ وہ تمام پیغمبروں سے اور تمام صحابہ سے افضل ہیں لہذا جناب امیرؓ بھی چاہیے کہ تمام صحابہ سے افضل ہوں۔ تمام دلیل نقل کرنے کے بعد یہ جواب دیا ہے کہ چونکہ اجماع اس پر منعقد ہوا ہے کہ محمدؐ علیؑ سے افضل ہیں اس لیے کہ اجماع اس پر بھی منعقد ہوا ہے کہ پیغمبرانِ خدا غیر پیغمبروں سے افضل ہیں لیکن علیؑ کی صحابہ پر افضلیت کے بارے میں کوئی جواب نہیں دیا ہے کیونکہ اس جگہ کوئی جواب نہیں رکھتے تھے اور جو جواب کہ پیغمبروں کے بارے میں دیا ہے اُس کا باطل ہونا بھی ظاہر ہے۔ کیونکہ شیعہ اس اجماع کو قبول نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ اگر تمام اُمت نے اجماع کر لیا ہے تو تسلیم نہیں ہے بلکہ اُس کا باطل ہونا واضح ہے کیونکہ اکثر شیعہ علماء کا اعتقاد یہ ہے کہ جناب امیرؓ اور تمام ائمہ اطہار سوائے پیغمبرِ آخر الزماں کے تمام پیغمبروں سے افضل ہیں اور احادیثِ مستفیضہ بلکہ متواترہ اپنے ائمہ سے اس بارے میں روایت کی ہے اور تمام مقدمات چونکہ واضح ہیں، یہ فاضل جس کو امام المشکلیں کہتے ہیں وہ کوئی تصرف نہیں کر سکتا ہے۔ لہذا امامت حضرت امیر المؤمنینؓ بھی اسی دلیل سے ثابت ہوئی کیونکہ جناب رسولِ خداؐ کے تمام کمالات میں سے امامت اور آپ کی اطاعت کا واجب ہونا ہے اور پیغمبری کے علاوہ ہے لہذا چاہیے کہ وہ حضرت امام ہوں۔ نیز تمام انبیاء سے افضل ہونا اعلیٰ مرتبہ امامت کے لیے لازم ہے قطع نظر اس کے کہ ترویجِ مرجوح قبیح ہے اور اگر وہ کہیں کہ ممکن ہے دعوتِ نفسِ مراد ہو مجازاً اور ایک مجاز دوسرے مجاز سے اولیٰ و برتر نہیں ہے تو چند وجوہ سے جواب دیا جاسکتا ہے اور میں اس رسالہ میں دو جوابوں پر اکتفا کرتا ہوں۔

اول۔ یہ کہ مجاز اطلاقِ نفس میں دوسرے مجاز سے زیادہ آشکار ہے اور عرب و عجم میں شائع ہے کہ کہتے ہیں کہ تو میری جان کے برابر ہے۔ اور جناب امیرؓ کی خصوصیت میں یہ معنی خاصہ و عامہ کے

طریقوں سے بہت سی روایتوں میں وارد ہوا ہے۔ چنانچہ صحاح میں منقول ہے کہ جناب رسول خدا نے جناب امیر سے فرمایا انت متی وانا منک یعنی اے علی تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔ اور فردوس الاخبار میں روایت کی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ علی میرے جسم سے، میرے سر کے مانند ہیں اور دوسری روایت کے مطابق میری رُوح کے مانند ہیں۔ اور منافقوں کے ایک گروہ سے خطاب کیا کہ نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو۔ ورنہ میں تمہاری طرف اُس مرد کو بھیجوں گا جو منزلہ میرے نفس کے ہے یعنی علیؑ۔ اور اس بارے میں حدیثیں بہت ہیں۔ اور یہ سب اسی مجاز کا فریق ہیں۔

دوم - یہ کہ یہ آیت کریمہ ہر احتمال کے ساتھ اُن حضرت کی فضیلت اور امامت پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ بدع حق تعالیٰ نے صیغہ محکم مع غیر فرمایا ہے۔ وہ یا تو مخاطبوں کے داخل ہونے کے اعتبار سے یا تعظیم کے لیے ہے۔ جو ان مقامات پر نظر ہے یا امت کے داخل ہونے کے لیے ہے۔ اور دونوں آخری احتمالات کی بنا پر کلام کا انداز یہ ہو گا۔ ندع ابنا لنا وندع ابنا شکہ اس میں شک نہیں احتمال اول سب سے زیادہ واضح ہے اور یہ دو احتمالات بھی ہیں۔ (اول) یہ کہ ہم بلاتے ہیں اپنے اور تمہارے بیٹوں، عورتوں اور نفسوں کو (دوسرے) یہ کہ ہم میں اور تم میں سے ہر ایک جانبین کے بیٹوں عورتوں اور نفسوں کو بلائیں۔ اول زیادہ واضح ہے۔ چنانچہ برضاوی اور اکثر مفسروں نے اسی کی تصریح کی ہے۔ اگرچہ اکثر وجہیں مانحن فیہ میں کوئی دخل نہیں رکھتی ہیں۔ لیکن احتمالات کی تکمیل کے لیے مذکور ہوئیں۔ اور ابنا ولسار و انفس کی جمعیت پر احتمال ہے کہ تعظیم کے لیے ہو یا امت کے داخل کرنے یا مخاطبین کے لیے کلام کا انداز وہ ہو کہ ندع ابنا لنا و ابنا شکہ میں ابنا کا اعادہ رعایت لفظی کے لیے ہو چونکہ ضمیر مجرور پر عطف ہیں اور اعادہ جار بھی عربی واں لوگوں کے درمیان مروج ہے یا اس اعتبار سے ہو کہ ایتدار بظاہر حال سے مختل ہو کہ وہ مباہلہ میں ہر صنف کی جماعت سے داخل ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور جبکہ کسی کو اُن کے علاوہ نہ پایا جو اس امر کی صلاحیت رکھتا ہو تو اس جماعت کو لائے اور خصوصیت سے اس جماعت کا تعین مباہلہ کے تحقق سے قبل ضروری نہیں تھا۔ اسی طرح ابنا لنا ولسا لنا اور انفساً کی ضمیروں کا اکتھا ہونا سولتے تیسرے احتمال کے تمام احتمالات رکھتا ہے اور وہ بھی اول میں نہایت بعید میں ہے۔ کیونکہ معلوم ہے کہ ہر ایک کی دعوت مخصوص اپنی جماعت سے تھی۔ لہذا ہم کہتے ہیں کہ اگر جمعیت تعظیم کے لیے ہو اور انفس سے مراد وہ شخص ہو جو مباہلہ کا محرک ہو اور معلوم ہے کہ مباہلہ کی تحریک جناب رسول خدا کی جانب سے تھی۔ اور روایات و اقوال پر اتفاق کی بنا پر جناب امیر مباہلہ میں داخل تھے لہذا اُن حضرت کا داخل ہونا بے ضرورت ہو گا۔ اور نصاریٰ کہہ سکتے تھے کہ ان کو کیوں لائے ہیں حالانکہ ہماری شرطیں یہ داخل نہیں تھا سوائے اس کے کہ کہیں کہ وہ

حضرت اختصاص کی زیادتی کے لیے بمنزلہ نفس آنحضرت تھے۔ گویا دونوں ایک شخص کے مانند تھے۔ اس لیے ان کو لائے اور یہ وجہ اس مقام پر باوجود اس کے نہایت بعد رکھتی ہے ہمارے مطلب میں داخل ہوگی اور ان کے لیے زیادہ ضرر کی حامل ہوگی۔

(دوسری وجہ) ہم کہتے ہیں کہ اگر امت یا صحابہ مباہلہ میں داخل تھے تو کیوں ان میں سے کم سے کم جو موجود تھے، مباہلہ میں نہ لے گئے سوائے اس کے کہ ہم کہیں سب کا حاضر کرنا عام شور و شغب اور آوازوں کے اختلاط کا باعث ہوتا اور اس بات کا تو ہم ہوتا کہ آنحضرت اپنی حقیت پر بھروسہ نہیں رکھتے کہ اس ہم غیر کو اپنے ساتھ لائے ہیں تاکہ اپنی کثرت و شوکت سے ڈرائیں یا اس بائے میں گروہ مردم کی دُعا پر بھروسہ کیا ہے جب خود آگئے کہ سب کے قائم مقام تھے۔ اور اپنی ذات میں سب سے افضل و اولیٰ تھے اور امیر المؤمنین کو اس لیے لائے کہ ان کے امام و پیشوا اور مقتدا ہوں۔ نیز ان کے بیٹے پیغمبر کے بیٹے تھے اور فاطمہ جو پیغمبر کی بیٹی تھیں جو ان کی زوجہ تھیں۔ ان اسباب سے آنحضرت کی تمام امت اور تمام صحابہ سے اس امر میں آنحضرت سے خصوصیت رکھتے تھے اور یہ دونوں بزرگوار اپنی اور تمام امت کی جانب سے مباہلہ میں آئے جس طرح وہ عبادت بھی تمام نصاریٰ کی مانند تھی اور سب کی طرف سے حاضر ہوتی تھی۔ لہذا یہ وجہ بھی ہمارے مقصود میں زیادہ صریح اور ہمارا مطلب ثابت کر لے میں زیادہ قوی ہے۔ اسی طرح چوتھی وجہ بھی ان حضرت کے کمال فضل پر دلالت کرتی ہے۔ اس سبب سے کہ جب تمام امت اور صحابہ کے درمیان جو مباہلہ میں شامل ہونے کی اہلیت رکھتے تھے، حضرت علی اور آپ کی زوجہ اور اولاد کے سوا نہ تھے۔ یہی دلیل اس کی ہے کہ ان کے سوا کوئی امامت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اس وجہ سے جو مذکور ہوئی۔ لہذا ان کا روکنا پہلے معنی کا فائدہ ان کو نہیں پہنچاتا۔ باوجودیکہ اس معنی کی توفیق جانین کی معتبر حدیثیں ہوں جیسا کہ واضح ہوا۔ اگر کہیں کہ مجازات کے سب سے قریب مجاز پر اس وقت معمول ہوتا ہے جب کہ دوسرے معنی آشکار نہ ہوں اور یہ معلوم ہے کہ محبت اور اختصاص کے اظہار کے موقع پر اس معنی کا بہت استعمال کرتے ہیں، تو ہم جواب میں کہیں گے کہ ہر چند وہ حدیثیں جن کا سابقاً ہم نے اشارہ کیا اس پر دلالت کرتی ہیں کہ فقط یہی معنی مراد نہیں ہیں۔ لیکن ہم کو اس پر اصرار ضروری نہیں اور امامت اور خلافت کے زیادہ حقدار ہونے کے ثبوت کے لیے جو مجاز اصلی مقصد ہے، اس مقام پر اس مطلب کے حصول کے لیے کافی ہے۔ اس تقریر سے جو کچھ مذکور ہوئی۔

(نویں وجہ) وتعبیہا اذن داعیہا یعنی حفظ کرنے والے اور محفوظ رکھنے والے کا آیات قرآنی اور حقائق ربانی کو حاصل کرتے اور حفظ کرتے ہیں۔ خاصہ اور عامہ نے مستفیضہ طریقوں سے روایت کی ہے کہ یہ آیت امیر المؤمنین کی شان میں نازل ہوئی ہے چنانچہ تعبیری نے اپنی تفسیر میں اور

حافظ ابو نعیم نے حلیہ میں اور واحدی نے اسباب نزول میں اور طبری نے خصائص میں اور راعب اصفہانی نے محاضرات میں اور ابن مغازی نے مناقب میں اور ابن مردودہ نے اپنی کتاب مناقب میں اور اکثر محدثین و مفسرین خاصہ و عامہ نے حضرت امیر المؤمنینؑ، ابن عباسؓ، بریدہ اسلمیؓ، ضحاک اور کثیر جماعت سے روایت کی ہے اور بعض روایتوں کے یہ الفاظ ہیں کہ حضرت امیر المؤمنینؑ نے کہا کہ رسول خداؐ نے مجھ کو سینہ سے لگا کر فرمایا کہ مجھ کو میرے پروردگار نے حکم دیا ہے کہ تم کو اپنا مقرب قرار دوں۔ اور اپنے علوم کی تم کو تعلیم دوں۔ لہذا مجھ پر لازم ہے کہ اپنے پروردگار کی اطاعت کروں اور تم کو لازم ہے کہ وہ علوم حفظ کرو اور فراموش نہ کرو۔ اُس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ دوسری روایت کے متعلق فرمایا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ میں نے خدا سے دعا کی تھی کہ اس کو تمہارے کان قرار دے اور خدا نے میری دعا قبول فرمائی۔ امیر المؤمنینؑ نے فرمایا کہ اُس کے بعد جو کچھ حضرت سے میں نے سنا ہرگز نہیں بھولا۔ اور کیسے ہو سکتا تھا کہ میں بھولتا جبکہ آنحضرتؐ کی دعوت تھی۔ زحشری اور فررازی نے باوجود انتہائی تعصب کے اس روایت کو نقل کیا ہے۔ اور زحشری نے کثافت میں لکھا ہے کہ اذن واعیہ سے مراد وہ کان ہیں جس کی یہ شان ہے کہ جو کچھ سنیں یاد رکھیں اور فراموش نہ کریں اور اُس پر عمل کرنا ترک نہ کریں۔ اُس کے بعد یہ آخری روایت درج کی ہے۔ اگر تم کہو کہ کیوں خدا نے اذن کو لفظ مفرد اور تذکرہ استعمال کیا ہے تو ہم جواب میں کہیں گے کہ اُس کی دانائی کے لیے ہے بہت زیادہ یاد رکھنے والا ہے اور لوگوں کی اس امر پر سرزنش ہے اور اُس پر دلالت کے لیے ہے کہ ایک کان جو یاد رکھتا ہے بہت ہے اور خدا کے نزدیک گروہ کثیر کے مانند ہے اور دوسری جماعت کی پرواہ نہیں ہے ہر چند تمام عالم کو پڑ کرے زحشری کا کلام ختم ہوا۔ خداوند عالم نے اُن کے فہم سے گھٹوا دیا ہے کہ اقرار کر لینا کہ بعثت کا فائدہ اور آیتوں کا نزول خاص طور سے جناب امیرؑ کے لیے عمل میں آیا ہے۔ وہی حافظ علوم الہی ہیں تو کیسے ممکن ہے کہ وہ چند جابلوں کے محکوم رہے ہوں گے۔ جو تمام احکام میں انہی کے محتاج تھے۔ اور انہی سے دریافت کرتے تھے۔ خداوند عالم نے فرمایا ہے۔ هل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون۔ مع اُن تمام آیتوں اور دلیلوں کے جو سابقاً مذکور ہوئیں۔ اسی کی موید یہ کہ آنحضرتؐ قرآن کے الفاظ و معنی کے تمام دنیا کے لوگوں سے زیادہ جاننے والے تھے ابن حجر نے ابن سعد سے روایت کی ہے کہ جناب امیرؑ نے فرمایا کہ خدا کی قسم کوئی آیت نازل نہیں ہوئی مگر یہ کہ میں جانتا ہوں کہ کس بارے میں نازل ہوئی، کس مقام پر نازل ہوئی اور کس وقت نازل ہوئی، بیشک مجھ کو میرے پروردگار نے سمجھنے والا دل اور گویا زبان عطا فرمائی ہے۔ نیز کہا ہے کہ ابن سعد اور دوسروں نے ابو الطفیل سے روایت کی ہے کہ علیؑ نے فرمایا کہ کتاب خدا کے بارے میں سوال کرو۔

لہ (ترجمہ) کیا جو لوگ جانتے ہیں اور جو لوگ نہیں جانتے برابر ہیں؟

بیشک خدا نے کوئی آیت نہیں نازل کی۔ مگر یہ کہ میں جانتا ہوں کہ رات کو نازل ہوئی ہے یا دن کو۔ صحرا میں نازل ہوئی ہے یا پہاڑ پر اور کہا ہے کہ ابن داؤد نے محمد بن سیرین سے روایت کی ہے کہ جب حضرت رسالت مآب نے عالم قدس کی جانب رحلت فرمائی علی علیہ السلام ابو بکر کی بیعت کے لیے نہیں گئے۔ اور فرمایا کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ سوائے نماز کے چار دوش پر نہیں رکھوں گا۔ اور قرآن کو جمع کروں گا۔ پھر کہتے ہیں کہ پورے قرآن کو تنزیل کے مطابق جمع کیا۔ ابن سیرین نے کہا کہ اگر ہم کو وہ قرآن ملتا تو کیا اچھا ہوتا کیونکہ اس میں علوم ہیں۔ اور طبری نے ام سلمہ سے روایت کی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول خدا سے سنا کہ علی قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علی کے ساتھ۔ یہ دونوں آپس سے جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ میرے پاس عرض کو ٹر پر وارد ہوں۔ نیز روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا نے اپنے مرض موت میں فرمایا کہ ایہا الناس نزدیک ہے کہ میری روح قبض کی جائے اور مجھے تمہارے درمیان سے بلایا جائے میں تم سے زیادہ تمہیں نہیں کتا ہوں اپنا عذر تم پر تمام کرتا ہوں۔ بیشک تمہارے درمیان خدا کی کتاب اور اپنی عمرت کو چھوڑتا ہوں جو میرے اہلیت ہیں۔ پھر علی کا ہاتھ پکڑ کر بلند کیا اور فرمایا یہ علی قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علی کے ساتھ ہے۔ یہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ عرض کو ٹر پر میرے پاس وارد ہوں۔ میں اس وقت تم سے سوال کروں گا کہ میری رعایت ان کے حق میں کس طرح کی ہے

وسویک وجہ - اِنَّ السَّيِّئَاتِ اَمْنًا وَعَمَلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا
یعنی وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اور نیک اعمال بجالائے خداوند مہربان بہت جلد ان کو دوست قرار دے گا۔ قطعی نے کہا کہ خدا ان کو دوست رکھتا ہے اور ان کی دوستی آسمان اور زمین کے مومن بندوں کے دلوں میں ڈالتا ہے۔ پھر اپنی سند سے روایت کی ہے کہ بلال ابن غائب سے کہ جناب

لہ (موقف فرماتے ہیں کہ) جب ایسے شخص نے جس نے اکثر احادیث متواترہ میں تخریج کی ہے باوجود انتہائی تعصب کے ان احادیث کو نقل کیا ہے اور رد نہیں کیا تو یہی ان حضرت کی امامت و خلافت کے ثبوت کے لیے کافی ہے جبکہ رحلت کے وقت جناب رسول خدا فرماتے ہیں کہ میں جاتا ہوں اور اپنے عرض تمہارے درمیان پھیرتی چھوڑتا ہوں۔ پھر امیر المؤمنین کا ہاتھ پکڑ کر فرماتے ہیں کہ یہ قرآن کے ساتھ ہے اور ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ واضح ہے لفظ ومعنی قرآن انہی حضرت کے ساتھ ہیں اور وہی قرآن کے مفسر ہیں۔ اور قرآن ان کی حقیقت پر گواہی دیتا ہے اور قرآن کی پیروی ان حضرت کی پیروی کے بغیر جائز نہیں ہے اس کے بعد برسبیل تاکید فرماتے ہیں کہ قیامت میں تم سے سوال کروں گا کہ تم لوگوں کی رعایت کی ہے۔ ہر صاحب عقل جو اس حدیث میں غور کرے اور تعصب کام میں نہ لائے سمجھے گا کہ یہ ان حضرت کی خلافت پر نص صریح ہے۔ قطع نظر اس کے کہ ان کا عالم ہونا ثابت ہوتا ہے اور یہ امامت کا زیادہ سزاوار ہونے کے لیے کافی ہے۔ ۱۱

رسول خدا نے علیؑ سے خطاب فرمایا کہ کو کہ خداوند اپنے نزدیک میرے لیے ایک عہد اور مومنین کے سینوں میں میری محبت و مودت قرار دے۔ اُس وقت خداوند عالم نے یہ آیت بھیجی اور حافظ ابو نعیم نے یہی روایت کتاب ما انزل من القرآن فی علیؑ میں درج کی ہے اپنی سند سے برابر بن غریب سے روایت کی ہے نیز بسند خود ضحاک سے اور اُس نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یہ آیت حضرت امیر المومنینؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ یعنی اُن کی محبت مومنین کے دل میں ڈالتی ہے نیز روایت کی ہے کہ رسول خدا نے علیؑ سے فرمایا کہ سر اٹھا کر اپنے پروردگار سے سوال کرو تا کہ تم کو جو کچھ سوال کرو، وہ عطا فرمائے۔ یہ سن کر علیؑ نے اپنے ہاتھوں کو بلند کیا اور کہا خداوند! میرے لیے اپنے نزدیک دوستی قرار دے۔ اُس وقت جبریلؑ یہ آیت لاتے۔ نیز ابن جبر نے ابن عباس سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کی ہے کہ علیؑ کی محبت ہر مومن کے دل میں ہے اور محمد بن حنفیہ سے روایت کی ہے کہ کوئی مومن نہیں ہے مگر یہ کہ اُس کے دل میں علیؑ کی محبت ہے۔ نیز ابن عباس سے روایت کی ہے کہ ہم مکہ میں تھے۔ جناب رسول خدا نے علیؑ کا ہاتھ پکڑا پھر کوہ بدر پر چار رکعت نماز ادا کی اور آسمان کی جانب سر اٹھا کر علیؑ سے فرمایا کہ اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کرو۔ اور دعا کرو اور جو کچھ چاہو خدا سے طلب کرو کہ وہ تم کو عطا فرمائے گا۔ یہ سن کر علیؑ نے اپنے ہاتھ آسمان کی جانب اٹھائے اور کہا خداوند! اپنے نزدیک میرے لیے ایک عہد اور ایک مودت قرار دے۔ اُس وقت خداوند عالم نے یہ آیت نازل فرمائی اور جناب رسول خدا نے آیت اصحاب کو سنائی ان لوگوں نے اس واقعہ سے بہت تعجب کیا حضرت نے فرمایا کس بات سے تعجب کرتے ہو، قرآن کے چار حصے ہیں۔ ایک حصہ مخصوص، ہم اہلبیت کی شان میں نازل ہوا ہے ایک حصہ ہمارے دشمنوں کی مذمت میں۔ ایک حصہ حلال و حرام کے بارے میں ہے اور ایک حصہ فرائض و احکام کے بارے میں ہے۔ بیشک حق تعالیٰ نے قرآن کی بہترین آیتیں علیؑ کی شان اور اُن کی مدح میں بھیجی ہیں اور اس آیت کا اُن حضرت کی شان میں نازل ہونے کو اکثر مفسرین و محدثین نے روایت کی ہے جیسے نیشاپوری نے اپنی مشہور تفسیر میں ابن مردودہ نے مناقب میں، بختانی نے غرائب القرآن میں، طبری نے خصائص میں ابن حجر نے صواعق محرقة میں اور دوسرے علماء نے اپنی کتابوں میں روایت کی ہے۔ قطع نظر احادیث مستفیضہ شیعہ کے جو اس بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ ہم اس رسالہ میں اُن کو درج نہیں کرتے۔ ظاہر ہے کہ یہ مودت جو آنحضرتؐ کی دُعا سے نازل ہوئی ہے اُن حضرت سے مخصوص ہے اُس مودت کے علاوہ جو تمام مومنین آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رکھتے ہیں بلکہ یہ محبت جزو ایمان ہے اور اس کے ترک کرنے سے کفر و نفاق حاصل ہوتا ہے اور وہ لوازم امامت سے ہے نیز صالحات

لام کے ساتھ جمع معروف ہے اور عموم کا فائدہ دیتا ہے لہذا آپ کی عصمت پر دلالت کرتا ہے اور عصمت رامت کے لیے لازمی امر ہے۔ نیز العیاذ باللہ اگر ان سے کوئی فسق (گناہ) صادر ہوتا تو ان کا بغض اسی طرح لازم ہوتا اور محبت واجب ہونے کے معنی ہے اور اس کی مؤید کہ مودت عام مومنین مراد نہیں ہے۔ یہ وہ محبت ہے جو دین و ایمان کے رکن سے ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ ان کو وہ منزلت عطا فرما جس کی وجہ سے ان کی محبت تمام مومنوں پر واجب ہو اور ان کی محبت ان کے ایمان کی دلیل ہے اس کا ثبوت وہ روایت ہے جو مشکوٰۃ میں صحیح ترمذی اور مسند احمد بن حنبل روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا نے فرمایا کہ علیؑ کو کوئی منافق دوست نہیں رکھتا اور کوئی مومن دشمن نہیں رکھتا نیز مسند سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا نے فرمایا کہ جس نے علیؑ کو گالی دی اُس نے مجھ کو گالی دی۔ اور ابن عبد البر نے استیعاب میں کہا ہے کہ صحابہ کے ایک گروہ نے روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا نے جناب امیرؓ سے فرمایا کہ تم کو دوست نہیں رکھتا مگر مومن اور دشمن نہیں رکھتا مگر منافق۔ اور حضرت علیؑ نے فرمایا کہ خدا کی قسم پیغمبر اُتی نے مجھ سے عہد کیا ہے کہ مجھ کو دوست نہیں رکھتا مگر مومن اور مجھ کو دشمن نہیں رکھتا مگر منافق اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دوست رکھتا ہے علیؑ کو وہ شخص جس نے مجھ کو دوست رکھا ہے اور جس شخص نے علیؑ کو دشمن رکھا ہے اس نے مجھ کو دشمن رکھا ہے۔ اور جو شخص علیؑ کو آزار پہنچاتا ہے یقیناً اُس نے مجھ کو آزار پہنچایا ہے اور جس شخص نے مجھ کو آزار پہنچایا ہے اُس نے خدا کو آزار پہنچایا ہے اور جابر سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم رسول خدا کے زمانہ میں منافقین کو نہیں پہچانتے تھے مگر علیؑ کی عداوت سے۔ یہاں تک حدیثیں ابن عبد البر کی روایت کی ہوئی تھیں اور صحیح ترمذی سے جامع الاصول میں حضرت امیرؓ سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا نے امام حسن و امام حسین علیہما السلام کے ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ جو شخص مجھ کو دوست رکھتا ہے ان دونوں کو دوست رکھتا ہے اور ان کے باپ اور ماں کو دوست رکھتا ہے وہ روز قیامت میرے درجہ میں میرے ساتھ ہو گا نیز صحیح ترمذی میں ابی وجانہ سے روایت کی ہے انھوں نے کہا کہ ہم گروہ انصار منافقین کو بغض علیؑ کے سبب سے پہچانتے تھے صحیح ترمذی میں بھی ہم گروہ سے یہ روایت کی ہے نیز صحیح مسلم و ترمذی و نسائی سے روایت کی ہے کہ جناب امیرؓ نے فرمایا کہ میں اُس خدا کی قسم کھاتا ہوں جس نے دانہ کو شگافتہ کیا اور گھاس کو اٹکایا اور غلاق کو پیدا کیا ہے کہ حضرت نبیؐ نے مجھ سے عہد فرمایا ہے کہ مجھ کو دوست نہیں رکھتا۔ مگر مومن اور دشمن نہیں رکھتا مگر منافق اور ابن جبر نے صواعق محرقہ میں جناب رسول خدا سے روایت کی ہے کہ جب عمر و اسلمی نے جناب امیرؓ کی آنحضرتؐ سے شکایت کی تو حضرت نے فرمایا کہ تو نے مجھے اذیت دی عمرو نے کہا کہ میں خدا سے پناہ چاہتا ہوں اس سے کہ آپ کو آزار پہنچاؤں تو

حضرت نے فرمایا کہ جس نے علیؑ کو آزار پہنچایا اُس نے مجھے آزار پہنچایا ہے۔ نیز ابن حجر نے روایت کی ہے کہ بریدہ جناب امیرؓ کے ساتھ میں گئے اور جب وہاں سے واپس آئے تو اپنے ساتھیوں سے کہا کہ جناب امیرؓ خمس کے مال سے ایک جاریہ (کینز) اپنے تصرف میں لائے۔ منافقین صحابہ نے اُس سے کہا کہ جناب رسولِ خداؐ سے اس کی شکایت کرو۔ شاید علیؑ ان کی نظروں سے گرجائیں۔ جناب رسولِ خداؐ نے یہ باتیں دروازہ کے پیچھے سے سُن لیں اور نہایت غصتہ میں ان کے سامنے آئے اور فرمایا کہ ایک جماعت کس سبب سے علیؑ سے دشمنی رکھتی ہے یا ان کی عیب جوئی کرتی ہے جو شخص علیؑ کو دشمن رکھتا ہے اُس نے یقیناً مجھ کو دشمن رکھا ہے اور جو شخص علیؑ سے بددلی اختیار کرتا ہے اُس نے مجھ سے مفارقت اختیار کی ہے علیؑ مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے ہوں۔ وہ میری طینت سے خلق ہوئے ہیں اور میں جناب ابراہیمؑ کی طینت سے خلق ہوا ہوں اور میں ابراہیمؑ سے بہتر ہوں۔ اور حضرت نے یہ آیت پڑھی ذَرِیۃٌ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضِ وَاللّٰهُ سَمِیۃٌ عَلِیۃٌ لے بریدہ شاید تو نہیں جانتا کہ خمس میں علیؑ کا حق اُس جاریہ سے زیادہ ہے جس کو علیؑ اپنے تصرف میں لائے ہیں۔ اس مضمون کو جامع الاصول میں صحیح ترمذی اور بخاری سے روایت کی ہے۔ نیز ابن حجر اور ابن اثیر اور ترمذی اور صاحب مشکوٰۃ اور دوسرے محدثین نے متعدد طریقوں سے جناب رسولِ خداؐ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ یقیناً خدا نے مجھ کو چار شخصوں سے محبت رکھنے کا حکم دیا ہے اور وہ علیؑ و سلمانؓ و ابوذرؓ و مقدادؓ ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ان تین حضرات کی محبت کا حکم صرف اس لیے تھا کہ وہ جناب امیرؓ سے کسی حال میں جدا نہیں ہوتے۔ نیز ابن حجر نے چند سندوں سے جناب رسولِ خداؐ سے روایت کی ہے کہ جس نے علیؑ کو آزار پہنچایا اُس نے مجھ کو آزار پہنچایا ہے۔ نیز آنحضرتؐ سے روایت کی ہے کہ جس نے علیؑ کو گالی دی اس نے مجھ کو گالی دی ہے۔ نیز ام سلمہ سے روایت کی ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ جو شخص علیؑ کو دوست رکھتا ہے اُس نے مجھ کو دوست رکھا ہے اور جس نے مجھے دوست رکھا اُس نے خدا کو دوست رکھا ہے۔ اور جو شخص علیؑ کو دشمن رکھتا ہے اُس نے مجھے دشمن رکھا ہے اور جو مجھ کو دشمن رکھتا ہے اُس نے خدا کو دشمن رکھا ہے۔ نیز انس سے روایت کی ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ مومن کے صحیفہ اعمال کا عنوان محبت علیؑ ہے۔ نیز مناقب احمد بن حنبل سے روایت کی ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ میں مدینہ کے ایک باغ میں سو رہا تھا۔ جناب رسولِ خداؐ نے مجھے بیدار کیا اور فرمایا کہ تم میرے بھائی ہو میرے فرزندوں کے پدر ہو اور میرے بعد میری سنت پر جنگ کرو گے جو شخص میرے عہد پر مرے گا وہ بہشت میں ہوگا۔ اور جو شخص تمہارے عہد پر مرے گا اُس نے اپنے عہد کو پورا کیا ہوگا اور جو شخص تمہارے بعد تمہاری محبت پر مرے گا۔ خداوندِ عالم اُس کا خاتمہ میرے

اور ایمان کے ساتھ کرے گا۔ جب تک کہ آفتاب طلوع و غروب ہوتا رہے گا۔ اور بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں کہ اگر لوگ محبت علیؑ پر جمع ہوتے تو خداوند عالم دوزخ کو پیدا نہ کرتا۔ اور دلیلی کی فردوس الاخبار اور مخالفین کی دوسری کتابوں میں ابن عمرؓ سے انھوں نے رسول خداؐ سے روایت کی ہے کہ محبت علیؑ وہ نیکی ہے جس کے ساتھ گناہ ضرر نہیں پہنچاتا اور دشمنی علیؑ وہ گناہ ہے جس کی وجہ سے کسی نیکی کا فائدہ نہیں ہو سکتا۔ نیز انہی حضرت سے روایت کی ہے کہ محبت علیؑ گناہوں کو اس طرح کھا جاتی ہے جس طرح آگ سُوکھی لکڑی کو کھا جاتی ہے۔ اور ہروی نے غریبین میں عبادہ بن الصامت سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم اپنی اولاد کا امتحان محبت علیؑ کے ذریعہ کرتے تھے تو جس لڑکے کو دیکھتے تھے کہ اُن حضرت کو دوست نہیں رکھتا۔ ہم سمجھ لیتے تھے کہ وہ حلال زادہ نہیں ہے۔ الغرض اس بارے میں خبریں مخالفین و موافقین کے طریقوں سے حد و شمار سے زیادہ ہیں اور ان اخبار کے طرز بیان و اسلوب سے ہر عاقل صاحب بصیرت اور ہر عالم یا خبر پر واضح ہے کہ ان اخبار سے مراد یا امامت ہے یا اس سے کوئی مرتبہ بلند جس کے لیے امامت لازمی ہے کیونکہ تمام اُمت میں ایک شخص کا ممتاز ہونا اُس کے ساتھ کہ اُس کی محبت ایمان کی علامت اور حلال زادہ ہونے کی نشانی اور سعادت ابدی اور بہشت جاودانی میں داخل ہونے کا سبب ہو اور اُس کی محبت خدا و رسول کی محبت ہو۔ اور اُس کی دشمنی نفاق اور حرامی ہونے کی علامت اور ابدی شقاوت اور عذاب جاودانی اور خدا و رسولؐ کی دشمنی ہو وہ نہیں ہو سکتا تھا سوائے اس کے کہ پیشوائے اُمت، خلیفہ خدا اور جانشین رسول خدا ہو، اور اُس کی ولایت جزو ایمان و اسلام ہو بلکہ تمام ارکان اسلام و ایمان کے حاصل ہونے کا مستلزم ہو۔ اور یہ مرتبہ امامت کے جلیل مرتبہ کے بغیر جو مرتبہ نبوت کبریٰ کے چھپے چھپے ہے تصور نہیں ہے اور تمام مومنین کی محبت اگرچہ ایمان کی جہت سے ثواب کا باعث ہے اور وہ ایمان کی محبت ہوتی ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے کہ ان کی محبت فی نفسہ واجب اور حصول ایمان کے لیے لازم ہو اور ان کی عداوت اگرچہ معصیت کے جہت سے بُری ہے لیکن اس کی انتہا یہ ہے کہ اگر اظہار کریں تو گناہ کبیرہ ہوگا۔ لیکن نفاق، اور ایمان سے خارج ہونے اور عذاب ابدی کا سبب نہیں ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ اُن حضرت کی ولایت شہادتین کے چھپے چھپے ہے جس طرح انکار توحید و رسالت ایمان و اسلام سے خارج کر دیتا ہے اسی طرح ولایت سے انکار بلکہ اُن حضرت کی محبت ترک کر دینے سے انسان ایمان بلکہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ اس بنا پر جو کچھ تم نے بیان کیا لازم آتا ہے کہ اُن حضرت کا تہ نبوت کے مرتبہ سے بالاتر ہوگا۔ اگرچہ انکار نبوت جہنم میں جانے کا سبب ہوتا ہے۔ لیکن اس کا اقرار حصول ایمان و

واماد ہوئے۔ ہر وقت اُن کے سامنے رہتے اور کبھی آنحضرتؐ کو اُن کی تربیت میں کوئی امر مانع نہ تھا۔ لہذا ظاہر ہے کہ ایسا شاگرد ایسے استاد کی خدمت میں ایسے حالات کی خصوصیت کے ساتھ فضل و کمال کی انتہائی بلندی پر پہنچتا ہے۔ لیکن ابو بکر اپنی آدھی عمر گزارنے کے بعد آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچے اور اُس عمر میں بھی رات و دن میں ایک مرتبہ حاضر خدمت اقدس ہوتے تھے اور وہ بھی بہت کم وقت تک آنحضرتؐ کی خدمت میں رہتے تھے اور مشہور ہے کہ العلیٰ فی الصغر والنقش فی الحجر والعلوٰ فی العکبر کالنقش فی المذرا یعنی علم بچپن میں پتھر پر نقش کے مانند ہوتا ہے جو زائل نہیں ہوتا اور پیرا نہ سالی میں ٹھیکرے پر نقش کے مانند ہوتا ہے جو ذرا سی ٹھیکس لگنے سے برطرف ہو جاتا ہے۔ لہذا اس محل بیان سے ثابت ہوا کہ علیؑ افضل ہیں اور اعلم (سب سے زیادہ جاننے والے) ہیں لہ

نیز صحیح نسائی سے روایت کی ہے کہ علیؑ نے کہا کہ مجھے آنحضرتؐ کے نزدیک وہ منزلت حاصل تھی جو غلامی میں کسی کو میسر نہ ہوتی تھی میں صبح ہوتے ہی یعنی بہت جلد آنحضرتؐ کے در اقدس پر حاضر ہوتا اور کتا کہ التلا علیک یا نبی اللہ، اگر حضرت صرف لکھا کر کرک جاتے تو میں واپس چلا آتا، ورنہ حاضر خدمت ہو جاتا اور مشکوٰۃ میں صحیح ترمذی سے ام عطیہ سے روایت کی ہے۔ ان کا بیان ہے کہ آنحضرتؐ نے امیر المؤمنینؑ کو کسی جنگ میں بھیجا میں نے دیکھا کہ دست مبارک حضرت آسمان کی جانب اٹھا کر دعا فرماتے تھے کہ خداوند مجھ کو دنیا سے نہ اٹھانا جب تک کہ علیؑ کو نہ دکھا دینا۔ اور اس قسم کی حدیثیں جو آنحضرتؐ سے کثرتِ ملاقات پر دلالت کرتی ہیں اور اُن دونوں بزرگوں کی آپس میں خصوصیت کی شدت اور امیر المؤمنینؑ کی تربیت میں آنحضرتؐ کا کمال اہتمام ظاہر کرتی ہیں بہت ہیں۔ پھر فخر رازی کہتے ہیں کہ ان کی فضیلت میں چند دلیلیں ہو سکتی ہیں۔

دلیل اول۔ آیت **وَلَعَلَّهَا اخذوا عیسا جو علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے اور جب مخصوص ہوئی فہم کی زیادتی کے ساتھ تو علم کی زیادتی سے مخصوص ہوگی۔ دوسری دلیل** یہ ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا ہے کہ اقتضا حکم علیؑ (علیؑ تم میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے ہیں) چونکہ قضاوت (فیصلہ کرنا) تمام علم کا محتاج ہے تو جب ان کو قضاوت میں

لہ مؤلف فرماتے ہیں کہ اس مضمون کی تائید میں جو فخر رازی نے شیعوں کی طرف سے نقل کی ہے وہ حدیث ہے جو جامع الاصول میں صحیح ترمذی سے روایت کی ہے کہ جناب امیرؑ نے فرمایا کہ میں آنحضرتؐ کی خدمت میں ہوتا تھا۔ جب میں پوچھتا تھا تو آنحضرتؐ مجھے آگاہ فرماتے۔ اگر میں خاموش رہتا تو حضرتؐ خود مجھے تعلیم فرماتے تھے۔ ۱۱

ہر شخص پر توجیح حاصل ہے اس لیے تمام علوم میں ہر ایک پر فوقیت رکھتے ہیں۔ تفسیر می دلیل یہ کہ عمر نے معتدوبار غلط فیصلہ کیا اور اُن حضرت نے ان کی ہدایت کی۔ اس بار میں چند مقدمات درج کئے ہیں جن کا ذکر طوالت کا باعث ہے اور اس طرح کے غلط فیصلے علی کے سوا دوسروں کے بہت ہوتے تھے لیکن اُن حضرت سے کبھی ان کے مثل فیصلوں کا اتفاق نہیں ہوا چوتھی دلیل یہ کہ وہ حضرت خود فرماتے تھے کہ اگر منصب خلافت میرے لیے ہوا اور مسند خلافت پر میں ہوں تو بلاشبہ میں اہل توریت کے درمیان توریت سے اور اہل انجیل کے درمیان انجیل سے اور اہل زبور کے درمیان زبور سے اور اہل قرآن کے درمیان قرآن سے فیصلہ کروں۔ خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ کونسی آیت صحرا میں نازل ہوئی، کون سی دریا میں، کون سی میدان میں، کون سی پہاڑ پر اور کون سی رات کے وقت نازل ہوئی اور کون سی دن کے وقت اور یہ جانتا ہوں کہ کس کے بارے میں نازل ہوئی اور کیوں نازل ہوئی۔ پانچویں دلیل افضل علوم، اصول دین اور حضرت خدا کا علم ہے۔ اُن حضرت کے خطبے اور کلمات اسرار توحید، عدل، ونبوت و قضا و قدر اور قیامت کے حالات پر اس قدر مشتعل ہیں کہ کسی ایک صحابہ کے کلام میں نہیں پاتے جاتے نیز منکلبین کے تمام فرقے انہی حضرت سے اس علم میں منسوب ہیں اور شیعوں کا آنحضرت سے انتساب تو ظاہر ہے لیکن خوارج باوجود اس دوری کے جو اُن حضرت سے رکھتے ہیں اپنے اکابر کے پیرو ہیں جو آنحضرت کے شاگرد ہیں لہذا ثابت ہوا کہ تمام فرقوں کے منکلبین جو اسلامیہ فرقوں کے افضل لوگ ہیں آپ ہی کے شاگرد ہیں۔ اور علم تفسیر میں ابن عباس جو مفسروں کے رئیس و سردار ہیں جناب امیر کے شاگرد ہیں اور علم فقہ میں اس درجہ پر پہنچے ہوئے تھے کہ پیغمبر خدا نے اُن حضرت کی شان میں فرمایا کہ اقصا کمد علی۔ منجملہ ان کے علم فصاحت ہے اور معلوم ہے کہ فصیحوں میں جو اُن حضرت کے بعد ہوئے اُن کے درجہ کے کم سے کم درجہ پر کوئی نہ پہنچا۔ منجملہ ان کے ایک علم نحو ہے اور ظاہر ہے کہ ابوالاسود نے انہی حضرت کے ارشاد سے اس علم کی تدوین کی اور منجملہ ان کے علم تصوف ہے اور یہ علم بھی آپ ہی تک منتهی ہوتا ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ آنحضرت کے بعد جناب امیر سارے بہتر صفات اور مقامات شریفہ میں تمام عالموں کے استاد ہیں۔ جب یہ ثابت ہوا کہ وہ تمام علم میں اعلم (سب سے زیادہ علم والے) ہیں تو واجب ہے کہ تمام عالم سے افضل ہوں۔ جیسا کہ خدا نے تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ هل یستون الذین یعلمون والذین لا یعلمون (کیا علم والے اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں)۔ نیز فرمایا ہے۔ یوفج اللہ الذین امنوا منکم والذین اوتوا العلم دس جات ہے۔ (خداوند عالم ان لوگوں کو مرتبہ میں بلند کیا ہے جو صاحبان ایمان اور علم والے

لہ موافق فرماتے ہیں کہ ان دونوں آیتوں اُن آیتوں کے شمول کے ساتھ جو گذر چکیں معلوم ہوا کہ شرف و کمال اور (بقیہ حاشیہ کے صفحہ پر)

ہیں۔ بارہویوں و جہم۔ فان نظاھرا علیہا فان اللہا ہو مولیہ و جہیل و صالح
المومنین یعنی اگر عائشہ و حفصہ جناب رسول خدا کی اذیت و آزار پر ایک دوسرے کی مدد کریں
تو خدا انھیں کاٹ گا کہ جہم اور جہیل اور صالح المومنین یعنی ان میں جو شائستہ میں اور خاصہ و عامہ
نے بہت سے طریقوں سے روایت کی ہے کہ صالح المومنین امیر المومنین ہیں۔ شواہد التشریح میں
حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو جناب رسول خدا
نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ ایہا الناس یہ ہے صالح المومنین۔ اور حافظ ابو نعیم نے ما
نزل من القران فی علیؑ میں اور ثعلبی نے تفسیر میں اور ابن مردودہ نے مناقب میں اس آیت
عمیس وغیرہ سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ صالح المومنین علیؑ بن ابی طالب
ہیں اور فخر رازی نے اربعین میں ذکر کیا ہے کہ مفسروں نے کہا ہے کہ صالح المومنین علیؑ بن ابی طالب
ہیں اور اس جگہ مولا سے مراد یا اور ہے کیونکہ جو معنی خدا، جہیل اور صالح المومنین کے درمیان
مشترک ہو تو یا اور کے سوا اس کے اور معنی نہیں ہو سکتے۔ لہذا یہ آیت دو وجہوں سے اُن حضرت
کی افضلیت پر دلالت کرتی ہے۔ (وجہ اول) یہ کہ لفظ ہو حصر پر دلالت کرتا ہے۔ لہذا
اس کے معنی یہ ہوں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مددگار خدا، جہیل اور صالح المومنین یعنی
علیؑ علیہ السلام کے سوا کوئی نہیں اور معلوم ہے کہ جناب رسول خداؐ اطاعت کے سب سے بلند
درجے پر ہیں۔ (دوسری وجہ) یہ کہ خدا نے اپنے ذکر سے ابتدا کی اُس کے بعد جہیل کا ذکر کیا۔ اس
کے بعد علیؑ علیہ السلام کا ذکر کیا اور یہ بہت بلند منصب ہے۔ فخر رازی کا کلام تمام ہوا ہم کہتے
ہیں کہ دوسری وجہوں سے بھی یہ آیت اُن حضرت کی افضلیت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اسلوب
کلام اس پر دلالت کرتا ہے کہ اُس زمانہ میں صالح المومنین کا اطلاق اُنہی حضرت پر منحصر تھا۔
اور یہ خود ہی ظاہر ہے کہ صحابہ کے درمیان دوسرے صالحین بھی تھے۔ لہذا اصلاح سے یا عصمت مراد
ہوگی یا صلاحیت امامت یا امور خیر میں سے ہر امر مراد ہوگا کہ اُن سب میں امامت بھی ہے اور
یہ مطلب نہایت واضح ہے اور اگر ان تمام فرقوں کے ساتھ ہم اُن حضرت کی تمام صحابہ پر افضلیت
ثابت کریں تو کوئی شک نہیں ہو سکتا۔

تیرھویں وجہ۔ اجعلتم سقایتما الحاج و عمارۃ المسجد الحرام کم من امن
باللہ والیوم الآخر و جاہد فی سبیل اللہ لا یستون عند اللہ واللہ لا یہدی القوم

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ درجات کی بلندی کا معیار ایمان اور علم ہے اور ان دونوں صفتوں میں اُن حضرت کی زیادتی
معلوم ہوتی اور اس کے بعد بھی واضح کی جائے گی۔ ۱۲)

الظالمین الذین آمنوا وھاجروا وجاهدوا فی سبیل اللہ باموالھم وانفسھم
اعظم در سجدت عند اللہ واولئک ہم الفائزون۔ یعنی حاجیوں کو چاہ زمزم سے پانی
پلانا اور مسجد الحرام کی تعمیر اس شخص کے اعمال کے مثل قرار دیتے ہو جو خدا اور روز قیامت پر ایمان
لایا ہے اور راہِ خدا میں جہاد کیا ہے وہ فضیلت میں برابر نہیں ہیں اور خدا ظالموں کی بہشت
کی جانب ہدایت نہیں کرتا۔ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور راہِ خدا میں اپنی جان و مال
سے جہاد کیا ہے خدا کے نزدیک اُن کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ اور وہی لوگ کامیاب ہیں۔ واضح
ہو کہ خاصہ و عامہ کے مفسرین و محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت جناب امیرؓ کی شان میں
نازل ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ صاحب کشف و فخر رازی و بیضاوی نے اپنے انتہائی تعصب
کے باوجود انکار نہیں کیا ہے اور ثعلبی نے حسن بصری، شعبی اور محمد بن کعب قرطی ...
سے روایت کی ہے کہ یہ آیت عباسؓ و طلحہ بن شیبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ کیونکہ وہ
لوگ فخر کرتے تھے اور طلحہ کہتے تھے کہ میں خانہ کعبہ کا متولی ہوں اس کی کبھی میرے ہاتھ میں ہے
اگر چاہوں تو رات کو کعبہ کے اندر سوؤں۔ عباس کہتے تھے کہ چاہ زمزم اور حاجیوں کو پانی پلانا
میرے ذمہ ہے اگر چاہوں تو مسجد الحرام میں سوؤں۔ جناب امیرؓ نے یہ باتیں سن کر فرمایا کہ میں نہیں
جانتا کہ تم لوگ کیا کہتے ہو۔ میں چھ مہینے سب سے پہلے سے قبلہ کی جانب نماز پڑھتا تھا اور راہِ
خدا میں جہاد کرتا تھا۔ اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اور جامع الاصول میں بھی روایت سنائی
سے محمد بن کعب قرطی سے روایت کی ہے اور ابن مردودہ اور دوسری بہت سی جماعتوں نے
شعبی اور ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جناب امیرؓ اور عباسؓ کے درمیان نزاع ہوئی۔
عباسؓ کہتے تھے کہ میں پیغمبر کا چچا ہوں اور تم ان کے چچا کے رُکے ہو۔ حاجیوں کو پانی پلانا اور
مسجد الحرام کی عمارت میری تولیت میں ہے (تم کو چھ پر کیا فضیلت ہو سکتی ہے) اُس وقت
خدا نے اس آیت کو بھیجا۔ نیز کتاب فضائل المساجد میں حافظ ابو نعیم سے اور ابن عباس سے
روایت کی ہے اور ابن عساکر نے انس بن مالک سے کہ عباس و شیبہ آپس میں فخر کرتے تھے۔
عباس کہتے تھے کہ میں اشرف ہوں۔ میں جناب رسول خدا کا چچا ہوں اور حاجیوں کا ساتھی ہوں
شیبہ کہتے تھے کہ میں تم سے افضل ہوں۔ کیونکہ خدا کے گھر پر اُس کا امین اور اس کا خزانہ دار
ہوں۔ اُس نے مجھ کو امین قرار دیا ہے تم کو نہیں۔ اُنسی وقت امیر المؤمنین علیہ السلام آئے اور
ان لوگوں نے یہ باتیں اُن سے بیان کیں۔ حضرت نے فرمایا میں تم دونوں سے اشرف و افضل ہوں
میں پہلا وہ شخص ہوں جو حضرت پر ایمان لایا اور ہجرت کی اور جہاد کیا۔ اس کے بعد تینوں حضرات
جناب رسول خدا کے پاس گئے اور یہ تمام گفتگو حضرت سے بیان کی حضرت نے کوئی جواب نہ

دیا اور یہ لوگ واپس چلے گئے۔ چند روز کے بعد یہ آیت دس آیتوں تک نازل ہوئی اور جناب رسول خداؐ نے ان کو سنائی اور حافظ الرعیم نے کتاب ما نزل من القرآن فی علیؑ میں چند طریقوں سے ابن عباسؓ اور دوسروں سے روایت کی ہے کہ یہ آیت علیؑ وعباسؓ وشیبہ کے معاصرین میں تھی یا حتیٰ اللہ بامرہؑ تک نازل ہوئی اور ابوالقاسم حسکانی نے بریدہ سے روایت کی ہے کہ ایک روز شیبہ وعباسؓ آپس میں ایک دوسرے پر فخر کرتے تھے۔ اسی وقت علیؑ بھی ان کے پاس آگئے اور فرمایا کہ کس بات پر فخر کرتے ہو۔ عباسؓ نے کہا کہ خدا نے افضلیت مجھ کو دی ہے کسی دوسرے کو نہیں دی ہے۔ اور وہ حاجیوں کو پانی پلانا ہے شیبہ نے کہا عمارت مسجد الحرام کی تولیت مجھے پیڑ و فرمائی ہے۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ خدا نے مجھ کو بچپن میں وہ عطا فرمایا جو تم کو نہیں عطا فرمایا۔ ان لوگوں نے پوچھا کہ وہ کیا ہے۔ فرمایا کہ میں نے تمھاری ناک پر تلوار لگائی تو تم خدا اور رسولؐ پر ایمان لاتے۔ یہ سنی کر عباسؓ کو بہت غصتہ آیا اور اپنے پیر زمین پر کھینچتے ہوئے جناب رسول خداؐ کے پاس شکایت لاتے اور کہا کہ علیؑ نے مجھ سے ایسی سخت گفتگو کی حضرتؑ نے علیؑ کو طلب فرمایا جب وہ آئے تو فرمایا کہ کیا سبب ہوا کہ تم نے اپنے چچا سے ایسی باتیں کہیں۔ عرض کی یا رسول اللہؐ حق بات میں نے ذرا سختی سے کسی چچا سے کوئی ناراض ہو یا خوش رہے۔ اسی وقت جبریلؑ نازل ہوئے۔ اور کہا یا رسول اللہؐ آپ کا پروردگار آپ کو سلام کہتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ آیتیں ان کو سننا دو۔ جب ان کو سنایا، تو عباسؓ نے تین مرتبہ کہا ہم راضی ہوئے۔ اور اس کی تائید میں کہ یہ آیتیں ان حضرت کی شان میں ہیں، یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اس میں فرمایا ہے کہ وہ لوگ فائز و کامیاب ہیں اور سمعانی نے علمائے عامہ سے کتاب فضائل الصحابہ میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے علیؑ کا حال دریافت کیا مغلطہ نے فرمایا کہ میں نے جناب رسول خداؐ سے سنا۔ آپ فرماتے تھے کہ علیؑ اور ان کے شیعہ روز قیامت فائز و کامیاب ہیں اے

اے مولف فرماتے ہیں کہ یہ آیت امیر المومنینؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے لہذا معلوم ہوا کہ وہ امامت کے سب سے زیادہ لائق اور سب سے زیادہ حق دار ہیں۔ کیونکہ ان آیات سے واضح ہوا کہ فخر و فضل اور دونوں جہان کی کامیابی اور نجات کا معیار ایمان و ہجرت و جہاد ہے اور باتفاق کل ان صفات میں وہ حضرت تمام صحابہ پر سبقت رکھتے تھے۔ چنانچہ ابی عبد اللہ نے استیعاب میں سلمان، ابوذر، مقداد، خبابہ، جابر، ابوسعید خدری اور زید بن ارقم سے روایت کی ہے کہ علیؑ سب سے پہلے شخص ہیں جو اسلام لائے اور یہ تمام لوگ ان کو تمام صحابہ (بقیہ حاشیہ لکھے صفحہ پر)

چو درھویں وجہ - ان الذین آمنوا و عملوا الصالحات اولئک ہم خیر البریہ
یعنی جو لوگ کہ ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال بجالائے وہی لوگ بہترین خلائق ہیں۔ پھر اُس کے
بعد فرمایا ہے جزاؤہم عند ربہم جنت عدن تجوی من تحتہا الانہار خالیدین فیہا انبلا
رضی اللہ عنہم و رضوا عنہا ذلک لمن خشی ربہ یعنی اُن کی جزا اُن کے پروردگار کے

(بقیہ حاشیہ گذشتہ) پرفیصلت دیتے ہیں اور محمد بن اسحاق نے نقل کیا ہے کہ مردوں میں سب سے پہلے جو خدا اور رسولؐ
پر ایمان لایا وہ علیؑ تھے ان کے بعد حضرت خدیجہؓ ہیں۔ نیز لکھا ہے کہ بسند بسیار سخاں سے روایت کی ہے کہ رسولؐ
نے فرمایا کہ حوض کوثر پر میرے پاس تم میں سب سے پہلے جو وارد ہوگا وہ ہے جو سب سے پہلے مجھ پر ایمان لایا ہے
اور وہ علیؑ علیہ السلام ہیں۔ پھر لکھا ہے کہ یہ بات بہت سی روایتوں میں مذکور ہے۔ نیز ابن عباس سے روایت
کی ہے کہ علیؑ کی چار خصلتیں تھیں جو اُن کے غیر میں نہ تھیں وہ عرب و عجم میں پہلے شخص ہیں جنہوں نے رسول اللہؐ
کے ساتھ نماز پڑھی اور ہر جنگ میں آنحضرتؐ کا علم انہی کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ اور روزِ اُحد ان کے علاوہ جتنے تھے
سب میدان سے بھاگ گئے تھے اور وہ ثابت قدم تھے۔ انھوں نے ہی جناب رسول خداؐ کو غسل دیا اور قبر میں
داخل کیا۔ اور ابوالمظفر سہمانی نے فضائل الصحابہ میں اور دیلمی نے فردوس الانبیا میں اور دوسرے محدثین نے
ابودرداء اور ابویوسف انصاری سے روایت کی ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا کہ علیؑ پر فرشتوں نے سات سال تک صلوة
بھیجی کیونکہ ان کے سوا کسی نے میرے ساتھ نماز نہیں پڑھی۔ دوسری روایت کے مطابق قبل اس کے کہ کوئی شخص
مسلمان ہو۔ فردوس الانبیاء میں روایت کی ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا کہ سب سے پہلے جس نے میرے ساتھ نماز پڑھی
وہ علیؑ تھے۔ اور اُنی حضرت کا سابق الایمان ہونا متواترات سے ہے اور عبد اللہ بن احمد ضبیل نے اپنی مسند میں
بہت سی سندوں کے ساتھ ان حضرت کے سابق الایمان ہونے کا ذکر کیا ہے جن کا ذکر طوالت کا باعث ہے اور
اس کے بعد بھی حدیثیں درج کی جائیں گی اور ان حضرت کا کمال ایمان ہر اُس شخص پر ظاہر ہے، جو صاحب ایمان
ہے چنانچہ حافظ ابو نعیم نے کتاب ما نزل من القراء فی علیؑ میں ابن عباسؓ روایت کی ہے کہ خدا نے
قرآن کوئی سورہ نہیں نازل کیا مگر یہ کہ علیؑ اُس سورہ کے امیر و شریف ہیں اور بیشک حق تعالیٰ نے متعدد موقعوں
پر اصحابِ محمدؐ پر خطاب فرمایا ہے اور علیؑ کے حق میں سوائے شریعت کی کبھی خطاب کے ساتھ ذکر نہیں فرمایا۔ نیز
روایت کی ہے کہ لوگوں کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ یا ایہا الذین آمنوا کا خطاب اصحابِ محمدؐ سے ہے
حدیثی نے کہا ہے کہ جس جس جگہ یہ خطاب قرآن میں وارد ہوا ہے اُس کا لُب لباب علیؑ کے لیے ہے اور مجاہد سے
اُس نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا کہ یا ایہا الذین آمنوا کسی آیت میں نازل
نہیں ہوا ہے مگر یہ کہ علیؑ اُس کے امیر و سردار ہیں اور دوسری روایت کے مطابق فرمایا کہ علیؑ اُس آیت کے سردار
شریف و امیر ہیں اور دوسری روایت کے مطابق رئیس و قائم ہیں اور دوسری روایت کے مطابق سید و شریف ہیں
(بقیہ حاشیہ لگنے والے صفحے پر)

پاس ہمیشہ باقی رہنے والے باغات ہیں جہی کے نیچے نہریں جاری ہیں جن میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے وہ رہیں گے۔ خدا ان سے راضی ہے اور وہ خدا سے راضی ہیں۔ یہ اس کے لیے ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں۔ واضح ہو کہ بہت سی احادیث معتبرہ میں خاصہ و عامہ کے طریقہ سے وارد ہوا ہے کہ یہ آیت حضرت امیر المومنین اور ان کے شیعوں کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ حافظ ابو نعیم نے اپنی سند سے ابن عباس اور حضرت امام محمد باقر سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی جناب رسول خدا نے امیر المومنین سے فرمایا کہ اس آیت کے مصداق تم ہو اور تمہارے شیعہ۔ قیامت کے روز تم اور تمہارے شیعہ راضی و خوشنود آؤ گے اور خداوند کریم تم لوگوں سے راضی ہوگا۔ اور تمہارے دشمن مبتلائے عذاب ہوں گے۔ ان کی گردنوں میں زنجیریں ہوں گی۔ نیز اپنی سند سے عارضہ امور سے روایت کی ہے کہ جناب امیر المومنین نے فرمایا کہ ہم

(بقیہ حاشیہ گذشتہ) اور ان مضامین کی حافظ اور دوسروں نے بسند بسیار اعمش اور مجاہد اور ابن عباس وغیرہ سے روایت کی ہے اور معلوم ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ شخص جو آنحضرت کی ولایت کا قائل نہ ہو مومنین میں داخل نہیں ہے اور جس شخص نے اس تمام آیت پر سب سے پہلے عمل کیا ہے اور کمال ایمان اور بیعت اسلام اس سے مخصوص ہے تو یہی مراد ہے۔ چنانچہ حافظ اور دوسروں نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ قرآن میں کسی مقام پر یا ایہا الذین آمنوا نہیں ہے مگر یہ کہ اس میں سابق علیٰ ہیں کیونکہ انہوں نے اسلام میں سب سے پہلے بیعت حاصل کی ہے۔ اور اسی کی مؤید وہ ہے جو اکثر مفسرین و محدثین خاصہ و عامہ نے مثل ثعلبی و واحدی و ابن مردودہ و حافظ ابو نعیم وغیرہم کے بسند ہائے بسیار روایت کی ہے کہ علی اور ولید بن عقبہ عثمان کے مادی بھائی میں نزاع ہوئی۔ ولید نے امیر المومنین سے کہا کہ خاموش ہو کیونکہ تم لوگے ہو، اور میں خدا کی قسم وہ ہوں کہ میری زبان تم سے زیادہ کشادہ اور میرا نیزہ بھی بہت زیادہ تیز ہے۔ اور میں جنگ میں بہت دلیر ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ اسے فاسق خاموش و ماتو خداوند عالم نے حضرت کے قول کی تصدیق میں یہ آیت نازل فرمائی افسس کافر ہونے لگے کان فاسقاً لا یستنون۔ یعنی کیا وہ شخص جو مومن ہوا اس کے مانند ہے جو فاسق ہو۔ یہ دونوں کلمے نہیں ہیں۔ اس کے بعد فرمایا ہے کہ جو ایمان لاتے ہیں اور اعمال صالحہ بجالاتے ہیں اسی کے لیے بہشتیں ہیں جو مومنین کی دائمی جگہ ہے اس سبب سے کہ جو کچھ ایمان و اعمال صالحہ وہ لوگ بجالاتے ہیں اور جو لوگ فاسق تھے تو ان کی جگہ جہنم ہے اور بسند ہائے بسیار حافظ ابو نعیم اور دوسروں نے ابن عباس اور مجاہد وغیرہم نے روایت کی ہے کہ مومن علی بن ابی طالب ہیں اور فاسق ولید بن عقبہ ہے اور اس آیت کی دلیل سے ان حضرت کے کمال ایمان میں کوئی شک نہیں ہے بلکہ ان حضرت کی عصمت پر دلالت کرتی ہے جبکہ فاسق کے مقابلہ میں واقع ہوئی ہے اور ان کے دخل جنت کی نگاہ میں نازل ہوئی ہے اور اگر اس بارے میں بات کی جائے تو ان حضرت کی فضیلت و ایمان کے لیے ہمارے لیے یہی کلام کافی ہے۔ - ۱۲ -

اہلیت وہ ہیں کہ ہم پر دوسروں کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ ایک شخص ابن عباس کے پاس گیا اور ان باتوں کو تعجب سے ان سے بیان کیا۔ ابن عباس نے کہا شاید تیرے نزدیک علیؑ مثل برہم نہیں ہیں ان کو دوسروں کے مانند قیاس نہیں کیا جاسکتا پھر کہا کہ یہ آیت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اولئك هم خيبر البرية اور ابو القاسم خشکانی نے شواہد التنزیل میں بریدہ بن شراحیل کا تب امیر المؤمنینؑ سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ان حضرت سے سنا کہ آپ نے فرمایا کہ رسول خدا کی روح اس حالت میں قبض ہوئی کہ حضرت میرے سینہ سے تیکہ لگاتے ہوئے تھے۔ اس حالت میں آپ نے فرمایا تھا کہ یا علیؑ تم نے اس قول خدا کو سنا ہے؟ کہ ان الذين آمنوا وعملوا الصالحات اولئك هم خيبر البرية پھر فرمایا کہ وہ تمہارے شیعہ میں در میری اور تمہاری وعدہ گاہ حوض کوثر پر ہے۔ جب امتیں حساب کے لیے جمع ہوں گی۔ تمہارے پیغمبرؐ و نورانی چہروں کو دیکھیں گی۔ نیز ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یہ آیت علیؑ اور ان کے اہلیت کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ ابن مردویہ اور عامر کے سارے محدثین نے متحد طریقوں سے اس مضمون کی روایت کی ہے۔ اس کی موید وہ ہے جو فخر رازی وغیرہ نے ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ علیؑ خیر البشر من ابی فقد كفر، (علیؑ خیر البشر میں جس نے انکار کیا اُس نے کفر کیا) نیز فخر رازی وغیرہ نے مخالفین سے روایت کی ہے کہ رسول خداؐ نے ذوالحدیہ کے بارے میں فرمایا کہ اُس کو بہترین خلق قتل کرے گا۔ اور دوسری روایت کے مطابق فرمایا کہ اُس کو میری امت کا بہترین شخص قتل کرے گا۔ اور ابن مردویہ نے ابی البشر تصاری سے اور اس نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں عائشہ کے پاس گیا۔ عائشہ نے پوچھا ان کو کس نے مارا یعنی خوارج کو میں نے کہا علیؑ نے ان کو قتل کیا کہا مجھے وہ عداوت نہیں روک سکتی جو میرے دل میں علیؑ سے ہے کہ میں حق بات نہ کہوں۔ میں نے جناب رسول خداؐ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ ان کو میری امت کا سب سے بہتر شخص میرے بعد قتل کرے گا اور فرماتے تھے کہ حق علیؑ کے ساتھ ہے اور علیؑ حق کے ساتھ ہے۔ نیز مسروق سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عائشہ کو قسم دی کہ جو کچھ خوارج کے بارے میں آپ نے سنا ہے بیان کیجئے۔ عائشہ نے کہا میں نے سنا ہے کہ رسول خداؐ فرماتے تھے وہ بدترین خلق ہیں اور ان کو بہترین خلق خدا و خلیفہ اور خدا کے نزدیک قرب و وسیلہ کے لحاظ سے سب سے بلند مرتبہ قتل کرے گا نیز متحد سندوں سے مسروق سے روایت کی ہے۔ اور بعض روایت میں اس طرح ہے کہ ان کو بہترین خلق قتل کرے گا۔ جس کا وسیلہ خدا کے نزدیک قیامت کے دن سب سے نزدیک ہے اور بعض روایات میں ہے کہ ان کو میری امت کا سب سے بہتر شخص قتل کرے گا اور مشہد بن حنبل سے بھی دوسری روایت

کے مانند روایت کی ہے لہذا ان احادیث سے جو خاصہ و عام میں متفق ہیں ظاہر ہوا کہ وہ حضرت اور ان کے شیعہ بہترین خلاق ہیں اس لیے وہ امامت کے سب سے زیادہ نزاوار اور خدایا ہیں۔ اور ان حضرت کی جہاد میں بیعت کے بیان کی احتیاج نہیں ہے کیونکہ آپ کی آشکار تلواری بجلی قیامت تک ہر منوں کے دلوں کو روشن کرتی رہے گی اور منافقوں کے لیے جالسوز شعلہ رہے گی اس کے بعد اس کا محل بیان کیا جائے گا۔

پندرھویں وجہ - قل کفر باللہ شہیداً یعنی وہیں تک وہ من عندہ علم العتاب۔ اے رسول! کہہ دو کہ میرے اور تمہارے درمیان کو اسی کے لیے ایک تو خدا کافی ہے۔ دوسرے وہ جس کے پاس کتاب کا پورا پورا علم ہے۔ یعنی علم قرآن یا لوح محفوظ اور احادیث مستفیضہ و عامہ و خاصہ کے طریقہ سے وارد ہوئی ہیں کہ اس شخص سے مراد جس کے پاس کتاب کا پورا پورا علم ہے امیر المؤمنین ہیں اور آپ کے فرزند حسن و حسین علیہم السلام۔ چنانچہ عامہ نے شعبی سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ کوئی شخص جناب رسول خدا کے بعد کتاب خدا کا علی سے زیادہ جاننے والا نہ تھا۔ اور عاصم نے عبدالرحمن سلمی سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ابن مسعود نے کہا کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو علی سے بہتر قرآن کی تلاوت کرتا ہو نیز عبدالرحمن نے روایت کی ہے کہ ابن مسعود کہتے تھے کہ اگر میں کسی کو اپنے سے زیادہ کتاب خدا کا جاننے والا جانتا تو اس کے پاس جاتا۔ میں نے کہا علی تم سے اعلم تر تھے۔ انھوں نے کہا میں ان کے پاس جا چکا ہوں اور سیکھ چکا ہوں یعنی چونکہ وہ اعلم تھے اس لیے میں ان کے پاس گیا اور شعبی نے اپنی سند سے عبدالرحمن عطاء سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں امام محمد باقر کی خدمت میں مسجد میں بیٹھا تھا میں نے مسجد کے کنارے عبدالرحمن سلام کو بیٹھے ہوئے دیکھا میں نے حضرت امام محمد باقر سے عرض کی کہ اہل سنت گمان کرتے ہیں کہ جس شخص کے پاس علم کتاب تھا وہ عبدالرحمن سلام سے حضرت نے فرمایا کہ وہ امیر المؤمنین علیہ السلام تھے جن کے پاس علم کتاب خدا تھا نیز شعبی اور ابو نعیم نے اپنی سندوں سے محمد حنفیہ سے روایت کی ہے کہ من عندہ علم العتاب علی تھے، اور سیوطی نے روایت کی ہے کہ ابن جمیر سے لوگوں نے پوچھا کہ من عندہ علم العتاب کیسا عبدالسلام ہے کہا کس طرح وہ ہوگا حالانکہ یہ شورہ مکہ میں نازل ہوا اور ابن سلام مدینہ میں مسلمان ہوا۔ لہذا معلوم ہوا کہ وہ حضرت دوسروں سے علم قرآن بہت زیادہ جاننے والے ہیں اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ کوئی خشک و تر نہیں ہے مگر یہ کہ اس کا علم قرآن میں ہے لہذا وہ حضرت تمام امت کے بلکہ انبیاء سے بھی زیادہ عالم تھے۔

یہ آیت میں طریقوں سے ان حضرت کی فضیلت و امامت پر دلالت کرتی ہے (اول) یہ کہ

آپ کا اعلم ہونا۔ جیسا کہ بار بار مذکور ہوا دوسرے یہ کہ خدا نے اُن حضرت کو جناب رسول خدا کی حقیقت کی شہادت میں اپنے مقابل قرار دیا اور اس مرتبہ سے بالاتر کوئی مرتبہ نہیں ہو سکتا۔ نیز یہ کہ صرف اُن حضرت کی گواہی پر اکتفا کرنا اُن حضرت کی خصمت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ موصوم کے سوا ایک شخص کی گواہی سے مدعا ثابت نہیں ہوتا۔ اور خصمت دلیل امامت ہے جیسا کہ بیان گزرجکا۔

سولہویں وجہ۔ آیت نجوی ہے جس کے بارے میں خاصہ و عامہ کے مفسروں نے توہم کی ہے کہ جب اصحاب رسولؐ آنحضرتؐ سے بہت سوال کرنے لگے جو آنحضرتؐ کے ملال و تکلیف کا باعث ہوتا تھا اس سبب سے خدا نے صحابہ کے امتحان کے لیے کہ ظاہر ہو جائے کہ کون نہایت خلوص کے ساتھ جان و مال نثار کرنے میں تیار ہے۔ یہ آیت بھیجی یا ایہا الذین امنوا اذ انما حیتہم الرسول فقد مواہبین یدیٰ نجویکہ صدقۃ یعنی اے مومنو! جب تم رسولؐ سے سرگوشی کرو تو پہلے کچھ صدقہ دے دیا کرو۔ مگر صحابہ میں سے کسی نے دس روز تک جیسا کہ بیضاوی اور تمام مفسروں نے کہا ہے رسولؐ سے سرگوشی نہ کی اور کوئی بات نہیں کہی سوائے جناب امیرؓ کے بالفاق موافقہ و مخالف یہاں تک کہ آیت منسوخ ہو گئی اور خداوند عالم نے فرمایا اشفقتہ ان تقدموا بین یدیٰ نجویکہ صدقات فان لم تفعلوا وتاب اللہ علیکم واقبلوا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ واطيعوا اللہ ورسولہ، واللہ نجید یماتہم عملون، کیا تم رسولؐ سے سرگوشی کرنے کے لیے صدقہ دینے سے ڈر گئے۔ تم نے صدقہ نہیں دیا مگر خدا نے تم کو معاف کر دیا۔ لہذا نماز کو قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرو اور خدا اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت کرو اور تم جو کچھ کرتے ہو خدا اُس سے واقف ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ اس آیت میں تمام تر عتبات صحابہ سے ہے سوائے جناب امیرؓ کے کہ آپ نے بالفاق مفسرین اس پر عمل کیا۔ حافظ ابو نعیم اور تمام مفسروں نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ جناب امیرؓ نے فرمایا کہ قرآن میں ایک آیت ہے جن سے مجھ سے پہلے کسی نے عمل نہیں کیا اور نہ کوئی امیرؓ سے بعد عمل کرے گا۔ اور وہ آیت نجوی ہے میرے پاس ایک دینار تھا میں نے اُس کے عوض دس درم لیے۔ اور جب میں چاہتا تھا کہ آنحضرتؐ سے کوئی لائق بات کروں تو ایک درم صدقہ دیتا تھا یہاں تک کہ آیت منسوخ ہو گئی۔ اور دوسری روایت میں فرمایا کہ میری برکت سے خدا نے اس حکم کی اس امت سے تخفیف فرمائی اور سردی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ لوگ خلوت میں آنحضرتؐ سے رائے کہتے تھے۔ جب اُن کو ضرورت درپیش ہوتی۔ یہاں تک کہ یہ بات آنحضرتؐ کی تکلیف کا باعث ہوتی۔ اُس وقت خدا نے ہر شخص پر واجب قرار دیا کہ جو رائے کہنا چاہے پہلے صدقہ دے، تو لوگوں نے لائق چھوڑ دیا اور

اُن پر یہ امر دشوار ہوا۔ اور حافظ ابو نعیم نے ما انزل من القرآن فی علیٰ میں کئی سندوں سے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کسی میں طاقت نہ ہوئی کہ آنحضرت سے راز کے اور پہلے صدقہ دے اور سب سے پہلے جس شخص نے صدقہ دیا وہ علیؑ تھے آپ نے ایک دینار دس درم کے بدلے فروخت کیا اور جناب رسولؐ سے دس مہذبہ راز میں گفتگو کی اور ہر راز کے عوض ایک درم تصدق کیا۔ اور دوسری روایت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی لوگوں نے آنحضرتؐ سے راز کتنا ترک کر دیا اور امیر المؤمنینؑ نے صدقہ دیا اور راز کما اور ان کے سوا کسی مسلمان نے تصدق نہ کیا۔ اس پر منافقوں نے کہا کہ (محمدؐ نے) یہ کام صرف اس لیے کیا ہے کہ اپنے پیغمبرؐ کی شہرت کریں۔ واضح ہو کہ اُن حضرت کا جناب رسولؐ سے اس فضیلت کے ساتھ اختصاص آپ کی منقبتوں میں سے ایک عظیم منقبت ہے اور اس جگہ معلوم ہوا کہ مخالفوں نے جو وضع کیا ہے کہ ان کے خلفائے پورے جو راہ دین میں کثیر مال خرچ کتے ہیں، محض افترا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر ام دین سے ان کو کسی ہوتی تو دس روز میں ایک درم بلکہ ایک دانہ خرما ہی صدقہ دے دیتے تاکہ ان عنایات کے مستحق نہ قرار پاتے۔

شترھویں وجہ - واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا یعنی خدا کی رسی سب مل کر پکڑ لو اور متفرق نہ ہو۔ خدا کی رسی سے کیا ہے اُس چیز سے جس کو کہ حق تعالیٰ نے اس امت کی نجات کا سبب قرار دیا ہے اور بہت سی حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ اس سے مراد اہل بیت رسولؐ ہیں جیسا کہ نقلی نے اپنی تفسیر میں ابان بن تغلب سے روایت کی ہے اُس نے امام جعفر صادقؑ سے کہ آپ نے فرمایا کہ ہم میں وہ جن کو خدا نے اس آیت میں جبل اللہ کہا ہے اور حافظ ابو نعیم نے بھی اس مضمون کی اربعہ صلیغ سے اُس نے انہی حضرت سے روایت کی ہے۔ نیز عامر نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے فرمایا کہ ایسا انکس میں تمہارے درمیان دو جبل چھوڑنا ہوں۔ اگر تم ان سے متمسک رہو گے تو ہرگز میرے بعد گمراہ نہ ہو گے اور وہ ایک دوسرے سے بلند مرتبہ ہیں۔ خدا کی کتاب وہ رسی ہے جو آسمان سے زمین کی جانب کھنچی ہوئی ہے اور دوسری جبل خدا میری عمرت اور اہلیت میں یقیناً یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہوں۔

اٹھارھویں وجہ - قل ہذا سبیلی ادعوا الی اللہ علیٰ بصیرۃ انا ومن اتبعنی یعنی اے رسولؐ کہہ دو کہ یہ میرا راستہ ہے کہ خدا کی جانب بصیرت دینا ہے پر لوگوں کو بلانا ہوں، میں اور وہ جس نے میری پیروی کی ہے۔ اہلیت سے بہت سی حدیثیں منقول ہیں جس مراد وہ

شخص ہے جس نے تمام لوگوں سے پہلے آنحضرت کی متابعت کی ہے اور وہ علیؑ ہیں۔ ابن مرویہ نے عامر کے محدثین سے اور انھوں نے حضرت باقرؑ سے بھی روایت کی ہے اور دوسری روایت کے مطابق منقول ہے کہ اس سے مراد آل محمدؑ ہیں۔ نیز حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ هو الذی ایڈک بنصرہ و بالمومنین یعنی خدا وہ ہے جس نے تم کو اپنی اور مومنین کی مدد سے تقویت دی ہے۔ اور جانبین کی معتبر خبروں میں وارد ہوا ہے کہ مومنین سے مراد علیؑ ہیں یا خدا کی نصرت سے مراد وہ نصرت ہے جو خدا نے علیؑ کے ہاتھ پر جاری کی ہے۔ اول صحت کی بنا پر یہ مراد ہے کہ ان کے بہتر اور سرکردہ علیؑ ہیں۔ یا مومنوں سے مراد وہ ہیں جو علیؑ کی امامت و ولایت پر ایمان لاتے ہیں۔ چنانچہ سیوطی نے درمشور میں اپنی سند سے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ عرش پر رکھا ہوا ہے۔ لا الہ الا وحدی لا شریک لی محمد صدی و رسولہ ایدتہ بعدی (کوئی خدا نہیں سوائے میرے اور میرا کوئی شریک نہیں ہے۔ محمد میرے بندہ اور رسول ہیں۔ میں نے ان کی مدد علیؑ سے کی ہے) یہ بے مطلب اس کا جو خدا نے فرمایا ہے کہ هو الذی ایڈک بنصرہ و بالمومنین۔ اور حافظ البوعین نے حلیہ میں اور ان کے علاوہ کلینی سے انھوں نے ابوصالح سے، انھوں نے ابوہریرہؓ سے اسی مضمون کی روایت کی ہے اور تعلی نے تفسیر میں ابن جبیر سے انھوں نے ابوالحمرار خادم جناب رسول خداؐ سے روایت کی ہے کہ میں نے جناب رسول خداؐ سے سنا کہ آپ نے فرمایا کہ شب معراج عرش کے واسطے ساق پر رکھا تھا۔ لا الہ الا اللہ مثل رسول اللہ ایدتہ بعلی و نصوتہ۔ یعنی میں نے تقویت دی محمد کو علیؑ سے اور ان کی مدد انہی علیؑ سے کی۔ اور حافظ البوعین نے دو سند سے امام محمد باقرؑ علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ یہ آیت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے یا ایہا النبی جسبک اللہ من اتباع من المؤمنین۔ یعنی اے رسول تمہارے لیے خدا اور جس نے مومنین میں تمہاری متابعت کی ہے (مدد کے لیے) کافی ہیں اور وہ علیؑ ہیں جنہوں نے تمام شخصوں سے پہلے تمہاری متابعت کی ہے اور محدث حنبلی نے کہا ہے کہ وہ علیؑ ہیں جو مومنین کے سردار پیشوا ہیں اے رسول و جبر۔ وقفوہ انہم مسئولون یعنی کافروں کو تمہارا دتا کہ ان سے پوچھا جائے گا۔ حافظ البوعین نے حلیہ اور چند دوسری کتابوں میں اور ابوالقاسم خضکانی نے

لے مؤلف فرماتے ہیں کہ یہ آیتیں اور حدیثیں جو یقین میں متفق ہیں دلیل ہیں کہ جناب امیر حضرت رسالت کی حقیقی متابعت اور کامل اور واقعی امداد سے مخصوص ہیں اور ان حضرت کی تقدیم و تزییح کہلے ہو گئی ہے نیز ظاہر ہوا کہ جناب رسول خداؐ کے بعد خدا کی جانب دعوت دینا (بیلغ دین ابی حضرت سے مخصوص ہے۔ ۱۳

شواہد التشریح اور ابن شیروبہ نے فردوس الاخبار میں اور ابن مردودہ نے مناقب میں اور دوسرے محدثین نے بہت سی سندوں سے ابن عباس اور ابو سعید خدری سے روایت کی ہے کہ لوگوں سے محبت علیؑ کے بارے میں سوال کیا جائے گا اور حافظ ابو نعیم نے کتاب منقبۃ المطہرین میں چند سندوں سے بریدہ وغیرہ سے روایت کی ہے کہ ہم لوگ ایک روز آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر تھے۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ اُس خدا کی قسم جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے کہ قیامت کے دن کوئی بندہ اپنے دونوں پلوں سے حرکت نہ کرے گا۔ یہاں تک کہ اُس سے چار چیزوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ (۱) اُس عمر کے بارے میں کہ کس چیز میں گذاری (۲) اُس کے جسم کے بارے میں کہ کن اعمال نے لاغر و ضعیف کیا (۳) اُس کے مال کے بارے میں کہ کہاں سے کمایا۔ اور کن کاموں میں صرف کیا (۴) ہم اہلبیت کی محبت کے بارے میں۔ یہ سن کر حضرتؐ نے پوچھا کہ یا رسول اللہؐ آپ کے بعد آپ کی محبت کی علامت کیا ہے۔ حضرتؐ نے اپنا ہاتھ علیؑ کے سر پر رکھا اور فرمایا ہم اہلبیت کی محبت کی علامت یہ شخص ہے جو شخص اس کو دوست رکھے اُس نے ہم کو دوست رکھا۔ اور جو شخص اس کو دشمن رکھے اُس نے ہم کو دشمن رکھا۔ اور ابن حدیثی کی وجہ استدلال گذر چکی۔

عیسویں وجہ۔ قل لا استلکم علیہ اجر الا المودة فی القربی ومن یقربنا
 حسنة فیہا حسنا۔ خاصہ و عامہ کی حدیثوں کے مطابق اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ میں اپنی
 تبلیغ رسالت کا اجر تم سے سوائے اس کے کچھ نہیں چاہتا کہ میرے قریب تداروں سے محبت کرو
 اور جو شخص ہماری محبت میں نیکی عمل میں لائے گا، ہم اُس میں اور اضافہ کریں گے اور ثواب بٹھا
 دیں گے اور دوسری جگہ فرمایا ہے کہ قل ما سئلتکم من اجر فہو لکم یعنی اسے رسولؐ کہہ دو
 جو میں نے اجر رسالت کے بارے میں تم سے سوال کیا اُس کا فائدہ تمہارے ہی لیے ہے اور صحیح
 مسلم میں ابن جریر سے روایت کی ہے کہ اس آیت میں قرنی سے مراد رسولؐ خدا کے قریب ترین
 اقربا ہیں۔ اور ابو حمزہ شمالی نے تفسیر میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جب جناب رسولؐ خداؐ نے
 مدینہ طیبہ کی جانب ہجرت کی انصار حضرتؐ کی خدمت میں آئے اور عرض کی کہ آپ پر بہت زیادہ
 اخراجات کا بار پڑتا رہتا ہے۔ ہمارے مال میں سے جس قدر آپ حکم دیں ہم حاضر کریں اور وہ
 جائز ہے۔ اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ نیز ابو حمزہ شمالی نے سدی سے اور ثعلبی نے ابن عباس
 سے روایت کی ہے اقترافِ حسنا آل محمدؐ کی مودت ہے اور خاصہ و عامہ کی روایت کے مطابق
 حضرت امام حسنؑ مجتبیٰ سے منقول ہے کہ آپؑ نے اپنے خطیبہ میں فرمایا کہ ہم وہ اہلبیت ہیں جن کی
 مودت اس آیت میں خدا نے ہر مسلمان پر واجب کی ہے جیسا کہ فرماتا ہے قل لا استلکم علیہ

اجرا الا المودعة فی القریٰ اور اقراراً حسنہ ہم اہلبیت کی محبت و مودت ہے اور ابوالقاسم
 نسکاکی نے شواہد التنزیل میں جبر سے اور انھوں نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جب یہ
 آیت نازل ہوئی صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہؐ وہ کون لوگ ہیں جن کی مودت ہم پر واجب ہوئی
 ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ وہ علی و فاطمہ اور ان کے فرزند علیہم السلام ہیں اور ابوالنعیم کی روایت
 کے مطابق ان کے دونوں فرزند ہیں۔ اور ثعلبی نے بھی تفسیر میں ابن عباس سے اسی مضمون کی
 روایت کی ہے اور شواہد التنزیل میں ابوامامہ یاہلی سے روایت کی ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا
 کہ حق تعالیٰ نے پیغمبروں کو متفرق درختوں سے خلق کیا ہے۔ اور میں اور علیؑ ایک درخت سے
 پیدا ہوئے ہیں۔ میں اُس درخت کی اصل ہوں اور علیؑ اس کی فرع اور حسن و حسین علیہما السلام
 اُس کے پھل ہیں اور ہمارے شیعہ اُس کے پتے ہیں جو شخص اُس کی کسی شاخ سے وابستہ ہو جائے
 نجات پائے گا۔ اور جو شخص اس کے سوا کسی دوسرے کی طرف مائل ہوگا جہنم میں جائے گا۔ اگر
 کوئی بندہ صفا و مروہ کے درمیان ہزار سال عبادت کرے پھر ہزار سال یہاں تک کہ مشک
 کے مانند بویدہ ہو جائے اور ہماری محبت نہ رکھتا ہو تو خدا اس کو جہنم میں ڈالے گا۔ اُس کے بعد
 اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ حافظ ابوالنعیم نے بہت سی سندوں سے زید بن ارقم سے روایت کی
 ہے کہ رسول خداؐ جناب فاطمہؑ کے پاس تشریف لے گئے اور حسن و حسینؑ بھی وہاں موجود تھے۔
 حضرت نے دروازہ کے دونوں بازو پکڑ کر فرمایا کہ میں اُس سے جنگ کرنے والا ہوں جو تم سے
 جنگ کرے اور صلح کرنے والا ہوں جو تم سے صلح کرے۔ نیز اس مضمون کو ائمہ سلمہ اور ابوسعید خدری
 سے بھی روایت کی ہے۔ نیز ابوہریرہؓ نے روایت کی ہے کہ رسول خداؐ نے جناب امیر اور حسن و حسین
 علیہم السلام کی جانب نگاہ کی اور یہی بات فرمائی اور جابرؓ سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خداؐ
 عرفات میں تھے اور علیؑ آپ کے برابر کھڑے تھے۔ اُس وقت آنحضرتؐ نے فرمایا اے علیؑ میرے
 پاس آؤ پھر اُن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ میں اور تم ایک درخت سے خلق ہوئے ہیں۔
 میں اس درخت کی اصل ہوں اور تم فرع ہو۔ اور حسن و حسینؑ ان کی شاخیں ہیں جو اُس کی ایک شاخ
 سے وابستہ ہو جائے خدا اُس کو بہشت میں داخل کرے گا۔ اور ثعلبی نے ما علمنا منطلق الطیر
 کی تفسیر میں روایت کی ہے کہ قبر جو چیغتا ہے کتا ہے کہ خداوند دشمنان آل محمدؐ پر لعنت کر اور
 ثعلبی اور صاحب کشف اور غفر لازی نے جبریلؑ جبریل جبرائیل سے روایت کی ہے کہ رسول خداؐ نے
 فرمایا کہ جو شخص آل محمدؐ کی محبت پر مڑتا ہے شہید مڑتا ہے اور جو شخص آل محمدؐ کی محبت پر مڑتا ہے، وہ
 بخشا ہوا مڑتا ہے اور جو شخص آل محمدؐ کی محبت پر مڑتا ہے تو یہ کیا ہوا مڑتا ہے اور جو شخص آل محمدؐ کی محبت
 پر مڑتا ہے ایمان کامل کے ساتھ مڑتا ہے اور جو شخص آل محمدؐ کی محبت پر مڑتا ہے اُس کو ملک الموت آؤ

منکر و کبیر بہشت کی خوشخبری دیتے ہیں اور جو شخص آل محمد کی محبت پر مرتاب ہے اس کو بہشت میں اس طرح لے جاتے ہیں جیسے کولہن کو اٹس کے شوہر کے گھر لے جاتے ہیں اور جو شخص محبت آل محمد پر مرتاب ہے اُس کی قبر میں بہشت کی جانب سے دو دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جو شخص آل محمد کی محبت پر مرتاب ہے خداوند عالم ملائکہ کو رحمت کے ساتھ اُس کی قبر کی زیارت کے لیے بھیجتا ہے اور جو شخص آل محمد کی محبت پر مرتاب ہے وہ سنت و جماعت پر مرتاب ہے۔

اور جو شخص آل محمد کی دشمنی پر مرتاب ہے خدا کی رحمت سے ناامید مرتاب ہے اور جو شخص آل محمد کی دشمنی پر مرتاب ہے کافر مرتاب ہے اور جو آل محمد کی عداوت پر مرتاب ہے بوسے بہشت نہیں سونگھنے پائے گا اور ابن ابی الحدید نے بیح البلاغہ کی شرح میں مسند ابن جنبل سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا نے خطبہ پڑھا اور فرمایا ایہا الناس میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ میرے بھائی اور ابن عم علی بن ابی طالب سے محبت کرو اُس کا دوست مومن ہے اور اس کا دشمن کافر ہے اور متافی۔ اُس کا دوست میرا دوست ہے اور اُس کا دشمن میرا دشمن ہے۔ اور جو شخص میرا دشمن ہوگا اُس کی جزا جہنم ہے اور تفسیر ثعلبی میں روایت کی ہے کہ شب معراج میں خدا کی جانب سے ایک فرشتہ حضرت رسالت مآب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہا کہ یا رسول اللہ آپ تمام رسولوں سے سوال کیجئے کہ وہ کس امر پر مبعوث کئے گئے۔ (حضرت نے سوال کیا تو) اُن انبیاء و مرسلین نے جواب دیا کہ آپ کی اور علی بن ابی طالب کی ولایت پر اور حدیثیں اس بارے میں اس قدر ہیں کہ ان کا احصا نہیں ہو سکتا۔ اور فخر رازی نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ آل محمد وہ ہیں کہ ان کا معاملہ آنحضرت کی طرف راجح ہوتا ہے اور جس کا معاملہ آنحضرت کی طرف زیادہ راجح ہوتا ہے وہ آنحضرت کی آل ہے اور شیک علی و فاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام کے تعلقات آنحضرت کے ساتھ نہایت زبردست تھے۔ اور یہ تواتر معلوم کے مانند ہے لہذا واجب ہے کہ وہ آل ہوں۔ نیز بعض نے اس میں اختلاف کیا ہے اور کہا ہے کہ آل آنحضرت کے اقارب ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ اہل بیت ہیں اگر ہم قرابت پر محمول کریں تو وہی حضرات ہیں اور اگر ہم اس امت پر محمول کریں جنہوں نے آنحضرت کی دعوت قبول کی تب بھی وہی ہیں۔ لہذا ثابت ہوا کہ ہر طرح آل وہی بزرگوار ہیں۔ لیکن ان کے علاوہ کسی کا آل میں داخل ہونا مختلف فیہ ہے تو صاحب کشف سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو لوگوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ آپ کے وہ قرابت دار کون ہیں جن کی محبت ہم پر واجب ہے۔ حضرت نے فرمایا وہ علی و فاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام ہیں لہذا ثابت ہوا کہ یہ چار حضرات پیغمبر کے اقارب ہیں تو واجب ہے کہ زیادہ تعظیم سے مخصوص ہوں اور اس پر چند دلیلیں ہیں۔

(اول) ان حضرات کی شان میں آیت کا نازل ہونا (دوسری دلیل) جبکہ ثابت ہو چکا کہ رسول خدا ﷺ جناب فاطمہ کو دوست رکھتے تھے اور فرمایا فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے مجھ کو اذیت دیتی ہے وہ بات جو اس کو ایذا دیتی ہے۔ اور متواتر احادیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ جناب رسول خدا ﷺ علی و حسن و حسین علیہم السلام کو دوست رکھتے تھے لہذا واجب ہے تمام امت پر کہ ان کو دوست رکھیں کیونکہ خدا نے فرمایا ہے کہ فاتبعوا لعلکم تفلحون۔ فلیحذر الذین یغالفون عن اموالہ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحبکم اللہ اور لقد کان نعم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ یہ تمام آیتیں آنحضرت کی تاسی اور پیروی پر دلالت کرتی ہیں۔ (تیسری دلیل) یہ کہ آل کے لیے دعا کرنا عظیم منصب ہے۔ لہذا یہ سب اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آل محمد کی محبت واجب ہے نیز صاحب کشف نے سدی سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا نے حضرت فاطمہ سے فرمایا کہ اپنے شوہر اور دونوں لڑکوں کو لاؤ۔ جب وہ حضرات آئے تو حضرت نے ان پر روا رکھائی اور ہاتھ اٹھا کر دعا کی کہ خداوند باریہ آل محمد ہیں لہذا ان پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرمادے۔ تو حمید و مجید ہے۔ ام سلمہ کہتی ہیں کہ میں نے عبا کا گوشہ اٹھایا کہ ان کے ساتھ داخل ہوں۔ حضرت نے چادر میرے ہاتھ سے بھینچ لی اور فرمایا تمہاری عاقبت خیر ہے۔

اکیسویں وجہ۔ ان الذین امنوا و عملوا الصالحات طوبیٰ لہم و حسن مآب یعنی جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک اعمال بجالائے طوبیٰ ان کے لیے ہے اور آخرت کی مآب ان کی نیک بازگشت ہے۔ ثعلبی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ طوبیٰ بہشت میں ایک درخت ہے جس کی جڑ علیؑ کے قصر میں ہے اور اُس درخت کی شاخ ہرمون کے مکان میں ہے۔ نیز جابرؓ سے روایت کی ہے انھوں نے امام محمد باقرؑ سے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لوگوں نے طوبیٰ کو دریافت کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ وہ بہشت میں ایک درخت ہے جس کی جڑ میرے قصر میں ہے اور اس کی شاخیں تمام اہل بہشت پر سایہ نکلن ہیں۔ دوبارہ آنحضرت سے پوچھا تو فرمایا وہ بہشت میں ایک درخت ہے جس کی جڑ علیؑ کے مکان میں ہے اور شاخیں تمام اہل بہشت پر سایہ انداز ہیں۔ پھر لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے ایک مرنیہ فرمایا کہ اس کی اصل میرے مکان میں ہے۔ دوبارہ فرمایا کہ علیؑ کے مکان میں ہے تو آپ نے فرمایا کہ بہشت میں میرا اور علیؑ کا مکان ایک ہے اور اُس درخت کی جڑ ایک مکان میں ہے۔ واضح ہو کہ جو آیتیں کہ متکلمین نے جناب امیرؑ اور تمام اہلبیت کی شان میں روایت کی ہیں میں نے حیات القلوب میں درج کر دی ہیں۔ اس رسالہ میں اسی قدر آیتوں پر اکتفا کی جاتی ہے۔

چھٹا مقصد۔ جانبین کی متواتر حدیثوں کا بیان جو جناب امیرؑ کی امامت، خلافت،

فضیلت اور جلالت پر اور آپ کے دشمنوں کے معائب اور ذمائم پر دلالت کرتی ہیں اور اس میں چند فضیلتیں ہیں۔

پہلی فصل - حدیث غدیر خم ہے اور وہ حضرت کی امامت پر نص صریح ہے کہ اُس روز جناب رسول خدا نے آنحضرت کی امامت پر فرمائی۔

واضح ہو کہ واقعہ غدیر متواترات سے ہے۔ جو شخص اُس کے تواتر کا انکار کرتا ہے۔ وہ مکہ کے وجود کے تواتر کا انکار کر سکتا ہے۔ کیونکہ جس طرح مکہ و مدینہ کا وجود متواتر ہے اور آج تک اُس مسجد کا اثر باقی ہے اور اُس مقام اور اُس اطراف و فواح کے رہنے والے سب یہ قصبہ اپنے باپ دادا کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں۔ اور جناب رسول خدا کے محل و مقام کا پتہ دیتے ہیں۔ جس طرح جوئے الوداع اور تمام غزوات رسولی خدا متواتر ہیں اسی طرح آنحضرت کا غدیر خم میں جناب امیر کی منزلت و شایانہ جلیلہ بیان کرنے کے لیے ٹھہرنا، اپنے اصحاب کو جمع کرنا اور خطبہ پڑھنا متواتر ہے اور کسی نے ان امور میں اختلاف نہیں کیا ہے۔ اور اختلاف کیا بھی ہے تو واقعہ اور خطبہ کے بعض خصوصیات میں کیا ہے اور ان کا اختلاف دلائل کے خلاف ہے چونکہ حدیثیں اس مطلب کی اس قدر زیادہ ہیں کہ اس رسالہ میں ان کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔ لہذا اس قصبہ کا محل حال اُن حدیثوں کے ساتھ جو عامہ کی مشہور صحاح میں مذکور ہیں ہم درج کرتے ہیں۔

سید ابن طاووس نے کتاب اقبال میں کہا ہے کہ جناب رسول خدا کی نص امامت جناب امیر سے بیان سے بالاتر ہے۔ لیکن میں اُس جماعت کے نام ذکر کرتا ہوں جنہوں نے اس بارے میں تصانیف کی ہیں اور اس مطلب کی حدیثیں اپنی تصنیفوں میں درج کی ہیں۔ منجملہ ان کے مسعود بن ناصر سجستانی ہیں جو علمائے مخالفین کے ثقہ لوگوں میں سے ہیں۔ کتاب ولایت میں جو سات حصوں پر مشتمل ہے حدیث غدیر کو ایک سو بیس صحابہ سے روایت کی ہے اور محمد بن جریر طبری صاحب تاریخ نے کتاب رد علی الخرق صبیہ میں پچھتر طریقوں سے روایت کی ہے۔ اور ابوالقاسم خصال نے بہت طریقوں سے روایت کی ہے اور ابن عقدہ حافظ نے کتاب الولاية میں ایک سو پانچ طریقوں سے روایت کی ہے۔ پھر اس واقعہ کی تفصیل مولف کتاب انشرواطی سے نقل کی ہے اور انھوں نے مخالفین کی معتبر کتابوں سے حذیف بن ایمان سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے پیغمبر پر یہ آیت نازل فرمائی۔

وَادُلُوا لِرِجَالِهِمْ بِعَضَلِهِمْ ۗ وَاللَّيْلُ بِالْمُؤْمِنِينَ ۗ وَالْمُهَاجِرِينَ
یعنی پیغمبر مؤمنین سے اُن کی جاہلوں سے اولیٰ ہیں اور ان کی بیویاں ان کی مائیں ہیں اور ان کے رُحی
رشتہ دار کتاب خدا میں بعض اولیٰ ہیں بعض سے مؤمنین و مہاجرین سے صحابہ نے کہا وہ ولایت کیا

ہے جس کی وجہ سے آپ لوگ ہم سے زیادہ حق دار ہیں ہماری جانوں سے حضرت نے فرمایا ہماری
 باتیں سننا اور ان کی اطاعت کرنا ہے ان تمام امور میں جن کو تم چاہو یا نہ چاہو صحابہ کتبہ ہیں
 کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی پھر خدا نے یہ آیت نازل فرمائی کہ واذکر وانعمنا، اللہ علیکم و
 میثاقہ الذی اتقیکم بہ اذ قلتم سمدنا واطعننا۔ یعنی اپنے اور نعمت خدا کو
 یاد کرو اور اُس عہد و پیمانہ کو جو ہم نے تم پر مستحکم و مضبوط کیا جس وقت کہ تم نے کہا کہ ہم نے سنا
 اور اطاعت کی اور یہ سب واقعات مدینہ میں پیش آئے پھر ہم رسول خدا کے ساتھ حجِ آخر کے
 لیے مکہ کی جانب گئے۔ وہاں جبریلؑ نازل ہوئے اور کہا کہ آپ کا پروردگار آپ کو سلام کہتا ہے
 اور فرماتا ہے کہ علیؑ کو مقرر کرو کہ وہ لوگوں کے ہادی و پیشوا ہوں۔ یہ سن کر حضرت اس قدر روتے
 کہ آپ کی ریش مبارک تر ہو گئی، اور کہا اے جبریلؑ میری قوم کا زمانہ جاہلیت اور کفر سے
 قریب ہے۔ میں ان کو تلوار کے زور سے دین میں لایا یہاں تک کہ میری اطاعت انھوں نے کی
 آئندہ ان کا کیا حال ہوگا جب دوسرے کو ان پر حکمران قرار دوں۔ یہ سن کر جبریلؑ واپس چلے گئے
 اور رسول خدا نے علیؑ کو حجِ آخری سے پہلے مین بھیج دیا تھا وہ مکہ میں آکر آنحضرت سے مل گئے ایک
 روز علیؑ مکہ کے نزدیک نماز پڑھ رہے تھے۔ جب رکوع میں گئے اور ایک سائل نے سوال
 کیا حضرت نے اپنی انگشتی اس کو دے دی تو آیت انما ولیکم اللہ نازل ہوئی جیسا کہ
 آپ کی شان میں آیتوں کے ضمن میں بیان ہو چکا۔ اور جناب رسول خدا نے اللہ اکبر کہا اور
 آیت ہم کو سنائی اور فرمایا اٹھو، آؤ چل کر دیکھیں یہ صفیں جن کا ذکر خدا نے کیا ہے کس میں ظہر
 ہوئی ہیں۔ جب جناب رسول خداؐ مسجد میں داخل ہوئے تو ایک سائل کو دیکھا جو مسجد سے
 باہر جا رہا تھا حضرت نے پوچھا کہاں سے آتے ہو۔ کہا اس مرد کے پاس سے جو نماز پڑھ رہا،
 اُس نے یہ انگوٹھی حالت رکوع میں مجھ کو دی ہے۔ یہ سن کر آنحضرت نے اللہ اکبر کہا اور جناب
 امیرؑ کی طرف روانہ ہوئے اور کہا اے علیؑ آج کون سا کار خیر تم نے کیا ہے۔ امیر المؤمنین نے
 انگشتی کا ذکر کیا تو حضرت نے تیسری مرتبہ اللہ اکبر فرمایا۔ یہ دیکھ کر منافقوں نے ایک دوسرے
 پر نگاہ کی اور کہا ہمارے قلوب اس کو نہیں برداشت کر سکتے کہ وہ ہم پر مسلط ہوں۔ ہم رسولؐ
 کے پاس چل کر کہتے ہیں کہ ان کو کسی دوسرے سے بدل دیں۔ جب یہ بات رسول خداؐ سے
 عرض کی تو خداوند تعالیٰ نے یہ آیت بھیجی قل ما یکون لى ان یتدلہ من تلقاء نفسی اس
 تفسیر کے مطابق اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ جب ان کو ہماری واضح آیتیں سنائی گئیں جو قیامت
 کا اعتقاد نہیں رکھتے انھوں نے کہا کہ اس قرآن کے بدلے کوئی دوسرا قرآن لاؤ یا اس میں سے
 ذکر علیؑ نکال دو۔ اے رسولؐ ان سے کہہ دو کہ میرے امکان میں نہیں ہے کہ میں اپنی مرضی سے

ان کو بدل دوں۔ میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کی جاتی ہے بیشک میں اُس بڑے
عذاب سے ڈرتا ہوں۔ اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں۔ اُس وقت پھر جبریلؑ نازل
ہوئے اور کہا یا رسول اللہؐ علیؑ کی خلافت کا معاملہ مکمل کر دیجئے۔ حضرت نے فرمایا اے جبریلؑ
تم نے منافقوں کی تدبیریں اس بارے میں سُنیں۔ یہ سُن کر جبریلؑ پھر آسمان پر گئے اور حنیفہ کی
روایت کے علاوہ دوسری روایت کے مطابق جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر تشریف لے گئے
اور فرمایا کہ اے گروہ مردم میں اپنے بعد تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑتا ہوں اگر ان کی پیروی
کرو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ وہ کتاب خدا اور میرے اہلبیت ہیں۔ میرے خدائے لطیف نے
خیمہ نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ دونوں آپس سے جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے
پاس پہنچیں میری ان دونوں انگلیوں کے مانند اور اپنے دونوں ہاتھوں کی شہادت کی انگلیاں
ٹلا کر دکھائیں۔ اور فرمایا کہ جو ان دونوں کو پکڑے رہے گا نجات پائے گا، اور جو ان کی مخالفت
کے گا ہلاک ہوگا۔ ایسا الناس! کیا میں نے خدا کی رسالت کی تبلیغ کی۔ لوگوں نے کہا ہاں
یا رسول اللہؐ۔ حضرت نے فرمایا خداوند! تو گواہ رہنا۔ آخر ایام تشریح آیا جو تیرھویں ذی الحجہ
کو ہوتا ہے۔ اُس وقت خدا نے سورۃ اِذَا جَاءَ بَیْحِجِی تُو حضرت نے فرمایا کہ یہ میری موت
کی خبر ہے جو مجھے دی گئی ہے۔ چونکہ یہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ میں نے دین کے کام
پورے کر دیئے۔ لہذا عالم قدس کی جانب مجھ کو متوجہ ہونا چاہیے پھر منیٰ میں مسجد خیف میں
داخل ہوئے۔ اور فرمایا کہ لوگوں کو آواز دو کہ حاضر ہوں۔ جب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے خطبہ
پڑھا۔ فرمایا کہ ایہا الناس میں تمہارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑتا ہوں جو ایک
دوسرے سے بڑی ہیں۔ ایک کتاب خدا ہے جو ایک طرف سے خدا کے ہاتھ میں ہے اور دوسری
طرف سے تمہارے ہاتھ میں ہے۔ لہذا اُس کو پکڑ لو، اور دوسری میری عزت ہے جو میرے اہلبیت
میں اور بیشک مجھ کو صاحب لطف و دانا خدا نے خبر دی ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے
میری ان دونوں انگلیوں کے مانند جدا نہ ہوں گی۔ یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس وارد ہوں اور
اپنی دونوں انگشت شہادت کو ملا یا پھر فرمایا کہ میں ان دونوں انگلیوں کی طرح نہیں کرتا ہوں اور
انگشت شہادت اور درمیانی انگلی ٹلا کر دکھایا جو ایک دوسرے سے کچھ بڑی ہوتی ہے منافقوں
کے ایک گروہ نے اٹھا ہو کر کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) چاہتے ہیں کہ امامت اپنے اہلبیت
میں قرار دیں۔ پھر ان میں سے چودہ اشخاص کعبہ میں گئے اور باہم مشورہ کر کے ایک تحریر لکھی اور
آپس میں عہد و پیمان کیا کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مرجا میں یا قتل ہو جائیں تو ان کے اہلبیت
میں خلافت نہ جائے دیں گے۔ اُس وقت خدا نے یہ آیتیں بھیجیں ام ابرمو امرا فانما امرسون

ام یحییون انالاسمہم سرہم ونحوہم بلی ورسنا لہم یکتبون یعنی کیا ان لوگوں نے اپنا معاملہ مضبوط کر لیا تو ہم بھی اپنا کام مستحکم کرتے ہیں۔ وہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کے رازوں کو نہیں سنتے بلکہ ہم سنتے ہیں اور ہمارے رسول (فرشتے) ان کے پاس ہیں۔ وہ ان کی باتیں اور ان کے اعمال لکھتے ہیں۔ خذیفہ نے اپنی حدیث میں کہا کہ پھر رسول خدا نے حکم دیا کہ سامان بار کریں اور مدینہ روانہ ہوں۔ جب صحابان تک پہنچے تو خلا نے جناب رسول خدا کو حکم دیا کہ امامت علیؑ علانیہ لوگوں تک پہنچا دیں۔ لہذا آنحضرت جحفہ میں ٹھہرے۔ جب لوگ اپنے اپنے مقام پر اطمینان سے ٹھہر گئے تو پھر جبریلؑ نازل ہوئے اور کہا کہ امامت علیؑ کو ظاہر کیجئے۔ حضرت نے عرض کی پروردگار امیری قوم تو مسلم ہے اگر یہ امر ظاہر کروں گا۔ تو لوگ کہیں گے کہ اپنے پسرعلم کی رعایت کرتے ہیں اور مسعود بن ناصر سجستانی نے کتاب ولایت میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جب جحفہ میں جبریل نازل ہوئے تو حضرت نے لوگوں سے کہا کیا میں مومنوں کے ساتھ ان کی جانوں سے اونی نہیں ہوں۔ لوگوں نے کہا ہاں یا رسول اللہؐ بیشک میں تب حضرت نے فرمایا کہ میں جس کا مولا ہوں علیؑ اس کا مولا ہیں خداوند دوست رکھ اس کو جو ان کو دوست رکھے اور دشمن رکھے اس کو جو علیؑ کو دشمن رکھے اور مدد کر اس کی جو علیؑ کی مدد کرے اور اعانت کر اس کی جو علیؑ کی اعانت کرے۔ ابن عباس نے کہا خدا کی قسم ان کی اطاعت اس روز لوگوں پر واجب ہوئی۔ پھر پہلی روایت میں کہا کہ جب روانہ ہونے کے لیے تیار ہوئے جبریلؑ نازل ہوئے اور یہ آیت لائے۔

یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس۔ یعنی اے رسول خدا وہ حکم لوگوں تک پہنچا دو جو تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اگر تم نے نہ پہنچایا تو تمہارے اس کی رسالت ہی نہیں پہنچائی اور خدا تم کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا خذیفہ کہتے ہیں کہ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی جب ہم غدیر خم میں تھے اور ہوا اس قدر گرم تھی کہ اگر گوشت زین پر رکھتے تو وہ بھن جاتا۔ حضرت نے فرمایا کہ لوگوں کو ندا دیں کہ سب جمع ہو جائیں۔ اور مقداد، ابوذر، سلمان اور عمار کو حکم دیا کہ درختوں کے نیچے کی زمین کا ٹٹوں سے صاف کر دیں اور پتھر ایک دوسرے پر رکھ کر منبر کی شکل جناب رسول خدا کے قدم کے برابر بنا دیں لہذا ان لوگوں نے منبر بنایا اور اس پر کپڑا ڈال دیا۔ جناب رسول خدا منبر پر نشتر لے گئے اور ایک طولانی نہایت فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا۔ یہاں تک کہ فرمایا کہ میں اپنے نفس پر خدا کی بندگی کا اقرار کرتا ہوں اور اس کی خداوندی کی گواہی دیتا ہوں اور اس کی وحی ادا کر رہا ہوں جو اس نے مجھ پر نازل فرمائی ہے۔ اس خوف سے کہ اگر اس

کا حکم نہ پہنچاؤں گا تو بلائے عظیم مجھ پر نازل ہوگی اور خدا نے مجھ پر یہ وحی کی ہے یا ایہا الرسول
 بلغ ما انزل الیک الخ۔ پھر فرمایا کہ اے گروہ مردم میں نے خدا کا پیغام پہنچانے میں کمی نہیں
 کی ہے۔ اور اس آیت کے نزول کا سبب تم سے بیان کرتا ہوں۔ بیشک جبریلؑ مجھ پر بار بار
 نازل ہوتے اور خداوند جلیل کی جانب سے مجھے حکم دیا کہ لوگوں کے سامنے کہوں اور ہر سفید و
 سیاہ کو آگاہ کروں کہ علی بن ابی طالبؑ میرا بھائی اور میرے بعد میرا خلیفہ اور امام ہے۔ ایسا ان
 مجھے ان باتوں کا علم ہے جو منافقین زبان سے کہتے ہیں وہ باتیں ان کے دل میں نہیں ہیں اور
 اس کو وہ سہل و آسان خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ خدا کے نزدیک عظیم ہیں اور علیؑ کے بارے
 میں مجھے بہت آثار پہنچایا ہے۔ انھوں نے کہا وہ کان میں یعنی جو کچھ رسول خداؐ کہتے ہیں وہ
 (علیؑ) قبول کر لیتے ہیں۔ اس سبب سے کہ وہ منافقین دیکھتے تھے کہ علیؑ ہمیشہ میرے ساتھ
 رہتے ہیں اور میں ہر وقت ان کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے یہ آیت
 بھیجی۔ ومنہم الذین یزودون السبی ویقولون ہوا ذننا یعنی منافقین کا ایک گروہ
 ہے جو پیغمبر کو آزار پہنچاتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ کان میں (یعنی جو باتیں منافقین کہتے تھے ان
 سے جو وحی خدا آگاہ ہوجاتی تھی) اے رسول ان سے کہہ دو کہ وہ تمہارے واسطے بہتر کان ہیں۔
 وہ خدا اور مومنین کے لیے ایمان لاتے ہیں۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ اگر کہنے والوں کے نام جاہلوں
 تو جاسکتا ہوں۔ یہ سمجھ لو کہ خدا نے علیؑ کو تمہارا ولی اور حاکم اور امام قرار دیا ہے اور ان کی
 اطاعت تمام مہاجر و انصار، صحرا نشینوں اور شہر والوں اور عجمی اور عربی پر اور ہر آزاد و
 غلام پر اور ہر بڑے چھوٹے پر اور ہر سیاہ و سفید پر اور ہر اُس شخص پر جو خدا کے بیگانہ ہونے کا
 اقرار کرتا ہے واجب کی ہے۔ لہذا ان کا حکم سب پر رواں ہے اور ان کا قول سب پر نافذ ہے
 اور ان کا حکم جاری ہے۔ طعون ہے وہ شخص جو ان کی مخالفت کرے اور خدا کی جانب سے اُس
 پر رحمت ہے جو ان کی تصدیق کرے۔ اے گروہ مردم! قرآن میں غور و فکر کرو اور اُس کی حکم
 آیتوں کو سمجھو اور ان پر عمل کرو اور اس کی منتشا یہ آیتوں کی پیروی کرو۔ خدا کی قسم قرآن کی
 تفسیر کوئی سوائے علیؑ کے واضح نہیں کر سکتا۔ اے گروہ مردم! علیؑ اور میری ذریت کے طیب
 طاہر لوگ جو ان کی صلب سے پیدا ہوں گے چھوٹے ٹھلے ہیں اور قرآن بزرگ نقل ہے۔ یہ دونوں
 آپس سے جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہوں گے۔ اور میرے بعد
 کسی کے لیے مومنین کی امارت و بادشاہی سوائے علیؑ کے حلال نہیں۔ پھر علیؑ کے بازو پکڑ کر
 اپنے سے ایک درجہ نیچے اپنے دل منے ہاتھ کی طرف کھڑا کیا۔ پھر ان کا ہاتھ بلند کیا اور فرمایا ایسا انکا
 کون ہے تم پر تمہاری باتوں سے بڑھ کر تمہارا حاکم؟ صحابہ نے کہا خدا اور اُس کا رسول۔ اُس

وقت فرمایا میں جس کا مولا اور ساکم ہوں اُس کے یہ علیؑ مولا و ساکم ہیں۔ خداوند دوست رکھے اُس کو جو ان کو دوست رکھے اور دشمن رکھے اُس کو جو ان کو دشمن رکھے اور مرد کر اس کی جو ان کی مدد کرے۔ اور چھوڑ دے اُس کو جو ان کو چھوڑ دے۔ لوگو! یقیناً خدا نے تمہارے واسطے تمہارا دین اس کی ولایت و امامت کے ساتھ کامل کر دیا۔ اور کوئی آیت مومنین سے خطاب کے ساتھ نازل نہیں ہوئی۔ مگر یہ کہ ابتداء انہی سے کی ہے اور سورۃ ہل اتی نے (ایمان و حصول رضائے خدا کی) شہادت نہیں دی ہے مگر انہی کے لیے اور سورۃ ہل اتی خدا نے نہیں بھیجی ہے مگر انہی کی شان و مدح میں ہر پیغمبر کی ذریت خود اُس کے صلب سے ہے اور میری ذریت علیؑ کے صلب سے ہے اور علیؑ کو دشمن نہیں رکھتا۔ مگر شقی و بد بخت اور دوست نہیں رکھتا علیؑ کو مگر متقی اور پرہیزگار۔ اور سورۃ عصر علیؑ کی شان میں نازل ہوا ہے۔ اُس کی تفسیر یہ ہے کہ قیامت کے وقت کی قسم کھاتا ہوں کہ انسان یعنی دشمنان آل محمدؐ علیہم السلام نقصان میں ہیں۔ مگر وہ جو علیؑ کی ولایت پر ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال اپنے دینی بھائیوں کی اعانت و رعایت کے ساتھ بجالائے اور حق کی حفاظت اور علیؑ اور ان کی اولاد کی ولایت کی اور غیبت قائم آل محمدؐ میں فتنہ و فساد اور تکلیفوں اور سختیوں پر صبر کرنے کی وصیت کرتے رہیں گے۔ اے گروہ مردم خدا اور اُس کے رسولؐ اور اُس نور پر ایمان لاؤ کہ خدا نے قرآن میں جس نور کا ذکر فرمایا ہے وہ نور امامت ہے جو علیؑ میں ہے اور اس کے فرزندوں میں سے اماموں میں محمدی علیہ السلام تک ہے جو لوگوں سے حق خدا اور ہم اہلبیت کا حق لے گا۔ اے لوگو! میں تمہاری طرف خدا کا رسولؐ ہوں۔ مجھ سے پہلے بھی پیغمبرانِ خدا گزرے ہیں۔ میں انہی کے طریقہ اور سنت پر ہوں بیشک علیؑ شکر و عبرت کی صفتوں سے موصوف ہیں۔ میرے بعد آئمہؑ اسی کے صلب سے پیدا ہوں گے۔ اے لوگو! تم سے پہلے بہت سے لوگ گمراہ ہوئے۔ میں صراطِ مستقیم اور خدا کا سیدھا راستہ جس کا حکم خدا نے تم کو سورۃ حمد میں دیا ہے کہ خدا سے جس کی طرف ہدایت کی دعا مانگو اور میرے بعد علیؑ ہیں اور علیؑ کے بعد ان کے صلب سے آئمہؑ ہیں جو لوگوں کو حق اور سچائی کی ہدایت کریں گے۔ بیشک میں نے تم سے حق کو بیان کر دیا اور سمجھا دیا۔ پھر میرے بعد علیؑ تم کو سمجھائیں گے۔ میں اس خطبہ کے بعد تم کو دعوت دیتا ہوں کہ مجھ سے مصافحہ کرو اور علیؑ سے بیعت کرو اور ان کی امامت کا اقرار کرو اور سمجھ لو کہ میں امیر امت لیتا ہوں خدا کے لیے اور علیؑ بیعت لیتے ہیں میرے لیے اور میں بیعت لیتا ہوں اُس کے لیے خدا کی جانب سے۔ فمن تکلف فانہا ینکث علیٰ نقسہ ومن اوفیٰ بما عاہد علیہ اللہ فسیؤتیہ اجرًا عظیمًا۔ جو شخص اس بیعت کو توڑے گا تو اُس نے اپنے لیے توڑا ہے اور اُس کا ضرر و نقصان خود اسی کے لیے ہوگا۔ اور جو شخص

اس عہد کو پورا کرے گا جو خدا سے کیا ہے تو بہت جلد خدا اس کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ اسے گروہ مردم با تم سب کے سب اپنی ہتھیلیوں سے مجھ سے مصافحہ کرو۔ بیشک خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمھاری زبانوں سے اقرار لوں کہ تم نے علیؑ اور ان اماموں کی امارت کو مان لیا اور قبول کر لیا جو میرے بعد آئیں گے۔ جو میری نسل اور علیؑ کی نسل سے ہوں گے۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا کہ میری ذریت اٹکے صلب سے ہوگی۔ لہذا جو لوگ حاضر ہیں ان لوگوں کو اطلاع دے دیں جو غائب ہیں اور یہاں موجود نہیں ہیں۔ اب کہو کہ ہم نے تمنا اور اطاعت کی اور جو کچھ آپ نے خدا کی جانب سے پہنچایا ہم اس پر راضی ہوئے۔ ہمارے دل، ہماری زبانیں اور ہمارے ہاتھ آپ سے بیعت کرتے ہیں۔ ہم اسی عقیدہ پر زندہ رہیں گے اور اسی عقیدہ پر مریں گے۔ اور اسی حال پر قیامت میں مبعوث ہوں گے۔ اس میں مطلق تغیر و تبدل نہ کریں گے۔ اور قطعی ریب و شک ہم نہیں رکھتے۔ ہم پر عہد و پیمانہ جو آپ نے بیان کیا خدا کے ساتھ اور آپ کے ساتھ اور علیؑ و حسنؑ و حسینؑ اور ان اماموں کے ساتھ اپنے دل اور اپنی زبانوں سے کرتے ہیں اور اس پیمانہ اور اعتقاد سے کوئی دوسرا امر تبدیل نہ کریں گے اور جو آپ نے فرمایا ہم پہنچائیں گے ہر اس شخص کو جس سے ملاقات ہوگی۔

حضرت رسول خداؐ کا یہ خطبہ اور یہ حکم سن کر ہر طرف سے لوگوں نے آوازیں بلند کیں کہ ہاں ہاں ہم نے تمنا اور حکم خدا اور رسولؐ کی اطاعت کی اور اس پر دل سے ایمان لائے۔ اس کے بعد جناب رسول خداؐ اور امیر المومنینؑ کے پاس ہجوم کیا اور بیعت کرنے کے لیے ہاتھ کھولا یہاں تک کہ حضرت نے نماز ظہر و عصر ایک وقت میں ایک ساتھ ادا کی اور باقی تمام دن بیعت لینے میں مشغول رہے یہاں تک کہ بیعت میں مشغول رہے کہ وقت کی تنگی کے سبب نماز مغرب و عشاء بھی ایک وقت میں ادا کی۔

یہ مختصر خطبہ ہے جو علمائے امامیہ اور علمائے مخالفین نے حضرت امام محمد باقرؑ اور ان کے علاوہ دوسروں سے روایت کیا ہے۔ اور بحار الآئوار میں جو خطبہ میں نے درج کیا ہے اس میں اکثر آیتیں بھی ہیں جو ان حضرت کی شان میں نازل ہوئی ہیں اور روایت مذکور ہے کہ جب حضرت رسالت مآب نے تمام احکام دین لوگوں کو حج و ولایت کے سوا ہجرت کے نویں سال تک پہنچا دیا۔ جبریلؑ حضرت کے پاس آئے اور کہا خداوند عالم آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ میں نے کسی پیغمبر اور رسول کو دنیا سے نہیں اٹھایا۔ مگر اس کے بعد جبکہ اس کے دین کو کامل کر دیا اور اس کی حجت خلق پر لازم قرار دی تمھارے دین کے ابھی دو امر عظیم باقی ہیں جو لوگوں کو تم نے نہیں پہنچائے ہیں۔ ایک فریضہ حج اور دوسرا اپنے بعد کے لیے امر ولایت و خلافت کیونکہ میں نے

زمین کو کبھی حجت خدا سے خالی نہیں چھوڑا ہے۔ اور نہ تمہارے بعد خالی چھوڑوں گا۔ یا رسول اللہ خدا آپ کو حکم دیتا ہے کہ شہروں، دیہاتوں اور بادشاہیوں اور ہر جگہ کے لوگوں کو اطلاع دیجئے کہ آپ کے ساتھ حج کو آئیں اور حج کے فائدہ و طریقے آپ سے حاصل کریں اور مخصوصاً اصلی یہ تھا کہ ہر طرف سے حج کے لیے حاضر ہوں اور حجت و امامت و ولایت سب سنیں۔ الغرض تمام مسلمان حضرت کے ساتھ حج میں شریک ہوتے۔ جن کی تعداد ستر ہزار سے زیادہ تھی مثل تعداد اصحاب موسیٰ کے جن سے بیعت ہارون لی تھی۔ جناب موسیٰ کے اصحاب کی تعداد ستر ہزار تھی۔ آخر ان لوگوں نے بیعت کو توڑا اور گوسالہ و سامری کی پیروی کی۔ اسی طرح جناب رسول خدا نے انہی کی تعداد کے مثل لوگوں سے خلافت امیر المؤمنین کی بیعت لی۔ اور وہ لوگ بھی بیعت توڑ کر پھر گئے اور اول گوسالہ، دوسرے سامری کی متابعت کی۔ مختصر یہ کہ اس کے بعد مکہ و مدینہ کے درمیان صدائے بلعیر بلند ہوئی۔ جب عرفات میں پہنچے تو جبریل نازل ہوئے اور کہا یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خداوند عزیز و جلیل آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ آپ کی اہل نزدیک ہے اور آپ کی عمر آخر کو پہنچی ہے۔ میں آپ کو اس امر کی تکلیف دیتا ہوں جس کے بغیر چارہ نہیں اور بیشک ضروری ہے کہ اپنی وصیت کو (تمام کاموں پر) مقدم کریں اور علم الہی اور میراث علوم پیغمبران گذشتہ اور سلاح و تابوت اور وہ تمام چیزیں جو آپ کے پاس پیغمبروں کے بحضرات و علامات سے ہیں سب کو اپنے بعد اپنے وصی و خلیفہ کو جو میری خلق پر میری حجت کا ملہ ہے سپرد کریں اور وہ علیؑ ہیں۔ لہذا انھیں مخلوقات پر مقرر کریں کہ وہ راہ ہدایت کے نشان ہوں اور ان کی بیعت اور عہد و پیمانہ کو تازہ کریں اور اس عہد کو یاد دلائیں جو روز الست ارواح خلقات سے میں نے لیا تھا جو میرے ولی اور ان کے مولا اور ہر مومن مرد اور مومنہ عورت کے مولا علیؑ کی ولایت کا عہد و پیمانہ ہے۔ کیونکہ میں نے کسی پیغمبر کو دنیا سے نہیں اٹھایا مگر اپنے دین کو کامل کرنے کے بعد اور اپنے دوستوں کی دوستی اور اپنے دشمنوں کی دشمنی کے ساتھ اپنی نعمت تمام کرنے کے بعد اور میری خلق پر میری توجید پرستی کا کمال اور میری نعمتوں کا اتمام سے تاکہ میرے ولی کی اطاعت و پیروی کریں۔ لہذا آج میں مسلمانو! تمہارے واسطے تمہارا دین کامل کروں گا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کروں گا اور دین اسلام میں نے تمہارے لیے اپنے ولی اور ہر مومن و مومنہ کے مولا کے ساتھ پسند کیا۔ اور وہ علیؑ ہیں میرے بندہ خالص میرے پیغمبر کے وصی اور ان کے بعد ان کے خلیفہ۔ میری خلق پر میری حجت بالقرۃ۔ ان کی اطاعت محمد کی اطاعت سے متصل ہے جو میرے پیغمبر ہیں۔ اور ان دونوں کی اطاعت میری اطاعت سے متصل ہے جس نے علیؑ کی اطاعت کی، اُس نے میری اطاعت کی اور جس نے ان کی نافرمانی کی اُس نے میری نافرمانی کی۔ میں نے ان

کو اپنے اور اپنی خلق کے درمیان ایک علامت قرار دی ہے جو شخص ان کو امامت کے ساتھ پہچانے
 وہ مومن ہے اور جو شخص ان کی امامت سے انکار کرے کافر ہے۔ اور جو امامت میں دوسرے کو
 شریک کرے مشرک ہے اور جو شخص ان کی ولایت کے ساتھ مجھ سے ملاقات کرے گا وہ بہشت
 میں داخل ہوگا۔ اور جو ان کی دشمنی کے ساتھ ملاقات کرے گا جہنم میں جائے گا۔ لہذا اے محمدؐ
 لوگوں کو علیؑ کی معرفت کرائیے۔ یعنی ان کو پہچنوائیے اور میرا عہد و پیمانہ ان کو یاد دلائیے۔ لیکن
 آنحضرتؐ کو منافقین سے خوف ہوا کہ اپنا کفر ظاہر کریں گے اور پراگندہ ہو جائیں گے کیونکہ ان کو میرا
 سے ان کی عداوت جانتے تھے جبہرل نازل ہوا تو حضرت کو دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھے اور
 ان کی امامت کے اظہار میں تاخیر کی۔ یہاں تک کہ مسجد حنیف میں پھر جبہرل نازل ہوتے اور
 تاکید کی۔ لیکن دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھنے کی خوشخبری نہیں لائیے۔ جب مکہ مدینہ کے درمیان
 مقام کراع النعیم تک پہنچے تو پھر جبہرل نازل ہوتے اور اس امر کی تکمیل کے لیے زیادہ تاکید کی۔
 آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اے جبہرل میں ڈرتا ہوں کہ منافقین میری تکذیب کریں گے اور علیؑ
 کے حق میں میری بات نہیں مانیں گے۔ اور وہاں سے روانہ ہو کر قہر خم میں پہنچے جو جحفہ سے
 ایک فرسخ پہلے ہے۔ وہاں پھر جبہرل نازل ہوتے جبکہ دلی کے پانچ گھنٹے گزر چکے تھے اور
 گرمی نہایت شدت کی تھی اور نہایت گرم و سخت ہوا اور خطاب امیر خطاب اور دشمنوں
 کے شر سے حفاظت کی ضمانت لے ہوتے آئے اور کہا یا رسول اللہؐ خداوند عالم آپ کو سلام
 کتاب ہے اور فرماتا ہے۔ یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیك من ربك فی علی وان لم
 تفعل فمابعدت رسالتہ واللہ یحصی من الناس، احادیث خاصہ و عامہ سے ظاہر
 ہوتا ہے کہ فی علی آیت میں تھا۔ اُس وقت جناب فاطمہؑ جحفہ کے نزدیک پہنچی تھیں حضرت
 نے حکم دیا تو قافلہ کے آگے والے لوگوں کو واپس بلا لیا گیا اور پیچھے آنے والوں کا انتظار کیا اور
 داہنی جانب غدیر کے مقام پر ٹھہرے اور ایک طویل خطبہ جو تمام کتابوں میں مذکور ہے پڑھا
 پھر لوگوں نے جناب رسول خداؐ اور علیؑ رضی اللہ عنہما کے پاس بیعت کے لیے ہجوم کیا اور سب سے پہلے
 جن لوگوں نے بیعت کی وہ ابو بکر، عمر، عثمان، طلحہ اور زبیر تھے تین روز تک مسلسل لوگ
 بیعت کرتے رہے۔ اکثر مخالفین نے اس قصہ اور خطبہ کے واقع ہونے کا ذکر کیا ہے اور ان کے
 متعصب علماء نے جب دیکھا کہ اس قصہ کا قطعی انکار انتہائی بے حیائی کا باعث ہے اس واقعہ
 کو خطبہ کے چند کلمات کے ساتھ جو ان کے باطل اعتقاد میں امامت میں صریح نہیں ہے نقل کیا ہے
 اور ہر عقل سمجھتا ہے کہ جس معاملہ میں اس قدر آئین اور تاکیدیں نازل ہوئی ہوں اور لوگوں کو
 ایسے سخت وقت اور سخت مقام پر ٹھہرایا گیا ہو اس مطلب پر جو ان لوگوں نے سمجھا ہے ان دونوں

کلمات پر اکتفا نہیں کیا جاسکتا تھا۔

اب ہم اُن میں سے کچھ جو ان کی صحاح اور معتبر اور مشہور کتابوں میں مذکور ہے بیان کرتے ہیں کیونکہ اس رسالے میں سب کے ذکر کی گنجائش نہیں ہے۔ بحامع الاحتمول میں صحیح مسلم سے یہ یزید بن حنان سے انھوں نے زید بن ارقم سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول خدا ایک روز ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور خطبہ پڑھا۔ اُس چشمہ پر جس کو غدیر کہتے ہیں جو مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے حضرت نے خدا کی حمد و ثنا کی اور موعظہ فرمایا اور خدا کو ہمیں یاد دلایا۔ پھر کہا ایسا الناس میں ایک بشر ہوں اور نزدیک ہے کہ میرے پروردگار کا قاصد میرے پاس آئے اور وہ مجھے بلائے اور میں اُن کی اہمیت کروں اور عالمِ قدس کی جانب روانہ ہوں۔ میں تمھارے درمیان دو بڑی چیزیں چھوڑتا ہوں۔ اُن میں پہلی چیز کتابِ خدا ہے جس میں ہدایت اور نور ہے۔ لہذا کتاب کو مضبوطی سے تھامو اور اس سے متمسک ہو۔ پھر کتابِ خدا کے بارے میں ترغیب و تحریص کی۔ پھر فرمایا دوسرے میرے اہلیت ہیں ان کے بارے میں تم کو میں خدا کو بامداد لاتا ہوں اور دو مرتبہ یہ فرمایا تو حصین بن سیرہ نے زید سے پوچھا کہ اُن کے اہلیت کون ہیں کیا اُن کی ازواج اُن کے اہلیت میں نہیں ہیں۔ کہا ان کی بیویاں ان کی اہل خانہ سے ہیں لیکن اہلیت اس جگہ وہ ہیں جن پر آنحضرت کے بعد صدقہ حرام ہے جیسے اہل علیؑ، اہل عقیل، اہل جعفر اور آلِ عباس جیسے نے پوچھا ان سب پر صدقہ حرام ہے، کہا ہاں۔ اور جامع الاصول میں کہا ہے کہ دوسری روایت میں زیادہ اس کو بیان کیا ہے۔ یعنی کتابِ خدا اور اس میں ہدایت و نور ہے جو اس کو اختیار کرے اور اس پر عمل کرے وہ ہدایت پر ہے اور جو اس سے آگے بڑھے وہ گمراہ ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ میں تم میں دو بڑی چیزیں چھوڑتا ہوں۔ کتابِ خدا اور وہ خدا کی رشتی ہے جو شخص اس کی فرمانبرداری کرے ہدایت پر ہے اور جو شخص اس کو ترک کر دے ضلالت پر ہے اور دوسرے میرے اہلیت ہیں۔ لوگوں نے پوچھا اہلیت کون لوگ ہیں کیا عورتیں بھی ہیں کہا نہیں کیونکہ عورت کچھ مدت تک شوہر کے ساتھ رہتی ہے جب اس کو طلاق دے دی تو وہ اپنے باپ کے گھر جا کر اپنی قوم میں مل جاتی ہے۔ اُن کے اہلیت ان کے قریبی رشتہ دار اور باپ کی طرف سے مرد رشتہ دار ہیں جن پر صدقہ حرام ہے یہ

اے مولف فرماتے ہیں کہ اہلیت کے معنی میں نے پہلے بیان کر دیے ہیں جو آلِ عباس سے مخصوص ہیں اور جو کچھ زید نے کہا ہے اپنی طرف سے کہا ہے جس کا اعتبار نہیں یا یہ کہ ہمارے مطلب کے مطابق ہے۔ کیونکہ خلفائے ثلاثہ (یعنی اہل بیت) سے خارج ہیں اور آنحضرت کے قریبی رشتہ دار وہ ہیں جنھوں نے اس زیادہ میں امامت کا دعویٰ نہیں کیا اور سب اہل بیت ہیں (بقیہ حاشیہ دیکھئے صفحہ ۱۱۷)

تعلیمی نے واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا کی تفسیر میں ابوسعید خدری سے تو اس کی سے کہ اُس نے کہا کہ میں نے رسول خدا سے سنا آپ نے فرمایا ایسا اتنا س میں تمہارے درمیان دو نقل چھوڑتا ہوں یعنی دو امر سنگین بزرگ جو میرے خلیفہ ہیں اگر ان کو اختیار کرو گے تو گمراہ نہ ہو گے اور ان میں سے ہر ایک ایک دوسرے سے بڑی ہے۔ پہلی کتاب خدا ہے اور وہ آسمان سے زمین تک ایک کھینچی ہوئی رستی ہے۔ دوسرے میرے اہلبیت ہیں۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچیں۔ ابن مغاذلی اور دوسروں نے بھی اس مضمون کو مستند ہائے بسیار روایت کیا ہے۔ اس کے آخر میں ذکر کیا ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ غور کرو کہ کس طرح ابن کے حق میں میری جائیداد یعنی کرو گے یہی مضمون صحیح ابن داؤد اور حستانی اور صحیح ترمذی میں زید بن ارقم سے روایت کیا ہے۔ اور عبد اللہ بن احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں بابر بن عاذب سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ کے ساتھ تھے۔ اور غدیر خم میں ہم نے قیام کیا اور لوگوں کو الصلوٰۃ جماعہ کی تدارک کے جمع کیا گیا اور دو درختوں کے درمیان زمین صاف کی گئی وہاں آنحضرت نے نماز ظہر ادا کی۔ پھر علیؑ کا ہاتھ پکڑا اور کہا کیا نہیں جانتے ہو کہ میں مومنوں کی جانوں سے اولیٰ (حاکم) ہوں۔ لوگوں نے کہا ہاں۔ پھر فرمایا کیا نہیں جانتے کہ میں اولیٰ ہوں ہر مومن کی اُس کی جان سے لوگوں نے کہا ہاں۔ اس کے بعد ہی حضرت نے علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ جس کا میں مولا ہوں علیؑ بھی اُس کا مولا ہے پھر فرمایا خداوند دوست رکھ اُس کو جو دوست رکھے علیؑ کو اور دشمنی رکھ اُس سے جو علیؑ سے دشمنی رکھے۔ یہ سن کر عمرؓ نے کہا اے علیؑ تم کو ہاں کہہ دو کہ تم ہر مومن و مومنہ کے مولا ہو گئے۔ نیز زید بن ارقم نے روایت کی ہے کہ ہم رسول خدا کے ساتھ ایک وادی میں ٹھہرے جس کو وادیِ خم کہتے ہیں۔ حضرت نے نماز پڑھی اور ہمارے لیے خطبہ پڑھا۔ ایک کپڑا درخت پر ڈال دیا گیا۔ تاکہ آفتاب سے حضرت کو آذیت نہ پہنچے۔ الغرض حضرت نے فرمایا کہ کیا تم لوگ گواہی نہیں دیتے ہو کہ میں ہر مومن کے لیے اُس کی جان سے اس پر زیادہ اولیٰ ہوں (یعنی اختیار رکھتا ہوں) لوگوں نے کہا ہاں تب حضرت نے فرمایا من کنت مولاً فعلی مولاً اللہ مال من دالاه و عباد من عداہ۔ نیز مستدین حنبل اور کتاب حافظ ابو نعیم من ابوالفضل سے روایت کی ہے کہ جنان امیر نے لوگوں کو کوفہ کے ایک فراخ مقام پر جمع کیا اور ان کو خدا کی قسم دی کہ جس نے غدیر خم میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کی خلافت پر متفق تھے اور اگر کسی نے دعویٰ کیا ہوگا تو اس کے قائل لوگ ختم ہو گئے ہیں۔ مذہب حقہ کے اتفاق کے مطابق چاہیے کہ امت میں خلیفہ قیامت تک ہو۔ ۱۲

جناب رسول خدا سے متناہو کہ حضرت نے میرے حق میں کیا فرمایا وہ بیان کرے تو تیس ہزار صحابہ نے اس مجمع میں اس حدیث کے مضمون کی عادمین عاذا لا سبک گواہی دی اور میں بہت سی سندوں کے ساتھ صحابہ کی جماعت کثیر سے اس مضمون کی روایت کی ہے اور ثعلبی اور ابن مغازی نے روایت کی ہے کہ روز غدیر لوگ آنحضرت کے پاس سے متفرق ہو گئے۔ اور آنحضرت سے دوری اختیار کی۔ جناب رسول خدا نے حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ لوگوں کو جمع کریں۔ جب سب جمع ہو گئے تو حضرت کھڑے ہوئے اور علیؑ کے ہاتھ پر سہارا دیا۔ اور کہا ایسا الناس مجھ سے تم نے کراہت کی اور میرے خلاف عمل کیا۔ یہاں تک کہ مجھے گمان ہوا کہ تم کسی خاندان کو میرے عزیزوں سے زیادہ دشمن نہیں رکھتے لیکن خدا نے علیؑ کو نسبت کی اس منزل پر قرار دیا ہے جو میں خدا سے نسبت رکھتا ہوں۔ اور وہ ان سے راضی ہے جس طرح میں ان سے راضی ہوں کیونکہ وہ میرے قرب و محبت پر کسی چیز کو اختیار نہیں کرتے۔ پھر ہاتھوں کو بند کر کے فرمایا کہ میں جس کا مولا ہوں علیؑ بھی اس کا مولا ہے اللہم وال من والاه و عاد من عاداه یہ سن کر لوگ رونے اور چلا گئے اور کہا یا رسول اللہ ہم آپ سے دور ہو گئے تھے اس لیے کہ ایسا نہ ہو کہ آپ پر ہم گراں ہوں ہم غضب رسول سے خدا کی پناہ چاہتے ہیں۔ تب حضرت ان سے راضی ہوئے۔ اور ابن ماجہ نے کتاب استیعاب میں لکھا ہے کہ بریدہ، ابو ہریرہ، جابر، بلال بن عازب اور زید بن ارقم سب نے جناب رسول خدا سے حدیث غدیر کی روایت کی ہے۔ اور مشکوٰۃ میں صحیح ترمذی سے برابر ابن عازب اور زید بن ارقم سے حدیث غدیر کی روایت کی ہے اسی طرح جیسا کہ سابق میں گذر چکی پھر کہا ہے کہ اس کے بعد عمر نے علیؑ سے ملاقات کی اور کہا تم کو مبارک ہو یہ منزلت کہ تم نے صبح و شام کی اس عالم میں کہ میرے اور ہر مومن و مومنہ کے مولا ہو گئے۔ اور حافظ ابو نعیم نے کتاب منازل من القرآن فی علیؑ میں اعمش سے اس نے عطیہ سے روایت کی ہے کہ رسول خدا پر علیؑ کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک الخ اور واحدی نے کتاب اسباب نزول میں اسی حدیث کی ابو سعید خدری سے روایت کی ہے اور ابو بکر شیبہ ازہری و مرزبانی نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے اور ثعلبی نے بھی اپنی تفسیر میں روایت کی ہے اور مناقب خوارزمی میں عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ سے اس نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ جناب رسول خدا نے علیؑ کو خیمہ میں علم دیا اور خدا نے ان کے ہاتھ پر فتح عطا فرمائی اور روز غدیر ان کو کھڑا کر کے لوگوں کو آگاہ کیا کہ وہ ہر مومن و مومنہ کے مولا ہیں اور ان سے کہا کہ میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو۔ یہ بھی فرمایا کہ تم تاویل قرآن پر جنگ کرو گے جس طرح میں نے تمہیں قرآن پر جنگ کی اور فرمایا کہ تم مجھ سے وہی نسبت رکھتے ہو جو ہارون کو موسیٰ سے تھی اور میں اس سے

صلح رکھتا ہوں جو تم سے صلح رکھے اور اُس سے جنگ رکھتا ہوں جو تم سے جنگ رکھتا ہے۔ اور فرمایا میرے بعد تم لوگوں کے لیے وہ باتیں صحیح بیان کرو گے جو ان پر مشتبہ ہوں اور فرمایا کہ تم ہی عودۃ الوثقی ہو۔ اور فرمایا میرے بعد تم ہی ہر مومن و مومنہ کے امام ہو اور ہر مومن و مومنہ کے ولی (حکم) ہو۔ اور تم ہی وہ جو جس کی شان میں واخات من اللہ ورسولہ الی الناس یدہ الحج الاکبر۔ نازل ہوا ہے اور تم نے ان آیتوں کو لوگوں کو سنایا اور فرمایا کہ تم ہی میری مُنت پر عمل کرو گے۔ اور میری اُمت سے ضرر و نقصان دین و فح کر کے اور فرمایا کہ میں سب سے پہلا شخص ہوں کہ روزِ قیامت مشہور ہوں گا۔ اور فرمایا یا علیؑ میں عرض کو پُرپُر آؤں گا اور تم میرے ساتھ ہو گے۔ اور میں سب سے پہلا شخص ہوں کہ بہشت میں داخل ہوں گا۔ اور تم میرے ساتھ ہو گے اور میرے بعد حسن و حسین و فاطمہ علیہم السلام داخل ہوں گی اور فرمایا کہ یا علیؑ پھر پر خدا نے وہی بھیجی کہ لوگوں کے سامنے تمہاری فضیلت بیان کروں تو میں نے بیان کیا اور جو خدا نے تمہاری شان میں فرمایا تھا کہ بیان کروں تو میں نے بیان کیا اور فرمایا کہ یا علیؑ ڈرو اور اس جماعت کی عداوت سے پرہیز کرو جو لوگوں کے دلوں میں تمہاری طرف سے ہے۔ اور نہ ظاہر کریں گے لیکن میرے مرنے کے بعد خدا اُن پر لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے اُن پر لعنت کرتے ہیں۔ یہ فرما کر حضرت رونے لگے۔ لوگوں نے پوچھا آپ کیوں روتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ مجھے جبریلؑ نے خبر دی ہے کہ میرے اصحاب اُن پر ظلم کریں گے۔ اور اُنس کے حق سے اس کو روکیں گے۔ اور اس سے جنگ کریں گے اور اُن کے بعد اُن کے فرزندوں کو قتل کریں گے اور اُن پر ستم کریں گے۔ اور مجھے جبریلؑ نے خبر دی ہے کہ ان کے فرزندوں سے ظلم اُس وقت نازل ہوگا جبکہ اُن کا قائم ظاہر ہوگا اور اُنس کا آواز بلند ہوگا۔ اور اُمت کے تمام لوگ اُنس کی محبت پر اتفاق کریں گے اور اس کے دشمن کم ہوں گے۔ اور جو اس کو پسند نہ کرے گا ذلیل ہوگا۔ اور اُن کی مدح کرنے والے بہت ہوں گے۔ یہ امور اس وقت ظاہر ہوں گے جبکہ اُن سے پہلے شہرِ خراب ہو چکے ہوں گے اور بندگانِ خدا کمزور ہو گئے ہوں گے اور کشائش سے ناامید ہو چکے ہوں گے۔ اُس وقت ہمارا قائم ظاہر ہوگا۔ اور جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ اُس کا نام میرا نام ہوگا اور وہ میری دستِ فاطمہؑ کی اولاد میں سے ہوگا۔ خدا حق کو انہی سے ظاہر کرے گا۔ اور ان کی تلوار سے باطل کی آگ بجھ جائے گی اور لوگ اُن کی متابعت کریں گے بعض رخصت سے اور بعض خوف سے۔ پھر حضرت کا گریہ نازل ہوا اور فرمایا کہ تم کو کشائش و اطمینان کی خوشخبری ہو کیونکہ خدا کا وعدہ خلاف نہیں ہوتا اور خدا کا حکم رد نہیں ہوتا۔ اور وہی حکیم و دانسے بیشک خدا کی فتح نزدیک ہے پھر فرمایا کہ خداوندیہ میرے اہل بیت ہیں ان سے جس و جبرائی کو دور رکھ اور ان کو پاک رکھ جو پاک رکھنے

کام حق ہے۔ خداوندان کی حفاظت فرما اور ان کی رعایت کر اور مدد کر اور ان کو صاحبِ عزت قرار دے اور ان کو ذلیل نہ ہونے دے اور ان میں میری نیابت فرماتا رہ، بیشک تو جو چاہے اس پر قادر ہے۔

اور تفسیرِ ثعلبی میں امام محمد باقر سے روایت کی ہے کہ یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیہک من ربک علیٰ کی فضیلت میں ہے اور حضرت صادق سے روایت کی ہے کہ آیت اس طرح نازل ہوئی ہے کہ بلغ ما انزل الیہک من ربک فی علی جب آیت نازل ہوئی حضرت نے علی کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا من کنت مولاه فعلی مولاه۔ نیز ثعلبی نے روایت کی ہے کہ سفیان بن عیینہ سے لوگوں نے اس آیت سے سائل سائل بعذاب واقع للکافرین لیسی لہ من اللہ ذمی المعارج کے بارے میں پوچھا یعنی سوال کرنے والے نے سوال کیا اس عذاب کا جو کافروں کے لیے واقع ہے جس کو کوئی دفع کرنے والا نہیں ہے۔ وہ خدا کی جانب سے ہے جو صاحبِ معارج ہے۔ کہ یہ آیت کس کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہا کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق سے سنا جو انھوں نے اپنے آباء نے طاہرین سے روایت کی ہے کہ جب جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرمادے کہ ہاں اور ہوتے لوگوں کو جمع کیا اور علی کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا من کنت مولاه فعلی مولاه اور یہ خبر مشہور ہوئی اور شہروں میں پہنچی تو عمارت بن نفعان فہری جناب رسول خدا کے پاس آیا جس وقت جناب رسول صحابہ کے درمیان تشریف فرما تھے۔ وہ اپنے ناقہ سے اتر آیا اور اس کو بٹھا کر اس کے پاؤں باندھ دیتے اور آنحضرت کے پاس آیا اور کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ نے ہم کو خدا کی جانب سے حکم دیا کہ ہم اس کی وحدانیت اور آپ کی رسالت کی گواہی دیں۔ ہم نے قبول کیا۔ آپ نے حکم دیا کہ پانچ وقت نماز پڑھیں ہم نے قبول کیا اور حکم دیا کہ ہم ماہ رمضان کے روزے رکھیں ہم نے منظور کیا۔ ہم کو حکم دیا کہ خانہ کعبہ کا ہم حج کریں ہم نے مان لیا تو آپ اتنے پر راضی نہیں ہوئے۔ یہاں تک کہ اپنے پیر عم کا ہاتھ پکڑ کر ان کو ہم پر برتری دے دی اور کہا کہ جس کا میں مولا ہوں اُس کے علی مولا ہیں۔ بتائیے کہ یہ آپ نے اپنی طرف سے کیا یا خدا کی جانب سے حضرت نے فرمایا کہ میں اُس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے کہ تم پر علی کی تفصیل خدا کی جانب سے ہے۔ یہ سن کر عمارت اپنی سواری کی طرف روانہ ہوا اور کہا خداوند اگر محمد نے جو کچھ کہا حق ہے تو ایک پتھر آسمان سے ہمارے سر پر گرا دے یا درود ناک عذاب ہم پر نازل فرما۔ وہ ابھی اپنی سواری کے پاس نہیں پہنچا تھا کہ ایک پتھر آسمان سے اُس کے سر پر گرا اور اُس کی کمر (مقعد) سے نکل گیا اور وہ وہیں ٹپ کر گر گیا پھر خدا نے یہ آیت نازل کی (سائل سائل بعذاب الخ) اور خدکافی نے بھی جو علمائے مخالفین کے مشہور عالموں میں سے ہیں۔ اس حدیث

کو اپنی کتاب میں حذیقہ ابن الیمان سے روایت کی ہے اور ان کی اکثر کتابوں میں ابو القاسم حسکانی وغیرہ نے ابو سعید خدری سے روایت کی ہے کہ ہم روز غدیر کے مجمع سے واپس نہیں ہوئے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی **الیوم اکملت لکم دینکم** و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔ یعنی آج میں نے تمہارا دین تمہارے لیے کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر عمل کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کیا کہ تمہارا دین ہو۔ اس پر جناب رسول خدا نے فرمایا کہ دین کامل کرنے اور نعمت تمام کرنے اور میری رسالت اور علیؑ کی ولایت سے راضی ہونے پر میں خدا کی حمد کرتا ہوں۔ دوسری روایت کے مطابق فرمایا اللہ اکبر اللہ اکبر دین کامل کرنے پر آخر آیت تک فرمایا۔ اور یہ آیت بھی نازل ہوئی **الیوم یشس الذین کفروا من دینکم فلا تخشوہم واخشون** یعنی آج تمہارے دین کو مٹانے سے کفار ناامید ہو گئے۔ لہذا ان سے مت ڈرو، اور مجھ ہی سے ڈرو۔ حضرت صادقؑ سے روایت ہے کہ کفار ناامید ہوئے۔ اور ظالمین یعنی منافقین طمع میں گرفتار ہوئے اور صاحب جامع الاصول نے صحیح مسلم سے طابق بن شہاب سے روایت کی ہے کہ یہودیوں کے ایک گروہ نے عمر سے کہا کہ اگر تم گروہ یہودیوں میں ایسی آیت نازل ہوتی الیوم اکملت لکم الدین تو جس روز نازل ہوئی تم اس روز کو روز عید قرار دیتے۔ اور سیوطی نے کتاب درمنثور میں ابن مردویہ اور ابن عساکر سے انھوں نے ابو سعید سے روایت کی ہے کہ جب حضرت رسول خدا نے روز غدیر خم علیؑ کو نصب کیا اور ان کی ولایت کی آواز بلند کی تو آنحضرت پر چیر چیر نازل ہوئے اور یہ آیت لائے **الیوم اکملت لکم دینکم** الخ نیز ابن مردویہ سے اور خطیب اور ابن عساکر نے انہی کی سندوں سے ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ جب روز غدیر خم آیا کہ ۱۸ ذی الحجہ تھی رسول خدا نے فرمایا من کنت مولاه فعلی مولاه تو یہ آیت نازل ہوئی اور جریر سے ان کی سند سے ابن عباس سے آیت **یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک الخ** کے بارے میں روایت کی ہے یعنی ولایت علیؑ کے بارے میں رسول خدا پر جو کچھ روز غدیر نازل ہوا وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ یعنی اگر اس آیت کو پوشیدہ کر دے گا نیز ابن مردویہ سے انہی کی سند سے ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ ہم رسول خدا کے عہد میں اس آیت کو اس طرح پڑھتے تھے **یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک ان علیا مولانا** وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس تا آخر آیت۔ اور ابن جبر نے کتاب فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ من کنت مولاه فعلی مولاه کی تفسیر اور نسائی نے روایت کی ہے اور اس حدیث کی سند بہت ہے اور سب کو ذکر کیا ہے اور ابن حنفیہ حافظ نے کتاب جدائی میں بہت سی صحیح اور حسن سندوں سے نقل کیا ہے اور جبرہ جو مشہور لغت کی

کتاب ہے اُس کے مولف نے لکھا ہے کہ ہم ایک مقام کا نام ہے جہاں رسولِ خداؐ نے علیؑ پر نص کی اور اکثر اباب مناقب نے نقل کیا ہے کہ ابنِ عقده نے کتاب ولایت میں حدیثِ غدیر کو ایک سو پچیس طریقہ سے اور ایک سو پچیس صحابہ سے روایت کی ہے اور محمد بن جریر طبری نے بہتر طریقہ سے روایت کی ہے اور حسان بن ثابت کے اشعار جن کو انھوں نے جناب رسالتؐ کے حکم سے قصہ غدیر کے بارے میں نظم کیا متواتر ہے اور تمام کتابوں میں مذکور ہے اور حضرت صادقؑ سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا کہ میں علیؑ کے بارے میں تعجب کرتا ہوں کہ ہر شخص دو گواہوں کے ذریعہ سے اپنا حق لے لیتا ہے اور علیؑ کی گواہی کے لیے دس ہزار گواہ مدینہ میں موجود تھے کہ سب نے غدیر میں اُن حضرت کے نص کو جو آنحضرتؐ نے فرمایا تھا سنا تھا لیکن اپنا حق نہ لے سکے۔ اور ابو سعید سمان نے روایت کی ہے کہ شیطان ایک مرد پیر کی شکل میں آنحضرتؐ کے پاس آیا اور کہا کہ آپ نے جو اپنے پر عمر کے حق میں فرمایا اس بارے میں آپ کی متابعت کرنے والے کتنے کم ہیں۔ اُس وقت خدا نے یہ آیت نازل فرمائی۔ **وَلَقَدْ صَدَقَ عَلَيْهِمُ ابْلِيسُ خَلْقًا فَاَتَّبَعُوهُ الْاَفْرِيقَا مِنْ الْمُؤْمِنِينَ** یعنی بیشک شیطان نے صحیح گمان لوگوں پر کیا۔ پھر لوگوں نے اس کی متابعت کی۔ سوائے مومنین کے ایک گروہ کے اس کے بعد منافقین کا ایک گروہ اس امر پر متفق ہوا کہ آنحضرتؐ کے عہد کو توڑیں اور کہا کہ کل محمدؐ نے مسجد خیف میں کہا جو کچھ کہا اور آج یہاں کہا جو کچھ کہا اور جب مدینہ پہنچیں گے تو اس بیعت کی تائید کریں گے مصلحت اسی میں ہے کہ ہم ان کو ہلاک کر دیں قبل اس کے وہ مدینہ میں داخل ہوں۔ جب رات ہوئی پچودہ منافقین گھائی میں آنحضرتؐ کی تاک میں بیٹھے تاکہ آپ کو ہلاک کریں اور وہ جحفہ اور البوا کے درمیان ایک گھائی تھی۔ سات منافقین گھائی کی داہنی جانب اور سات بائیں طرف بیٹھے کہ جب حضرتؐ وہاں پہنچیں تو آپ کے ناقہ کو بھڑکادیں۔ حضرت نمازِ عشا سے فارغ ہو کر روانہ ہوئے۔ اصحاب حضرتؐ کے آگے چلے۔ آپ ایک تیز روناقہ پر سوار تھے۔ جب گھائی کے اوپر چڑھے جبریلؑ نے آنحضرتؐ کو آواز دی کہ یا رسول اللہؐ یہ جماعت آپ کی تاک میں بیٹھی ہے کہ آپ کو بے خبری میں ہلاک کر دے۔ یہ سن کر حضرتؐ نے پیچھے دیکھا اور فرمایا میرے پیچھے یہ کون ہے خلیفہ نے کہا میں ہوں خلیفہ۔ فرمایا تم نے بھی سنا جو میں نے سنا۔ خلیفہ نے کہا ہاں یا رسول اللہؐ آپ نے فرمایا۔ اس کو راز میں رکھنا۔ جب حضرتؐ اُن لوگوں کے پاس پہنچے ہر ایک کو اُس کی ولایت کے ساتھ آواز دی۔ جب حضرتؐ کی آواز سنی تو وہ لوگ نیچے چلے گئے۔ اور قافلہ میں داخل ہو گئے۔ حضرتؐ اُن میں سے بیشتر کے قریب پہنچے اور پچانا کہ کس جماعت کے اونٹ ہیں۔ جب گھائی سے نیچے آئے فرمایا کہ کیا سبب ہے کہ ایک جماعت نے کعبہ میں قسم کھائی ہے کہ اگر محمدؐ مر جائیں گے یا قتل ہوں گے تو ہم خلافت اُن کے اہلیت میں نہ جانے

دیں گے پھر اُس کے بعد میرے لیے یہ ارادہ کیا۔ جب ان لوگوں نے یہ سنا تو حضرت آنحضرتؐ میں آکر قسم کھائی کہ ایسا ارادہ ہم نے نہیں کیا ہے اُس وقت خداوندِ عالم نے یہ آیت بھیجی **يَخْلُقُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَاتٍ الْعُكْفَرُ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ وَهُمْ سَابُوا بِمَالِهِمْ إِنَّا لَمُبْتَلُونَ وَمَنْ يَنْتَهِنِ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ لَعَلَّه يَرْحَمَ اللَّهُ** اور اِس سے مراد یہ ہے کہ آنحضرتؐ کا میاب نہیں ہوئے مفسرانِ عامہ میں سے کلبی اور مجاہد نے کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آنحضرتؐ کے اونٹ کو بھڑکا دیں اور حضرت کو ہلاک کر دیں اور دینِ اسلام میں کوئی سبب نہ پیدا کر سکے مگر یہ کہ خدا اور اس کا رسول ان کو اپنے فضل سے معنی کرتے ہیں۔ لہذا اگر وہ توبہ کریں تو ان کے لیے بہتر ہے۔ اور اگر سنی سے پیٹھ پھیریں تو خداوندِ عالم ان پر دنیا و آخرت میں دردناک عذاب کریگا۔ اور زمین میں ان کا نہ کوئی دوست رہے گا نہ مددگار۔ اور حذیفہ کی طولانی حدیث میں مذکور ہے کہ اس گھائی کا نام ہرش تھا۔ حضرت نے مجھ کو اور عمار کو بلایا اور مجھ کو حکم دیا کہ ناقہ کی ہمار کھینچوں اور عمار کو حکم دیا ناقہ کو پیچھے سے ہٹائیں۔ جب ہم اُس درہ کے قریب پہنچے تو وہ چوڑا منافقین جو ڈٹوں کو ریت سے بھرے ہوئے ناقہ کے پیچھے آئے تھے اُن ڈٹوں کو ناقہ کے پیر کے پیچھے پھیکا قریب تھا کہ ناقہ بھاگے حضرت نے اُس کو سختی سے فرمایا کہ ساکن رہ تجھ کو کوئی خوف نہیں ہے اُس وقت خدا نے ناقہ کو فصیح عربی ظاہر کرنے والی گویائی عطا فرمائی۔ اُس نے عرض کی یا رسول اللہ! خدا کی قسم میں ہاتھ کو ہاتھ کی جگہ سے اور پیر کو پیر کی جگہ سے حرکت نہ کروں گا۔ جب تک آپ میری پشت پر ہیں۔ جب ان ملعونوں نے دیکھا کہ ناقہ نہیں بھاگتا۔ تو نزدیک آئے تاکہ ناقہ کو گرا دیں۔ اُس وقت میں نے اور عمار نے اپنی تلواریں کھینچیں اور اُن کی طرف بڑھے۔ رات بہت اندھیری تھی الغرض وہ ناامید ہو گئے۔ اُس لم سے حیرانوں نے ارادہ کیا تھا۔ اسی وقت بجلی چمکی حذیفہ نے ان سب کو پہچان لیا اور کہا قریش میں سے تراشخاص تھے۔ اول و دوم و سوم، طلحہ۔ عبد اللہ بن عوف، سعد بن ابی وقاص، ابو عبیدہ جراح، معاویہ بن ابی سفیان، عمرو عاص اور پانچ افراد دوسرے تھے ابوہریرہ اشعری، مغیرہ بن شعبہ، اوس بن حذشان، ابوہریرہ اور ابو طلحہ انصاری لے

لے عوف فرماتے ہیں کہ حدیث حذیفہ اگرچہ بہت فائدوں پر مشتمل ہے لیکن بہت طولانی ہے جو اس رسالہ کے لیے مناسب نہیں اور اس بارے میں تمام حدیثیں بھی بہت ہیں اور جو کچھ میں نے صریح کیا ہے انصاف پسند کے لیے کافی ہے۔ ۱۲

اور ابن کثیر شافعی نے طبری کے حالات میں لکھا ہے کہ میں نے ان کی ایک کتاب دیکھی جس میں حدیث غدیر کو جمع کیا تھا۔ بڑی جلد تھی اور ایک دوسری کتاب بھی تھی۔ جس میں طبری کی حدیثوں کے طریقوں کو جمع کیا تھا۔ اور ابوالمعانی جو فی نے نقل کیا ہے کہ وہ تعجب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ میں نے بغداد میں کتابوں کی ایک کان میں ایک کتاب دیکھی کہ جس میں حدیث غدیر کی روایتوں کو جمع کیا تھا۔ اس کی پشت پر لکھا تھا کہ حدیث من کنت مولاه فعلی مولاه کج اٹھائیسویں جلد اور اس کے بعد اسیسویں جلد ہوگی اور بہت سے علمائے مخالفین نے اس حدیث کے تواتر ہونے کا اقرار کیا ہے اور یہ حدیث صحیحی نے کتاب شافعی میں لکھا ہے کہ ہم نے اسلام کے کسی فرقہ کو نہیں دیکھا جس نے حدیث غدیر سے انکار کیا ہو بلکہ خلافت کی دلیلوں میں اختلاف کیا ہے۔

لہذا اب خدا کی مدد سے امامت کے ثبوت کی دلیلیں پیش کرتا ہوں۔ (پہلی) یہ کہ "مولیٰ" کے لفظ "اولی الامر" (حاکم) اور "اول بتصرف" یعنی جسے دوسروں پر تصرف کا اختیار ہر ایک سے زیادہ ہو یعنی ایسا شخص جسکی اطاعت کی جانی چاہیے ہر امر میں اس معنی میں آیا ہے۔ (دوسرے) یہ کہ وہی معنی مراد ہیں۔ جو علمائے مخالفین لیتے ہیں۔ یعنی دوست۔ اڈل یہ کہ ہم اس کے معنی کو عربی زبان کے اکابر کے بیان کے مطابق جانیں گے اور سب نے اس معنی کو اپنی نظم و نثر میں بیان کیا ہے اور ابو عبیدہ نے جن کی بات پر لخت کا دار و مدار ہے اپنی تفسیر میں قول خدا ما ویکم النار ہی مولیکم کے بارے میں لکھا ہے کہ مولیکم کے معنی یہ ہیں کہ آتش جہنم تمہارے لیے اڈلی ہے اور بیضاوی اور زرخشری اور تمام مفسروں نے اس آیت میں یہی معنی بیان کئے ہیں اور مفسرین نے اس قول خداوند عالم و لکل جعلنا موالی ہما ترکہ الموالدان والاقریبون کے بارے میں اتفاق کیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ میراث کے والی اور زیادہ سہ دار ہیں اور قاری حضرات اور تمام عربی دانوں نے تصریح کی ہے کہ مولیٰ اور اولیٰ ایک معنی میں مستعمل ہوتے ہیں اور بڑے بڑے بلغار اور شعرا نے بہت سے اشعار میں اسی معنی کے ساتھ استعمال کیا ہے جن کا ذکر کلام کی طوالت کا باعث ہے اور ابوالقاسم انباری نے مولیٰ کے آٹھ معنی لکھے ہیں۔ ان میں سے ایک اولیٰ شیعہ ہے اور ابن اثیر نے النہایتہ میں لکھا ہے کہ اسم مولیٰ حدیث میں مکرر واقع ہوا ہے اور وہ وہ اسم ہے جس کا اطلاق ایک بڑی جماعت نے بمعنی رقب، مالک، منعم، آزاد کرنے والا، نگار، دوست، تابع، چچا کا بیٹا، ہم سوگند، جو شخص کسی سے کوئی عہد و پیمانہ کئے ہو، غلام، آزاد شدہ، جس کو کوئی نعمت دی گئی ہو۔ جو شخص کسی امر کا متولی ہو، اور اس پر قائم ہو۔ وہ اس امر کا مولیٰ اور ولی ہے۔ مجملہ ان کے حدیث من کنت مولاه فعلی مولاه اور اکثر اس پر یہی محمول ہوتا ہے اور مجملہ حدیث کے یہ ہے کہ جو عورت اپنے مولا کی اجازت کے بغیر نکاح کرے وہ باطل ہے

اور دوسری روایت کے مطابق ولیہا وارد ہوا یعنی وہ شخص جو اس کے معاملہ کا متولی ہے اور صاحب کشف نے کہا آیۃ انت مولینا یعنی تو میرا آقا ہے اور ہم تیرے بندے ہیں یا تو ہمارا مددگار ہے یا ہمارے امور کا متولی ہے۔ (دوم) یہ کہ اس مقام پر ولی سے مراد کل اختیار رکھنے والا امت کے لیے اولیٰ بر تصرف و تدبیر ہے۔ اس کو ہم چند وجوہ سے ثابت کرتے ہیں۔

پہلی وجہ۔ یہ کہ ہم کہیں کہ آزاد شدہ و ہم سوگند معنی میں تو ظاہر ہے کہ یہ مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ آنحضرت میں یہ دونوں باتیں نہ تھیں۔ (نہ آپ آزاد شدہ تھے نہ ہم سوگند کسی قبیلہ کے) پہلے معنی کے بارے میں ظاہر ہے اور دوسرا اس لیے مراد نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت کبھی کسی کے ہم سوگند نہیں ہوئے کہ جس سے حضرت کو عزت حاصل ہوتی۔ اسی طرح اور بعض معانی ظاہر ہے کہ مراد نہیں ہیں کیونکہ فی نفسہ باطل ہیں جیسے آزاد کرنے والا۔ مالک، ہمسایہ، داماد، بچھے سامنے اور بعض دوسرے معنی بھی مراد نہیں ہیں اس لیے کہ بے فائدہ ہیں جیسے چچا کا بیٹا۔ دوسری قسم وہ ہے جو دلیل سے معلوم ہوتا ہے کہ مراد نہیں ہیں جیسے ولایت، دینی محبت، دین میں مدد، آزادی کی ولا۔ کیونکہ ہر شخص پر یومنین کی ولایت و نصرت کا واجب ہونا واضح ہے اور قرآن مجید اس پر ناطق ہے۔ لہذا ایسے واضح کے لیے ضرورت نہیں تھی کہ آنحضرت لوگوں کو ایسے گرم وقت و مقام پر جمع کرتے۔ اسی طرح اگر آزادی کی ولا مراد ہوتا تو اس کا تعلق پسر عجم سے جاہلیت اور اسلام میں ایک امر معلوم تھا۔ اس کے لیے اس اہتمام کی ضرورت نہ تھی۔ نیز عمر کا اہمیت مولانا و مولیٰ کل مومن و مومنہ کتنا اس احتمال کے منافی ہے لہذا چاہیے کہ امور امامت کی تدبیر اور ان کے امور و نہی کے ساتھ اولیٰ ہو اور یہی معنی امامت ہیں۔ یہ وہ وجہ ہے جس کو تیسرے معنی نے ذکر کیا ہے۔

لیکن اس فقیر (یعنی علامہ مجلسی) کے دل میں چند دوسری تقریریں پیدا ہوئی ہیں۔ (پہلی تقریر) یہ کہ اکثر مخالفین جیسے قشچی وغیرہ نے گھبرا کر جو احتمال قرار دیا ہے کہ مولیٰ کے معنی ناصر و محب ہے تو کسی عاقل پر پوشیدہ نہیں ہے کہ اس مطلب کا بیان کرنا ایسے وقت میں درمیان راہ لوگوں کو جمع کرنے پر موقوف نہ تھا۔ کیونکہ بہت سے احکام اس سے زیادہ ضروری تھے جن کے پہنچانے میں حضرت نے یہ اہتمام نہیں کیا تھا۔ اور یہی معنی اگر مراد ہیں تو اس طرح لوگوں کو جمع کر کے کہنے کی ضرورت نہ تھی بلکہ چاہیے تھا کہ امیر المؤمنین کو وصیت فرماتے کہ تم بھی اس کی مدد کرنا جس کی میں مدد کرتا تھا۔ اور اس کو دوست رکھو جس کو میں دوست رکھتا تھا۔ لوگوں کو اس امر کی خبر دینے میں کچھ زیادہ فائدہ نہ تھا مگر یہ کہ اس سے مراد اس طرح کی نصرت و محبت ہو جیسی کہ امرار کو رعایا سے ہوتی ہے یا ان حضرت کے لیے لوگوں کی محبت حاصل کرنا اور ان کی پیروی کا واجب ہونا ہوتا کہ ان کی تمام موقعوں پر مدد کریں اور ان کے ایمان کی وجہ سے ان کو دوست رکھیں۔ لہذا اس

صورت میں بھی ہمارا مدعا ثابت ہے۔

(دوسری تقریر) یہ کو فرض محال محبت و ناصر مراد ہے۔ اس واقعہ کے خصوصیات کے قرآن سے ہر وہ شخص جو عاقل ہوگا سمجھ لے گا کہ مقصود اصلی امامت و خلافت ہے چنانچہ ہم فرض کریں کہ ایک بادشاہ اپنی وفات کے قریب اپنے تمام لشکر کو جمع کرے اور ایک شخص کا ہاتھ پکڑے جو اس کے رشتہ داروں میں سب سے قریب رشتہ دار اور دنیا میں سب سے زیادہ محبوب ہو اور کہے کہ جس کا میں دوست اور یاد رکھتا ہوں اس کا دوست و یاد رکھتا ہوں ہے اس کے بعد اس کے مددگار کے لیے دعا کرے۔ اور اس کو ذلیل کرنے والے پر لعنت کرے اور ایسی بات کسی دوسرے کے لیے نہ کہے اور کسی دوسرے کو اپنا خلیفہ مقرر نہ کرنے تو بین نہیں سمجھتا کہ اس کی رعایا میں سے کوئی اس کی خلافت مراد لینے میں اور بادشاہ کے لوگوں کو اس کی نصرت و محبت کی تحریص اور اس کی اطاعت کی ترغیب میں شک کرے۔

(تیسری تقریر) یہ کہ جب کوئی بادشاہ جس کا حکم جاری ہوتا ہے۔ (واجب الاطاعت ہوتا ہے) کسی کمزور و بے مددگار شخص کے حق میں کہے کہ میں جس کا مددگار ہوں۔ فلاں شخص بھی اس کا مددگار ہے قبیح اور عیث معلوم ہوتا ہے کیونکہ بادشاہ سے تو ہر شخص کی مدد ہو سکتی ہے۔ اور اس کمزور شخص سے اگر مدد ہوگی بھی تو بہت کم لوگوں کی ہوگی۔ لہذا یہ کلام عرف و عادت کے مطابق اس پر دلالت کرتا ہے کہ چاہیے کہ وہ شخص جس کے بارے میں جناب رسول خدا یہ ارشاد فرما رہے ہیں۔ دین و دنیا میں آنحضرت کے مرتبہ کے مانند مرتبہ رکھتا ہو اور کم سے کم یہ کہ طاقت اور حکم نافذ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور محبت کے بارے میں بھی یہی بات کسی جا سکتی ہے لہذا ہر صورت سے یہ عبارت امامت پر دلالت کرتی ہے۔

دوسری وجہ۔ ان وجہوں میں سے جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ مولیٰ سے مراد اولیٰ تصرف اور امام ہے یہ ہے کہ اُن گذشتہ اکثر احادیث میں وہ قرینہ ہے اس پر کہ مراد امامت ہے۔ کیونکہ ابتدائے کلام میں فرمایا کہ کیا میں تمہاری جانوں پر تم سے زیادہ اولیٰ (مختار) نہیں ہوں۔ اس کے بعد فرمایا کہ پھر جس کا میں مولا ہوں علیؑ بھی اس کا مولا ہے۔ لہذا جو شخص کلام کے اسلوبوں سے واقف ہے جانتا ہے کہ وہ سوال اول واضح قرینہ ہے اس پر کہ مراد مولا سے اولیٰ ہے جیسا کہ پہلے گذرا ہے اور چونکہ کلام سابق میں کسی چیز اور کسی حال کی تخصیص نہیں ہے لہذا عموم کا فائدہ دیتا ہے کیونکہ اہل عربیت نے کہا ہے کہ حذف مطلق عموم کا فائدہ دیتا ہے جس میں کسی وقت اور حال کی خصوصیت پر کوئی قرینہ نہیں ہوتا ورنہ کلام میں پیچیدگی اور الجھن لازم آئے گی۔ خصوصاً جبکہ اس مقام پر ہوں انفسلہ نہ کہ ہوا ہے اور آدمی کے لیے لازم ہے کہ ہر جائز اور مشروع تصرف اپنی ذات میں

کے اور ہر امر مشروع کا متولی (سرپرست و مختار) ہو۔ پھر جب وہ اپنی ذات سے اولیٰ ہو اُس وقت اس کو حق پہنچتا ہے کہ جو حکم چاہے ان کی نسبت کرے اور ہر بندہ سیر جو ان کی دنیا و دین کے لیے مناسب سمجھے عمل میں لائے اور ان کو اُس پر کوئی اختیار نہ ہو۔ امامت کے معنی بھی یہی ہیں نیز ظاہر ہے کہ حضرت نے پہلے جو ان سے سوال کیا اور جس کا ان سے اقرار لیا وہ مطلب ہے جس کا خداوند تعالیٰ نے قرآن میں حضرت کے لیے ثابت فرمایا ہے کہ القیٰ اولیٰ بالمؤمنین من انفسہم۔ مفسروں نے اس پر اجماع کیا ہے کہ آیت سے مراد کوہی ہے جو ہم نے بیان کیا۔ چنانچہ زعمشہری نے کشاف میں لکھا ہے کہ نبی مؤمنین پر ان کے دین و دنیا کے امور میں سے ہر امر میں ان کی جانوں سے اولیٰ (زیادہ اختیار رکھتا) ہے۔ لہذا حضرت نے مطلق فرمایا اور کسی شرط و قید سے مشروط و مقید نہیں کیا لہذا ان پر واجب ہے کہ آنحضرت ان کے نزدیک ان کی جانوں سے زیادہ محبوب ہوں اور آپ کا حکم خود ان کے حکم سے ان پر زیادہ نافذ ہو اور آنحضرت کا حق ان پر زیادہ لازم ہو ان کی جانوں کے حق سے اور آنحضرت پر ان کی شفقت زیادہ مقدم ہو خود ان کی اپنی جانوں پر ان کی اپنی شفقت سے اور یہ کہ اپنے تئیں ان کے نزدیک حاضر رکھیں اور جب کوئی آپ عظیم رونما ہو تو ان پر خدا ہو جائیں اور اپنی جان سے وہ زیادہ لڑائیوں میں ان کی حفاظت کریں اور یہ کہ ان امور کی پیروی نہ کریں جن کی طرف ان کا نفس ان کو دعوت دیتا ہے یا منع کرتا ہے بلکہ ہر اس امر کی پیروی کریں جس کا حضرت ان کو حکم دیں۔ اور ان باتوں کو ترک کریں جن سے حضرت منع کریں۔ تمام مفسروں نے بھی یہی کہا ہے اور کلام کے قرینہ سے ظاہر ہے کہ آنحضرت کی مراد جناب امیر کے لیے اسی اولیٰ ہونے کے اثبات و انہما سے ہے جو حضرت خود رکھتے تھے۔ اور عامہ کے بعض متصیب علماء مثل قوشچی وغیرہ نے جو کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ من والاک سے یہ قرینہ ہے کہ مولیٰ سے مراد عجب یا ناصر ہے باطل ہے بلکہ اولیٰ ہونے کے معنی کا قرینہ ہے چند وجوہ سے (پہلی وجہ) جب ان حضرت کے لیے ریاست عامہ اور ریاست کبریٰ ثابت فرمایا تو اس کے لیے لشکروں اور خیر خواہ ناموں کی ضرورت تھی اور اس مرتبہ کا جماعت کثیر میں سے ایک شخص کے لیے ثابت کرنا حدود و عداوت کے ہیجان کا سبب تھا جو ترک نصرت و اعانت کا گمان ہے خصوصاً باوجود اُس کے کہ منافقین کے دلوں میں پڑانی دشمنیوں کو جانتے تھے کہ موجود ہیں اس لیے مددگاروں کے لیے دُعا اور اُس پر لعنت کر کے جو ان کے شان میں تقصیر کرے اُس کی تاکید فرمائی۔ نیز ظاہر ہے کہ اس قسم کی دُعا امر اور اصحاب ولایت کے لیے مخصوص ہے اور رعایا میں سے کسی ایک کے لیے مناسب نہیں ہے۔ (دوسری وجہ) یہ کہ یہ دُعا عصمت پر دلالت کرتی ہے جو لازمہ امامت ہے۔ اس لیے کہ اگر گناہ ان سے صادر ہوتا تو اُس شخص پر واجب ہوگا جو اُس سے واقف ہو کہ اُس کو منع کرے اور ترک تعلقاً

بلکہ اُس سے دشمنی کا اظہار کرے۔ لہذا کسی کے لیے آنحضرتؐ کی یہ دُعا بلا کسی قید کے اس پر دلالت کرتی ہے کہ وہ شخص کبھی ایسی حالت پر نہ ہوگا کہ ترکِ تعلقات اور ترکِ نصرت کا مستحق ہو۔

(تیسری وجہ) اگر مولا سے مراد اولیٰ ہے جیسا کہ ہم کہتے ہیں تو اس کلام سے قوم سے نصرت و متابعت اور سوالات کا طلب کرنا مقصود ہوگا۔ اور اگر ناصر و محب مراد ہو جیسا کہ مخالفین کہتے ہیں۔ تو مقصود یہ ہوگا کہ آنحضرتؐ اُن کے ناصر و محبت ہیں لہذا دُعا اُس کے لیے جو اس کی مولات اور نصرت کرے پہلے معنی کے لحاظ سے زیادہ مناسب ہوگی بہ نسبت دوسرے معنی کے جیسا کہ غور و فکر کرنے والوں پر ظاہر ہے۔ (چوتھی وجہ) یہ ہے کہ خاصہ و عامہ کی حدیثوں سے ظاہر ہوا کہ آیۃ اُکملت لکم دینکم الخ روزِ غدیرِ نازل ہوا اور سیوطی نے جو مخالفین کے علمائے متاخرین میں سب سے بڑے عالم ہیں۔ کتاب اتفاق میں ابو سعید خدری اور ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ یہ آیت روزِ غدیرِ نازل ہوئی اور یہ دلیل ہے اس پر کہ مولا سے مراد وہ معنی ہیں جو امامتِ کبریٰ کی طرف پھرتے ہیں۔ کیونکہ جو امر دین کی تکمیل اور مسلمانوں پر نعمت کے پوری ہونے کا باعث ہو۔ بلکہ ان کی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت ہو وہ امامت ہے جس کے ذریعہ دنیا و دین کا انتظام پورا ہوتا ہے اور اُس کے اعتقاد سے مسلمانوں کے اعمال قبول ہوتے ہیں۔ (پانچویں وجہ) یہ کہ خاصہ و عامہ کی خبروں میں وارد ہوا ہے کہ آیۃ یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک الخ اس واقعہ میں نازل ہوا جیسا کہ بیان کیا جا چکا اور فخر رازی نے تفسیر کبیر میں منجملہ احتمالات نزولِ آیۃ کریمہ کے کہا ہے کہ یہ آیت علیؑ کی فضیلت میں نازل ہوئی اور جب نازل ہوئی حضرت نے علیؑ کو پکڑ کر فرمایا من کنکت مولاه فعلی مولاه اللہم وال من والاہ و عاد من عاداہ وانص من نصبہ و اختلف من خذلنا۔ اُس وقت عمر نے اُن سے ملاقات کی اور کہا تم کو مبارک ہو اے پسر ابوطالب کہ تم نے آج صبح اس حال میں کہا میرے اور تمام مومنین و مومنات کے مولا ہو گئے پھر کہا ہے کہ یہ ابن عباس برابر بن عازب اور محمد بن علی کا قول ہے اور تعبیری نے اپنی تفسیر اور خسکانی نے شواہد التنزیل میں اور کثیر جماعت نے روایت کی ہے کہ یہ آیت امرِ غدیر میں نازل ہوئی اور یہ صریح ہے اس میں کہ مولا سے مراد امام و خلیفہ ہے کیونکہ خدا کی جانب سے وحی اور غیب کی کتاب کہ اگر تبلیغ نہ کی تو اے رسول تم نے اس کی رسالت کی کچھ تبلیغ نہیں کی اور حضرت کو تبلیغ کرنے سے یہ خوف کہ کہیں فتنہ و فساد برپا ہونے کا سبب نہ ہو اور خدا کا ضامن ہونا کہ خدا ان کو منافقوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ یہ سب دلیل ہے اس پر کہ جس امر کی تبلیغ پر حضرت مامور ہوئے تھے چاہیے کہ وہ ایسا امر ہو جس کی تبلیغ لوگوں کے دین و دنیا کے امور کی اصلاح کا باعث ہو اور اُس کے ذریعہ سے لوگوں پر قیامت تک حلال و

حرام ظاہر ہو اور دین کے طریقے اُس کے ذریعہ سے ضائع ہونے سے محفوظ رہیں اور اُس کا قبول کرنا لوگوں کی طبیعت پر دشوار ہو۔ اور جو احتمالات ان لوگوں نے لفظ مولا میں بیان کئے ہیں ان میں سے کوئی ایک اس قسم کے امور کا گمان نہیں رکھتا ہے جو اُسے خلافت امامت کے جس کے ذریعہ آنحضرت کی تبلیغ رسالت جو آپ نے کی ہے مثل احکام دین و ایمان کے باقی رہتی ہے اور امور مسکین جس کے سبب سے منظم رہتے ہیں اور ان کینوں کی وجہ سے جو ان حضرت کی طرف سے لوگوں کے دلوں میں سلگ رہے تھے منافقوں کی طرف سے فتنوں کے سبب کا گمان ہوا۔ لہذا حق تعالیٰ ان کے شر سے حضرت کی حفاظت کا ضامن ہوا۔ (چھٹی وجہ) یہ ہے کہ خاصہ و عامہ کی خبریں جو اس واقعہ میں نص صریح پر مشتمل ہیں۔ اُس شخص کے نزدیک جس کے دل میں ذرا بھی انصاف ہو متواتر بالمعنی ہیں۔ اگر اس قول سے ہم تنزل کریں تو کم از کم قرینہ اس کا ہو سکتا ہے کہ مولیٰ سے مراد وہ معنی ہیں جو امامت کے معنی کے ضمن میں ہیں خصوصاً جب اس میں پیغمبروں، بادشاہوں اور امراء کا وہ طریقہ اور عادت بھی ضم ہو جائے جو اپنی وفات کے نزدیک خلیفہ اور جانشین کی تعیین میں کرتے ہیں۔ اور اکثر حدیثوں میں مذکور ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ تمہارے درمیان سے جانا ہوں ان کو دوسرے قرآن کے ساتھ جو پہلے مذکور ہوئے۔ (ساتویں وجہ) یہ کہ اُس جماعت کی نظم و نثر سے جو اس مجمع میں موجود تھے ظاہر ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے مولا سے خلافت کے معنی سمجھے ہیں۔ جیسے حسان بن ثابت جن کے بارے میں کتب سیر وغیرہ میں مذکور ہے کہ آنحضرت سے اجازت پائی اور اس باب میں ایک قصیدہ کہا اور حضرت نے ان کی تعریف کی اور تمام شعراء، صحابہ اور تابعین مثل عمارت بن نھان فہری جس نے یہ مطلب سمجھا تھا اور حضرت نے ان کی تصدیق کی جیسا کہ گذر چکا۔ اسی طرح کے ثبوت بہت ہیں اور یہ سب سے زیادہ قوی دلیل ہے اس پر کہ آنحضرت کی مراد یہی تھی۔ تعجب ہے علمائے مخالفین سے کہ دوسرے مقامات پر ایک یا دو راوی لے کر نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور کلام میں بہت غصوڑے اشارے کے ساتھ عظیم مطالب پر استدلال کرتے ہیں اور جب مسئلہ امامت پر آتے ہیں تو حیا کی نقاب سے اُتار دیتے ہیں اور انکار کے قلعہ میں بھاگتے ہیں۔ عصمتنا اللہ وایاہم من العصمتنا والعناد وھدیتنا الی الرشاد خداوند تعالیٰ ہم کو اور ان کو تعصب اور عناد سے محفوظ رکھے اور بھلائی اور نیکی کی ہدایت کرے۔

حدیث منزلت کا بیان اور وہ خاصہ اور عامہ کے طریقوں سے متواتر ہے اور جو چیز سب میں مشترک ہے وہ یہ ہے کہ جناب رسول خدا نے بہت موقعوں پر جناب امیر سے فرمایا کہ انت منی بمنزلتہ ہارون من موسیٰ یعنی تم میرے نزدیک بمنزلتہ ہارون کے موسیٰ سے ہو لیکن میرے بعد کوئی پیغمبر نہ ہوگا۔ ہم اس مقام پر چند حدیثوں کے ذکر پر

دوسری فصل

اکتفا کرتے ہیں جو ان کی صحاح میں موجود ہیں۔ جیسا کہ صاحب جامع الاصول نے صحیح بخاری اور صحیح ترمذی سے روایت کی ہے، سعد بن وقاص سے کہ جناب رسول خدا نے غزوہ تبوک میں علیؑ کو مدینہ میں چھوڑا تو حضرت علیؑ نے کہا یا رسول اللہ! آپ مجھ کو عورتوں اور بچوں میں چھوڑتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کیا تم مراضی نہیں ہو کہ میرے نزدیک مثل ہارون کے رہو جو موسیٰ کے نزدیک تھے۔ اور ترمذی کی روایت میں کہا ہے کہ میرے بعد کوئی پیغمبر نہیں ہے اور صحیح مسلم میں پھر اس روایت کو مکمل طور سے ابن مسیب سے روایت کی ہے کہ اس حدیث کی روایت مجھے سعد کی سند سے پہنچی تو میں نے چاہا کہ سعد سے خود سنتوں تو سعد کے پاس میں گیا اور پوچھا کہ کیا تم نے رسول خدا سے اس حدیث کو سنا ہے یہ سن کر انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال کر کہا ہاں ہاں اگر میں نے نہ سنی ہوتو میرے یہ دونوں کان بہرے ہو جاتیں۔ نیز جامع الاصول میں صحیح مسلم سے یہ پوری حدیث جابر انصاری سے روایت کی ہے۔ نیز حدیث صحیح مسلم و صحیح ترمذی میں روایت کی ہے کہ معاویہ ابن ابی سفیان نے سعد بن ابی وقاص کو امیر مقرر کیا اور کہا کیا مانع ہے تم کو کہ ابو تراب کو گالی دو۔ سعد نے کہا جب تک مجھے وہ تین باتیں یاد ہیں جو میں نے علیؑ کے حق میں سنی ہیں ہرگز ان کو گالی نہ دوں گا۔ اگر ان میں سے ایک بھی میرے واسطے ہوتی تو اس بات کو ٹام کے سرخ بالوں والے اونٹوں سے زیادہ دوست رکھتا کہ وہ اونٹ مجھے حاصل ہوتے۔ میں نے رسول خدا سے سنا ہے کہ آپ نے علیؑ سے فرمایا جس وقت ان کو ایک غزوہ میں جاتے وقت مدینہ میں چھوڑا تھا۔ اور علیؑ نے کہا تھا کہ آپ نے مجھے عورتوں میں چھوڑ دیا پھر وہی باتیں بیان کیں جو حدیث سابق میں مذکور ہوئیں۔ لیکن یہاں کہا الا انہ لانبیۃ بعدی مگر یہ کہ نبوت اور پیغمبری میرے بعد نہیں ہے۔ پھر سعد نے کہا کہ میں نے روزِ خیر سنا کہ حضرت نے فرمایا کہ کل میں یقیناً اس کو علم دوں گا جو خدا اور رسولؐ کو دوست رکھتا ہے اور خدا و رسولؐ اس کو دوست رکھتے ہیں۔ ہم سب نے گردنیں بلند کیں کہ شاید ہم کو علم عطا فرمائیں۔ لیکن حضرت نے علیؑ کو طلب فرمایا۔ جب وہ حاضر ہوئے تو ان کی آنکھیں پر آشوب تھیں اور در دہکتی تھیں۔ حضرت نے اپنا آپ دہن مبارک ان کی آنکھوں پر ملا اور علم ان کو دیا۔ آخر خدا نے ان کے ہاتھ پر فتح عطا کی۔ اور جب آیہ مبارکہ نازل ہوا حضرت نے علیؑ و فاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام کو طلب فرمایا اور فرمایا خداوند یا یہ میرے اہل بیت ہیں۔ اور ابن عبد البر نے کتاب استیعاب میں جو ان کی محترم ترین کتاب ہے۔ لکھا ہے کہ جناب امیرؑ کسی غزوہ سے جس میں آنحضرتؐ موجود تھے پیچھے نہیں رہے۔ جب مدینہ میں ہجرت کر کے آئے تھے، سوائے جنگ تبوک کے جبکہ جناب رسول خداؐ نے ان کو مدینہ کی اور اپنے عیال کی حفاظت کے لیے مدینہ میں چھوڑ دیا اور فرمایا انت منی بمنزلتہ ہارون من موسیٰ الا انہ لانبیۃ بعدی اور

کہا ہے کہ اس حدیث کو صحابہ کی کثیر جماعت نے روایت کی ہے اور یہ روایت ثابت ترین اور صحیح ترین ہے۔ اس روایت کو سعد بن وقاص سے اور انھوں نے رسول خدا سے روایت کی ہے اور سعد کی روایت بہت طریقوں سے ہے اور اس حدیث کو ابن عباس، ابوسعید خدری، ام سلمہ، اسماء بنت عمیس، جابر بن عبد اللہ اور بہت سی جماعتوں سے روایت کی ہے۔ جن کا ذکر طوالت کا باعث ہے اور فاطمہ دختر امیر المومنین نے اسماء بنت عمیس سے روایت کی ہے کہ میں نے سنا کہ جناب رسول خدا نے علی سے فرمایا انت متی بمنزلتہ ہارون من موسیٰ الا انک لیس بعدی نبیؑ ابن عباس کی روایت کے مطابق اس کے بعد کہا کہ تم میرے بھائی، میرے صاحب یعنی میرے مصاحب ہو۔ اور ابن عقدة حافظ نے جس کو تمام گروہ ثقہ جانتے ہیں ایک بڑی کتاب خاص طور سے اس حدیث کی سندوں میں تصنیف کی ہے۔ اور ابن عسقل نے اپنی مسند میں جو ان کی صحاح کے مثل ہے اس حدیث کو صحابہ کی کثیر جماعت سے روایت کی ہے اور ابن اثیر نے تاریخ کامل میں محمد بن اسحاق سے دلیلی نے فردوس الاخبار میں عمر بن الخطاب سے روایت کی ہے کہ رسول خدا نے علی سے فرمایا کہ تم اسلام میں پہلے مسلمان ہو اور ایمان میں پہلے مومن ہو اور تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی اور قاضی علی بن عسقلانی نے جو عمائد عامہ میں سے ہیں اس حدیث کو علی علیہ السلام اور عمر اور سعد بن ابی وقاص، ابن مسعود، ابن عباس، جابر انصاری، ابو ہریرہ ابوسعید، جابر بن سمیرہ، مالک بن الحویرث، برابر بن عازب، زید بن ارقم، ابورافع، عبد اللہ بن اوفی اور اس کا بھائی زید، ابوشریحہ، حذیفہ بن اسید، انس بن مالک، ابولہبیدہ السمی، ابوالویب انصاری، عقیل بن ابوطالب، جیش بن جنادہ، معاویہ بن ابی سفیان، ام سلمہ، اسماء بنت عمیس، سعد بن المسیب، امام محمد باقر علیہ السلام حبیب بن ابی ثابت، فاطمہ بنت علی اشتر حمل بن سعد نے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ سب نے جناب رسول خدا سے روایت کی ہے۔ اور ابن حجر نے کتاب فتح الباری شرح صحیح بخاری میں اس حدیث کی شرح میں کہا ہے کہ ابن مسیب کی روایت میں یہ زیادہ ہے کہ جناب رسول خدا نے یہ بات جناب امیرؑ سے فرمائی تو جناب امیرؑ نے دو مرتبہ کہا میں راضی ہوا اور کہا ہے کہ برابر بن عازب اور زید بن ارقم کی روایت کی ابتدا میں اتنا زیادہ ہے کہ جناب رسول خدا نے علی سے کہا یا مجھے چاہیے کہ میں مدینہ میں رہوں یا تم رہو۔ جب حضرت علیؑ نے یہ سنا تو مدینہ میں ٹھہر گئے۔ پھر آپ نے سنا کہ منافقین کا ایک گروہ کہتا ہے کہ علیؑ کو اس لیے مدینہ میں چھوڑ دیا کہ حضرت ان سے ناراض تھے۔ یہ سن کر جناب امیرؑ آنحضرت کے پیچھے روانہ ہوئے اور آنحضرت سے ملاقات کر کے کہا کہ لوگ ایسا کہتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت نے فرمایا کہ کیا تم راضی نہیں ہو کہ تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے

ہوگا اس کے بغیر نہ ہوگا کہ ان کے خلیفہ کی اطاعت سے منحرف ہو گئے اور اس کو کمزور کر دیا اور منافقین اس پر غالب ہو گئے۔ اسی کی تائید یہ ہے جیسا کہ عامہ اور خاصہ نے روایت کی ہے کہ جب امیر المؤمنین کو ابوبکر کی بیعت کے لیے مسجد میں لوگ لائے حضرت نے قبر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منہ کر کے اس آیت کی تلاوت کی جو جناب ہارون پر قوم کے ظلم اور ان کی جناب موسیٰؑ سے شکایت پر مشتمل ہے اور کہا یا ابن ام ان القوم استضعفونی وکادوا یقتلونننی یعنی اے میرے ماں کے بیٹے بیشک میری قوم نے مجھ کو کمزور کر دیا اور نزدیک تھا کہ مجھے قتل کر دیں۔

(پانچویں وجہ) یہ کہ مخالفین کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے کہ جناب موسیٰ کی وصایت و خلافت جناب ہارون کی اولاد کی جانب منتقل ہوئی تو موسیٰؑ سے ہارون کی نسبتوں میں سے یہ ہے کہ ہارون کے فرزند ان کے خلیفہ اور اوصیا جناب موسیٰؑ کے خلیفہ اور اوصیا ہوئے۔ لہذا نسبت کا مقتضا ہے کہ حسن و حسین علیہم السلام جو بالفاق خاصہ و عامہ ہارون کے لڑکوں کے نام سے موسوم ہوئے جناب رسول خدا کے خلیفہ ہوں لہذا ان کے پدر بھی چاہیے کہ اجماع مرکب کے اقتضا سے خلیفہ ہوں اور منجملہ علمائے مخالفین کے جس نے اس کو ذکر کیا ہے کہ محمد شہرستانی بن جنسوں نے کتاب مل و نحل میں یہودیوں کے حالات کے بیان میں لکھا ہے کہ امر پینبری موسیٰؑ اور ان کے جہانی کے درمیان مشترک تھا جبکہ موسیٰؑ نے کہا اشروکہ فی امری تو ہارون موسیٰؑ کے وصی ہوئے۔ چونکہ ہارون جناب موسیٰؑ کی حیات میں فوت ہو گئے تھے اس لیے وصایت امانت کے طور پر یوشع کی جانب منتقل ہو گئی تھی تاکہ وہ جناب ہارون کی اولاد شبر و شبیر تک استقرار کی صورت سے پہنچا دیں۔ کیونکہ وصایت و امانت کبھی مستقر ہوتی ہے اور کبھی امانت کے طور پر۔

(چھٹی وجہ) یہ کہ غزوہ تبوک کے موقع پر حضرت نے خصوصیت سے جناب امیر کو مدینہ میں خلیفہ مقرر کیا اور پھر ان کو محزول کرنا ثابت نہیں لہذا چاہیے کہ وفات کے بعد بھی خلیفہ ہوں۔ اور اگر ان مراتب و منازل سے ہم قطع نظر کریں تو اس میں شک نہیں کہ حضرت کا یہ ارشاد صاحب منزلت ہارون کی نہایت قرب و محبت و اختصاص اور اخوت روحانی و اختصاص جسمانی و قربت نسبی پر مناقب جلیلہ کے ساتھ دلالت کرتا ہے جو اہل عالم پر ظاہر ہے کہ کسی شخص کو جس میں کوئی منزلت نہ ہو سوائے کفر میں رہنے کے جو عین نقص ہے اور اس میں کوئی کمال کا شائبہ نہ ہو مقدم رکھنا عین خطا ہے اور کسی عاقل کے نزدیک جائز نہیں واللہ ہادی المسویٰ السبیل۔

جناب امیر کے خدا و رسول کے ساتھ اختصاص کے بیان میں اور اس کا اظہار تیسری فصل متعدد موقعوں پر ہوا ہے۔

پہلا موقع۔ جامع الاصول میں صحیح ترمذی سے انس ابن مالک سے روایت کی ہے کہ جناب

رسول خداؐ کی خدمت میں ایک طاہر بریاں لایا گیا آپ نے دعا فرمائی اللھم ائتنی باحب خلقک یا کل معی ہذا الطیب یعنی خداوند! میرے پاس اس کو بھیج دے جو تیرے نزدیک خلق میں سب سے زیادہ محبوب ہو کہ وہ میرے ساتھ اس طاہر کو کھائے۔ تو علیؑ آئے اور ان حضرت کے ساتھ طاہر کھانے میں شریک ہوئے۔ اس کے بعد بیان کیا ہے کہ ذریعے نے کہا کہ اس حدیث میں ایک قصہ ہے جس کے آخر میں ہے کہ انس نے کہا اے علیؑ میرے لیے مغفرت طلب کیجئے آپ کے لیے میرے پاس خوشخبری ہے پھر یہ حدیث بیان کی اور مستدبان جنبل میں غلام جناب رسول خداؐ ثقیفہ سے روایت کی ہے کہ انصار کی ایک عورت دو مرغ بریاں اور دو روٹیاں جناب رسول خداؐ کے لیے ہدیہ لائی۔ جب آنحضرتؐ کے پاس رکھا تو حضرت نے دعا کی کہ خداوند! اپنی خلق میں اپنے اور اپنے رسولؐ کے سب سے زیادہ محبوب شخص کو بھیج دے کہ وہ میرے ساتھ اس طعام کے کھانے میں شریک ہو، تو علیؑ آئے اور دروازہ پر سے پکارا حضرت نے پوچھا کون ہے ثقیفہ کہتے ہیں میں نے کہا علیؑ ہیں حضرت نے فرمایا دروازہ کھول دو۔ میں نے دروازہ کھول دیا تو ان دونوں بزرگواروں نے ایک ساتھ شریک ہو کر اس طاہر کو تناول فرمایا۔ اور ابن معانی شافعی نے کتاب مناقب میں بہت سے طریقوں سے اس حدیث کی روایت کی ہے۔ مجملہ ان کے یہ ہے کہ انس ابن مالک نے روایت کی ہے کہ جناب رسول خداؐ کے لیے ایک مرغ بریاں ہدیہ لایا گیا۔ جب حضرت کے سامنے رکھا۔ حضرت نے دعا کی کہ خداوند! میرے پاس اپنی خلق سے اپنے سب سے محبوب بندے کو بھیج دے تاکہ وہ میرے ساتھ اس مرغ کو کھائے۔ انس کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں کہا خداوند! اس کو انصار میں سے قرار دے۔ لیکن علیؑ آئے اور دروازہ کو آہستہ سے کھٹکھٹایا۔ میں نے کہا کون ہے؟ آپ نے فرمایا میں ہوں علیؑ۔ میں نے کہا رسول اللہؐ ایک کام میں مشغول ہیں۔ حضرت واپس چلے گئے۔ میں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت نے دوسری مرتبہ فرمایا خداوند! اپنے محبوب ترین خلق کو میرے پاس بھیج دے تاکہ میرے ساتھ اس طاہر کو کھائے۔ پھر میں نے دل میں دعا کی کہ خداوند! کسی مرد انصار کو بھیج دے لیکن علیؑ ہی آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا میں نے کہا کیا میں نے نہیں کہا کہ حضرت ایک کام میں مشغول ہیں؟ حضرت واپس چلے گئے اور میں پھر حضرت کے پاس جا بیٹھا۔ پھر حضرت نے قہمی دعا کی اور علیؑ آئے اور دروازہ ذرا سختی سے کھٹکھٹایا تو آنحضرتؐ نے فرمایا دروازہ کھول دو۔ میں نے دروازہ کھول دیا جب آنحضرتؐ کی نظر ان پر پڑی تو تین مرتبہ فرمایا میرے پاس آؤ۔ تو علیؑ بیٹھے اور دونوں بزرگواروں نے وہ طاہر بریاں کھایا۔ دوسری روایت کے مطابق انہی سے اور ابن جنبل وغیرہ سے روایت ہے کہ جب امیر المؤمنینؑ داخل خانہ ہوئے حضرت نے فرمایا کیوں دیر کی میں نے تین مرتبہ خدا سے طلب کیا کہ اپنے محبوب ترین خلق کو میرے پاس بھیج دے۔

ہا کہ یہ طاہر میرے ساتھ کھائے۔ اگر تم اب بھی نہ آتے تو خدا سے تمہارا نام لے کر طلب کرتا کہ تم کو بھیج دے۔ جناب امیر نے عرض کی یا رسول اللہؐ میں تین مرتبہ آیا کہ تمہیں تمہیں نے مجھے واپس کر دیا حضرت نے انس سے پوچھا کیوں تم نے ایسا کیا۔ انس نے کہا کہ میں نے چاہا کہ میری قوم کا کوئی آدمی آجاتا۔ یہ سن کر حضرت نے فرمایا ہر شخص اپنی قوم کو دوست رکھتا ہے اور دوسری روایت کے مطابق فرمایا کیا انصاریں کوئی علیؑ سے بہتر اور فاضل تر ہے اور خاصہ و عامہ نے بطریق مستفیضہ روایت کی ہے کہ منجملہ ان مناقب کے جن سے حضرت علیؑ نے اصحاب شوریٰ سے احتجاج کیا یہ منقبت بھی تھی اور سب نے اس کی حقیقت کا اعتراف کیا اور حضرت علیؑ نے انس سے بھی گواہی طلب فرمائی انس نے کہا مجھے یاد نہیں ہے۔ فرمایا اگر تو جھوٹ کہتا ہے کہ تو برس میں مبتلا ہو گا کہ اس کو لوگوں سے عامر یا نہ ہونے سے چھپانہ سکے گا۔ اور جب یہ مرض پیدا ہو گیا تو بار بار یہی کہتا تھا کہ یہ علیؑ کی نغزین سے ہوا ہے۔ اور ابن مردویہ نے البرافغ آزاد کردہ حالت سے روایت کی ہے کہ جب طاہر بریاں آنحضرتؐ کے پاس رکھا تو حضرت نے فرمایا کاش امیر المؤمنینؑ اور آقائے مسلمین اور امام متقیں میرے پاس ہوتے اور میرے ساتھ یہ طاہر رکھتے تو امیر المؤمنین آتے اور آنحضرتؐ کے ساتھ وہ طاہر تناول کیا۔ اور اخطب غوارزم نے بھی اس حدیث کو بطریق سابق ابن عباس سے روایت کی ہے جو شخص کچھ بھی انصاف رکھتا ہو اور مخالفین کی کتابوں کو دیکھے تو سمجھ لے گا کہ حدیث تو اتنے زیادہ اس حدیث کی روایت کی گئی ہے۔ کیونکہ ترمذی نے اپنی صحیح میں حافظ ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں بلاذری نے تاریخ میں، خروشی نے شرف المصطفیٰ میں، اسمعانی نے فضائل الصحاب میں طبری نے کتاب الولاية میں ابن السیاح نے صحیح میں، ابویعلیٰ نے مسند میں، احمد بن حنبل نے فضائل میں اور قطنزی نے اختصاص میں روایت کی ہے اور محدثین میں سے محمد بن اسحاق، محمد بن یحییٰ اردبی، مازنی، ابن شاہین، سعدی، ابوبکر بیہقی، مالک، اسحاق بن عبداللہ ابن ابی طلحہ، عبدالملک بن عمیر، مسعود بن کرام، داؤد بن علی بن عبداللہ ابن عباس اور ابو حاتم رازی نے بہت سی سندوں سے ابن عباس اور ام ایمن سے اور ابن بطلہ نے ابانہ میں دو طریقہ سے روایت کی ہے۔ اور خطیب و ابوبکر نے تاریخ بغداد میں سات طریقہ سے اور ابن عقده حافظ نے ایک کتاب نہا اس حدیث کے طریقہ میں تصنیف کی ہے اور بیہقی صاحب کی سند سے اس حدیث کو انس سے روایت کی ہے اور دس افراد کی سند سے جناب رسول خداؐ سے روایت کی ہے باوجود اس علوت کے جو جناب امیر سے رکھتے ہیں اور آپ کے فضائل چھپانے کی کوشش کرتے ہیں اور جب یہ حدیث ثابت ہوئی تو انی حضرت کی امامت پر دلیل ہے کیونکہ محبت خدا و رسولؐ کے کچھ معنی نہیں بغیر اس کے (یعنی امامت کے) کیونکہ وہ استحقاق ثواب اور فرط طاعت اور صفات حسنہ سے متصف ہونے

میں سب سے آگے ہیں اور یہ ثابت ہے کہ خداوند تعالیٰ منزہ ہے اس سے کہ محل حوادث ہو اور اُس کی ذات مقدس میں تغیر یا کوئی اثر قبول کرنا ہو نیز معلوم ہے کہ کمال عقائد اور صفات حسنہ سے موصوف اور صحیح نیت اور اعمال صالحہ کے بغیر خدا کا ثواب دینا اور اکرام کرنا نہیں ممکن ہے کیونکہ ناقص کی تفضیل کمال پر اور عاصی کی مطیع پر اور جاہل کی عالم پر قیح ہے اور حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں بہت سی جگہوں پر اس مطلب کو بیان فرمایا ہے جیسے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحبکم اللہ یعنی اے رسول کہہ دو کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ تو خدا بھی تم کو دوست رکھے گا۔ لہذا میری متابعت و پیروی کرو تاکہ خدا تم کو دوست رکھے اور خدا فرماتا ہے ان اکرمک عند اللہ اتقاکم بیشک خدا کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ صاحب عزت وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ اور فرمایا ہے کہ خدا نے ان لوگوں کو جو اپنی جان و مال سے جہاد کرتے ہیں، ان لوگوں پر بلند درجہ کی فضیلت دی ہے جو (ہاتھ پر ہاتھ دھرے) بیٹھیں اور جہاد نہیں کرتے اور فرمایا ہے کہ وہ لوگ جنھوں نے فتح مکہ سے پہلے راہِ خدا میں اپنے مال خرچ کئے اور جہاد کیا ہے اور وہ لوگ جنھوں نے بعد فتح مکہ جہاد کیا برابر نہیں ہیں اور فرمایا ہے فمما جیل مثقال ذرۃ خیرا لیرا یعنی جس شخص نے ذرہ کے برابر نیکی کی جیسا اس کا ثواب دیکھے گا۔ اور فرمایا ہے وما یستوی الاحمی والبصیر والذین امنوا و عملوا الصالحات ولا المسئی قلیلا مما تدرکون یعنی اندھے اور آنکھ والے اور ایمان دار اور عمل نیک کرنے والے اور گنہگار برابر نہیں ہیں۔ لوگ بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ دل کا اندھا ہونا اور بینا ہونا مراد ہے۔ اکثر قرآن مجید اس مضمون سے بھرا ہوا ہے۔ نیز معلوم ہے کہ جناب رسول خدا کی محبت و محبت قرابت و بشریت نہیں ہے۔ لہذا جو شخص خدا اور رسول کے نزدیک خلق میں سب سے زیادہ محبوب ہو وہ سب سے افضل ہوگا۔ اور جناب رسول خدا باجماع اور اس قرینہ سے کہ آپ خود اس قول کے قائل ہیں اس حکم سے باہر ہیں اور افضلیت کا ہونا خلافت کے سب سے زیادہ حق دار ہونے کی دلیل ہے جیسا کہ مکرر مذکور ہوا۔ مخالفین نے اس دلیل پر دو اعتراضات کئے ہیں۔

(اول) یہ کہ کیسے ممکن ہے کہ طائر کھانے میں خلق خدا میں سب سے زیادہ محبوب ہونا مراد ہو۔ حالانکہ زبان سمجھنے والا جس کو کلام سے خدا بھی ربط ہوگا جانتا ہے کہ یہ خلافت لفظ کے اچانک وارد ہونے سے ظاہر ہے اور اہل عربیت میں یہ طے ہے کہ متعلقات کا حذف اور قیود سے پاک ہونا عموم کی دلیل ہے اور کھانا کلام میں حکم کا جواب ہے اور سب سے زیادہ محبوب ہونا نہیں ہے۔ اور بعض روایات میں کھانے کی قید مطلق مذکور نہیں ہے جبکہ جمیعت کھانے میں یا فضیلت و کرامت کے اعتبار سے ہے۔ (پھر بھی ہمارا مطلب ثابت ہے) یا فقہ و محدثان ہونے کے اعتبار سے ہے

اور یہ باطل ہے کیونکہ معلوم ہے کہ صحابہ میں ان حضرات سے زیادہ پریشان بہت تھے۔ شیخ مفید نے اس اعتراض کا ٹھوس جواب یہ دیا ہے کہ اگر یہ مطلب مراد ہو تو کسی فضیلت کا سبب نہ ہوگا تو پھر انس نے کیوں اس قدر کوشش کی کہ حضرت علیؑ کو واپس کیا اور اپنے کو جناب رسول خداؐ کے غصہ کا مستحق بنا تا رہا تاکہ فضیلت انصار کے لیے ثابت ہو جائے اور جناب رسول خداؐ نے اس کے قول کا یہی مطلب سمجھا اور فرمایا کہ ہر شخص اپنی قوم کو دوست رکھتا ہے یا یہ کہ شاید انصار میں کوئی ان سے بہتر ہے۔ اور اگر وہ معنی مراد ہوتے تو چاہیے کہ جناب رسول خداؐ فرماتے کہ اس کلام میں کوئی ہی فضیلت تھی جس کو تو چاہتا تھا کہ انصار کے لیے ہو جائے۔ اور اگر یہ احتمال ہوتا تو جناب امیرؓ نے یہ حجت اپنی افضلیت اور خلافت کے زیادہ حقدار ہونے پر یہ دلیل شوریٰ میں پیش کی تھی اور ان لوگوں نے کیوں اس کو قبول کر لیا تھا۔ چاہیے تھا کہ جواب میں کہتے کہ فضیلت پر دلالت نہیں کرتی ہے جو امامت و خلافت کا سبب ہو۔ جناب مفیدؒ کا کلام ختم ہوا۔ البتہ ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ فضیلت کی دلیل نہیں تھی تو انس نے مخالفین کی رعایت کے لیے کیوں پوشیدہ کیا اور جناب امیرؓ کی نفرین کا مستحق ہو کر مبروص ہوا۔ دوسرے یہ کہ ممکن ہے کہ حضرت انسؓ وقت خلق میں سب سے افضل اور خدا و رسولؐ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہوں اور بعد میں کوئی صحابی افضل ہو گیا ہو جو اب وہی ہے کہ یہ اطلاق و عموم کے خلاف ہے کہ وہ سوائے پیغمبرؐ کے خدا کے نزدیک تمام خلق سے تمام حالات اور تمام زمانہ میں زیادہ محبوب ہیں یہاں تک کہ تمام انبیاء و اوصیاء سے اور انھیں کی کوئی دلیل نہ کلام میں ہے اور نہ خارج میں اور پہلے جوابات یہاں بھی کافی ہیں خاص طور سے شوریٰ میں اور بعض فضلاء نے جواب دیا ہے کہ یہ اجماع مرکب کی کمزوری ہے کیونکہ تمام امت کے لوگ دو قول کے درمیان سرگرداں ہیں (اول) آنحضرتؐ کی تمام حالات و اوقات میں افضلیت۔

(دوسرا قول) ان حضرات پر کسی دوسرے کی تمام حالات و اوقات میں تفضیل اور یہ احتمال جو تم نے کہا امت میں سے کوئی ایک اس کا قائل نہیں اور واضح ہو کہ شیعوں کی بعض احادیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ طاہر بریاں بہشت سے جبرئیلؑ لاتے تھے۔ اور اس پر یہ قرینہ ہے کہ آنحضرتؐ نے باوجود اس سخاوت و فتوت کے انس اور اس کے علاوہ حاضرین میں سے کسی کو اس میں شریک نہیں کیا اور اس میں سے کچھ بھی ان کو نہ دیا اس اعتبار سے کہ بہشت کا طعام دنیا میں معصومین کے سوا کسی کے لیے کھانا جائز نہیں۔ اس بنا پر ان حضرات کی فضیلت اس واقعہ میں اور زیادہ بڑھ جاتی ہے اور عصمت و امامت دونوں پر دلیل ہو سکتی ہے۔

دوسرا اعتراض۔ وہ منقبت ہے جو روزِ خمیر ظاہر ہوئی جیسا کہ صاحب جامع الاصول نے صحیح مسلم سے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خداؐ نے روزِ خمیر فرمایا کہ بیشک میں یہ علم اس مرد

کو دوں گا جو خدا و رسول کو دوست رکھتا ہے اور خدا اسی کے ہاتھ پر فتح عنایت فرمائے گا۔ عمر کہتے ہیں کہ میں امارت کی خواہش نہیں رکھتا تھا مگر اسی روز، اور اپنے تئیں آنحضرت کی نظر میں اس امید پر لایا کہ اس امر کے لیے آنحضرت مجھے طلب فرمائیں۔ الغرض جناب رسول خدا نے علیؑ کو طلب فرمایا اور علم ان کو حاصل کیا۔ اور فرمایا جاؤ پیچھے مت مڑنا۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ تمہارے ہاتھ پر فتح عنایت فرمائے۔ جب امیر المومنین تھوڑی دُور گئے تو کھڑے ہو گئے پیچھے مڑنے کے نہیں دیکھا اور جناب رسول خدا سے باوا زبیر خطاب کیا کہ کس شرط پر لوگوں سے جنگ کروں حضرت نے فرمایا کہ اُن سے یہاں تک جنگ کرو کہ وہ خدا کی وحدانیت اور میری رسالت کی گواہی دیں۔ جب وہ ایسا کریں تو اپنی جان و مال تم سے محفوظ کر لیں گے جس کا حق اور حساب خدا پر ہے۔ نیز صاحب جامع الاصول نے صحیح بخاری صحیح مسلم دونوں سے مسلم بن اکوع سے روایت کی ہے کہ علیؑ علیہ السلام جنگ خیبر میں رسول خدا کے ساتھ نہیں گئے تھے اس لیے کہ اُن کی آنکھیں پُر آشوب تھیں۔ جب رسول خدا سارے لشکر کو لے کر روانہ ہوئے۔ جناب امیر نے اپنے دل میں کہا کہ جناب رسول خدا جنگ کے لیے چلتے ہیں اور میں ان کے ساتھ نہ جاؤں۔ آخر مزینہ سے نکل کر آنحضرت سے جا کر مل گئے۔ جب وہ رات آئی جس کی صبح کو خیبر فتح ہوا جناب رسول خدا نے فرمایا کہ کل میں اُس مرد کو علم دوں گا یا وہ مرد علم لے گا جس کو خدا و رسول دوست رکھتے ہیں یا یہ کہا کہ وہ خدا و رسول کو دوست رکھتا ہے اور خدا اسی کے ہاتھ پر فتح عنایت فرمائے گا۔ ناگاہ ہم نے دیکھا کہ علیؑ آگے حالانکہ مجھے امید نہ تھی کہ وہ آئیں گے۔ لوگوں نے چلا کر کہا کہ علیؑ آگے۔ حضرت نے علم علیؑ کو دیا اور خدا نے ان کو فتح عنایت فرمائی۔ نیز جامع الاصول میں صحیح بخاری مسلم دونوں سے انھوں نے سهل بن سعد سے روایت کی ہے کہ رسول خدا نے روز خیبر فرمایا کہ یقیناً کل میں اُس مرد کو علم دوں گا جس کے ہاتھ پر خدا فتح عنایت فرمائے گا۔ جس کو خدا اور رسول دوست رکھتے ہیں اور وہ خدا و رسول کو دوست رکھتا ہے۔ لوگ اس تمام رات اسی فکر میں تھے کہ وہ کون ہے جس کو علم دیا جائے گا جب صبح ہوئی تمام صحابہ ان حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے ہر ایک کو یہ امید تھی کہ علم اسی کو ملے گا لیکن آنحضرت نے فرمایا کہ علیؑ کہاں ہیں۔ یہیں کر سب نے چلا کر کہا کہ اُن کی آنکھیں دکھتی ہیں لیکن آنحضرت نے علیؑ کو طلب فرمایا۔ اُن کی آنکھیں ردا آؤ تھیں۔ حضرت نے اپنا کتاب دہن اُن کی آنکھوں میں لگا دیا اور جو علیؑ اسی وقت شفا ہو گئی۔ اسی طرح کہ گویا کبھی درد تھا ہی نہیں۔ پھر علم ان کے ہاتھ میں دیا تو علیؑ نے عرض کی کہ کیا ان کے ساتھ اس حد تک جنگ کروں کہ وہ حمل ہمارے ہو جائیں (یعنی مسلمان ہو جائیں) حضرت نے فرمایا نہایت تیزی سے روانہ ہو اور اُن کے پاس جا کر ٹھہرو، اور اُن کو اسلام کی دعوت دو۔ اور ان کو اُن امور سے آگاہ کرو جو اُن پر خدا کی جانب سے اسلام میں

واجب ہیں۔ اگر تھارے سبب سے خدا ایک شخص کی ہدایت کرے تو خدا کی قسم تمھارے لیے تمام
سُرخ بالوں والے اونٹوں سے بہتر ہے جو عرب میں بہت قیمتی مانے جاتے ہیں۔ اور سعد بن قیس
کی روایت جو اسی منقبت پر مشتمل ہے۔ حدیث منزلت کے ضمن میں مذکور ہو چکی۔ اور ثعلبی نے اپنی
تفسیر میں خدا کے اس قول و بھدیک ریک صراطاً مستقیماً کی تفسیر میں روایت کی ہے کہ
جناب رسول خدا نے اہل خیبر کا محاصرہ کیا یہاں تک صحابہ پر چبک نہایت شدت سے غالب
ہوئی۔ تو علم حضرت عمر کو دے کر اہل خیبر سے جنگ کے لیے بھیجا۔ جب وہ اُن کے مقابل ہوئے
تو عمر اور اُن کے ساتھی بھاگ کر حضرت کے پاس واپس آئے وہ اصحاب پر بزدلی اور بددلی کا الزام
لگاتے تھے اور اُن کے اصحاب خود ان کو خوف اور نامردی سے منسوب کرتے تھے۔ اُس روز آنحضرت
کو دردِ شقیقہ عارض تھا۔ حضرت خیمہ سے باہر نہیں تشریف لاتے تو ابو بکر نے علم کو لے لیا اور حملہ
کے لیے گئے۔ وہ بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ بھاگ آئے پھر عمر نے علم لے لیا اور گئے پھر شکست
لکھا کر واپس آئے۔ جب یہ خبر آنحضرت کو پہنچی فرمایا خدا کی قسم کل میں اس مرد کو علم دلوں گا جو خدا و
رسول کو دوست رکھتا ہے اور خدا و رسول اُس کو دوست رکھتے ہیں۔ وہ قلعہ پر طاقت سے قبضہ
کرے گا۔ علی اُس وقت لشکر میں موجود نہ تھے۔ جب دو سہ روز ہوا تو ابو بکر و عمر نے حضرت کی جانب
اپنی اپنی گردنیں بلند کیں اور ہر ایک امید دار تھا کہ شاید علم اُس کو ملے۔ لیکن جناب رسول خدا نے
سلمہ بن کوئع کو بھیج کر علی کو بلا یا وہ فوراً حاضر خدمت ہوئے۔ وہ ایک اونٹ پر سوار آنحضرت
کے پاس آئے۔ اونٹ کو بٹھایا اور اپنی آنکھوں کو درد کی شدت سے ایک بیسی سُرخ کپڑے سے
باندھے ہوئے تھے۔ سلمہ بن کوئع کہتے ہیں کہ میں حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑے کھینچتا ہوا حضرت رسالت
کے پاس لایا۔ حضرت نے فرمایا تم کو کیا ہو گیا ہے۔ عرض کی میری آنکھیں پُر آشوب ہیں حضرت نے اپنے
نزدیک بلا کر اپنا آبِ دہن مبارک اُن کی آنکھوں میں لگایا۔ اسی وقت شفا ہو گئی اس کے بعد جب
ایک زندہ تھے۔ درد نہ ہوا پھر علم ان کو دے کر روانہ کیا ابنِ مغازلی نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ جب
علی علیہ السلام نے علم کو اپنے دستِ معجز نایاب یا نہایت تیزی سے اہل خیبر کی طرف روانہ ہوئے
اور میں ان کے پیچھے جا رہا تھا۔ حضرت نے کسی مقام پر توقف نہ کیا۔ یہاں تک کہ علم کو قلعہ کے پیچھے
نہیب کیا۔ اُس وقت علمائے یہود میں سے ایک شخص نے قلعہ کے اوپر سے دیکھا اور کہا تم کون ہو
فرمایا میں ہوں علی بن ابی طالب یہ سن کر اُس نے اپنے ہمراہیوں کی جانب رُخ کر کے کہا کہ اُس خدا کی
قسم جس نے تو ریت کو نموسیٰ پر نازل کیا ہے کہ وہ تم پر غالب ہوگا۔ ثعلبی وغیرہ کی روایت کے مطابق
حضرت خلافتِ پناہ امیر المؤمنین علیہ السلام اور عوانی حملہ پہنچے ہوئے تھے۔ جب قلعہ کے نیچے پہنچے
رحب گذشتہ دنوں کی عادت کے مطابق قلعہ سے باہر نکلا۔ سونے کا خود پہنے ہوئے تھا اور ایک

بڑے پتھر کو سُورخ کر کے خود کے اوپر رکھے ہوئے تھا۔ رجز پڑھتا ہوا حضرت کے مقابلہ پر آیا۔ دو ہاتھ دونوں کے درمیان چلے۔ پھر حضرت نے ایک ضربت اُس کے سر پر ماری کہ پتھر اور خود اور اُس مردود کے سر کو دو ٹکڑے کرتی ہوئی اُس کے دانتوں تک پہنچی۔ جب یہودیوں نے یہ حال دیکھا تو قلعہ میں بھاگ گئے اور دروازہ بند کر لیا۔ وہ دروازہ پتھر کا تھا جس میں سُورخ تھے۔ حضرت نے اُن سُورخوں میں انگلیاں ڈال کر دروازہ کو اس طرح حرکت دی کہ تمام قلعہ ہل گیا اور سپر کے مانند اُس دروازہ کو ہاتھ میں لے لیا اور سو قدم گئے۔ پھر اُس کو پیچھے پھینک دیا کہ چالیس قدم دُور جا کر گرا، اور چالیس اشخاص نے چاہا کہ اُس کو حرکت دیں لیکن نہ دے سکے۔ وہ دروازہ گرانی اور وزن میں اتنا گراں تھا کہ اُس کو چالیس اشخاص کھولتے اور چالیس اشخاص بند کرتے تھے۔ اُس غزوہ میں اُس ولی خدا کے محراب بہت ہیں جن کو خاصہ و عامہ کے محدثین و متوہین نے متعدد طریقوں سے روایت کی ہے اور اس فقیر (خود مولف) نے اُن میں سے بعض کا کتاب حیات القلوب میں ذکر کیا ہے۔ اس جگہ تو مجھے اُن حضرت کی صرف محبت و محبوبیت خدا و رسول ثابت کرنا مقصود ہے اور یہ کہ جو لوگ اُن حضرت کی خلافت کے غاصب تھے اس جنگ میں بھاگے اور باوجود اس داغ فرار کے پھر اس مرتبہ ثعلبی اور منقبت کبریٰ کے آرزو مند ہوئے اور ان تمام مراتب کو بخاری و مسلم ہو ترمذی نے چند طریقوں سے اور ابن مغازی نے بارہ طریقوں سے اور احمد بن حنبل نے مسند میں بہت سے طریقوں سے اور ثعلبی نے متعدد طریقوں سے اور محمد بن کثیر اذدی اور محمد ابن جریر طبری اور واقدی اور محمد بن اسحاق بیہقی نے دلائل النبوة میں اور حافظ ابو نعیم نے علیہ میں اور اشہبی نے کتاب اعتقاد میں اور طبری نے کتاب فردوس الاخبار میں متعدد طریقے سے علی، عمر، عبداللہ بن عمر، سہل بن سعد، سلمہ بن اروع ابو سعید خدری، جابر انصاری اور دیگر صحابہ سے روایت کی ہے کہ پہلے ابوبکر و عمر کو علم دیا اور وہ بھاگ آئے اور بعضوں نے عثمان کو بھی کہا ہے اور حسان ابن ثابت کے اشعار جن کو اس بار میں جناب رسول خدا کے حکم سے امیر المومنین کی مدح میں حسان نے کہا مشہور ہیں اور جس طرح غزوہ خیبر مشہور ہے یہ خصوصیت بھی مشہور ہیں۔

لیکن اُن حضرت کی امامت و خلافت پر استدلال اس قصہ میں دو طریقوں سے کیا جاسکتا ہے۔ جس سے کوئی منصف مزاج عاقل انکار نہیں کر سکتا۔

۱۔ ہر عاقل پر واضح ہے کہ اگر مراد اصل محبت ہوتی جس میں وہ لوگ تمام مسلمانوں کو اُن حضرت کے ساتھ شریک سمجھتے ہیں تو صحابہ یقیناً اُس پہلو سے جو اکثر رکھتے تھے اور اپنی جان کو عزیز رکھتے تھے اس قدر آرزو نہ کرتے کہ علم دوبارہ اُن کو دیا جائے اور اس بارے میں اُن حضرت پر اس قدر حسد نہ کرتے اور شعرا اپنی نظم میں ذکر نہ کرتے اور جناب امیر اپنی مفاخرت میں ذکر نہ کرتے لہذا معلوم ہوا۔

کہ ان حضرتؑ کی خدا و رسولؐ سے وہ محبت ہے جس کے سبب سے وہ حضرتؑ ہرگز ان کی مخالفت اختیار نہیں کر سکتے اور ان کی راہ میں نہایت خوشی و رغبت سے اپنی جان و مال کو فدا کر سکتے ہیں اور خدا و رسولؐ کی آنحضرتؑ سے محبت سے یہ مراد ہے کہ ہر معاملہ میں اور تمام حالات میں اور ہر پہلو سے وہ حضرتؑ ان کے محبوب ہیں اور یہ دونوں باتیں عصمت کے مرتبہ کے لیے لازم ہیں۔ اور عصمت امامت کے لیے لازم ہے۔ جیسا کہ مکرر مذکور ہوا۔ اور اگر دوسری جگہ کے ساتھ گفتگو کریں اور کہیں کہ محبت یا تو تمام پہلوؤں سے ہے یا محبت فی الجملہ مراد ہے تو محبت فی الجملہ ایمان کی حیثیت سے ہر مومن کے ساتھ ہے۔ پھر خصوصیت بلاوجہ ہے اور ہر پہلو کے ساتھ عصمت کو لازم قرار دیتی ہے کیونکہ ہر تزییح دینے والی ہر صفت سے موصوف ہونا اس کا مستلزم ہے کہ اس وجہ سے ان کو دوست نہیں رکھتے اور اگر ہم ان مراتب سے بھی قطع نظر کریں تب بھی اس میں شک نہیں کہ البتہ فضیلت و منقبتِ عظیمہ آنحضرتؑ کے لیے ہے لہذا ان حضرتؑ پر غیر کو مقدم کرنا تزییح مبرج اور جاننے والے صاحب عقل کے نزدیک محال ہے۔

۲۔ یہ کہ تھوڑے تامل کے بعد صاحب عقل پر پوشیدہ نہیں رہتا کہ جب علم ابوبکر اور اس کے بعد عمر کو دیا گیا اور ان کے جھاگنے سے آنحضرتؑ آزرده ہوئے اُس کے بعد فرماتے ہیں کہ کل علم اُس شخص کو ڈول گا۔ جو ان صفوں کا مالک ہوگا۔ اور اُس کے ہاتھ پر فتح ہوگی تو یقیناً وہ شخص چاہیے کہ تمام صفوں سے مخصوص ہو اور وہ صفیں ان لوگوں میں نہ ہوں جو ہزیمت کھا کر بھاگ آئے اور اگر آنحضرتؑ بجائے ان صفوں کے فرماتے کہ کل علم اُس شخص کو ڈول گا جو کہ والوں میں سے ہوگا۔ اور قریشی ہوگا۔ باوجودیکہ یہ دونوں صفیں ان دونوں حضرات میں موجود تھیں جو پہلے علم لے کر گئے تھے، یہ قول بلاعت کے خلاف تھا۔ لہذا اس جگہ سے معلوم ہوا کہ ابوبکر و عمر خدا کے دوست نہ تھے اور خدا و رسولؐ ان کو دوست نہیں رکھتے تھے اور اس میں شک نہیں یہ امر قرینہ خلاف و امامت کے منافی ہے۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص مومن ہو اور خدا و رسولؐ کو دوست نہ رکھے حالانکہ خدا فرماتا ہے فالذین امنوا حباً للذین امنوا۔ جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ خدا سے محبت میں بہت زیادہ ہیں۔ بہ نسبت مشرکوں کے جو بتوں کی محبت رکھتے ہیں۔ نیز فرمایا ہے کہ اگر خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری (رسولؐ) کی پیروی کرو تو خدا بھی تم کو دوست رکھے گا۔ یہ بھی لازم آتا ہے کہ خداوندِ عالم نے ان کی کوئی عبادت قبول نہیں کی۔ کیونکہ خداوندِ عالم ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اس کی راہ میں جنگ کرتے ہیں اور فرمایا ہے کہ خدا تو یہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور پاک و طاہر لوگوں کو۔ لہذا ان کا جہاد اور شرک سے توبہ کرنا اور ان کا پاک ہونا جس معنی سے ہو لیکن پھر بھی نہ وہ صابروں سے تھے اور نہ پرہیزگاروں سے اور نہ توکل کرنے والوں سے اور نہ محسنین سے نہ محسطنین سے کیونکہ

خداوند تعالیٰ نے بہت سی آیتوں میں اپنی محبت کو انہی لوگوں کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اگر یہ لوگ انہیں سے کسی صفت سے موصوف ہوتے تو خدا اُن کو دوست رکھتا۔ لہذا وہ اس گروہ سے تھے جن کی خدا نے اپنی عدم محبت سے نسبت دی ہے جیسے غائبین، ظالمین، کافرین اور دنیا پر خوش ہونے والے، مستکبرین اور حد سے بڑھ جانے والے مسرفین اور زمین میں فساد کرنے والے اور کفار اثم اور مختال نخور اور اسی طرح کے اوصاف رکھنے والے ایسی جماعت سے تھے جن سے خدا نے اپنی محبت سلب کر لی۔ اور جو لوگ اس طرح کے ہوں کیسے رسول کی خلافت اور امت کی امامت (پیشوائی) کا حق رکھتے ہیں۔ اور جب وہ خلافت کا حق نہیں رکھتے تھے تو خلافت باجماع انہی حضرت میں منحصر ہوتی ہے جیسا کہ مذکور ہوا۔ اور ممکن ہے کہ ان دلیلوں میں سے ایک دلیل سے ہم یہ حجت پیش کریں کہ کہیں اگر تمام احوال میں اور تمام حیثیتوں سے محبت کا ملہ مراد ہے۔ تو اُن حضرت کی امامت پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ واضح ہوا۔ اور اگر مطلق محبت مراد ہے تو مختلف جمہورتوں سے آنحضرت کے مقابل لوگوں کے مرتبہ کی پستی پر جیسا کہ معلوم ہوا دلالت کرتی ہے۔ واضح ہو کہ خداوند عالم فرماتا ہے۔ یا ایہا الذین امنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یناقی اللہ بقوم یحبہم ویحبونہ اذلت علی المؤمنین اعزۃ علی الکافرین یمجہدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومة لائم ذلک فضل اللہ یشاء واللہ واسع علیم۔ یعنی اے ایمان والو! تم میں سے جو مرتد ہو جائے گا اور اپنے دین سے پھر جائے گا۔ تو خدا عنقریب ایسی جماعت لائے گا۔ جن کو خدا دوست رکھتا ہے اور وہ لوگ خدا کو دوست رکھتے ہیں اور مومنین کے لیے منگس مزاج و متواضع اور کافروں پر سخت اور غالب ہوں گے۔ خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے ہوں گے اور ملامت کرنے والوں کی ملامت کی پروا نہ کریں گے۔ یہ خدا کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور خدا بہت زیادہ عطا کرنے والا اور جاننے والا ہے۔ اُن احادیث گزشتہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ گروہ جن کے اوصاف خدا نے تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر فرمائے ہیں امیر المؤمنین اور آپ کے اصحاب کا ہے۔ جنہوں نے طلحہ و زبیر و معاویہ اور خوارج سے جنگ کی۔ کیونکہ جن اوصاف کے ساتھ رسول خدا نے امیر المؤمنین کا وصف فرمایا ہے۔ آیت کی اکثر صفتوں سے مطابق ہے۔ خاص طور سے یحبہم ویحبونہ قطع نظر اس کے کہ یہ اوصاف آپ کے علاوہ کسی میں موجود نہ تھے۔ اور ان میں سے ہر ایک وصف اُن حضرت کی ذات میں کامل طور سے تھا۔ جن کا کوئی انکار نہیں کر سکتا اور عامر کے طریقہ سے عمار و حذیفہ اور ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یہ آیت اُن حضرت کی شان میں نازل ہوئی ہے اور مؤید ہے اس کی جو صاحب جامع الاصول نے سنن ابی داؤد اور صحیح ترمذی سے جناب امیر سے روایت

کی ہے کہ جنگِ حیدریہ میں ہمارے پاس مشرکین کے روسا اور سردار آئے اور کہا کہ آپ کے پاس ہمارے لشکر، غلاموں اور غلاموں کی ایک جماعت بھاگ کر آئی ہے۔ ان کو آپ ہمیں واپس نہ دیتے۔ یہ سن کر رسولِ خداؐ نے غضبناک ہو کر فرمایا کہ اے گروہ قریشِ خدا کے حکم کی مخالفت بلا اتنا ترک کرو۔ ورنہ خدا تمہاری طرف ایسے لوگوں کو بھیجے گا جو تمہاری گزین تلواروں سے کائیں گے اور وہ لوگ وہ ہیں جن کے دلوں کا امتحان پر سیزگاری سے خدا نے لیا ہے۔ یہ سن کر بعض اصحاب نے کہا یا رسولِ خداؐ لوگ ہیں آپ نے فرمایا کہ ان میں سے ایک وہ ہے جو میری نعلین درست کر رہا ہے اور جو کام آنحضرتؐ کے جسم مبارک سے متعلق ہوتا تھا سفر میں امیر المؤمنینؑ اُس کو انجام دیتے تھے۔ چونکہ اُس وقت آنحضرتؐ نے امیر المؤمنینؑ کو اپنی نعلین درست کرنے کو دیا تھا اور وہ حضرت اُس کے درست کرنے میں مشغول تھے۔ اور عبداللہ بن احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں متحدہ طریق سے اس حدیث کی روایت کی ہے اور بعض روایتوں میں اس طرح ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ اے گروہ قریش ایسی باتیں ترک کرو۔ ورنہ تمہاری طرف ایسے شخص کو بھیجوں گا جس کے دل کے ایمان کا خدا نے امتحان کر لیا ہے۔ وہ تمہاری گزین دین کے لیے مارے گا۔ لوگوں نے پوچھا یا رسولِ خداؐ وہ ابو بکر ہیں فرمایا نہیں۔ لیکن وہ شخص وہ ہے جو حجر میں میرے نعلین میں پیوند لگا رہا ہے۔ اور بروایت دیگر ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ تم میں ایک وہ شخص ہے جو تاویل قرآن پر جنگ کرے گا جس طرح میں نے تنزیل قرآن پر جنگ کی۔ ابو بکر نے پوچھا کیا وہ شخص میں ہوں؟ فرمایا نہیں۔ عمر نے کہا کیا میں ہوں فرمایا بلکہ وہ ہے جو میری نعلین درست کر رہا ہے۔

تیسرے: متفرق حدیثیں ہیں جو عامر کی کتابوں میں اس بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ جامع الاصول میں صحیح ترمذی سے براہ بن حازب سے روایت کی ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے دو لشکر میں کی طرف روانہ کئے۔ ایک پر علیؑ کو امیر لشکر مقرر کیا اور دوسرے پر خالد بن ولید کو اور فرمایا اگر لڑائی میں دونوں اکٹھے ہو جائیں تو دونوں لشکر کے امیر علیؑ ہوں گے۔ الغرض جناب امیرؑ نے ایک قلعہ کو فتح کیا اور اس قلعہ کی غنیمت میں سے ایک کینز لپیٹ لے لی۔ خالد بن ولید نے آنحضرتؐ کو خط لکھا جس میں جاریہ لے لینے کی حضرت علیؑ کی شکایت لکھی اور مجھے دیا کہ جناب رسولِ خداؐ کو پہنچاؤں۔ جب آنحضرتؐ نے خط پڑھا آپ کا رنگ مبارک غصہ سے متغیر ہو گیا۔ اور فرمایا کہ تم کیا دیکھتے ہو۔ اُس شخص کے بارے میں جس کو خدا و رسولؐ دوست رکھتے ہیں اور وہ خدا و رسولؐ کو دوست رکھتا ہے۔ میں نے کہا خدا اور اُس کے رسولؐ کے غضب سے میں پناہ مانگتا ہوں اور میرا قصور سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ میں خط لایا ہوں۔ اور

صحیح بخاری میں بھی وارد ہوا ہے اُس میں اتنا زیادہ ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ علیؑ کا حصہ خمس میں اس سے زیادہ ہے جو انھوں نے لیا ہے۔ اور ابن ابی الحدید نے اس نکتہ کی روایت کی ہے اور کہا ہے کہ خالد نے حضرت کے چار اصحاب سے کہا کہ جاؤ اور علیؑ کی خدمت کرو۔ وہ چاروں اصحاب آنحضرت کے پاس آئے اور تین نے شکایت کی اور حضرت نے تینوں کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ یہاں تک کہ بريدہ اسلمی نے جو ان میں چوتھے اصحابی تھے۔ علیؑ کی شکایت کی اور کہا کہ ایک کثیر غنیمت میں سے اپنے لیے لے لی۔ یہ سنکر جناب رسول خداؐ اس قدر غضبناک ہوئے کہ آپ کا رنگ مبارک سُرخ ہو گیا۔ اور بار بار فرمایا کہ علیؑ کو میرے لیے چھوڑ دو کیونکہ علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں اور وہ میرے بعد ہر مومن کا حاکم ہے اور اُن کا حصہ خمس میں اس سے زیادہ ہے، جتنا کہ انھوں نے لے لیا ہے۔

اس کے بعد ابن الحدید کہتے ہیں کہ اس حدیث کو احمد نے مسند میں کئی سند سے روایت کی ہے اور اکثر محدثین سے اس حدیث کی روایت کی ہے۔ نیز جامع الاصول میں صحیح ترمذی سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں اور میری جانب سے رسالت کوئی نہ پہنچائے گا۔ مگر علیؑ۔ یہ حدیث خلافت کے بارے میں صریح ہے، اُس کے لیے جو ذرا بھی بصیرت رکھتا ہے۔ اور کتاب معرفت ابراہیم بن سعید سے جابر انصاری سے روایت کی ہے کہ جب امیر المؤمنین نے قلعہ خیبر کو فتح کیا تو جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ اگر ایسا نہ ہوتا کہ لوگ تمہارے حق میں بھی وہی کہنے لگیں گے جو نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں کہتے ہیں۔ تو میں یقیناً آج تمہارے حق میں ایسی بات کہتا کہ تم کسی گروہ کے پاس سے نہ گزرتے مگر یہ کہ وہ تمہارے پیر کی خاک اٹھاتے، اور تمہارے ہاتھ کے دھوؤں پانی کو شفا کے لیے لے جاتے لیکن تمہارے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔ تم میرے وارث ہو اور میں تمہارا وارث ہوں اور تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰؑ سے تھی۔ لیکن میرے بعد کوئی پیغمبر نہیں ہوگا۔ اور تم میرے دین کو ادا کرو گے اور میری سنت پر جنگ کرو گے اور تم میرے واسطے آخرت میں خدا کے سب سے مقرب بندے ہو گے اور تم سب سے پہلے جہنم کو تر میرے پاس وارد ہو گے اور تم ہی جہنم کو تر پر میرے جانشین ہو گے۔ اور سب سے پہلے جو شخص بہشت کا حاکم میرے ساتھ پہننے کا وہ تم ہو گے اور میری امت میں جو سب سے پہلے بہشت میں داخل ہو گا وہ تم ہو اور تمہارے شیعہ میرے گرد نورانی چہروں کے ساتھ نور کے منبروں پر ہوں گے۔ میں اُن کی شفاعت کروں گا اور وہ لوگ بہشت میں میرے ہم سایہ ہوں گے۔ اور جو شخص تم سے لڑتا ہے وہ مجھ سے لڑتا ہے اور جو تم سے صلح رکھتا ہے وہ مجھ سے صلح

رکھتا ہے تمہارا راز میرا راز ہے۔ تمہارا ظاہر میرا ظاہر ہے۔ تمہارے فرزند میرے فرزند ہیں۔ تم میرے وعدوں کو پورا کرو گے۔ حق تمہارے ساتھ ہے حق تمہاری زبان پر ہے۔ تمہارے دل میں ہے اور تمہاری دونوں آنکھوں کے درمیان ہے اور ایمان تمہارے گوشت اور خون میں مخلوط ہے جس طرح میرے گوشت و خون میں مخلوط ہے تمہارا لحم حوض کوثر پر میرے پاس نہیں دار ہو سکتا اور تمہارا دست حوض کوثر سے علیحدہ نہیں رہے گا۔ اور وہ تمہارے ساتھ حوض کوثر پر وارد ہوں گے۔ یہ یمن کر جناب امیر نے سجدہ میں سر جھکا دیا اور کہا میں اس خدا کی حمد کرتا ہوں جس نے مجھ پر ایمان و علم قرآن سے احسان فرمایا اور مجھ کو تمام مخلوق میں خاتم المرسلین و سلطان انبیاء کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب قرار دیا اور یہ مجھ پر اس کا صرف احسان و فضل ہے۔ اس کے بعد رسول خدا نے فرمایا کہ اے علی! اگر تم نہ ہوتے تو مومنین تمہارے بعد پھانے نہ جلتے۔

حضرت سرور انبیاء کے ساتھ اخوت میں الوہم لازم ہونے میں جناب امیر کی خصوصیت اور اس میں چند مطالب ہیں۔

چوتھی فصل

پہلا مطلب : اخوت کا بیان۔ جامع الاصول میں صحیح ترمذی سے انس سے روایت کی ہے کہ رسول خدا نے صحابہ کے درمیان رشتہ اخوت قرار دیا جناب امیر گریاں آنحضرت کے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہ! آپ نے اپنے اصحاب کے درمیان بھائی چارہ قرار دیا اور مجھ کو کسی کا بھائی نہیں بنایا۔ یہ یمن کر رسول خدا نے فرمایا کہ تم دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہو۔ اور ابن عبد البر نے استیعاب میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسول خدا نے علی المرتضیٰ سے فرمایا کہ تم میرے نزدیک بمنزلہ ہارون کے ہو جو موسیٰ کے نزدیک تھے۔ تم میرے بھائی ہو میرے مصاحب ہو۔ اور ابن الطفیل سے روایت کی ہے کہ عمر نے اپنے نزع کے عالم میں خلافت کو شوریٰ پر مقرر کیا جن میں علی، عثمان، طلحہ، زبیر، عبدالرحمن اور سعد بن وقاص تھے اس وقت جناب امیر نے ان سے کہا کہ تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ کیا تمہارے درمیان کوئی میرے سولہ ہے جس کو جناب رسول خدا نے اپنا بھائی قرار دیا ہو جس وقت کہ مسلمانوں میں ایک دوسرے کے ساتھ اخوت قائم کی تھی ان لوگوں نے کہا نہیں اس کے بعد جبدا لبر نے کہا ہے کہ بہت سی سندوں کے ساتھ روایت کی ہے کہ علی فرماتے تھے کہ میں خدا کا بندہ اور اس کے رسول کا بھائی ہوں اور یہ بات میرے سوا کوئی نہیں کہہ سکتا لیکن وہی جو بہت جھوٹا ہوگا۔ مواخات کا قصہ متواترات سے ہے۔ اور ابن حبیل نے اس کو چھ سندوں سے صحابہ کے ایک گروہ سے روایت کی ہے اور ابن مغازی نے آٹھ سندوں سے روایت کی ہے اور ابن سبغ مالکی نے فضول جہد میں ابن عباس سے روایت کی ہے ان سب کا حاصل یہ ہے کہ رسول خدا نے ہمارے

انصار میں سے ہر ایک کو اُس کا بھائی بنایا جو سعادت یا شقاوت میں اُس کے مثل تھا چنانچہ ابوبکر کو عمر کا اور عثمان کا عبدالرحمن ابن عوف اور طلحہ کو زبیر کا اور سلمان کو ابوذر کا اسی طرح تمام صحابہ کو ایک کا دوسرے کو بھائی قرار دیا لیکن حضرت علیؑ کو کسی کا بھائی نہ بنایا اور آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں نے تم کو اپنے لیے چھوڑ دیا تھا۔ پھر اُن کا ہاتھ پکڑ کر بلند کیا اور فرمایا کہ علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں اور اس کی میرے نزدیک وہی منزلت ہے جو ہارون کی موسیٰؑ کے نزدیک تھی۔ اور ان حدیثوں کے مضامین صریح ہیں اس پر کہ حضرت علیؑ تمام صحابہ میں ممتاز تھے اور جناب رسولِ خداؐ کے سوا کوئی آپ کا شبیہ و نظیر بلا دردی کے لائق نہ تھا۔ لہذا یقیناً امام مرتضیٰؑ ریاضت میں بھی جناب رسولِ خداؐ کے شبیہ و مثل تھے اور مسند احمد میں چند سندوں سے جاہل انصار سے روایت کی ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ میں نے بہشت کے دروازے پر دیکھا جو آسمانوں کو پیدا کرنے سے دو ہزار سال قبل لکھا تھا کہ محمدؐ خدا کے رسول ہیں اور علیؑ رسولِ خدا کے بھائی ہیں۔

دوسرا مطلب یہ کہ حضرت علیؑ اسرارِ خدا و رسولؐ کے جاننے والے تھے۔

ابن شیرویہ نے فردوس میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ میرا رازنا علیؑ ابن ابی طالب ہے۔ اور صحیح ترمذی اور ابویعلیٰ اور مناقب ابن مردویہ اور فضائلِ سبحانی اور تمام کتابوں میں جاہل سے روایت کی ہے کہ فتح طائف کے روز جناب رسولِ خداؐ نے امیر المؤمنینؑ سے راز کی باتیں کیں اور بہت طول دیا۔ تو ابوبکر نے کہا کہ رسولؐ نے اپنے پسر عم سے راز کہنے میں کس قدر طول دیا۔

ترمذی کی روایت کے مطابق صاحب جامع الاصول و صاحب مشکوٰۃ نے بھی روایت کی ہے کہ لوگوں نے کہا کہ اُن کے راز بڑے طول و طویل ہوئے۔ جب یہ بات جناب رسولِ خداؐ کو معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ میں نے اُس سے راز کی باتیں نہیں کی ہیں۔ بلکہ خدا اُس سے راز کی باتیں کرتا تھا۔ اور ابن اثیر نے نہایت میں بھی اس حدیث کی روایت کی ہے۔ اور ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں مسند ابن جنبل سے روایت کی ہے اور مسند ابن جنبل اور مناقب ابن مردویہ اور خاصہ و عامہ کی تمام کتابوں میں روایت کی کہ آنحضرتؐ نے اپنے آخری وقت فرمایا کہ میرے پاس میرے حبیب کو بلا لاؤ۔ دوسری روایت کے مطابق میرے خلیل کو ابوبکر کو بلا لیا تو آپ نے جب اُن کو دیکھا تو اپنا منہ چھپا لیا۔ پھر فرمایا میرے دوست کو بلا دو تو عمر کو بلا لیا گیا حضرت نے اُن کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ پھر فرمایا۔ میرے ناصر کو بلا دو۔ تب عائشہ نے کہا علیؑ کو چاہتے ہیں؟ جب علیؑ آئے تو حضرت نے ان کو اپنی چادر میں داخل کر دیا اور ان کو پاس بٹھالیا اور

لازمتاً رہے یہاں تک کہ عالم قدس کی جانب رحلت فرمائی۔

تیسرا مطلب۔ عامہ اور خاصہ نے متواتر طریقوں سے روایت کی ہے کہ جب مہاجرین مدینہ میں آئے اور مسجد کے گرد مکانات بنائے اور دروازے مسجد کی طرف کھول دیئے بعض مسجد میں سوتے تھے۔ رسول خدا نے معاذ بن جبل کو بھیجا انھوں نے نماز کی کہ رسول خدا نے تم کو حکم دیا ہے کہ سب اپنے اپنے دروازے سوائے دروازہ علی کے بند کر لو۔ یہ سن کر لوگوں نے چہلکوبیاں شروع کیں جب وہ باتیں آنحضرت نے سنیں تو آپ نے خطبہ پڑھا اور فرمایا خدا کی قسم میں نے ان دروازوں کو نہیں بند کیا اور علی کے دروازہ کو نہیں کھولا۔ بلکہ خدا نے مجھے حکم دیا کہ ایسا کروں اور یہ مضمون احمد بن حنبل اور ابویعلیٰ مسند میں اور صاحب خصائص علیہ اور معانی کے فضائل میں اور ابوالنعیم نے علیہ میں اور دوسروں نے تیس اشخاص اکابر صحابہ سے روایت کی ہے اور ابن ابی الحدید نے کہا ہے کہ احمد بن حنبل نے مسند میں اس مضمون کو بہت سی سندوں کے ساتھ روایت کی ہے اور ابن حجر نے بھی روایت کی ہے اور ابن اثیر نے بھی نہایتہ میں لغت قلاوچ میں روایت کی ہے کہ حدیث میں روایت ہوئی ہے کہ جب یہ نماز گئی کہ مسجد سے سوائے آل رسول اور آل علی کے سب باہر چلے جائیں۔ ہم نے اپنے سامان و اسباب اٹھائے اور باہر چلے گئے۔ اور اس وقت بھی امیر المومنین کے مکان کے دروازہ کی علامت جو مسجد میں کھلا ہوا تھا موجود ہے۔ اور صاحب جامع الاصول نے صحیح ترمذی سے اور صاحب مشکوٰۃ نے مسند احمد بن حنبل سے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا نے حکم دیا کہ سب اپنے دروازے مسجد کی جانب سے بند کر دیں۔ سوائے علی کے دروازہ کے اور صاحب جامع الاصول نے صحیح ترمذی سے روایت کی ہے کہ رسول خدا نے امیر المومنین سے فرمایا کہ کسی کو حلال نہیں ہے کہ اس مسجد میں جنب داخل ہو۔ سوائے میرے اور تھکے۔ یہ فضیلت اور اختصاص وہ ہے جس سے بالاتر تصور میں نہیں آسکتا۔

چوتھا مطلب۔ عامہ و خاصہ نے بطریق متواتر روایت کی ہے کہ جب حضرت سالتما نے چاہا کہ قریش کے بتوں کو غارت کعبہ کی دیواروں سے گرا دیں اور توڑ دیں تو حضرت علی کو اپنے دوش پر اٹھایا۔ حضرت علی نے ان بتوں کو زمین پر گرایا۔ جیسا کہ احمد نے مسند میں اور ابویعلیٰ موصلی اور صاحب تاریخ بغداد نے اور زعفرانی نے فضائل میں اور خطیب خوارزمی نے اربعین میں اور نظری نے خصائص میں اور دوسری کثیر جماعت نے جابر سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے۔ کفار قریش نے تین سو ساٹھ بت کعبہ کی دیواروں پر آویزاں کر رکھے تھے۔ جناب رسول خدا نے حکم دیا تو سارے بتوں کو دیواروں سے گرا

دیا گیا۔ ایک بڑا بخت سب سے بلندی پر آویزاں تھا۔ جس کو پہل کتے تھے۔ جب اُس پر آنحضرتؐ کی نگاہ پڑی فرمایا کہ اے علیؑ یا تو تم میرے دوش پر سوار ہو یا میں تمہارے دوش پر سوار ہوں تاکہ پہل کو یام کعبہ سے نیچے گراؤں۔ علیؑ نے عرض کی یا رسول اللہؐ آپ میرے کندھوں پر سوار ہوں۔ علیؑ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرتؐ میرے دوش پر بیٹھے رسالت و جلال کے بوجھ سے مجھ سے ممکن نہ ہوا کہ میں حرکت کر سکوں۔ یہ دیکھ کر حضرتؐ نے تبسم فرمایا اور اتر آئے اور مجھ کو اپنے دوش پر سوار کیا۔ جب کھڑے ہوئے تو اُس خدا کی قسم جس نے واہ کو شکافتہ کیا۔ اور خلاق کو پیدا کیا ہے۔ میں اس قدر بلند ہوا کہ اگر میں چاہتا تو آسمان کو چھو سکتا تھا میں نے پہل کو اکھاڑ کر زمین پر پھینک دیا۔ اُس کے بعد خود بھی یام کعبہ سے نیچے کوڑ پڑا۔ اور مجھے کوئی گزند نہ پہنچا۔ اور یہ کرامت سب سے بلند تر ہے جب تک کوئی جلال میں بل بھیجے۔

یہ بیخبر کے دوش پر سوار نہیں رکھ سکتا ہے

زبے نقش پائے کہ بردوش احمد زہر نبوت مقدم نشیند

مخالفین کے کتب میں لکھا ہوا ہے کہ جب رسول خداؐ اٹھنے کا ارادہ کرتے تھے علیؑ کا ہاتھ پڑتے تھے اور جب بیٹھتے تھے اُن حضرتؐ پر تکیہ کرتے تھے۔ اور خصائص نظری میں روایت کی ہے کہ جب جناب رسول خداؐ کو پھینک آتی تھی تو حضرت علیؑ کہتے تھے۔ رفع اللہ ذکوک۔ یعنی خداوند عالم آپ کا ذکر بلند کرے، اور جناب رسول خداؐ جواب میں فرماتے تھے اعلیٰ اللہ اکبر یعنی خدا نے تعالیٰ تمہارے پیر کو تمہارے دشمنوں کے سر پر بلند کرے۔ اور جب آنحضرتؐ غضبناک ہوتے تھے تو کوئی شخص سوائے علیؑ کے جرات نہیں کرتا تھا کہ حضرتؐ سے بات کر سکے۔ عائشہؓ سے روایت کی ہے وہ کہتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ جناب رسول خداؐ نے علیؑ کو سینہ سے لگایا اور پیار کیا اور دو مرتبہ فرمایا میرا باپ تجھ پر خدا ہوا ہے یگانہ شہید۔ جب علیؑ موجود نہ ہوتے تو فرماتے تھے کہ خدا و رسولؐ کا محبوب کہاں ہے۔ ابن حجر نے اس حدیث کے جزو اول کو عائشہؓ سے روایت کی اور بہت سی سندوں سے عامہ کی صحاح اور اُن کی ساری کتابوں میں روایت کی ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں اور کوئی میری طرف سے رسالت ادا نہیں کر سکتا سوائے علیؑ کے۔ اور ابن عبد البر نے استیعاب میں کہا ہے کہ رسول خداؐ نے ہجرت کے دوسرے سال اپنی بیٹی سیدہ زناں اہل جنت اور نظیر مہم دختر عمران فاطمہؑ کو علیؑ سے تزویج کیا۔ اور فاطمہؑ سے کہا کہ تم کو میں نے اُس سے تزویج کیا ہے جو خلق کا دنیا و آخرت میں سردار اور بزرگ ہے۔ بیشک اس کا اسلام تمام صحابہ سے پہلے تھا اُس کا علم سب سے زیادہ ہے اور اُس کا علم سب سے عظیم تر ہے۔ اسما بنت عمیس کہتی ہیں کہ جس

وقت آنحضرتؐ نے اُن دونوں خدا کے برگزیدہ بندوں کو ایک دوسرے کا ہمسرہ بنایا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت نے اُن کے لیے بہت دُعا میں کیں۔ اور اُن کے ساتھ کسی دوسرے کو دُعا میں شریک نہیں کیا اور علیؑ کے لیے اس طرح دُعا کرتے تھے جس طرح جناب فاطمہؑ کے لیے دُعا کرتے تھے۔ نیز مطلب بن عبد اللہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہؐ نے گروہ ثقیف سے خطاب فرمایا جبکہ وہ حضرت کے پاس آئے کہ یا مسلمان ہو جاؤ یا تمہاری طرف ایسے شخص کو بھیجوں گا جو مجھ سے ہے یا یہ فرمایا کہ میری جان کے مانند ہے تو وہ تمہاری گرفتیں مارے گا۔ اور تمہارے لڑکوں کو غلام بنائے گا۔ تمہارے مال چھین لے گا۔ عمر کہتے ہیں کہ خدا کی قسم میں نے کبھی امارت کی تمنا نہیں کی۔ لیکن اسی روز اور اپنے سینہ کو تان کر کھڑا ہو گیا کہ شاید حضرت فرمادیں کہ یہ ہے لیکن حضرت نے علیؑ کی جانب رخ کیا اور اُن کا ہاتھ پکڑ کر دو مرتبہ فرمایا کہ وہ یہ ہے۔

اور جامع الاصول میں صحیح نسائی اور مشکوٰۃ میں صحیح ترمذی سے روایت کی ہے کہ ابو بکرؓ عمر نے فاطمہ علیہا السلام کی جناب رسول خداؐ سے خواستگاری کی، حضرت نے منظور نہ کیا اور فرمایا کہ وہ چھوٹی ہے اور جب علیؑ نے خواستگاری کی تو فرمایا کہ خدا نے تم کو عطا فرمایا ہے۔ اور حدیثیں جناب امیرؓ کے حضرت رسالت مآبؐ سے اختصاص کے بارے میں اس سے زیادہ ہیں کہ اس رسالہ میں ان کا احصا ہو سکے۔ ہر عاقل جس کو انصاف کا کچھ حصہ ملا ہو گا جانتا ہے کہ جب کوئی بادشاہ یا حاکم اپنے اقارب میں سے ایک شخص پر ہمیشہ اپنی عنایتیں فرماتا ہے اور تمام امور کلیہ و جزئیہ میں اسی کا وسیلہ اختیار کرتا ہے اور ہمیشہ اُس کو اپنے امرا کا محرم قرار دیتا رہتا ہے۔ اور ہر حال میں عامۃ الناس کے مجھوں میں اس کی تعریف میں مُبالغہ کرتا رہتا ہے۔ تو اُس کا یہ مطلب ہے کہ اُس نے بیشک اُس کو اپنی خلافت کے لیے تیار کیا ہے۔ اور یہ امارت و خلافت اور اس کی نیابت کے لیے سب سے زیادہ اہل و سزاوار ہے۔ اس سے کہ صاف صاف کہہ دے کہ وہ میرا جانشین ہے۔ خاص طور سے جب یہ امور کسی سے صادر ہوں تو معلوم ہے کہ وہ اس کی محبت خدا کی محبت کے تابع ہے اور اُمیدِ دنیاوی اور بشریت کے روابط سے وابستہ نہیں ہے۔ لہذا یہ اُن حضرت کی خلافت و امامت پر اقلین دلائل ہیں۔

اس بیان میں کہ صحیح روایتوں اور معتبر حدیثوں سے جن کو عام قبول کرتے ہیں وثابِت ہے کہ حق ہمیشہ امیر المؤمنینؑ کے ساتھ ہے اور وہ کبھی حق سے مُجاہد نہیں ہوتے۔ مناقب خوارزمی میں ابولیلیٰ سے روایت کی ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا کہ میرے بعد ایک فتنہ برپا ہوگا۔ جب وہ فتنہ ظاہر ہو تو تم پر علیؑ کی متابعت لازم ہے۔

پانچویں فصل

کیونکہ وہ سچی و باطل کے جدا کرنے والے ہیں اور ابن عمر سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خداؐ
 نے فرمایا کہ جس نے علیؑ سے مجھائی اختیار کی تو وہ مجھ سے جدا ہوا اور جو مجھ سے جدا ہوا وہ خدا
 سے جدا ہو گیا۔ اور ابوالیوب انصاری سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خداؐ نے عمار سے
 فرمایا کہ اگر تم دیکھو کہ علیؑ ایک وادی کی طرف جا رہے ہیں اور لوگ دوسری وادی کی طرف جا رہے
 ہیں تو تم علیؑ کے ساتھ جاؤ اور لوگوں کو چھوڑ دو۔ کیونکہ وہ تم کو ضلالت میں داخل نہ کریں گے۔
 اور ہدایت سے باہر نہ لے جائیں گے۔ اور ابوذر نے ام سلمہ سے روایت کی ہے کہ جناب
 رسول خداؐ نے فرمایا علیؑ سچی کے ساتھ ہیں اور سچی علیؑ کے ساتھ ہے اور وہ آپس سے جدا نہ ہوں
 گے، یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پہنچیں۔ نیز اسی مضمون کو عائشہؓ سے روایت کی ہے
 اور ابن ابی الحدید نے کہا ہے کہ یہ حدیث میرے نزدیک ثابت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے
 فرمایا کہ سچی علیؑ کے ساتھ ہے۔ اور علیؑ سچی کے ساتھ ہیں اور سچی ان کے ساتھ گھومتا ہے جس
 طرف وہ گھومتے ہیں۔ اور محمد شہرستانی نے علامہ علیؑ کے جواب کے کشف الحق میں اسی حدیث سے
 استدلال کیا ہے اور کہا ہے کہ ان حضرت کا سچی کے ساتھ ہونا اور ان کا سچی سے جدا نہ ہونا وہ
 امر ہے جس میں کسی کو شک نہیں ہے۔ کہ استدلال کی ضرورت ہو اور ابن حجر نے صواعق محرقہ میں
 روایت کی ہے طبرانی سے اُس نے ام سلمہؓ سے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول خداؐ سے سنا
 آپ فرماتے تھے کہ علیؑ قرآن کے ساتھ ہیں۔ قرآن علیؑ کے ساتھ ہے اور یہ آپس سے جدا نہ ہوں
 گے۔ یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پہنچیں۔ ابن مردویہ نے بھی اسی مضمون کو متعدد طریقوں
 سے ام سلمہؓ و عائشہؓ سے روایت کی ہے اور مولف کتاب فضائل الصحابہ نے بھی عائشہؓ سے
 روایت کی ہے اور فردوس الاخبار میں رسول خداؐ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ خدا
 رحمت نازل کرے علیؑ پر۔ اے خدا سچی کو اُس کے ساتھ پھیر دے بدھروہ جاتے۔ اور صالحین
 میں سے کوئی اس مضمون کے انکار کی طاقت نہیں رکھتا۔ اور جب ان حدیثوں کے مضامین
 ثابت ہوتے تو ان حضرت کی امامت ثابت ہوتی ہے، چند وجہوں سے: (پہلی وجہ) یہ
 کہ ان حضرت کی عصمت پر دلالت کرتے ہیں اور یہ واضح ہے کہ عصمت دلیل امامت ہے۔
 (دوسری وجہ) یہ کہ ان حضرت کی افضلیت پر دلالت کرتے ہیں اور تفضیل مفضل ترفع ہے۔
 (تیسری وجہ) یہ کہ احادیث متواترہ اور جناب امیر کے مشہور خطبوں سے جن کو عامہ و خاصہ
 نے روایت کی ہے۔ واضح ہے کہ امیر المومنین نے ہرگز خلفائے ثلاثہ کی خلافت کی تصدیق نہیں
 کی اور ہمیشہ ان کو ظلم و جور سے نسبت دی ہے اور ان کے ستم کی شکایت کرتے تھے اور جبکہ
 وہ آنحضرتؐ کے خلاف رہے تو سچی کے مخالف رہے اور ظالم و جابر وغیرہ رہے، اگرچہ ان حضرت

کی ان لوگوں سے شریکیت ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے تاہم چند حدیثیں صحاح سے ہم بیان کرتے ہیں۔

صاحب جامع الاصول نے صحیح بخاری و مسلم و ترمذی و نسائی و سنن ابی داؤد سے مالک بن اوس سے روایت کی ہے کہ علیؑ اور عباسؑ اس عمر کے پاس آئے اور جناب رسول خداؐ کی میراث ان سے طلب کی عمر نے ان سے کہا کہ جب جناب رسول خداؐ نے دنیا سے رحلت فرمائی۔ ابوبکر نے کہا میں رسول خداؐ کا ولی ہوں تو تم عباسؑ کے پاس آئے اور اپنے بھائی کے لڑکے (رسولؐ) کی میراث طلب کی اور ان کی (علیؑ کی) زوجہ نے اپنے باپ کی میراث طلب کی تو ابوبکر نے کہا کہ رسول خداؐ نے فرمایا کہ ہم گروہ انبیاء کچھ میراث نہیں چھوڑتے۔ ہماری جو چیزیں ہوتی ہیں وہ صدقہ ہیں تو تم دونوں نے ان کو دروغ گو۔ گناہگار، مکار اور خائن جانا اور خدا جانتا ہے کہ وہ راست گو۔ نیکوکار اور تالچ حق تھے۔ پھر جب ابوبکر مر گئے تو میں نے کہا کہ میں خدا و رسولؐ اور ابوبکر کا ولی ہوں تو تم نے مجھ کو بھی جھوٹا گناہگار، مکار اور خائن جانا اور خدا جانتا ہے کہ میں راستگو، نیکوکار اور تالچ حق ہوں اور میں خلافت پر متصرف ہوا ہوں۔ اب تم دونوں نے اتفاق کیا سے اور کہتے ہو کہ ہم کو میراث دو۔ یہ حدیث صحاح کی پانچ کتابوں میں وارد ہوئی ہے۔ ان کے امام کے اعتراف سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر المؤمنین علیہ السلام ان دونوں صاحبان کو کذاب، خدار، مکار اور گنہگار جانتے تھے تو کس طرح ان کی امامت و بیعت پر رضی ہوئے ہوں گے نیز جو ثبوت کہ انھوں نے ابوبکر کی خلافت کے بارے میں لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے کہ وہ ان کی امامت پر اجماع ہے۔ جبکہ جناب عباس اور جناب امیر اُس میں داخل نہ تھے۔ تو اجماع کیسے صحیح ہوا؟ اور صاحب جامع الاصول نے صحیح مسلم و بخاری سے روایت کی ہے کہ عائشہؓ کہتی ہیں کہ فاطمہ بنت رسول خداؐ اور عباسؑ ابوبکر کے پاس آئے اور رسول خداؐ کی میراث اور فدک طلب کیا اور خیر سے بھی اپنا حصہ طلب کیا۔ ابوبکر نے کہا میں نے رسول خداؐ سے سنا کہ آپ نے فرمایا کہ ہماری میراث نہیں ہوتی ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے اور آل محمد اس مال سے نہیں کھاتے۔ پیغمبر نے جو کام کیا ہے میں اُس کے خلاف نہیں کرتا جب حاصل صدقہ مدینہ میں آیا تو عمر نے علیؑ و عباسؑ کو دیا۔ اور علیؑ نے اُس پر تصرف کیا اور حاصل خیر و فدک عمر نے ضبط کر لیا اور ان کو نہیں دیا اور کہا ہے کہ دوسری روایت میں وارد ہوا ہے کہ فاطمہ صلوات اللہ علیہا ابوبکر سے آزرہ ہوئیں اور ترک گفتگو کی یہاں تک کہ دنیا سے رخصت ہوئیں اور حضرت علیؑ نے ان کو شب کو دفن کیا اور ابوبکر کو ان کی نماز جنازہ میں شرکت کی خبر کی پھر عائشہ نے کہا کہ جب تک فاطمہ علیہا السلام زندہ تھیں علیؑ لوگوں کے نزدیک قابل احترام تھے۔

جب وہ رحلت کر گئیں تو لوگوں کے رُخِ علیؑ سے پھر گئے۔ اور لوگ آپ کی رعایت نہیں کرتے تھے۔ اور فاطمہؑ جناب رسولِ خداؐ کے بعد چھ مہینے زندہ رہیں۔ زہری نے راوی سے پوچھا کہ علیؑ نے چھ مہینے تک ابوبکر کی بیعت نہیں کی، راوی نے کہا نہیں واللہ نہ انھوں نے اور نہ بنی ہاشم میں سے کسی ایک نے کی یہاں تک کہ علیؑ نے بیعت کی۔ چونکہ علیؑ سے لوگ منحرف ہو گئے تو آپ نے ضرورتاً ابوبکر سے صلح کی خواہش کی اور ابوبکر کو پیغام بھیجا کہ میرے پاس آؤ اور کسی کو اپنے ساتھ نہ لانا۔ اور یہ اس لیے کہا کہ عمر کو اپنے ساتھ نہ لائیں۔ کیونکہ عمر کی سخت مزاجی جانتے تھے۔ عمر نے ابوبکر سے کہا تنہا اُن کے پاس مت جاؤ۔ تو ابوبکر نے کہا خدا کی قسم میں تنہا جاؤں گا، وہ میرا کیا کر لیں گے اور علیؑ کے گھر آتے۔ وہاں تمام بنی ہاشم جمع تھے۔ جناب امیر کھڑے ہوئے اور خطبہ پڑھا جس میں اپنے فضائل اور اپنے حقوق بیان کئے۔ یہاں تک کہ ابوبکر رونے لگے اور امیر المؤمنینؑ خاموش ہو گئے۔ پھر ابوبکر نے کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا اور اپنا نامناسب عذر فدک کے بارے میں ذکر کیا اور نمازِ ظہر کے بعد حضرت نے ضرورتاً بیعت کی۔ لہذا ہر صاحب عقل جو اس حدیث میں غور کرے سمجھ لے گا۔ خود ان کے اقرار سے چھ مہینے کی مدت تک ابوبکر کی خلافت پر نہ خوشی سے اور نہ جبراً اجماع منعقد ہوا اور لوگوں کی عورتوں اور اموال اور مسلمانوں کے دین میں ان کا تصرف محض جبر اور غصبی تھا اور اگر آخر میں صلح ہوئی ہو۔ قرآبی بصرہ کے بعد تو محض خوف اور احوان و انصار کی قلت اور دشمنوں کی کثرت کے سبب سے ہوئی اور اجماع اور ایسی بیعت ہر جا بر و ظالم و قاہر بادشاہ کے حق میں ہوتی ہے اور اس تقریر کا تتمہ (نتیجہ) انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ مطالع میں مذکور ہوگا۔ اور امیر ابنِ اعثم کوئی جو عامر کے معتبر مؤرخین و محدثین میں سے ہیں۔ اپنی تاریخ میں نقل کرتے ہیں کہ معاویہ نے علیؑ کو ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ ہے:

اما بعد حمد کے دسلسل جزو ہیں۔ اُس کے نو جزو تم میں ہیں اور ایک جزو تمام لوگوں میں کیونکہ اس اُمت کے معاملات رسولِ خداؐ کے بعد کسی جانب نہیں پھرے۔ مگر یہ کہ تم نے اُس سے حمد کیا اور اُس پر سختی کی اور ہم نے اس کو تمھاری خشتم آؤد آنکھوں، ناہموار گفتگو، تمھاری بلند آواز اور بیعتِ خلفا سے انکار کے سبب جانا اور تم کو بیعت کے لیے اُس اُونٹ کے مانند کھینچتے تھے جس کی ہمار کھینچتے ہیں۔ یہاں تک کہ تم نے کراہت سے بیعت کی۔ الخ

امیر المؤمنینؑ نے اس کے جواب میں لکھا کہ تیرا خط میرے پاس آیا۔ تو نے اس میں خلفاء پر میرے حمد کو اور ان کی بیعت سے اور اُن کی خلافت سے انکار کو لکھا ہے۔ میں ان امور کے بارے میں نہ تجھ سے کچھ عذر کرنا چاہتا ہوں اور نہ تیرے علاوہ کسی اور سے۔ کیونکہ جب پیغمبرِ خداؐ نے دُنیا

سے رحلت فرمائی اور اُمت نے ان کی مخالفت کی۔ قریش کہتے تھے کہ چاہیے کہ ایک امیر ہم میں سے ہو۔ انصار کہتے تھے کہ امیر ہم میں سے ہونا چاہیے۔ قریش نے کہا کہ محمدؐ ہم میں سے تھے اس لیے ہم تم سے زیادہ خلافت کے مستحق ہیں یہ سُن کر انصار نے ولایت و سلطنت کو قریش کے لیے چھوڑ دیا۔ اس سبب سے کہ وہ محمدؐ سے قربت رکھتے تھے۔ لہذا ہم جو آنحضرتؐ کے اہلبیت تھے اس امر کے غیروں سے زیادہ مستحق تھے۔ جب لوگوں نے ابوبکر سے بیعت کر لی تو تیز باپ ابوسفیان میرے پاس آیا اور کہا کہ اس امر (خلافت) کے دوسروں سے زیادہ حق دار تم ہو۔ اور میں ہر اُس کے خلاف تھاری مدد کروں گا جو تمھاری مخالفت کرے اور اگر تم کو تو میں بوقتِ کے بیٹھے کے خلاف مدینہ کو سواروں اور پیادوں سے بھر دوں۔ میں نے قبول نہیں کیا اس خوف سے کہ اہل اسلام کے درمیان افتراق پیدا ہوگا اور ابن ابی الجحید نے کلمتی سے روایت کی ہے کہ جب علیؑ علیہ السلام نے چاہا کہ بصرہ کی جانب روانہ ہوں ایک خطبہ پڑھا جس میں بعد حمد و ثنا و صلوة فرمایا: بیشک جب حق تعالیٰ اپنے پیغمبر کو عالم بقا کی جانب لے گیا۔ قریش امر خلافت ہم سے لے کر اُس پر متصرف ہوئے اور ہم کو ہمارے حق سے محروم کر دیا۔ حالانکہ ہم اُس کے تمام لوگوں سے زیادہ مستحق تھے۔ لہذا ہم نے اُس ظلم پر صبر کرنا مناسب سمجھا اس سے کہ مسلمانوں کے شیرازہ کو پرانگندہ کریں اور مسلمانوں کے خون بہائیں۔ لوگ اُس وقت تازہ مسلمان تھے اور دین متنزلزل ہو رہا تھا۔ ابھی مستحکم نہیں ہوا تھا۔ تھوڑی سی کمزوری سے فاسد ہو جاتا اور معمولی جلد بازی سے متغیر ہو جاتا۔ الغرض وہ کہ وہ امر خلافت کا متولی ہو جس نے اپنے معاملہ کو مضبوط کرنے میں نہایت اہتمام کیا اور دارِ جزا کی جانب چلے گئے۔ نیز بطریق متعددہ روایت کی ہے کہ جناب امیرؑ نے فرمایا۔ خداوند تو قریش کو بدلہ دے جنھوں نے میرے حق سے مجھے محروم کیا اور میرا حق غصب کیا۔ دوسری روایت کے مطابق فرمایا کہ خداوند میں تجھ سے قریش کے مقابلہ میں مدد چاہتا ہوں جنھوں نے مجھ سے رحم کو قطع کیا اور میرے حق کو غصب کیا اور مجھ سے لڑائی جھگڑے پر متفق ہوئے۔ اُس امر میں جس کا میں اُن سب سے زیادہ حق دار تھا۔ جب علیؑ اُن سے یہ شکایتیں کرتے تھے تو ظاہر ہے کہ ان کو دوست نہیں رکھتے تھے۔ اور نہ وہ لوگ ان کو دوست رکھتے تھے۔ اور حضرت کو ان سے تکلیف پہنچی تھی۔ اور صاحب مشکوٰۃ نے صحابہ کی صحیح حدیثوں سے نقل کیا ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا دوست نہیں رکھتا اُن حضرت کو مگر مومن اور دشمن نہیں رکھتا اُن کو مگر منافق۔ اور صحیح ترمذی میں ابوسلمہ سے روایت کی ہے کہ ہم منافقوں کو بغض علیؑ سے پہچانتے تھے۔ اور استیعاب میں نقل کیا ہے کہ رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ جو شخص علیؑ کو دوست رکھتا ہے وہ مجھ کو دوست رکھتا ہے اور جو شخص مجھ کو دوست رکھتا ہے وہ خدا کو دوست رکھتا

ہے اور جو شخص علی کو دشمن رکھتا ہے وہ مجھ کو دشمن رکھتا ہے اور جو شخص علی کو ایذا دیتا ہے اس نے مجھ کو ایذا دی ہے اور جو شخص مجھے اذیت دیتا ہے اس نے خدا کو اذیت دی ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان الذين يؤذون الله ورسوله لعنهم الله في الدنيا والاخرة ولهم عذاب عظيم (یقیناً جو لوگ خدا اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر خدا نے دنیا و آخرت میں لعنت کی ہے اور ان کے لیے بڑا سخت عذاب ہے) اور جس پر خدا نے دنیا و آخرت میں لعنت کی ہو اور جو خدا کے سخت عذاب میں ہوسستی امامت و خلافت نہیں ہوسکتا۔

چھٹی فصل

جناب امیر کی تمام صحابہ پر افضلیت کا مخالفین کے اقرار کے مطابق اس سے زیادہ بیان جو سابقاً مذکور ہوا۔ ابن ابی الحدید نے جو عملائے مخالفین میں سب سے بلند مرتبہ ہیں کہا ہے کہ امیر المؤمنین کی افضلیت کا قول ایک قدیم قول ہے۔ بہت سے اصحاب و تابعین اس کے قائل تھے۔ منجملان کے عمار، مقداد، ابوذر، سلمان، جابر بن عبد اللہ ابی ابن کعب، حذیفہ، بریدہ، ابویوب، سہل بن حنیف، ابوالشیم، ابن نہماں، خرمیہ بن ثابت ابوالطفیل، عباس بن عبدالمطلب، بنی عباس، اور بنی ہاشم سب کے سب اور زبیر بھی ابتدا میں قائل تھے اس کے بعد طٹ گئے اور بنی امیہ میں سے ایک جماعت قائل تھی۔ ان میں سے خالد بن سعید بن العاص اور عمرو بن عبدالعزیز تھے۔

اور ثعلبی نے جو ان کے بہت بڑے عالموں میں سے ہیں نقل کیا ہے کہ یہ آیت مصحف ابن مسعود میں جو صحابہ کبار میں سے تھے اس طرح تھی ان الله اصطفى ادم ونوحا وال ابراہیم و آل عمران و آل محمد علی العالمین۔ ابن حجر نے صواعق محررقہ میں فخر رازی سے روایت کی ہے کہ اہلبیت رسول پانچ چیزوں میں رسول خدا سے مساوی ہیں۔ سلام میں جیسا کہ خدا فرماتا ہے السلام علیک ایہا النبی اور فرمایا سلام علی آل یسین۔ اور شہد میں صلوات میں ان کے ساتھ ہیں اور طہارت میں جیسا کہ فرماتا ہے۔ طہار یعنی اسے طہر و یطہر کہ تطہیر صدقہ کے حرام ہونے میں اور محبت میں جیسا کہ فرمایا ہے۔ فاتبعونی عجبکم الله اور فرمایا ہے۔ قل لا اسئلكم علیہ اجرا الا المودة فی القربی اور ابن ابی الحدید نے کہا ہے کہ ان حضرات کے فضائل کثرت و شہرت سے اس حد تک پہنچے ہیں کہ باوجود ان کے ان کے ذکر و بیان پر اعتراض کرنا زشت و قبیح ہے اور اس کے بعد کہا ہے کہ ایسے شخص کی شان میں کیا کہوں جس کے فضائل و شرف کا اقرار و اعتراف دشمنوں نے بھی کیا اور اس کے دشمن اس کے فضائل سے انکار نہ کر سکے اور نہ پوشیدہ کر سکے اور یہ ظاہر ہے کہ بنی امیہ عالم میں مشرق و مغرب کے مالک ہوئے اور ان کے نوز کے بچھانے میں نہایت سعی اور حید کیا اور بہت سی حدیثیں ان حضرت

کے اور ان کے قرا تداروں کے عیوب و ذمائم میں وضع کیں اور جنبروں پر ان پر لعنت کرتے اور ان کو گالیاں دیتے اور ان کے ملاحوں اور شیعوں کو قید و قتل کرتے رہے اور لوگوں کو ان حدیثوں کی روایتوں کے جو ان کی فضیلت اور منقبت میں ہیں بیان کرنے سے روکنے میں بے انتہا کوششیں کیں اس حد تک کہ لوگوں پر ان کا نام زبان سے لینا حرام کر دیا جس قدر ان لوگوں نے اس امر میں اہتمام اور زیادہ سے زیادہ کوششیں کیں اسی قدر ان کا نام زیادہ بلند اور ان کی عزت رینج تر مشک کے مانند ہوتی گئی کہ جس کو ہر چند پوشیدہ کرتے ہیں۔ اس کی بُو پوشیدہ نہیں رہتی اور آفتاب کے مانند جو پھیلی سے نہیں چھپ سکتا اور روز روشن کے مثل کہ اگر ایک آنکھ اس کو نہ دیکھے تو بے انتہا آنکھیں دکھتی ہیں اور میں اس شخص کی شان میں کیا کہوں کہ تمام فضائل اس سے منسوب اور تمام کمالات کا سلسلہ اسی پر ختم ہوتا ہے۔ وہی تمام فضیلتوں کا مالک اور تمام کرامتوں کا سرچشمہ اور تمام شرف کا معدن ہے۔ تم کو کہ میدان سے تمام مکارم دہی لے گیا۔ اس کے بعد جو شخص بھی کچھ حصہ فضائل کا رکھتا ہو۔ وہ اسی کے فضائل سے ہوگا اور جس شخص نے بھی کمال کا کچھ حصہ پایا اسی سے پایا۔ پوشیدہ نہیں ہے کہ افضل علوم معرفت الہی اور علم خدا شناسی ہے۔ اور جس نے خدا کو پہچانا اسی کے سبب سے پہچانا اور ہدایت کے میدان میں معرفت کا علم اسی کے بیان سے بلند ہوا۔ اور خدا کی راہ اسی کے شیخ کلام سے روشن ہوئی۔ اس کی تعلیم کے ہاتھ نے نور علم علماء کے دلوں میں بویا ہے۔ معتزلہ جو اہل توحید و عدل اور صاحبان عقل و نظر اور اس فن میں لوگوں کے استاد ہیں اسی کے شاگرد ہیں اور اشاعرہ بھی اس دوڑ و دھوپ کی چادر کا تھمے پر رکھے ہوئے اور اس راہ کے ہوادار ہیں اسی کے خواں کے زلہ ربا ہیں۔ کیونکہ ان کے استاد ابو الحسن اشعری ہیں اور وہ ابو علی جبائی کے شاگرد ہیں جو معتزلہ کے ایک بزرگ ہیں۔ اور معتزلہ کے استاد اور اصل من عطا ہیں اور وہ شاگرد ابو ہاشم عبد اللہ بن محمد احنفہ ہیں اور وہ اپنے والد بزرگوار امیر المومنین کے شاگرد ہیں۔ اور امامیہ و زیدیریہ کی اس حضرت سے نسبت ظاہر ہے۔ اور مجملہ علوم تفسیر کے قرأت ہے جو تمام کا تمام انہی حضرت سے ماخوذ ہے۔ اور ابی عباس جو مفسرین کے استاد ہیں اور اس علم کی اکثر باتیں انہی سے ماخوذ ہیں انہی حضرت کے شاگرد ہیں۔ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ تمہارا علم تمہارے برادر علی کے علم کے مقابلہ میں کیسا ہے۔ کہا بارش کے ایک قطرہ کے مانند جو دریائے محیط سے نسبت رکھتا ہو۔ اور علوم میں سے ایک علم طریقت و حقیقت و احوال تصوف ہے اور ظاہر ہے کہ اس فن کے لوگ اسلامی ممالک میں انہی حضرت پر منتہی ہوتے ہیں۔ سبلی، بجنید، تبری، ابویزید بسطامی، معروف کرخی وغیر ہم سب اس کی نسبت سے غلط فخر کرتے رہے ہیں اور

خرقہ جو ان کا طریقہ ہے۔ ان کے اعتقاد میں مسند متصل انہی حضرت تک پہنچتا ہے۔ اور علم نحو و صرف ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ اس علم کو ایجاد انہی حضرت نے کیا اور ابوالاسود دیمی نے جو اس علم کا استاد ہے۔ انہی حضرت کی تعلیم سے اس علم کی تدوین کی ہے اور اس کے اصول و قواعد انہی حضرت نے بیان فرمائے۔ مجملہ ان کے یہ ہے کہ اقسام کلام اسم و فعل و حرف ہیں۔ اور کلمہ منقسم ہوتا ہے معرفہ و نکرہ پر اور اعراب پیش، زبر، اور زیر و جزم میں منحصر ہیں اور فاعل ہمیشہ مرفوع ہوتا ہے یعنی اس کے آخری حرف پر پیش ہوتا ہے اور مفعول منصوب ہوتا ہے یعنی اُس کے آخری حرف پر زبر ہوتا ہے اور مضاف الیہ مجرور ہوتا ہے۔ یعنی اُس کے آخری پر زبر ہوتا ہے۔ یہی قوانین مجزہ سے قریب ہیں۔ اگر فضائل نفسانی اور خصائص انسانی آپ ملاحظہ کریں تو معلوم ہوگا کہ آپ کے جلال کا نشان بلندی میں کہاں پہنچا ہے اور آپ کی ہمت کا آفتاب کس مشرق سے طلوع ہوا۔ آپ کی شجاعت نے گذشتہ لوگوں کی شجاعت لوگوں کے دماغ سے نکال دی، اور نام آوروں کے نام زبانون سے مٹا دیے۔ آپ کے منازل و مراتب مشہور آپ کی حرب و ضرب قیامت تک معروف اور زبانون پر مذکور ہے۔ وہ ایسے شجاع ہیں کہ کبھی نہ بھاگے اور کسی لشکر سے نہیں ڈرے اور ہرگز کوئی دشمن اُن کے مقابلہ پر نہ آیا جو جگ گیا ہو۔ آپ نے ہرگز کوئی ضربت نہیں ماری جس کے بعد دوسری ضربت کی ضرورت رہی ہو۔ جس شجاع کو آپ مارتے تھے اس کی قوم فخر کرتی تھی کہ علی نے قتل کیا ہے۔ جیسا کہ اُن حضرت نے عمرو بن جندود کو قتل کیا تو اس کی بہن نے آپ کی مدح میں چند شعر کہے جن کا مطلب یہ ہے کہ اگر عمرو کا قاتل کوئی اور ہوتا، تو میں اپنی تمام زندگی روتی۔ لیکن چونکہ اُس کا قاتل یگانہ روزگار اور شجاعت میں ممتاز اور کرامت میں سرفراز ہے۔ اُس کے قتل کرنے سے کوئی عار اور اُس کے کشتہ کو کوئی تنگ و شرم کی بات نہیں۔ اُس کا باپ مکہ کا بادشاہ تھا اور جو شجاع اُس کے مقابل ایک لمحہ کے لیے کھڑا ہوا تو ہمیشہ اُس پر فخر کرتا ہے۔ ایک روز معاویہ تخت پر سویا ہوا تھا۔ بیدار ہوا تو دیکھا کہ عبداللہ لیس زبیر اُس کے قریب کھڑا ہے۔ عبداللہ نے مزاحاً کہا: معاویہ اگر میں چاہتا تو کر سکتا تھا یعنی تم کو قتل کر سکتا تھا۔ معاویہ نے کہا کہ شجاعت کا دعویٰ کرتا ہے۔ اُس نے کہا کیا میری شجاعت سے انکار کر سکتے ہو۔ میں صفت جنگ میں علی بن ابی طالب کے مقابلہ پر کھڑا ہونگا ہوں۔ معاویہ نے کہا اگر تو سچ کہتا تو وہ تجھ کو اور تیرے باپ کو اپنے بائیں ہاتھ سے قتل کر دیتے۔ اُن کا داہنا ہاتھ خالی رہتے ہوئے دوسرے مقابل کو طلب کرتا۔ مختصر یہ کہ تمام شجاع جو مشرق و مغرب میں ہوں آپ کو تسلیم کرتے ہیں اور آپ کے نام کی مثال دیتے ہیں۔ آپ کی قوت اور ضربت تمام دُنیا میں ضرب المثل ہے۔ کوئی شخص قوت

لے یعنی اگر تیرا یہ بیان سچ ہوتا تو اب تک تو زندہ نہ ہوتا۔

میں آپ کے برابر نہ تھا۔ باتفاق تو زمین ایک ہاتھ سے درخیز کو اکھاڑا جس کو کئی اشخاص حرکت نہیں دے سکتے تھے اور سنگِ عظیم کو ایک کونگیں کے دہانے سے ہٹا دیا جس کو تمام لشکر بلانے سے عاجز رہا تھا۔ آپ کی سخاوت اور داد و دہش اس سے زیادہ مشہور ہے جس قدر بیان کیا جائے۔ دنوں کو روزہ سے رہتے تھے۔ اور راتوں کو بھوک میں گزار دیتے تھے۔ اپنی غذا دوسروں کو دے دیتے تھے۔ سورہ بَلّ اتی اسی ذکر میں نازل ہوئی اور آیہ وَالَّذِينَ ينفقون اموالهم باللیل والتھار سراً وعلانیۃً آپ ہی کی شان میں نازل ہوا۔ مروی ہے کہ یہودی کے ایک نخلستان کو خود پانی سے سیंचتے تھے اس قدر کہ حضرت کے دست مبارک مجروح ہو جاتے تھے اور اُس کی اُجرت تصدق کر دیتے تھے اور بھوک سے خود شکم پر پتھر باندھے رہتے۔ کہتے ہیں کہ حضرت دُنیا کے تمام لوگوں میں سب سے زیادہ سخی تھے اور جو دو سخا میں اس قدر بڑھے ہوئے تھے جس کو خدا نے چاہا اور پسند کیا۔ کبھی کسی سائل سے نہیں نہ کہا۔ یہاں تک کہ ایک منافق حضرت کے پاس سے کہیدہ ہو کر معاویہ کے پاس گیا جو آپ کا سب سے بڑا دشمن تھا اور آپ کو عیب و تہمت لگانے میں نہایت کوشش کرتا تھا۔ اُس شخص نے کہا کہ میں نخیل ترین مردم کے پاس آیا ہوں۔ معاویہ نے کہا وائے ہو تجھ پر تو اس کو نخیل کتا ہے جو اگر ایک مکان سونے سے بھرا اور ایک بھوسے سے بھرا ہوا رکھتا ہے تو سونے کو پہلے تصدق کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک ذرہ اُس میں باقی نہیں رہتا۔ وہ وہ ہے جو دولت سے بھرے ہوئے مکانات تصدق کرتا ہے۔ یہاں تک کہ جھاڑو دے کر اُس جگہ نماز ادا کرتا ہے۔ وہ وہ ہے جس نے دُنیا کے اموال سے خطاب کیا اور کہا کہ دوسرے کو فریب دینا میں نے تم کو ایسی طلاق دے دی ہے جس کے بعد ہرگز رجوع نہیں کیا جاسکتا۔ باوجود اس کے کہ تمام دُنیا آپ کے تصرف میں تھی۔ جب دُنیا سے رخصت ہوئے تو کچھ میراث نہیں چھوڑی۔ آپ کا علم و عفو وہ تھا کہ آپ دُنیا میں سب سے زیادہ حلیم و بردبار اور سب سے زیادہ مُعاف کرنے والے تھے۔ اُس کو جو آپ کے ساتھ بُرائی کرتا تھا اور اس کی صحبت ظاہر ہے اُن سلوک و برتاؤ سے جو آپ نے اپنے دشمنوں مروان بن الحکم، عبد اللہ بن زبیر اور سعید بن العاص کے ساتھ جنگِ جمل میں کیا جبکہ آپ اُن پر غالب ہوئے اور وہ سب گرفتار کئے گئے۔ حضرت نے سب کو رہا کر دیا اور اُن سے معترض نہ ہوئے۔ اور انتقام نہ لیا باوجودیکہ عبد اللہ بن زبیر لوگوں کے سامنے حضرت کو گالیاں دیتا تھا اور لثیم اور احمق (معاذ اللہ) کہتا تھا۔ جس وقت حضرت نے اس کو گرفتار کیا اُس کو تاکید کی اور کہا کہ تو میرے سامنے سے چلا جاتا کہ میں تجھ کو نہ دیکھوں۔ اس سے زیادہ کچھ نہ کہا اور عائشہ نے جو کچھ حضرت کے ساتھ کیا ظاہر ہے لیکن جب حضرت نے اُن

پرفخ پانی نہایت شفقت و مہربانی سے پیش آئے۔ اہل بصرہ نے اُن پر اور اُن کے فرزندوں پر تلوار اٹھائی تھی اور لعنت و ناسزا کہا تھا۔ جب حضرت نے اُن پر فح پانی تلوار اُن سے روک لی اور اُن کو امان دے دی اور اُن کی اولاد و اموال کو غارت نہ ہونے دیا اور جو کچھ جنگِ صفین میں معاویہ کے ساتھ کیا کہ پہلے اُس کے لشکر نے پانی پر قبضہ کر لیا اور حضرت کے لشکر کو پانی لینے سے روک دیا۔ لیکن جب حضرت نے گھاٹ اُس سے بزورِ شمشیر چھین لیا اور اس کے لشکر کو صحرا لے آئے اب تک بھگا دیا تو آپ کے اصحاب نے کہا کہ آپ بھی ان کو پانی نہ لینے دیجئے تاکہ پیاس سے ہلاک ہو جائیں اور جنگ کی حاجت نہ ہو۔ حضرت نے فرمایا نہیں واللہ میں ایسا نہ کروں گا۔ اور تلوار بھی اس سے لے لیا ہے اور حکم دیا کہ ایک طرف پانی کا گھاٹ کھول دیں تاکہ وہ لوگ پانی لے جائیں۔ اور راہِ خدا میں جہاد ہر دوست و دشمن جانتا ہے کہ وہ مجاہدین کے ہڑا بلکہ جہاد انہی حضرت سے مخصوص ہے اور کسی دوسرے شخص کو آپ کے جہاد سے کوئی نسبت نہیں اس بارے میں طول دینا بے فائدہ ہے کیونکہ آنحضرت کا جہاد اور ضروریہ متواترہ سے ہے۔ اور فصاحت وہ فصحا کے امام خطیبہ کے استاد ہیں آپ کے کلام کو بلغاس نے کلامِ خانی کے سوا کلامِ مخلوق سے بلند کہا ہے۔ کوئی شخص حضرت کے پاس سے معاویہ کے پاس گیا اور کہا کہ کلام میں عاجز ترین مردم کے پاس سے آ رہا ہوں۔ اُس نے کہا وائے ہو تجھ پر تو اس کو عاجز کہتا ہے واللہ جس کے سوا فصاحت و بلاغت کا راستہ قریش پر کسی نے نہیں کھولا اور سخوری کے قانون کی تعلیم اُس کے سوا کسی نے نہیں دی اور حسنِ خلق و شکفتہ رُوئی آپ کی ضرب المثل ہے اس حد تک کہ آپ کے دشمن اس سے آپ کو عیب لگاتے تھے جو وعاص نے کہا کہ وہ بہت مذاق و خوش طبعی کرتے ہیں۔ اُس نے اس قول کو عمر سے لیا کیونکہ انھوں نے اس عذر کے ساتھ خلافت آنحضرت کو نہیں دی اور کہا تھا کہ وہ بازاری گریں۔ صعصعہ بن صومان اور دوسرے شیعوں نے آپ کی مدح میں کہا کہ ہمارے درمیان کون تھا مثل ایک کے جو ہمارا تھا جس جگہ ہم اس کو پکارتے تھے وہ آتا تھا جو کچھ ہم کہتے تھے وہ سنتا تھا۔ جہاں ہم کہتے تھے وہ بیٹھتا تھا۔ باوجود اس کے ہم اسیر دست بستہ کے مانند اُس سے ڈرتے تھے۔ جس کے سر پر کوئی تنگی تلوار لے کھڑا ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ اُس کی گردن مار دے۔ ایک روز معاویہ نے قیس بن سعد سے کہا خدا رحمت کرے ابو الحسن پر کہ نہایت خنداں اور شکفتہ رو اور خوش طبع تھے قیس نے کہا ہاں ایسے ہی تھے۔ اور رسولِ خداؐ بھی صحابہ کے ساتھ خنداں اور خوش طبع تھے۔ اے معاویہ بظاہر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تو اُن کی مدح کرتا ہے۔ لیکن اُن کی مذمت کا ارادہ رکھتا ہے۔ خدا کی قسم باوجود اس شکفتگی و خوش مزاجی کے اُن کی بیعت تمام لوگوں سے زیادہ سختی اور یہ تقویٰ کی بیعت تھی جو

وہ رکھتے تھے اور اُن لوگوں کی ہدایت کے مانند نہ تھی جو شام کے اراذل اور قسیم تجھ میں سمجھتے ہیں اور اُن کی خوشنوی آج تک ان کے دوستوں اور محبتوں کے درمیان باقی ہے۔ اسی طرح سختی اور ناخوشی اور بدخونی اُن کے مخالفوں میں موجود ہے۔ اور دنیا میں اُن کا زہد۔ وہ زاہدوں کے سردار تھے۔ تمام زہاد آپ کے ساتھ خلوص رکھتے ہیں۔ آپ نے کبھی سیر ہو کر طعام نہ کھایا۔ آپ کی غذا اور لباس تمام لوگوں سے زیادہ سخت تھے۔ روٹی کے ٹوکے ٹوکے کھاتے تھے۔ اور روٹی کی تھیلی کو سر مبر رکھتے تھے تاکہ آپ کے فرزند محبت کی وجہ سے ان ٹوکوں کو روغن آلود نہ کریں۔ اور لباس میں پیوند کبھی چمڑے کا لگاتے اور لیف حرما کے لگا لیتے۔ آپ کا پیراں روٹی کے دھاگوں کا ہاتھ کا بنا ہوا نہایت سخت ہوتا تھا۔ اگر اس کی آستین لمبی ہوتی تو آپ اس کو کاٹ دیتے پھر نہیں سمیتے تھے اور اُس کے دھاگے ہاتھ پر کھل کھل کر گرتے رہتے۔ یہاں تک کہ ختم ہو جاتے۔ بہت کم ایسا ہوتا کہ روٹی کے ساتھ سالن ملاتے۔ اگر کبھی ایسا کرتے تو نمک یا سرکہ ہوتا۔ اگر اور ترقی کرتے تو کوئی بستی ہوتی۔ اس سے بھی زیادہ ترقی کرتے تو اونٹ کا دودھ ہوتا۔ گوشت نہیں کھاتے تھے لیکن کبھی کھالیتے۔ فرماتے تھے کہ اپنے شکم کو حیوانات کا مقبرہ نہ بناؤ۔ باوجود اس کے آپ کی قوت و طاقت سب سے زیادہ تھی۔ تمام بلاد اسلام سے سوائے ملک شام کے جو معاویہ کے قبضہ میں تھا۔ اموال آپ کے پاس آتے حضرت تمام مال لوگوں پر تقسیم کر دیتے تھے۔ آپ کی عبادت آپ لوگوں میں سب سے زیادہ عابد تھے۔ آپ کی نمازیں سب سے زیادہ تھیں۔ آپ کے روزے تمام لوگوں سے بیشتر تھے۔ لوگوں نے آپ سے نماز شب اور نوافل میں قیام سیکھا اور راہِ دین میں شمع یقین آپ کی مشعل سے جلائی۔ اُس شخص کی عبادت کا ذکر کیا ہو سکے جس کا ایک شہہ یہ ہے کہ لیلۃ المریر میں جنگ صفین میں دونوں صفوں کے درمیان آپ کا مصیٰ پچھا ہوا تھا۔ اور حضرت اُس پر نماز میں مشغول تھے۔ اور تیر آپ کے داہنے بائیں سے گزر رہے تھے اور سامنے سے زمین پر گرتے تھے۔ لیکن آپ مطلق پرواہ نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ وظیفہ سے فارغ ہوئے۔ آپ کی نورانی پیشانی سجدوں کے طول دینے سے اونٹ کے پیر کے مانند موٹی ہو گئی تھی۔ اگر آپ کی مناجات اور دُعا کے بار میں غور کیجئے اور تعظیم و اجلال الہی پر غور کیجئے اور آپ کے تواضع و تذلل اور خضوع کو دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ کس قدر خلوص رکھتے تھے۔ اور کس دل سے نکلے اور کس زبان سے جاری ہوئے۔ علی بن حسین علیہما السلام سے جن کی عبادت انتہا کو پہنچی تھی لوگوں نے پوچھا کہ آپ کی عبادت آپ کے جد علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی عبادت کے مقابلہ میں کتنی ہے۔ فرمایا کہ ایسی جیسی میرے جد کی عبادت جناب رسول خدا کے مقابلہ میں تھی اور قرأتِ قرآن وہ

حضرت اس میں تمام قاریوں کے مزاج تھے۔ اور سب اس پر متفق ہیں کہ جناب رسول خدا کے زمانہ میں ان حضرت کے سوا تمام قرآن کوئی نہیں جانتا تھا اور نہ آپ کے سوا کوئی حافظ قرآن تھا اور رسول خدا کے بعد سب سے پہلے جس نے قرآن کو جمع کیا اور لکھا وہی حضرت تھے۔ اگر آپ کتب قرأت کی جانب رجوع ہوں تو معلوم ہوگا کہ آنت دینی قرأت سب آپ کے شاگرد ہیں اور قرأت آپ ہی تک منتهی ہوتی ہے اور سب آپ ہی کی پناہ حاصل کرتے ہیں۔ اور تدبیر و رائے۔ آپ کی رائے سب سے زیادہ صحیح اور تدبیر ہر امر میں سب سے زیادہ مناسب تھی۔ خلفاء اور امرا میں ہر ایک آپ ہی سے رجوع کرتے تھے۔ آپ نے عمر کو بلاکت سے بچایا اور آپ کی رائے کی مخالفت نے عثمان کو بلا میں گرفتار کیا۔ اگر آپ کی رائے پر عمل کرتے تو اپنی جان سے ہاتھ نہ دھوتے۔ اور یہ جو دشمن آپ کے کہتے ہیں کہ آپ صاحب رائے نہ تھے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ آپ شریعت کی موافقت میں عمل کرتے تھے۔ اور دین کے حکم کے خلاف نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ خود فرمایا کہ اگر تقویٰ کی رعایت کی مجبوری نہ ہوتی تو میں سب سے زیادہ چالاک ہوتا تھا اور وہ سبے خلفاء اپنے لیے جو بہتر سمجھتے تھے کرتے تھے۔ خواہ وہ موافق شرع ہوتا یا نہ ہوتا اور ظاہر ہے کہ جو شخص تمام امور میں دین کی رعایت کرتا ہے اس کی دنیا اس شخص کی نسبت زیادہ برنظم ہوتی ہے جو دین کی پروا نہیں رکھتا۔ اور سیاست و حکومت۔ آپ کی سیاست تمام حکم الہی کے مطابق تھی۔ آپ اپنے رشتہ داروں کی حکم خدا کے مقابلہ میں رعایت نہ کرتے تھے، غیروں کا کیا ذکر۔ آپ نے اپنے بھائی عقیل وغیرہ کے ساتھ جو کچھ کیا معلوم ہے اور خصائص شریعت جو ہم نے بیان کیا اور واضح ہوا کہ ان تمام امور میں وہ سب پر مقدم تھے۔ اور تمام عالم کے امام ہیں۔ اس کی مدح میں کیا کہا جاسکتا ہے جس کو کفار اور دشمن باوجود تکذیب نبوت اور عناد ملت کے اس کو دوست رکھتے ہیں اور ملکوں کے کافر بادشاہ اس کی تصویر اپنے عبادت خانوں میں محفوظ کرتے ہیں اور ترک و ولیم کے بادشاہ اور آل لوبیہ ان حضرت کی تصویر میں و برکت کے لیے اپنی تلواروں پر ظفر و نصرت کے واسطے نقش کر کے اپنے ساتھ رکھتے تھے اور میں کیا کہوں اس مرد کی شان میں کہ تمام لوگ چاہتے ہیں کہ اسی سے منسوب ہوں حتیٰ کہ مردانگی و جوانمردی میں کہ عالم کے بہادر اس کو اپنا سردار و بزرگ جانتے ہیں اور اپنے کو اس سے منسوب کرتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ روز احد آسمان سے اس کی شان میں آنحضرت کے سامنے لوگوں نے سنا کہ ملائکہ اعلیٰ لافشی الاعلیٰ لاسیف الاذوالفقار کہتے تھے۔ میں اس کی شان میں کیا کہوں جس کا باب ابوطالب ہے جس کو تین لکھا، شیخ قریش اور رئیس مکہ لوگوں نے کہا ہے۔ کم ہیں ایسے فقیر جو پریشانی میں بزرگ ہوں۔ ابوطالب باوجود انتہائی فقر کے بزرگ تھے اور جناب رسول خدا کی حفاظت اور تربیت

کے آپ کی صغر سنی سے جوانی تک تکفل تھے اور آنحضرتؐ کی کفار و مشرکین سے حفاظت اور مدد کرتے تھے جب تک وہ زندہ تھے آنحضرتؐ کو اپنے وطن سے ہجرت اور غربت اختیار کرنے کی ضرورت نہ ہوئی۔ ان کے دنیا سے رحلت کرنے کے بعد خدا نے حضرتؐ کو حکم دیا کہ مکہ سے چلے جائیں کیونکہ اب کوئی دوسرا اس جگہ تمہارا ناصر و مددگار نہیں رہا۔

ان حضرت کے پدر بزرگوار ایسے رفیع المنزلت اور بلند شان کے، آپ کے پسر عسم خاتم النبیین سید الاولین والآخرین، آپ کے بھائی جعفر طیار ملائکہ اخیار کے ساتھ جنت الفردوس میں پرواز کرنے والے، آپ کی زوجہ سیدۃ النساء العالمین، فرزند سرداران اہل جنت، آپ کے آبا و اجداد رسول خداؐ کے آبا و اجداد آپ کی مائیں رسول خداؐ کی مائیں، آپ کا گوشت اور خون رسولؐ کے گوشت و خون کے مانند، آپ کا نور روح آنحضرتؐ کے انوار سے متصل اور مقوم، آدمؑ کی خلقت سے پہلے عبدالمطلب کے صلب تک ساتھ ساتھ عبدالمطلب کے بعد صلب عبدالمطلب و ابوطالب میں جدا ہوئے اور دنیا کے دوسرے پیدا ہوئے ایک عذاب خدا سے ڈرانے والا۔ دوسرا ہادی عالم۔

میں اس شخص کی شان میں کیا کہوں جو ہدایت میں تمام دنیا کے لوگوں پر سبقت لے گیا اور خدا پر ایمان لایا جبکہ تمام لوگ پتھروں کی پرستش میں مشغول تھے اور کوئی شخص توحید الہی میں اس پر سبقت نہیں رکھتا سوائے رسول خداؐ کے جس نے سبقت کا علم دنیا میں بلند کیا۔ اکثر اہل حدیث قائل ہیں کہ اس نے تمام لوگوں سے پہلے پیغمبر کی متابعت کی اور اس پر ایمان لایا۔ سوائے چند کے کسی نے اس کے خلاف نہیں کہا ہے۔ اور اس میں سوائے دو شخصوں کے کسی نے شک کا اظہار نہیں کیا یا صرف ایک نے ان حضرتؐ نے خود فرمایا ہے۔ انا الصلیق

الاکبر وانا الفاروق الاول اسلمت قبل اسلام الناس و صلیت قبل صلواتہم جو شخص احادیث کی پیروی کرتا ہے جو کچھ بیان کیا گیا اس پر یقین رکھتا ہے۔ ہم نے جو کچھ اس مقام پر ذکر کیا آپ کے فضائل میں سے بہت کم ہے۔ اگر آپ کے مناقب کی شرح تفصیل سے کریں تو اس کے علاوہ ایک اور ضخیم کتاب کی ضرورت ہوگی۔ یہاں تک ابن ابی الحدید کے کلام کا محل ترجمہ تھا۔ اگرچہ ہمارے علمائے اس سے بہت زیادہ ذکر کیا ہے لیکن ہم نے مخالفین کی کتابوں سے لکھا ہے تاکہ ان پر حجت ہو۔ اور سب سے زیادہ ثابت وہ مناقب ہیں جن کی دشمن شہادت دیں کیونکہ یہ عالم اس اہتمام کے ساتھ اس ولی خدا کے مناقب کا ذکر کرتا ہے پھر ان چند بے علم لوگوں کو خلافت میں مقدم سمجھتا ہے۔ اس سے زیادہ مخالفت اور کیا ہو سکتی ہے۔ اس سے زیادہ قابل تعجب یہ ہے کہ باوجود اس کے خود اقرار کرتا ہے کہ وہ خلافت کے زیادہ حق دار اور نزاوار تھے۔

کہتا ہے کہ وہ خود خلافت کے متعرض نہ ہوئے اور لوگوں کو مضلالت و جہالت میں چھوڑ دیا اور ترکِ دنیا کیا۔ باوجودیکہ ان شکایتوں کو خود نقل کیا ہے جو حضرت نے ان لوگوں سے کی تھیں اور بار بار فرماتے تھے کہ ان لوگوں نے میرا حق غضب کیا اور میرا قطعِ رحم کیا۔ اگر حضرت نے خلافت خود ان پر چھوڑ دی تھی اور ان کی خلافت حق تھی تو اپنے ائمہ کے لیے کیوں ایسے بڑے عاق ہو گئے اور ان کے حق میں اس قدر افسر کرتے تھے۔

خلافتِ خدا اور امامتِ کبریٰ جو مرتبہ نبوت کے بعد ہے مگر منصفِ ذیہویٰ دنیائے فانی کے اموال کے ساتھ ہے کہ کوئی اُس سے ہاتھ اٹھالے اور جو شخص اُس کی اہلیت نہ رکھتا ہو اُس پر تصرف ہو۔ لہذا ہر صاحبِ عقل پر مانند آفتاب روشن اور واضح ہے کہ جو شخص ان مناقب و کمالات کے ساتھ اُمت کے درمیان موجود ہو اور دوسرا ان کمالات میں سے ایک شہ نہ رکھتا ہو خلافت پر تصرف ہو۔ اگر خدا و رسول نے ان کو خلیفہ بنایا تو نہایت قیح ہے کہ خلافت کو ایسے شخص کے پیرو کیا اور صاحبِ کمالات شخص کو اس کی رہبایا قرار دیا کہ اس کی اطاعت کرے۔ اگر لوگوں نے ایسا کیا تو ظاہر ہے کہ جاہلیت کی بیعت پر کام چھوڑ دیا اور تعصب و عناد کے سبب خلیفہ برحق سے دست بردار ہوئے اور اپنا حق حاصل کرنے میں اپنے امام کی مدد نہ کی۔ یہاں تک کہ مخالفین اس پر غالب ہو گئے۔ جیسا کہ قوم موسیٰ نے ہارون کو کمر در کر دیا تھا اور پھڑپھڑے اور سامری کی اطاعت کی تھی۔ وسیعلم الذین ظلموا اے منقلب ینقلبون۔

کچھ ان خبروں کے بیان میں جن کو مخالفین نے اپنی معتبر کتابوں میں لکھا ہے جن میں اکثر امامت پر نص صریح ہیں اور ان لوگوں نے ان سے تجامل و تغافل اختیار کیا ہے۔ چونکہ تمام روایتوں کا ذکر اس رسالہ کے مناسب حال نہیں لہذا ہم مختصر پر اکتفا کرتے ہیں۔

ساتویں فصل

ثعلبی جو عامہ میں نہایت مشہور مفسر ہیں ابوالحمر خادم جناب رسولِ خدا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت نے فرمایا کہ میں نے شبِ معراج دیکھا کہ ساقِ عرش پر لکھا تھا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَنَصْرُهُمَا بَدَا (یعنی نہیں ہے کوئی معبود سوا کے خدا کے محمد اُس کے رسول ہیں۔ میں نے ان کی مدد علی کے ذریعہ سے کی اور انہیں سے ان کی نصرت کی) نیز جابر سے روایت کی ہے کہ جناب رسولِ خدا نے حضرت علی سے فرمایا کہ لوگ مختلف درختوں سے ہیں اور میں اور تم ایک درخت سے ہیں۔ اور صاحبِ مشکوٰۃ نے احمد ابن حنبل سے روایت کی ہے کہ جناب رسولِ خدا نے فرمایا کہ اے علی تم میں عیسیٰ کی شبابہت ہے۔ یہودیوں نے ان کو اس حد تک دشمنی رکھا کہ ان کی مادر گرامی کو بیعتان لگایا اور نصاریٰ نے ان کو اس حد تک

دوست رکھا کہ اُن کے لیے وہ منزلت قرار دی جس سے وہ راضی نہ تھے باوجود اس کے ان کو خدا اور خدا کا بیٹا کہنے لگے۔ امیر المؤمنینؑ فرماتے ہیں کہ دو طرح کے لوگ میرے حق میں ہلاک ہوں گے۔ وہ دوست جو میری دوستی میں حد سے بڑھ جائیں گے اور وہ دشمن جو مجھ پر بہتان لگائیں گے۔ نیز مسند سے روایت کی ہے حضرت اُمّ سلمہ سے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ جو شخص علیؑ کو گالی دیتا ہے، اُس نے مجھے گالی دی۔ اور ابن ابی الحدید نے نہج البلاغہ کی شرح میں لکھا ہے کہ اگر جناب امیرِ مقامِ خنزیر میں آکر چاہیں کہ اپنے فضائل و مناقب کو شمار کریں اُس حد تک جو خدا نے اُن کو عطا فرمایا ہے اور ان کمالات سے مخصوص فرمایا ہے اور تمام قصصائے عرب ان کی مدد و معاونت کریں، تب بھی جو رسولِ صادق الودع نے ان کی شان میں فرمایا ہے اس کے عشرِ عشر تک نہیں پہنچ سکتے۔ اور میری مراد ان مشہور خبروں سے نہیں ہے جن سے امامیہ اُن حضرت کی امامت پر استدلال کرتے ہیں۔ جیسے حدیث غدیر و منزلت و قصہ برأت اور اُن حضرت سے رسولِ خدا کا راز کتنا اور قصہ خیر اور تبلیغ رسالت کی خبر جس وقت کہ حضرت نے اپنے رشتہ داروں کو مکہ میں جمع کیا اور فرمایا کہ جو شخص مجھ پر پہلے ایمان لائے گا وہ میرا وصی اور خلیفہ ہوگا اور سب سے پہلے علیؑ ایمان لائے۔ اسی قسم کی مشہور خبریں۔ بلکہ میری مراد چند خاص خبروں سے ہے۔ جن کو آمد و پیشوا بیان حدیث نے ان کی شان میں روایت کی ہے اور اُن کی ایسی بہت سی خبروں میں حضورؐ کی اور قبیلِ کلبی کسی دوسرے کے حق میں روایت نہیں کی ہے۔ میں اُن میں سے بہت کم خبروں کو نقل کرتا ہوں جن کو علمائے حدیث نے اُن حضرت کے حق میں روایت کی ہے اور وہ علماء متہم نہیں ہیں کہ شیعہ ہیں۔ ان علماء میں سے اکثر نے بعض صحابہ کو اُن پر فضیلت دی ہے۔ کیونکہ جو روایتیں ان لوگوں نے علیؑ کی شان میں نقل کی ہیں نفس اُن پر مظہر ہوتا ہے وہ دوسروں کی روایت کے مثل نہیں ہیں۔ اس کے بعد چوبیس حدیثیں روایت کی ہیں اور ہم اس رسالہ میں ان میں سے بعض کو نقل کرتے ہیں۔

پہلی روایت: وہ ہے جسے حافظ ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں اور احمد بن حنبل نے مسند میں روایت کی ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ اے علیؑ! خدا نے تم کو مقرر کیا ہے اُس نیت سے جس سے اپنے اور بندوں کی زینت نہیں کی۔ ایسی زینت جو اس کے لیے سب سے محبوب ہو۔ اس سے اور وہ خدا کے نزدیک نیکو کاروں اور اہل براءوں کی زینت ہے اور وہ دنیا میں زہد ہے اور تمہارے لیے قرار دیا ہے کہ دنیا سے کوئی چیز کم نہ کرو۔ اور نہ دنیا کوئی چیز تم سے کم کرے اور تم کو محبت مساکین عطا کی ہے اور تم کو قرار دیا ہے کہ تم اُن سے راضی ہو جو تمہارے پیرو ہوں اور وہ راضی ہیں کہ تم ان کے امام ہو۔ ابن حنبل نے اس میں اور زیادہ کیا ہے کہ خوشحال

اُس کا جو تم کو دوست رکھے اور تمہاری تصدیق کرے اور وائے ہو اُس پر جو تم کو دشمن رکھے اور تمہاری تکذیب کرے۔

دوسری روایت: مسند احمد بن حنبل سے حدیث ثقیف کو جو سابقاً مذکور ہوئی روایت ہوئی ہے کہ جناب رسول خدا نے گروہ ثقیف سے فرمایا کہ مسلمان ہو جاؤ، ورنہ میں اپنے شخصے کو تمہاری طرف بھیجوں گا جو مجھ سے ہے یا فرمایا مثل میرے نفس کے ہے اور عمر کی آرزو نقل کی جیسا کہ گذر چکا پھر احمد نے کتاب فضائل علیؑ میں نقل کیا ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ اُس مرد کو بھیجوں گا جو میری میری جان کے ہے۔ ابوذرؓ کہتے ہیں کہ میں اُس وقت اپنے ہجرہ میں تھا۔ میں نے دیکھا کہ عمر آئے اور میری پشت پر ہاتھ رکھا کہ میں نے اُن کے ہاتھ کی ترمی محسوس کی اور مجھ سے پوچھا کہ کس کے بارے میں تمہارا گمان ہے جس کے متعلق رسولؐ نے ارادہ کیا ہے۔ میں نے کہا وہ تم کو نہیں چاہتے۔ بلکہ اُس کو چاہتے ہیں جو انکی نعلین درست کرنا ہے یعنی علیؑ علیہ السلام۔

تیسری روایت: حافظ ابو نعیم نے حلیہ میں ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا نے فرمایا کہ خدا نے مجھ سے علیؑ کے بارے میں عہد کیا ہے۔ میں نے کہا پروردگار! وہ مجھ سے بیان کر۔ فرمایا سنو! بیشک علیؑ راہ ہدایت کی علامت ہے اور میرے دوستوں کا امام ہے اور اُس کا نور ہے جو میری اطاعت کرے اور وہ مگر ہے جس کو متقیوں کے لیے میں نے لازم قرار دیا ہے اور یہ اشارہ ہے۔ آیہ کہیدوا لہم کلمۃ التَّقْوٰی کی جانب۔ جو شخص اُس کو دوست رکھتا ہے اُس نے مجھ کو دوست رکھا ہے اور جو اس کی اطاعت کرتا ہے اُس نے میری اطاعت کی ہے لہذا اُن کو اس کی خوشخبری دے دو۔ میں نے کہا پالنے والے میں نے ان کو اس کی بشارت دے دی۔ انہوں نے کہا میں خدا کا بندہ ہوں اور اس کے قبضہ قدرت میں ہوں اگر مجھ پر عذاب کرے تو میرے گناہوں کے سبب سے ہوگا اور مجھ پر مطلق ظلم نہ ہوگا اور اگر جو وعدہ مجھ سے کیا ہے، اُس کو پورا کرے تو وہ اس کا زیادہ سزاوار ہے کہ پورا کرے۔ جناب رسول خدا نے فرمایا کہ پھر میں نے اُن کے لیے موعا کی اور کہا خداوند اُس دل پر جلا کر اور اُس کا اجر اپنا ایمان قرار دے۔ خدا نے فرمایا میں نے قبول کیا۔ لیکن اُس کو اُن بلاؤں اور امتحانات سے مخصوص کیا ہے جن سے اپنے کسی دوست کا امتحان نہیں لیا ہے۔ میں نے عرض کی پروردگار! وہ میرا بھائی اور میرا صاحب ہے۔ فرمایا کہ میرے علم میں گزر چکا ہے کہ وہ مبتلا اور متمسک ہے۔ اُس کے ذریعہ سے میں لوگوں کا امتحان لوں گا نیز حافظ ابو نعیم نے دوسری سند سے انس سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا نے فرمایا کہ خدا نے مجھ سے عہد کیا ہے علیؑ کے حق میں کہ وہ ہدایت کے نشان و علامت ہیں۔ ایمان کے منارے اور میرے دوستوں کے پیشوا ہیں اور تمام

فرمانبرداروں کے نور ہیں۔ علیؑ میرے امین ہیں۔ قیامت میں میرے علمدار ہیں۔ علیؑ کے ہاتھ میں میرے پروردگار کی رحمت کے خزانوں کی کنجیاں ہوں گی۔

چوتھی روایت: احمد بن حنبل نے مسند میں اور احمد بیہقی نے اپنی صحیح میں جناب رسول خداؐ سے روایت کی ہے کہ جو شخص چاہے کہ نوحؑ کو ان کے عزم میں اور ابراہیمؑ کو ان کے علم میں اور موسیٰؑ کو ان کی دانائی میں اور عیسیٰؑ کو ان کے زہد میں دیکھے تو اس کو چاہیے کہ علیؑ کے چہرے کو دیکھے۔ مؤلف کہتے ہیں کہ فخر رازی نے اس حدیث کو اربعین میں احمد بیہقی کے فضائل الصحابہ سے اس طرح روایت کی ہے کہ جو شخص چاہے کہ آدمؑ کو ان کے علم میں نوحؑ کو ان کے تقویٰ میں ابراہیمؑ کو ان کی غلت میں، موسیٰؑ کو ان کی ہیبت میں، عیسیٰؑ کو ان کی عبادت میں دیکھے تو اس کو چاہیے کہ علی بن ابی طالبؑ کی جانب نگاہ کرے۔ پھر شیعوں کی جانب سے کہا ہے کہ ظاہر حدیث اس پر دلالت کرتا ہے کہ علی علیہ السلام ان صفات میں ان پیغمبروں کے مساوی ہیں اور اس میں شک نہیں وہ پیغمبر ان خدا ابو بکر سے افضل تھے۔ اور تمام صحابہ سے۔ اور افضل میں ساری افضل سے لہذا چاہیے کہ علیؑ ان سے افضل ہوں۔

پانچویں روایت: حافظ ابو نعیم نے حلیہ میں اور ابن حنبل نے مسند میں جناب رسول خداؐ سے روایت کی ہے کہ جو شخص دوست رکھتا ہے یہ کہ میری زندگی کے مانند زندگی گزارے اور میرے مرنے کی طرح مرے اور باقوت مرنے کی وہ شاخ پکڑ لے جسے خدا نے اپنے دست قدرت سے خلق کیا ہے اور اس سے کہا کہ ہو جا تو وہ پیدا ہو گئی تو اس کو چاہیے کہ ولایت علیؑ سے متمسک ہو۔

چھٹی روایت: مسند ابن حنبل سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خداؐ روز عرفہ کے بعد باہر آئے اور فرمایا کہ خداوند عالم نے تم سب پر عموماً ملائکہ سے مباحثات کیا اور سب کے گناہوں کو بخش دیا۔ میں جو بات کرتا ہوں اس میں اپنے رشتہ دار کی رعایت نہیں کرتا۔ بیشک سعادت مند اور مکمل سعادت مند وہ ہے اور حق سعادت مندی اس کے لیے ہے جو علیؑ کو دوست رکھتا ہے ان کی زندگی میں اور ان کے مرنے کے بعد بھی۔

ساتویں روایت: اور وہ حدیث احمد بن حنبل ہے جس کو کتاب فضائل و مسند میں روایت کی ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ سب سے پہلے قیامت میں جس کو طلب کریں گے میں ہوں گا۔ اور عرش کے داہنی جانب سایہ الہی میں کھڑا ہوں گا۔ پھر مجھے تلہ پہنائیں گے پھر ایک کے بعد دوسرے پیغمبر کو طلب کریں گے۔ اور عرش کے داہنی جانب کھڑا کریں گے اور ان کو تلہ پہنائیں گے۔ پھر علی بن ابی طالبؑ کو طلب کریں گے۔ اس قرابت کے سبب سے اور

اُس منزلت کے سبب سے جو میرے نزدیک ان کو حاصل ہے اُن کے ہاتھ میں میرا علم دیں گے جو لو اسے حمد ہے اور آدم اور جوآن کے بعد ہیں ہر ایک اُس علم کے نیچے ہوں گے پھر علیؑ سے خطاب کیا کہ تم علم لیے ہوئے آؤ گے اور میرے اور ابراہیمؑ علیہ السلام کے درمیان کھڑے ہو گے۔ پھر ایک جگہ تم کو پہنائیں گے پھر عرش سے ایک منادی ندا کرے گا کہ کیا اچھے پدر ہیں تمہارے پدر ابراہیمؑ اور کیا اچھے بھائی ہیں تمہارے بھائی علیؑ۔ لہذا تم کو خوشخبری ہو کہ تم کو بلائیں گے جب مجھ کو بلائیں گے اور تم کو نعت پہنائیں گے جب مجھ کو پہنائیں گے اور تم کو عطا کریں گے جب مجھ کو عطا کریں گے۔

اسطخویں روایت: حافظ ابو نعیم نے حلیہ میں انس سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا نے ایک روز مجھ سے فرمایا کہ میرے موصو کے واسطے پانی لاؤ۔ میں نے پانی حاضر کیا تو آپ اُٹھے اور موصو کیا اور دو رکعت نماز بجالائے اور فرمایا کہ سب سے پہلے جو تمہارے پاس اس دروازہ سے آئے گا، متقیوں کا امام، مسلمانوں کا بادشاہ، مومنوں کا یعسوب یعنی ان کا سلطان اور خاتم اوصیاء اور بہشت میں بیخبر یعنی نورانی چہرے اور ہاتھ پیر والوں کو لے جانے والا ہوگا۔ انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے دعا کی کہ خداوند اُس کو انصار میں سے کوئی آدمی قرار دے۔ میں نے اپنی دعا پوشیدہ رکھی۔ ناگاہ علیؑ آئے اور جناب رسول خدا نے فرمایا کہ کون آیا۔ میں نے عرض کی علیؑ آئے۔ یہ سن کر حضرت ان کے پاس شاد و خنداں آئے اور ہاتھ اُن کی گردن میں ڈال کر اُن کے چہرے کا پسینہ پاک کیا۔ علیؑ نے کہا یا رسول اللہؐ آج میں دیکھتا ہوں کہ آپ میری نسبت وہ کام کرتے ہیں کہ پہلے نہیں کیا تھا۔ حضرت نے فرمایا کیوں نہ کروں حالانکہ تم میری جانب سے میری رسالت غلاف کو پہنچاؤ گے اور میری آواز اُن کو سناؤ گے۔ اور ان سے وہ بیان کرو گے جس میں میرے بعد اختلاف کریں گے۔

نویں روایت: حافظ نے حلیہ میں عائشہ سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا نے فرمایا کہ سید عرب کو میرے پاس بلاؤ اور وہ علیؑ ہیں۔ میں نے کہا کیا آپ سید عرب نہیں ہیں۔ فرمایا میں تمام فرزند ان آدم کا سردار ہوں اور علیؑ سید عرب ہیں۔ جب علیؑ آئے حضرت نے انصار کو طلب فرمایا اور فرمایا کہ اے گروہ انصار کیا تم چاہتے ہو کہ میں تم کو وہ بات بتاؤں کہ اگر تم اس سے متمسک رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ اسٹخویں نے عرض کی یا رسول اللہؐ حضرت نے فرمایا وہ علیؑ ہیں۔ اُن کو میری دوستی کے سبب سے دوست رکھو اور گامی رکھو میری کرامت کی وجہ سے۔ بیشک جب رسول نے مجھ کو حکم دیا کہ میں خدا کی جانب سے تم کو یہ اطلاع دے دوں۔

دسویں روایت: حافظ نے حلیہ میں روایت کی ہے کہ ایک روز علیؑ آئے تو رسول خدا نے اُن سے فرمایا۔ مرحبا اے مومنوں کے سردار اور متقیوں کے امام۔ لوگوں نے کہا اے علیؑ اس نعمت

پر تھا را شکر کس قدر ہے؟ آپ نے فرمایا میں خدا کی حمد اُس نعمت پر کرتا ہوں جو اُس نے مجھے دی ہے اور اُس سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے توفیق دے کہ میں اُس کا شکر اس پر ادا کروں جو اُس نے عطا فرمایا ہے۔ اور جو کچھ مجھے انعام کیا ہے اُس پر اور اضافہ کرے۔

گیارھویں روایت: حلیہ میں روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا نے فرمایا کہ جو شخص چاہتا ہے کہ زندگی گزارے پیری زندگی کی طرح اور دنیا سے رخصت ہو میرے رخصت ہونے کی طرح اور جنتِ عدن میں سکونت پذیر ہو جسے میرے پروردگار نے تیار کیا ہے۔ تو اُسے چاہیے کہ میرے بعد علیؑ سے محبت کرے اور اُن کے دوستوں سے دوستی کرے۔ اور میرے بعد اماموں کی پیروی کرے بیشک وہ میری عزت میں اور میری طینت سے خلق ہوئے ہیں اور ان کو میرا علم و فہم دیا گیا ہے۔ وائے ہو اُس مہو میری امت میں سے میرے بعد ان کی تکذیب کرے اور اُن کے حق میں میرا صلہ رحم قطع کرے خدا میری شفاعت اُن کو نہ پہنچائے۔

بارھویں روایت: احمد سے مستند اور کتاب فضائل میں اور صاحب فردوس الاخبار نے روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا نے فرمایا کہ میں اور علیؑ ایک نور خداوندِ عالم کے نزدیک تھے۔ چودہ ہزار سال قبل اس کے کہ خدا آدم کو خلق کرے، خدا نے اُس نور کے دو حصے کئے۔ ایک جزو میں تھا اور ایک جزو علیؑ تھے اور فردوس الاخبار میں اضافہ کیا ہے کہ پھر ہم صلبوں میں منتقل ہوئے۔ یہاں تک کہ صلب بعد المطلب تک پہنچے۔ میرے لیے نبوت اور علیؑ کے لیے وصایت ہوئی۔

تیرھویں روایت: احمد نے مسند میں روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا نے فرمایا اور علیؑ سے خطاب کیا کہ تمہارے چہرہ پر نظر کرنا عبادت ہے تم دنیا و آخرت میں سید و سرور ہو۔ جو شخص تم کو دوست رکھتا ہے اُس نے مجھ کو دوست رکھا ہے اور میرا دوست خدا کا دوست ہے اور تمہارا دشمن میرا دشمن ہے اور میرا دشمن خدا کا دشمن ہے۔ وائے ہو اُس پر جو تم کو دشمن رکھے۔

چودھویں روایت: احمد نے کتاب فضائل میں روایت کی ہے کہ شب جنگ بدر جناب رسول خدا نے فرمایا کہ کون ہے کہ پانی میرے واسطے لائے۔ سب نے انکار کیا علیؑ نے ایک مشک اٹھائی، رات بہت تاریک تھی وہ ایک گہرے کنوئیں پر آئے اور اُس کی گرائی میں اترے۔ اُس وقت خدا نے جبریلؑ و میکائیلؑ اور اسرافیلؑ کو وحی کی کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کے بھائی علیؑ اور ان کے لشکر کی نصرت و مدد کے لیے تیار رہو۔ وہ آسمان سے زمین پر شور اور آواز لگاتے ہوئے آئے جن کو جو سنتا تھا ڈر جاتا تھا۔ جب وہ فرشتے کنوئیں پر پہنچے سب نے حضرت علیؑ کو ان کے اکرام و اجلال کے سبب سے سلام کیا اور اس حدیث کو احمد

تے دوسری سند سے انس سے روایت کی ہے۔ اُس کے آخر میں اتنا اضافہ اور ہے کہ مروری کا تعلق نے فرمایا کہ اسے علیؑ روز قیامت ایک ناقہ بہشت کے ناقول میں سے تمہارے واسطے لایا جائے گا۔ تم اُس پر سوار ہو گے۔ تمہارا زانو میرے زانو کے ساتھ اور تمہاری ران میری ران کے ساتھ ہوگی۔ یہاں تک ہم دونوں داخل بہشت ہوں۔

پندرھویں روایت: پھر احمد نے کتاب فضائل میں روایت کی ہے کہ رسولِ خداؐ نے ایک خطبہ پڑھا۔ اُس میں فرمایا ایسا الناس میں اپنے داماد بھائی اور پسر عم علیؑ سے محبت کی تم کو وصیت کرتا ہوں۔ بیشک اس کو دوست نہیں رکھتا۔ مگر مومن اور اس کو دشمن نہیں رکھتا مگر منافق اور جو شخص اُس کو دوست رکھتا ہے اُس نے مجھ کو دوست رکھا ہے اور جس نے اُس کو دشمن رکھا اُس نے بیشک مجھ کو دشمن رکھا ہے۔ اور جو شخص مجھ کو دشمن رکھے گا خدا اُس کو جہنم کی آگ میں مغرب فرمائے گا۔

سولہویں روایت: پھر کتاب فضائل سے ابن جنبل نے روایت کی ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ خدا نے علیؑ کے حق میں پانچ چیزیں مجھ کو عطا کی ہیں۔ جو مجھ کو دنیا اور جو کچھ دُنیا میں ہے سب سے زیادہ محبوب ہیں (پہلی) وہ پیشِ خدا میرا تکبیر (سہارا) ہے یہاں تک کہ خدا حسابِ خلافت سے فارغ ہو۔ (دوسری) لو اتے محمد اس کے ہاتھ میں ہوگا۔ اور آدمؑ اور ان کی تمام (نیک) اولاد اُس کے سایہ میں ہوگی۔ (تیسری) پیرِ حوض کے کنارے وہ کھڑے ہوں گے اور جس کو وہ میری اُمت میں سے پہچانیں گے کہ ان کے دوستوں میں سے ہے کوثر کے پانی سے اس کو سیراب کریں گے۔ (چوتھی) وہ میری ستر پوشی کریں گے اور مجھ کو دفن کریں گے۔ (پانچویں) یہ کہ مجھے ان کے بارے میں خوف نہیں ہے کہ میرے بھائی ان سے پھر جائیں گے یا زانی ہوں گے۔

سترھویں روایت: حافظ ابو نعیم کی حلیہ سے روایت کی ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ اسے علیؑ مجھے تم پر پیغمبری کی فضیلت حاصل ہے کیونکہ پیغمبری میرے بعد نہیں ہے اور تم تمام صحابہ اور لوگوں سے بہتر ہو۔ اور سات چیزوں میں اُن سے زیادہ ہو۔ قریش میں سے کوئی شخص اُن میں تم سے نزاع نہیں کر سکتا۔ (۱) تم سب سے پہلے خدا پر ایمان لائے ہو اور (۲) سب سے پہلے عہدِ خدا کو پورا کرنے والے ہو (۳) اور سب سے زیادہ خدا کے حکم پر قیام کرنے والے ہو۔ (۴) اور سب سے زیادہ لوگوں میں مساوی تقسیم کرنے والے ہو۔ (۵) اور رعایا میں سب سے زیادہ انصاف کرنے والے ہو (۶) اور خلافت کے درمیان سب سے زیادہ تھنار و قدر کے جاننے والے ہو (۷) تمہاری عزت و منزلتِ خدا کے نزدیک سب سے زیادہ ہے۔

اٹھا روئیں روایت پر مستند احمد نے روایت کی ہے کہ جناب فاطمہؑ نے کہا کہ یا رسول اللہ! آپ نے مجھ کو ایک فقیر سے تزویج فرما دیا ہے جو مال نہیں رکھتا۔ حضرت نے فرمایا کہ میں نے تم کو اس سے تزویج کیا ہے جس کا اسلام سب سے پہلے ہے۔ اس کا علم سب سے زیادہ ہے۔ اس کا علم سب سے بڑھا ہوا ہے کیا تم نہیں جانتی ہو کہ خدا اہل زمین پر مطلع ہوا اور ان سب میں سے تمہارے شوہر کو برگزیدہ کیا۔

اقیسویں روایت: ابن ابی الحدید نے تفسیر ثعلبی سے روایت کی ہے اور تفسیر مذکورہ میں بالفعل موجود ہے کہ جب سورۃ اذا جاء نازل ہوئی جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے واپسی کے بعد اس کی سبحان اللہ اور استغفر اللہ کہنے پر بہت مداومت کرتے تھے اور فرمایا کہ اے علیؑ جو کچھ خدا نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا وہ مجھے حاصل ہو گیا۔ کہ فتح ہوا اور لوگ دین خدا میں فرج در فرج داخل ہوتے بیشک تم سے زیادہ کوئی شخص میرے مقام کا سزاوار نہیں اس تقدم کے سبب سے جو اسلام میں تم کو سب پر حاصل ہے اور اس قرابت کے باعث جو تم مجھ سے رکھتے ہو۔ تم میرے داماد ہو۔ تمہارے پاس بہترین زنان عالمیاں ہے اور اس سے پہلے مجھ پر ابوطالب کی نعمتیں اور ان کے حقوق ثابت ہیں جبکہ قرآن نازل ہوا میں بہت حرصیں ہوں اور بہت چاہتا ہوں کہ ان کے حقوق کی رعایت ان کی اولاد کے ساتھ کروں۔ ابن ابی الحدید نے بعد اس کے کہ ان احادیث کو نقل کیا ہے کہا ہے کہ میں نے ان خبروں کو اس مقام پر اس لیے نقل کیا ہے کہ بہت سے لوگ جو ان حضرت سے مخرف ہیں جب دیکھتے ہیں کہ جناب امیرؑ اپنے اوپر خدا کی نعمتوں کی یاد آوری کے لیے خطبوں میں اپنے کمالات و فضائل کو ذکر کرتے ہیں تو ان حضرت کو بکبر اور گھمنڈ سے نسبت دیتے ہیں اور بعض صحابہ نے بھی اس سے پہلے یہ کہا ہے چنانچہ عمر سے جب لوگوں نے کہا کہ لشکر اور جنگ کی سرداری علیؑ کے اوپر چھوڑ دو تو عمر نے کہا کہ ان کا بکبر اس سے زیادہ ہے کہ وہ اس کو قبول کریں۔ اور زید بن ثابتؓ کہتا تھا کہ ہم نے علیؑ اور اس امر سے زیادہ متکبر کسی کو نہیں دیکھا ہے۔ لہذا ہم نے ان حدیثوں کو بیان کیا تاکہ لوگ سمجھیں کہ جو شخص یہ منزلت جناب رسول خداؐ کے نزدیک رکھتا ہو، اور اس حضرت نے ان کی شان میں یہ سب فرمایا ہو وہ اگر آسمان کے اوپر چڑھ جائے اور فرشتوں اور انبیاء پر فخر کرے تو مناسب ہے اس کو ملامت نہ کرنا چاہیے۔ باوجودیکہ ان حضرت نے کبھی اپنی گفتار اور کردار میں تکبر نہیں کیا اور آپ کا کطف و کرم و علق و تواضع سب سے بڑھی ہوئی تھی۔ یہاں تک کہ آپ کے دستوں کی مزاح و خوش طبعی کے بارے میں مذمت کرتے تھے اور جب کبھی ان حضرت سے اس طرح کی باتیں صادر ہوتی تھیں تو یہ اس سبب سے ہوئی تھیں

جو آپ کے پُروردہ سینہ میں غموں کے امواجِ طلاطم کے سبب سے جوش مارتے تھے۔ یہ آہ سرد تھی جو حضرت دل پُروردہ سے کھینچتے تھے اور یہ شکایت تھی جو زمانہ کی ناموافقیت کے سبب فرماتے تھے یا خدا کی نعمتوں کا شکر تھا جو خدا نے اُن کو عطا فرمایا تھا اور غافلوں کے لیے تنبیہ تھی جو آپ کے فضائل کا اعتراف و اقرار نہ کرتے تھے۔ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے باب سے تھی جو آپ پر واجب تھا کہ آپ کچھ اپنے فضائل کا اظہار فرماتے تاکہ لوگ آپ کے حق میں اعتقاد باطل نہ کریں اور دوسروں کو فضیلت میں آپ پر مقدم نہ کریں۔ اور خدا نے اس کو منع فرمایا ہے جیسا کہ فرمایا ہے۔ افسوس یلہدی الی الحق ان یتبع امن لایہلک الا ان یتلکھا فما لکم کیف تحکمون ہ یہاں تک کلام ابن ابی الحدید کا ترجمہ تھا۔

مؤلف فرماتے ہیں کہ خداوندِ عالم مخالفوں کی آنکھ اور کان کو بند کر کے حق ان کی زبانوں پر جاری کرتا ہے تاکہ اُن پر شیعوں کی حجت قائم ہو۔ کس قدر عجیب بات ہے کہ یہ فاضل باوجود اپنی فضیلت علمی کے ان حدیثوں کو نقل کرتا ہے اور ان کی صحت کی تصدیق کرتا ہے کہ ان فضائل کے مصدقوں میں ایک حصہ بھی دوسروں کے حق میں وارد نہیں ہوا ہے، اور اُن حضرت کی فضیلت کا اقرار ہر حیثیت سے کرتا ہے اور اُن حضرت کی منظومیت کا بھی اقرار کرتا ہے اور اُن حضرت پر واجب بھی جانتا ہے کہ بُرائیوں سے روکنے کی صورت میں اپنی فضیلت اور اُن کے نقص کا اظہار کریں اور اس آیت کو گواہی میں پیش کرتا ہے جو اس امر میں صریح ہے کہ اعلم کے ہوتے ہوئے غیر اعلم کے لیے امامت جائز نہیں ہے اور اسی کے ساتھ ان غیر اعلم کو خلیفہ بھی جانتا ہے اور اُن حضرت کو پچیس سال تک اُن کی رعایا میں بھی سمجھتا ہے اور ان کا اُن حضرت کا واجب الاطاعت اہم جانتا ہے۔ اِن هَذَا الشَّيْءُ عَجَابٌ (یقیناً یہ کس قدر تعجب کی بات ہے)۔

واضح ہو کہ جن حدیثوں کو میں نے اس فضل اور سابقہ فصلوں میں بیان کیا ہے۔ مخالفین ان کی صحت سے انکار نہیں کر سکتے۔ اس لیے جو کچھ میں نے نقل کیا ان کی صحاح ستہ سے نقل کیا ہے جو متفق علیہ ہیں اور نہ اُن روایتوں اور حدیثوں کی صحت سے انکار کر سکتے ہیں جو اُن کی دوسری تمام مشہور کتابوں سے ہم نے نقل کیا ہے جو ان کے اکابر علماء کی ہیں۔ جیسے مسند احمد بن حنبل جن کا مؤلف ان کے چار اماموں میں سے ایک ہے اور اُن کے چار مذاہب میں ایک مذہب اس کی طرف منہ ہی ہوتا ہے اور حافظ ابو نعیم کی کتابیں ہیں جن کی توثیق ان کے تمام عالموں نے کی ہے اور اُن کی کتابوں کو معتبر جانتے ہیں۔ اور تفسیر ثعلبی جو ان کے مشہور مفسر کی ہے اور تمام تفسیروں میں اُس سے مضامین نقل کرتے ہیں اور وہ تمام کتابیں ان کی مشہور کتابیں ہیں جن سے ہم نے نقل کیا ہے۔ ان میں سے اکثر فضل و اعتبار میں عامر کے نزدیک صحاح کے مؤلفین سے زیادہ ہیں

چونکہ اُن چھ اشخاص کا تعصب دوسروں سے زیادہ ہے اس لیے اُن کو معتبر قرار دیا ہے اور جن حدیثوں سے ہم اُن پر حجت قائم کرتے ہیں سب متفق علیہ ہیں جن کو ہمارے اور اُن کے علماء سب نے روایت کی ہے اور جو حدیثیں وہ اُن کے مقابلہ میں لاتے ہیں چند وضعی حدیثیں ہیں جن کا ہمارا کتابوں میں مطلق اثر نہیں ہے اور ان کے وضع کی علامتیں ظاہر ہیں۔ جو شخص کچھ بھی انصاف رکھتا ہے جانتا ہے کہ اکثر حدیثیں جو اس مقام پر نقل کی گئی ہیں اور اُن کے بڑے بڑے علماء اُن کی صحت کا اقرار کر چکے ہیں وہ صریح ہیں امامت پر کیونکہ امامت عرف حدیث و قرآن میں امامت و ریاست کبریٰ میں صریح ہے۔ جو شخص نفس رسول کے مثل ہو غیر کی رعایا نہیں ہو سکتا۔ اور حدیث ابتلا امامت اور تعصب خلافت میں کئی مقام میں صریح ہے۔ اور جو شخص کہ انبیاء کی مشہور صفتوں سے متصف ہو۔ اور سب اُس کے لوازم کے نیچے ہوں اور جس کا درجہ رسولِ خدا اور ابراہیم کے درمیان ہو رعایا تے نا اہل نہیں ہو سکتا جس کی چند نا اہلوں نے بیعت کی ہو۔ اور حدیث وصیت کے اکثر فقرات اُس منصف مزاج شخص کے نزدیک بولغات و مصطلحات کا جائزہ والا ہو امامت پر دلالت کرتے ہیں خصوصاً امام المتقین، سید المسلمین، یحیوٰی المؤمنین اور خاتم الوصیین کی امامت پر کیونکہ معلوم ہے کہ وصایت سے مراد نیابت پیغمبر، ریاست امور امت اور ان کی ہدایت ہے۔ جیسا کہ دوسرے انبیاء کی وصیت کا یہی مطلب ہے۔ لیکن آنحضرت کے کوئی لڑکا نہ تھا جس کے لیے وصیت فرماتے اور کچھ مال نہیں رکھتے تھے کہ اُس کے بارے میں وصیت کرتے خصوصاً عامہ کے طریقہ کی بنا پر جو کہتے ہیں کہ آنحضرت میراث نہیں رکھتے اور آنحضرت کی حدیث و وصایت متواتر ہے۔ ابن ابی الحدید نے اکثر صحابہ کے بہت سے اشعار نقل کئے ہیں جو وصایت کے ضمن میں ہیں۔ نیز آخر حدیث امامت میں صریح ہے کیونکہ جناب رسولِ خدا کی جانب ادائے رسالت اور آپ کی آواز اُن کو سنوانا یعنی جو کچھ اُن حضرت سے سنتے ہیں عصمت کے اعتبار سے یقین رکھتے ہیں کہ آنحضرت کا فرمودہ ہے گویا خود رسول کی آواز سننی ہے۔ نیز جب وہ آنحضرت کی جان اور نفس کے مثل ہیں تو آپ کی آواز آنحضرت کی آواز ہے۔ نیز امامت کے مابین اختلاف میں بیان حق سب امام کا کام ہے اور امامت کا نتیجہ ہے۔ نیز نویں حدیث میں تمام عرب کا سید و سرور ہونا اور اُن حضرت کی محبت کا ہدایت ابدی قرار پانا امامت کے رتبہ سے بالاتر ہے۔ دسویں حدیث امامت اُن جہتوں سے صریح ہے جو مذکور ہوئیں۔ گیارھویں حدیث آپ کی اور آپ کی اولاد امجاد کی امامت میں صریح ہے۔ بارھویں حدیث وصیت اور انتہائی خصوصیت و کرامت کے اعتبار سے امامت میں واضح ہے۔ سترھویں حدیث دلالت کرتی ہے کہ وہ حضرت سوائے رسولِ خدا کے تمام خلق سے افضل ہیں

اور امامت پر حجت کاملہ ہے، اُس تقریر کی رُو سے جو مذکور ہوئی۔ آخری حدیث اس بات پر صریح ہے کہ جناب رسول خداؐ نے خلافت کی تعیین اُن حضرت کے لیے کی اور سرورِ عالم بغیر حکمِ خدا کوئی کام نہیں کرتے تھے اور حق تعالیٰ اپنے رسولؐ کی خواہش رو نہیں کرتا تھا اور جب تک آنحضرتؐ نے اس امر کو مکرر خدا سے نہیں کہا یا اظہار نہیں فرمایا۔ اور تمام روایتیں اور حدیثیں اُن حضرتؐ کی جلالت و امتیاز میں صریح ہیں اور غیر کو اُن پر ترجیح دینا تفصیل مفضول اور عقلاً قبیح ہے اگر کوئی مستحصب ان میں ہر ایک کے بارے میں نزاع کرے تو شک نہیں ہے کہ ان سب کا جتماع اُن حضرتؐ کی امامت و خلافت کے استحقاق پر باہم علم یقین کا مورث ہے اور جس شخص کی آنکھیں تعصب و عناد نے بند کر دی ہیں اور وہ کسی حق سے دُنیا میں ہدایت نہیں پاتا تو وہ اقرار نہ کرے گا۔ ولعل جعل لہ نوراً فمالہ من نوراً۔

آٹھویں فصل اُس جماعت کے مطاعن کا تذکرہ جنہوں نے اُن حضرتؐ کا حق غصب کیا اور یہ کہ وہ قابلِ خلافت نہ تھے۔ لہذا حق آنحضرتؐ کی ذات میں منحصر تھا۔ کیونکہ باجماع حق ان میں اور اُن حضرتؐ میں منحصر تھا اور جب اُن کی خلافت باطل ہوئی تو جنازہ امیرؓ کی خلافت ثابت ہوئی۔ اس میں چند مطالب ہیں۔

پہلا مطلب: ابو بکر کے مطاعن کا تذکرہ اور وہ بہت ہیں۔ اس رسالہ میں مختصر سے مطاعن کے ذکر پر ہم اکتفا کرتے ہیں۔

(طعن اول) یہ کہ جب امیرِ عظیمہ درپیش ہوتے تھے تو جناب رسول خداؐ بڑے بڑے صحابہ کو سپرد فرماتے تھے۔ اور کوئی معاملہ ابو بکر کے سپرد نہیں کیا سوائے اہلِ مکہ پر آیاتِ سورۃ براءت پڑھنے کے جب وہ آیتیں لے کر روانہ ہوتے تو ہر سال نازل ہوتے اور کہا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ کوئی رسالت ادا نہیں کر سکتا۔ مگر اے رسول تم یا وہ جو تم سے ہو۔ اس کے بعد امیر المؤمنین گئے اور ابو بکر سے آیتیں لے کر ان کو واپس کر دیا۔ اور آیتوں کو موسم حج میں مکہ میں پڑھا اور یہ معلوم ہے کہ جناب رسول خداؐ بغیر حکمِ خدا کچھ نہیں کرتے تھے۔ لہذا خدا نے حکم دیا تو ابو بکر کو دیا۔ پھر اُن سے لے لیا۔ اس میں کوئی حکمت اس کے سوا ظاہر نہیں ہے کہ معلوم ہو جائے کہ وہ خلافت و امامت کی اہلیت نہیں رکھتے۔ بعض مخالفین کہتے ہیں کہ ابو بکر حاجیوں کی سرداری سے معزول نہیں ہوئے اور ان کے ساتھ تھے۔ یہ امر ان کی اکثر معتبر روایتوں میں نہیں ہے بلکہ اُن کی روایتوں کے خلاف ہے اگرچہ ان کے لیے کچھ فائدہ نہیں اور دوسرے گروہ نے کہا ہے کہ عرب میں رواج تھا کہ جب اُن کا کوئی بزرگ کوئی عہد کرتا تھا تو چاہیے کہ ان کے بزرگانِ قبیلہ اس عہد کو نہ توڑیں۔ یہ بالکل بے اصل بات ہے جو ان کی کسی قدیم کتاب میں موجود نہیں ہے۔ ابن

ابن الحدید نے بھی اعتراف کیا ہے کہ یہ عرب کے رسم و رواج میں معروف نہیں ہے اور یہ وہ
 تاویل ہے جو خواہاں ابوبکر نے اختراع کی ہے نیز اگر عادت معروف اور مقرر تھی تو چاہیے
 کہ آنحضرتؐ سے پوشیدہ نہ ہو۔ لہذا پہلے ابوبکر کو نہ بھیجتے اور اگر آنحضرتؐ سے پوشیدہ تھی تو
 چاہیے کہ ابوبکر و عمر اور تمام صحابہ پر جو جاہلیت کی عادتیں جانتے تھے پوشیدہ نہ ہوں گی۔ وہ
 آنحضرتؐ کو آگاہ کرتے کہ ابوبکر کا بھیجنا قاعدہ کے خلاف ہے اور اگر یہی سبب تھا تو چاہیے
 تھا کہ جب ابوبکر ناکام اور محزون آتے تھے تو آنحضرتؐ اُن سے یہی عذر کرتے۔ اور کسی روایت
 میں مذکور نہیں ہے کہ حضرتؐ نے یہ عذر کیا ہو۔ بلکہ جو عذر روایتوں میں مذکور ہے یہ ہے کہ حضرتؐ
 نے فرمایا کہ جبرئیل نازل ہوئے اور کہا کہ ادا تے رسالت تمہاری طرف سے نہیں کرے گا۔ گروہ
 جو تم سے ہو اور سب سے زیادہ تجھت نیز یہ ہے کہ پیش نمازی کی نیابت جو ثابت نہیں ہے
 کہ رسول کے حکم سے ہوئی ہو بلکہ اس کے خلاف ظاہر ہے اور ان کے اعتقاد میں ہر فاجر نماز
 کی امامت کر سکتا ہے۔ اور اُس کو ابوبکر کی خلافت کی دلیل قرار دیتے ہیں۔ اور ابوبکر کا معزول
 ہونا اور آیات کو امیر المؤمنین کے حوالے کرنا حکم خدا اور آپ کی فضیلت کا منشا نہیں جانتے۔
 (دوسری طبع) یہ کہ جناب رسول خداؐ نے اسامہ بن زید کو لشکر کا سردار مقرر فرمایا۔ اور
 صحابہ کی ایک جماعت کو اُس کے ماتحت قرار دیا اور تاکید فرمائی کہ جنگِ روم کے لیے بلا ناہی
 روانہ ہو جائیں۔ اور ابوبکر و عمر بھی اُس کے ماتحتین میں تھے اور آنحضرتؐ نے اُس پر لعنت کی
 جو اسامہ کے لشکر سے پیچھے رہ جائے اور وہ لوگ خلافتِ غصبِ کھنکی فرض سے اُسکے ساتھ نہیں گئے۔
 اور مستحق لعن ہوئے اور حالات کے قرآن سے واضح ہے کہ آنحضرتؐ کی غرض جمیشِ اسامہ کے
 روانہ کرنے اور جلد سے جلد مدینہ سے اُس کے نکل جانے سے یہ تھی کہ مدینہ منافقین سے خالی
 ہو جائے اور خلافتِ حضرتؐ کے اپنے وصی پر قرار پا جائے۔ یہ مضامین متعدد طریقوں سے
 اُن کی تاریخ و میر کی معتبر کتابوں میں مذکور ہے۔ چنانچہ ابن ابی الحدید نے احمد بن عبد العزیز
 جوہری کی کتاب سے عبد اللہ بن عبد الرحمن سے روایت کی ہے کہ رسول اللہؐ نے اپنے مرض
 موت میں اسامہ کو ایک لشکر پر سردار مقرر کیا جس میں اکثر مہاجر و انصار داخل تھے۔ مگر اُن کے
 ابوبکر و عمر، عبیدہ بن جراح، عبد الرحمن بن عوف، طلحہ و زبیر تھے اور حکم دیا کہ موت پر حملہ کرے۔
 جہاں اُس کے باپ زید شہید ہوئے تھے۔ اور اُس وادی میں جو فلسطین ہے جنگ کرے۔
 اسامہ اور اُس کا لشکر جانے میں غفلت سے کام لیتا تھا۔ حضرتؐ کا مرض کبھی شدید ہوتا تھا
 کبھی ہلکا۔ اور آپ ہر حال میں لشکر روانہ ہونے کی تاکید فرماتے تھے۔ آخر اسامہ نے عرض کی
 کہ میرے باپ ماں آپ پر فلا ہوں۔ اجازت دیجئے کہ اس وقت تک یہاں ٹھہروں جب تک

خدا آپ کو شفا عطا فرماتے۔ فرمایا شہر سے چلے جاؤ اور خدا کی برکت کے ساتھ جلد جاؤ۔ اُس نے کہا یا رسول اللہ! مگر آپ کو اس حال سے چھوڑ کر جانا ہوں میرا دل آپ کے لیے مضطرب ہوگا۔ فرمایا جاؤ نصرت و عافیت کے ساتھ۔ اُس نے کہا میں اس بات سے کراہت رکھتا ہوں کہ جاؤ اور آپ کے حالات لوگوں سے دریافت کروں۔ حضرت نے فرمایا جاؤ اور میری اطاعت کرو۔ پھر آنحضرت پر مرض کی شدت ہوئی اور اسامہ اُٹھ کر چلے تاکہ لشکر لے کر روانہ ہوں۔ حضرت ہوش میں آئے تو اسامہ اور اُس کے لشکر کا حال پوچھا۔ لوگوں نے کہا جانے کی تیاری کر رہے ہیں۔ پھر مکر فرمایا کہ لشکر اسامہ کو روانہ کرو۔ خدا اُس پر لعنت کرے جو اس کے ساتھ نہ جائے اور بار بار یہ فرماتے رہے۔ آخر اسامہ نے علم بلند کیا اور روانہ ہوئے اور صحابہ اُس کے ساتھ چلے یہاں تک کہ جرف میں جو مدینہ کے باہر ایک مقام ہے ٹھہرے۔ اُس کے ساتھ ابو بکر و عمر اور اکثر ہاجرین اور رؤساء اور انصار کے سرکردہ لوگ تھے۔ یہاں تک کہ ام ایمن نے کسی کو ان کے پاس بھیجا کہ مدینہ واپس آؤ کیونکہ آنحضرت دُنیا سے روانہ ہونے کی تیاری میں ہیں اسامہ نے جب یہ سنا علم اٹھایا اور لے کر مدینہ میں داخل ہوئے۔ اور حکم حضرت کے دروازہ پر نصب کیا۔ حضرت نے اُسی وقت عالمِ قدس کی جانب رحلت فرمائی۔ ابو بکر و عمر اپنی تمام عمر اسامہ کو امیر کہہ کر خطاب کرتے تھے۔

واقعی، بلاذری، محمد بن اسحاق، زہری اور بلال بن عامر اور اکثر مورخین و محدثین عامہ نے کہا ہے کہ ابو بکر و عمر لشکر اسامہ میں داخل تھے۔ اور نقل کرتے ہیں کہ ابو بکر و عمر نے جب اپنی خلافت کی خبر اسامہ کو بھیجی تو اسامہ نے کہا میں نے اور جو لشکر میرے ساتھ ہے اُس نے تم کو اپنا ولی نہیں بنایا اور جناب رسولِ خدا نے مجھ کو تم پر امیر مقرر فرمایا اور معزول نہیں کیا۔ یہاں تک کہ دُنیا سے رحلت فرمائی۔ تم اور تمہارے ساتھی عمر میری اجازت کے بغیر واپس گئے اور کوئی امر رسولِ خدا سے مخفی نہ تھا وہ مجھ کو اور تم کو پہچانتے تھے۔ مجھ کو تم پر امیر مقرر فرمایا اور تم کو مجھ پر امیر مقرر نہیں کیا تھا۔ ابو بکر نے چاہا کہ خلافت سے اپنے کو معزول کر لیں۔ لیکن عمر نے نہیں ہونے دیا۔ پھر اسامہ واپس آئے اور مسجد کے دروازہ پر کھڑے ہوئے اور باواز بلند کہا کہ مجھے تعجب ہے اُس شخص پر کہ جناب رسولِ خدا نے مجھ کو اس پر امیر مقرر فرمایا اور اُس نے مجھ کو معزول کیا اور مجھ پر امیر ہونے کا دعوے کرتا ہے۔ اور محمد شہرستانی نے کتاب مل و نخل میں ان اختلافات کے بیان میں لکھا ہے جو صحابہ کے درمیان آنحضرت کے مرض میں ہوئے یہ تھا کہ حضرت رسولِ خدا نے فرمایا کہ اسامہ کی کار سازی کرو، خدا لعنت کرے اُس پر جو اُس کے لشکر سے پیچھے رہ جائے۔ ایک گروہ نے کہا کہ ہم پر آنحضرت کے حکم کی اطاعت واجب ہے اور اسامہ

۴ آنحضرت کے حکم سے مدینہ سے باہر گئے ہیں۔ بعض لوگوں نے کہا کہ آنحضرت کا مرض شدید ہو گیا اور ہمارے دل کو تاب نہیں کہ حضرت کو اس حال میں چھوڑیں یہاں تک کہ دکھیں حضرت کا معاملہ کہاں ختم ہوتا ہے۔

ان ابواب کے ہر ایک باب سے متعلق میں نے بحار الانوار میں بہت سی حدیثیں مخالفین کی کتابوں سے لکھی ہیں اور یہ واقعاتیں صورتوں سے ان تینوں خلفاء کی خلافت باطل ہونے پر دلیل ہے۔

پہلی صورت :- آنحضرت نے اسامہ کو ان پر امیر مقرر کیا اور معزول نہیں کیا اور وہ اسامہ کی حکومت و امارت کے ماتحت تھے۔ یہاں تک کہ حضرت دنیا سے رخصت ہوئے۔ لہذا جب وہ اسامہ کی رعایا اور محکوم ہوئے اور اسامہ اتفاقِ خلیفہ نہ تھے بلکہ ان پر واجب تھا کہ جو خلیفہ ہو اس کی اطاعت کرے۔ لہذا یہ عزت بھی خلیفہ نہیں ہو سکتے بلکہ ان پر بھی واجب تھا کہ جو خلیفہ ہو اس کی اطاعت کریں۔

دوسری صورت :- یہ کہ لشکرِ اسامہ میں شامل ہی نہ ہو اور جس نے جیشِ اسامہ سے تخلف کیا بقول سرورِ عالم ملعون ہے اور ملعون ہونا خلافت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔

تیسری صورت :- یہ کہ ان لوگوں نے آنحضرت کے حکم سے انحراف و اعتراض کیا اور جو شخص ایسا کرے وہ مومن نہیں جیسا کہ خداوندِ عالم نے فرمایا ہے۔ **وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّى فِرْيَقًا مُّنتَهَكًا مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَمَا أُولَئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ** یعنی کہتے ہیں کہ ہم خدا و رسول پر ایمان لائے اور ان کی اطاعت کی۔ اس کے باوجود ان میں سے ایک فرقہ اس کے بعد روگردانی کرتا ہے اور اطاعت نہیں کرتا تو یہ لوگ مومن نہیں ہیں۔

تیسری طعن :- ان مظالم کا بیان جو ابو بکر نے عمر اور تمام منافقین کے ساتھ اعلیٰ عصمت و طہارت پر غضبِ خلافت کے سلسلے میں کیے (اول غضبِ خلافت کا ذکر ایشیہ کا بیان جو اہل بیت

طہارت و رسالت اور ثقات و متدینین صحابہ سے منقول ہے۔ ہم مختصر بیان کرتے ہیں اور اس کے بعد اس کے ہر جزو کو مخالفین کی معتبر کتابوں میں جو مذکور و مشہور ہیں بیان کریں گے تاکہ معلوم ہو کہ اجماع اور بیعت جس سے وہ ان کی خلافت میں متمسک ہوئے ہیں اسلام سے ان کے انحراف کی دلیل ہے نہ کہ ان کی خلافت حق ہونے کی۔

شیخ طبرسی نے احتجاج میں صحیح سندوں سے روایت کی ہے متواتر روایتوں کے مطابق جو تمام شیعہ کتب میں مذکور ہیں اور اگر جب آنحضرت کا مرض شدید ہوا۔ آپ نے انصار کو طلب کیا اور

علیؑ و عباسؑ پر سہارا دے کر خانہ اقدس سے باہر نکلے اور مسجد کے ایک ستون سے تکیہ کیا اور
 خطبہ پڑھا اور اپنے اہلبیت کے بارے میں وصیت فرمائی اور فرمایا کہ کوئی پیغمبر دنیا سے نہیں
 گیا ہے مگر یہ کہ اپنا خلیفہ اپنی امت میں چھوڑا ہے اور میں تمہارے درمیان دو امر بزرگ چھوڑتا
 ہوں، کتاب خدا اور میرے اہلبیت جو شخص ان کو ضائع کرے گا خدا اُس کو ضائع کرے گا۔
 پھر انصار کے حق میں وصیت کی کہ لوگ اُن کی رعایت کریں اُس کے بعد اسامہ کو طلب فرمایا اور
 لشکر لے جانے کا تاکید کے ساتھ حکم دیا۔ جیسا کہ بیان ہو چکا۔ پھر حضرت خانہ اقدس میں واپس
 آئے اور اسامہ اپنا لشکر مدینہ سے باہر لے گئے۔ اور مدینہ سے ایک فرسخ پر پھٹھے پھر جن
 لوگوں نے چلنے میں جلدی کی وہ ابوبکر و عمرو ابوعبیدہ جراح تھے۔ لشکر کے درمیان پھٹھے اور
 اسی اثناء میں آنحضرتؐ کا مرض شدید ہوا اور سعد بن عبادہ بھی بیمار ہو گئے۔ روز دو شنبہ وقت
 چاشت آنحضرتؐ عالم بقاروانہ ہو گئے۔ لشکر کے باہر جانے پر دو روز نہیں گزرے تھے
 کہ یہ خبر وحشت اثر لشکر میں پہنچی تو اکثر ان میں سے مدینہ واپس آ گئے۔ اور مدینہ بھر گیا۔ اور
 ابوبکر ایک ناقہ پر سوار تھے۔ مسجد کے دروازے پر آئے اور پلکا کر کہا کہ ایہا الناس کیوں ایسے
 بیقرار ہوتے ہو۔ اگر محمدؐ مر گئے تو محمدؐ کا پروردگار نہیں مرا ہے۔ اُس کے بعد یہ آیت پڑھی۔ وَمَا
 مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ۔ یعنی محمدؐ نہیں ہیں مگر ایک رسول جس طرح
 اُن سے پہلے رسولان پروردگار تھے تو اگر وہ مر جائیں یا قتل ہو جائیں تو کیا تم اپنے دین سے پھر
 جاؤ گے؟ اور جو دین سے پھر گیا وہ خدا کا کچھ نقصان نہ کرے گا۔ اس کے بعد انصار سعد بن عبادہ
 کے پاس جمع ہوئے۔ اور اُن کو سقیفہ بنی ساعدہ میں لے گئے تاکہ اُن سے بیعت کریں۔ جب
 یہ خبر عمر کو پہنچی تو انھوں نے ابوبکر کو اطلاع دی اور دونوں نہایت تیزی سے سقیفہ روانہ ہوئے
 اور ابوعبیدہ کو جو ان کے ہم سوگند تھے اپنے ساتھ لیا۔ سقیفہ میں انصار کے بہت سے لوگ جمع
 تھے اور سعد بیمار ان کے درمیان لیٹے ہوئے تھے۔ ان چند لوگوں اور انصار کے درمیان سخت نزاع
 ہوئی۔ یہاں تک کہ ابوبکر نے انصار سے کہا میں تم کو ان دو میں سے کسی ایک کی بیعت کے لیے
 چاہتا ہوں یا ابوعبیدہ یا عمر۔ میں نے ان دونوں صاحبان کو خلافت کے لیے پسند کیا ہے۔ عمر
 اور ابوعبیدہ نے ابوبکر سے کہا کہ مناسب نہیں ہے کہ ہم آپ پر تقدیم کریں۔ آپ ہم سے پہلے
 مسلمان ہوئے اور آپ مصاحب غار رہے۔ آپ اس امر خلافت کے زیادہ مستحق ہیں انصار
 نے کہا ہم ڈرتے ہیں کہ اس امر میں ہم پر وہ شخص غالب ہو جائے جو نہ ہم سے ہوا ورنہ تم میں سے
 لہذا ہم اپنے لیے ایک امیر مقرر کرتے ہیں اور تم اپنے لیے ایک امیر مقرر کر لو۔ ابوبکر نے کہا ہاں
 اور انصار دونوں کی فضیلت کا ذکر کیا اور کہا ہاں امیر ہوں اور تم لوگ وزیر ہو۔ جواب

بن منذر انصاری اُٹھے اور کہا اے گروہ انصار اپنے اختیارات کو دیکھو کہ مہاجرین تمہارے گھر میں تمہارے زیر سایہ ہیں اور کوئی تمہاری مخالفت کی جُرات نہیں کرتا اگر وہ لوگ تمہاری امارت پر راضی نہ ہوں تو ایک امیرِ عم میں سے ہو اور ایک امیرِ ان میں سے ہو حضرت عمر نے کہا افسوس ہے دو تلوار ایک نیام میں نہیں رہ سکتی اور عرب راضی نہیں ہوں گے کہ تم امیر ہو۔ پیغمبرؐ میں سے نہ تھے۔ اور عرب راضی ہوں گے اس سے کہ خلافت اُس جماعت میں ہو جس میں سے پیغمبر تھے اور عم سے کون نزاع کر سکتا ہے حالانکہ ہم اُن کے رشتہ دار ہیں۔ گروہ شخص جو اپنے کو ہلاکت میں ڈالے اور فتنہ برپا کرے۔ پھر جناب نے ایسی ہی باتیں کیں اور کہا کہ تمہاری تلوار سے اُن لوگوں نے اطاعت کی ہے۔ جو شخص میری باتوں کو رد کرے تو میں اُن کی ناک پر تلوار مار دوں گا۔ یہ سن کر ابو عبیدہ اُٹھے اور بہت سی باتیں کیں۔ بشیر بن سعد جو بزرگان انصار سے تھے چونکہ قبیلہ اوس سے تھے اور وہ خلافت سعد کے لیے چاہتے تھے اور وہ قبیلہ خزرج سے تھے اُس کو یہ حسد تھا کہ قریش کی طرف داری کرے اور لوگوں کو ترغیب دے تو وہ مہاجرین کی بیعت پر راضی ہو گئے۔ اس سبب سے مہاجرین و انصار کے درمیان اختلاف پیدا ہوا اور مہاجرین کو تقویت حاصل ہوئی تو ابوبکر نے کہا کہ یہ عمر و ابو عبیدہ قریش کے دو بزرگ ہیں جس کی چاہو بیعت کرو۔ اور عمر و ابو عبیدہ اُس سازش کی بنا پر جو باہم کر چکے تھے کہا آپ کی موجودگی میں ہم خلافت نہیں اختیار کر سکتے۔ اپنا ہاتھ بڑھائیے تاکہ ہم آپ کی بیعت کریں۔ بشیر نے کہا میں بھی آپ سے متفق ہوں۔ جب قبیلہ اوس نے بشیر کی باتیں سنیں ابوبکر کی بیعت کرنا شروع کر دی اور لوگوں نے ہجوم کیا۔ یہاں تک کہ نزدیک تھا کہ سعد لوگوں کے پیروں سے پھل کر ہلاک ہو جائیں، تو کما تم لوگوں نے مجھے مار ڈالا۔ عمر نے کہا سعد کو ہلاک کر دو خدا اس کو ہلاک کرے۔ یہ سن کر سعد کا بیٹا جست کر کے عمر کی داڑھی سے لپٹ گیا اور کہا اے پسر ضحاک جیشہ جنگوں میں خودت کے مارے بھاگتا رہتا ہے۔ اور مقام امن میں شیر غزاں بنا ہوا ہے۔ اگر میرے باپ کا ایک بال بیکا ہوا۔ تو تیرے منہ میں ایک دانٹ نہ چھوڑوں گا۔ ابوبکر نے کہا اے عمر نرمی اختیار کرو۔ کیونکہ رفق و مدارات بہتر اور نافع تر ہے۔ سعد نے کہا اے پسر ضحاک میں اگر اُٹھنے کی قوت رکھتا تو یقیناً تم لوگ مدینہ کی گلیوں میں آواز سننے کہ تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو مدینہ سے نکال دیں۔ پھر تم اُس گروہ سے ملتی ہوتے جن میں تم سب ذلیل اور دوسروں کے فرمانبردار رہے ہو۔ اس وقت مجھ سے جرات دکھاتے ہو۔ اے آل خزرج مجھ کو اس پُر فتنہ مقام سے باہر نکالو۔ الغرض ان کو ہال سے اٹھا کر لوگ ان کے گھر لے گئے۔ پھر ابوبکر نے ان کے پاس آدمی بھیجا کہ لوگوں نے مجھ سے بیعت کر لی ہے تم بھی آکر بیعت کرو۔ سعد نے جواب دیا کہ نہیں وا اللہ اُس وقت تک بیعت نہ کروں گا،

جب تک میرے ترکش میں جتنے تیر ہیں تمھاری طرف نہ پھینک دوں۔ اور اپنے نیزہ کی نوک تمھارے خون سے رنگین نہ کر لوں اور تلوار سے اس وقت تک کام نہ لے لوں جب تک اُس کے پکڑنے کی قوت میرے ہاتھوں میں رہے۔ مختصر یہ کہ میں تمھارے ساتھ جنگ کروں گا اُن لوگوں کی حمایت میں جو میرے اطہیت میں سے میری مدد و متابعت کریں گے۔ اور خدا کی قسم اگر تمام جن و انس جمع ہو جائیں تب بھی میں دونوں عاصیوں کی بیعت نہ کروں گا۔ یا میں اپنے پروردگار کی خدمت میں حاضر ہوں۔ جب یہ جواب اُن سے بیان کئے گئے تو عمر نے کہا کہ بیشک اس سے بیعت لینا چاہیے۔ بشیر سپر سعد نے کہا اُنھوں نے بیعت سے انکار کر دیا۔ اور غیظ و غضب میں پڑ گئے ہیں اور بیعت نہیں کریں گے یہاں تک کہ قتل ہو جائیں اور وہ قتل نہ ہوں گے جب تک اوس فخر مزاج قتل نہ ہوں اُن کو چھوڑو اُن کا بیعت نہ کرنا تم کو کوئی ضرر نہیں پہنچاتا۔ بشیر کی بات اُن لوگوں نے مان لی اور سعد سے درگزر کیا۔ وہ ان کے ساتھ نمازیں بھی شریک نہیں ہوتے تھے اور ان کی حکومت کے قائل نہ تھے۔ اگر مدگار پاتے تو یقیناً اُن سے جنگ کرتے۔ وہ ہمیشہ اسی حال سے رہے۔ یہاں تک کہ ابوبکر کا انتقال ہوا اور عمر خلافت پر متصرف ہوئے۔ چونکہ وہ عمر سے مطمئن نہ تھے اس لیے شام چلے گئے اور وہیں اُن کی وفات ہوئی۔ اور کسی ایک کی بیعت اُنھوں نے نہ کی۔ ان کی موت کا یہ سبب تھا کہ ایک اندھیری رات میں ان کو زود کوب کر کے مار ڈالا۔ اور مشہور یہ کیا کہ ان کو جتوں نے مار ڈالا۔ بعضوں نے کہا ہے کہ محمد بن سلمہ انصاری کے لیے کچھ رقم مقرر کی اُس نے سعد کو مار ڈالا۔ جناب امیر سے روایت کی ہے کہ میروان بن شعبہ نے ان کو مار ڈالا۔ انھوں نے تمام انصاریوں اور جو لوگ مدینہ میں تھے اُن کی بیعت کی۔ اس دوران میں حضرت امیر المؤمنین جناب رسول خدا کی تجویز غسل و کفن و دفن میں مشغول تھے۔ سلیم بن قیس ہلالی نے کہا کہ میں نے سلمانؓ سے سنا کہ جب رسالت مآب نے طار اعلیٰ کی جانب رطلت کی۔ لوگوں نے کہا جو کچھ کہا اور کیا جو کچھ کیا۔ ابوبکر و عمر و ابو عبیدہ انصاری کے پاس آئے اور اُن سے جھگڑا کیا اور جو بھت جناب امیر کو کتنا چاہیے تھا اُن لوگوں نے کہی۔ ان کی حجت یہ تھی کہ اسے گروہ انصاریوں نے بہتر ہے۔ کیونکہ خدا نے قرآن میں ان کا ذکر انصاریوں سے پہلے کیا ہے اور اُن کو فضیلت دی ہے اور جناب رسول خدا نے فرمایا کہ آئمہ قریش سے ہوں گے۔

سلمانؓ کہتے ہیں کہ میں امیر المؤمنینؓ کی خدمت میں گیا وہ جناب رسول خدا کو غسل دینے میں مشغول تھے اس لیے کہ آنحضرتؐ نے وصیت کی تھی کوئی ان کے سوا حضرت کو غسل نہ دے تو امیر المؤمنینؓ نے کہا تھا کہ یا رسول اللہؐ آپ کے غسل میں میری کوئی مدد کرے گا۔ حضرت نے فرمایا

جبریلؑ۔ لہذا حضرت آپ کے جس عضو کو دھونا چاہتے تھے۔ جبریلؑ گھماتے اور اُس عضو کو سامنے کر دیتے تھے۔ جب غسل وحنوط سے فارغ ہوئے مجھ کو، ابوذرؓ کو اور فاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام کو طلب فرمایا اور ہم نے ان کے پیچھے صف باندھی اور آنحضرتؐ پر نماز پڑھی عائشہؓ اسی حجرہ میں تھیں۔ لیکن جبریلؑ نے اُن کی آنکھیں بند کر رکھی تھیں کہ آنکھوں نے نماز پڑھتے ہوئے ہم لوگوں کو نہ دیکھا۔ پھر حضرت علیؑ نے صحابہ کو اجازت دی۔ دس دس اشخاص داخل حجرہ ہوئے اور حضرت کے گرد گھمڑے ہو جاتے۔ اور جناب امیرؑ آئے ان اللہا وملتکتہ یصلون علی النبیؐ آخر آیت تک پڑھتے اور وہ لوگ صلاۃ بھیجتے تھے اور چلے جاتے تھے۔ نماز حقیقی وہی تھی جو پہلے پڑھی گئی۔ اگر وہ لوگ سنتے تو خواہش کرتے کہ نماز کی امامت ابو بکر کریں۔ سلمان کہتے ہیں کہ میں نے امیر المؤمنینؑ کو سقیفہ کے حالات سے آگاہ کیا۔ جبکہ وہ مشغول غسل تھے۔ میں نے کہا ابو بکر اس وقت منبر پر بیٹھے ہیں اور لوگ راضی نہیں ہوتے ہیں کہ ایک ہاتھ سے ان کی بیعت کریں بلکہ دونوں ہاتھوں سے ان کی بیعت کرتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ اے سلمانؓ تم نے یہ بھی دیکھا کہ سب سے پہلے کس نے بیعت کی جبکہ منبر رسولؐ کے اوپر وہ بیٹھے ہیں نے کہا نہیں۔ لیکن سقیفہ میں سب سے پہلے جس نے بیعت کی وہ بشیر بن سعد تھے۔ پھر ابو عبیدہ نے ان کے بعد عمرؓ نے ان کے بعد سالم خذیفہ کے غلام نے۔ پھر معاذ بن جبل نے۔ حضرت نے فرمایا میں ان کو نہیں کہتا۔ پہلے اُس شخص کو پوچھتا ہوں جس نے منبر پر ان کی بیعت کی سلمانؓ نے کہا میں نہیں جانتا لیکن میں نے ایک مرد پیر کو دیکھا جو اپنے عصا پر تکیہ کئے ہوئے تھا۔ اور دونوں آنکھوں کے درمیان سجدہ کا نشان تھا۔ بہت عبادت گزار معلوم ہوتا تھا۔ جب ابو بکر منبر پر بیٹھے وہ اوپر منبر کے پہنچا پہلے رویا اور کہا الحمد للہ میں نہیں فوت ہوا۔ جب تک کہ تم کو اس مقام پر نہ دیکھ لیا اپنا ہاتھ کھولو اور بڑھاؤ۔ پھر ان کی بیعت کی۔ پھر کہا کہ یہ روز مثل روز آدمؑ ہے اور منبر سے اُترا اور مسجد سے باہر چلا گیا۔ حضرت نے فرمایا کہ تم نے سمجھا کہ وہ کون تھا میں نے عرض کی نہیں۔ لیکن مجھ کو اس کی بات بڑی معلوم ہوئی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جناب رسولؐ کی وفات پر شہادت کرتا تھا۔ حضرت نے فرمایا وہ شیطان تھا۔ مجھ کو جناب رسولؐ خدام نے خبر دی کہ ابلیس اور اُس کے ساتھیوں کے سر کردہ روز غدیر حاضر ہوئے جبکہ جناب رسولؐ خدام نے مجھ کو خدا کے حکم سے نکالتے پر مقرر کیا اور لوگوں کو خبر دی کہ میں لوگوں کی جانوں پر اُن سے زیادہ اختیار رکھتا ہوں اور لوگوں کو حکم دیا کہ حاضرین ان لوگوں کو یہ خبر پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں تو اس طعن کی تردید کرنے والے اور اس کے ساتھیوں کے سرکش شیاطین نے اس سے کہا کہ یہ اُمت مرحوم و مصوم ہے تجھ کو اور ہم کو ان پر قابو حاصل نہ ہوگا۔ ان لوگوں نے اپنی پناہ اور امام کو پیغمبر کے بعد سچ لیا۔

یہ سن کر شیطان ٹھگیں ہوا اور واپس چلا گیا۔ جناب امیر نے فرمایا کہ پھر رسول خدا نے فرمایا کہ جب میں دنیا سے چلا جاؤں گا لوگ بنی ساعدہ کے سایہ میں ابو بکر سے بیعت کریں گے پھر مسجد میں آویں گے اور سب سے پہلے میرے منبر پر جو اُس سے بیعت کرے گا وہ شیطان ہوگا۔ ایک مرد پیر کی صورت میں عبادت کرنے والا اور یہ باتیں کہے گا اور پھر چلا جائے گا اور شیاطین اور اپنے فرمانبرداروں کو جمع کرے گا تو وہ سب اس کو سجدہ کریں گے اور کہیں گے کہ اے ہمارے سردار اور اے ہمارے بزرگ تو ہی ہے جس نے آدم کو بہشت سے باہر نکالا۔ تو وہ جواب میں کہے گا کہ کون امت سے جو اپنے پیغمبر کے بعد گمراہ نہ ہوئی۔ تم کہتے تھے کہ مجھے ان پر کچھ قابو نہ ہوگا تم نے دیکھا کہ میں نے ان کو کس طرح ان کے پیغمبر کی مخالفت پر قائم رکھا۔ یہی مطلب ہے اس کا جو خدا نے فرمایا ہے لقد صدق علیہم ابلیس ظنہ فاتبعوہ الا فریقاً من المؤمنین یعنی بیشک ابلیس نے ان پر اپنا گمان سچ کر دکھایا تو اُس کی پیروی ان لوگوں نے کی سوائے مومنین کے گروہ کے۔ مسلمان کہتے ہیں کہ رات آئی تو علیؑ نے جناب فاطمہؑ کو ایک دراز گوش پر سوار کیا اور حسینؑ کو ساتھ لیا اور مہاجرین و انصار اہل بدر کے ایک ایک کے دروازہ پر گئے اور اپنی امامت و خلافت کا حق لوگوں کو یاد دلایا۔ اور ان سے مدد طلب کی سوائے چالیس اشخاص کے کوئی آمادہ نہ ہوا۔ دوسری روایت کے مطابق جو بیس اشخاص نے قبول کیا۔ تو فرمایا کہ اگر تم لوگ سچ کہتے ہو تو اپنے سر منڈاؤ اور اپنے اسٹھے لے کر صبح کو میرے پاس آؤ تاکہ مجھ سے موت پر بیعت کرو یعنی جب تک قتل نہ ہو جاؤ گے، میری مدد سے ہاتھ نہ اٹھاؤ گے صبح کو سوائے چار اشخاص سلمان، ابوذرؓ، مقداد اور عمارؓ کے کوئی اور نہ آیا۔ دوسری روایت کے مطابق عمار کے بجائے زبیر تھے تین رات حضرت نے ایسا ہی کیا اور دن کو ان چار اشخاص مذکورہ کے سوا کوئی نہ آیا۔ جب حضرت نے یہ سمجھ لیا کہ وہ سب غداری اور کتاری پر عمل کرتے ہیں اور حضرت کی مدد نہیں کریں گے۔ تو خانہ نشین ہو گئے اور قرآن جمع کرنے میں مشغول ہوئے۔ اور گھر سے اُس وقت تک باہر نہ نکلے جب تک پورا قرآن جمع نہ کر لیا۔ قرآن چٹروں، لکڑیوں، رتھوں اور ہڈیوں پر متفرق تھا۔ پھر ابو بکر نے آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر بیعت کریں۔ حضرت نے جواب میں کہلا دیا کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ ردا دوش پر نہ رکھوں گا مگر نازک کے لیے اور جب تک قرآن نہ جمع کر لوں۔ یہ سن کر ان لوگوں نے چند روز صبر کیا اور حضرت نے پورا قرآن جمع کیا اور ایک کپڑے میں لپیٹ کر اس کو سر مہر کیا۔ پھر اُس کو مسجد میں لائے جس وقت کہ ابو بکر و عمر اور صحابہ مسجد میں تھے اور باوازلند ندا کی کہ ایہا الناس جب رسول خدا دنیا سے تشریف لے گئے میں نے ان کا غسل و تجہیز و تکفین کیا۔

اُس کے بعد تمام قرآن اس جام میں جمع کیا ہے اور کوئی آیت نازل نہیں ہوئی ہے مگر جناب رسول خدا نے مجھ کو بتائی اور اس کی تاویل سے مجھے آگاہ فرمایا۔ قیامت میں نہ کہنا کہ ہم اس سے غافل تھے اور یہ نہ کہنا کہ میں نے تم کو اپنی مدد کے لیے نہیں بلایا اور اپنے حق کو تمہیں یاد نہیں دلایا اور تم کو کتاب خدا کی جانب دعوت نہیں دی۔ عمر نے کہا جس قدر قرآن سے ہمارے پاس ہے ہمارے لیے کافی ہے ہم کو تمہارے قرآن کی احتیاج نہیں ہے۔ حضرت نے فرمایا پھر اس قرآن کو نہ دیکھو گے۔ یہاں تک کہ مدی میری اولاد میں سے اس کو ظاہر کرے گا پھر اپنے بیت الشرف واپس آئے۔ پھر عمر نے ابوبکر سے کہا کہ علیؑ کو بلو اور اسے بیعت کریں۔ جب تک وہ بیعت نہیں کرتے میں مطمئن نہیں ہوں۔ ابوبکر نے کہلایا کہ خلیفہ رسولؐ آپ کو بلاتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا سبحان اللہ کس قدر جلد رسول خداؐ پر جھوٹ تم نے باندھا ہے۔ ابوبکر اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں سب جانتے ہیں کہ رسول خداؐ نے بجز میرے کسی کو خلیفہ مقرر نہیں کیا ہے۔ دوبارہ کہلایا کہ امیر المؤمنین ابوبکر بن ابی قحافہ نے آپ کو یاد کیا ہے۔ حضرت نے تعجب سے فرمایا کہ سبحان اللہ ابھی تھوڑے دن ہوئے رسول خداؐ ان کے درمیان سے تشریف لے گئے ہیں۔ وہ خود جانتے ہیں کہ یہ نام میرے غیر کے لیے نزار نہیں ہے اور وہ اس جماعت کے ساتھیوں میں جن کو رسول خداؐ نے حکم دیا تھا کہ مجھ کو امیر المؤمنین کہہ کر سلام کریں تو ابوبکر و عمر نے پوچھا یا رسول اللہ کیا خدا نے یہ حکم دیا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ ہاں خدا و رسولؐ کی جانب سے حق و راستی کے ساتھ ہے اور وہ مومنین کے امیر ہیں۔ اور مسلمین کے سردار ہیں اور نورانی ہاتھ پاؤں والوں کے علم والے ہیں۔ خدا ان کو قیامت میں صراط پر بٹھائے گا، تاکہ اپنے دوستوں کو بہشت میں بھیجیں اور اپنے دشمنوں کو جہنم میں۔ جب یہ خبر ابوبکر کے پاس لے گئے تو وہ اُس فرزند خاندان ہو گئے۔ پھر اُس شب جناب امیر فاطمہ و حسنین علیہم السلام کو اتمام حجت کے لیے اصحاب رسولؐ کے مکانات پر لے گئے اور ان سے مدد کے طالب ہوئے اور سوائے ان چار افراد کے کسی نے منظور نہ کیا۔ پھر عمر نے ابوبکر سے کہا کیوں کسی کو نہیں بھیجتے کہ علیؑ اور ان چاروں اشخاص کو بیعت کے لیے لائیں کیوں کہ ان کے سوا سب نے بیعت کر لی۔ ابوبکر نے کہا کس کو بھیجوں عمر نے کہا قنفذ کو بھیجتا ہوں کیونکہ وہ سخت اور بے شرم ہے اور قبیلہ بنی مدی سے ہے۔ آخر اُس کو مدگاروں کے ایک گروہ کے ساتھ بھیجا۔ جب وہ لوگ گئے تو جناب امیرؑ نے اجازت نہ دی کہ داخل خانہ ہوں اور وہ واپس پلٹ آئے اور کہا کہ وہ اجازت نہیں دیتے کہ ہم داخل ہوں۔ عمر نے کہا کہ بغیر اجازت داخل ہو جاؤ۔ جب وہ لوگ گئے تو جناب فاطمہؑ نے ان کو قسم دی کہ بغیر میری اجازت کے میرے گھر میں داخل نہ ہو۔ قنفذ وہیں ٹھہر گیا اور اس کے ساتھ واپس چلے

گئے اور یہ خبر لائے تو عمر غضبناک ہوئے اور کہا مجھے عمرو بن لوط کے کہنے سے کیا اور ان لوگوں کو حکم دیا جو ان کے پاس تھے کہ لڑکیاں اٹھائیں اور خود عمر نے بھی لڑکیاں لیں اور اہلبیت کے دروازہ پر جمع کیں۔ اُس گھر میں حضرت امیر المومنین جناب فاطمہ اور حسین علیہم السلام اور تمام اہلبیت تھے اور چلا کر کہا اے علیؑ باہر نکلو اور غلیفہ رسولؐ کی بیعت کرو۔ ورنہ تمہارے گھر میں آگ لگا دوں گا۔ یہ سن کر جناب فاطمہؑ اٹھ کر لپس در آئیں اور کہا اے عمر مجھ سے کیا چاہتے ہو۔ عمر نے کہا دروازہ کھولو ورنہ گھر کو تم سب سمیت جلا دوں گا۔ فاطمہؑ نے کہا اے عمر خدا سے نہیں ڈرتے اور میرے گھر میں داخل ہونا چاہتے ہو عمر نے کچھ نہ سنا اور آگ منگاکر دروازہ میں لگا دی جنازہ فاطمہؑ نے فریاد کیا ابتداءً ویارسول اللہ یلند کی عمر نے شمشیر کے نیام کا سرا ان معصومہ کے پہلوئے اقدس پر مارا اور تازیانہ یلند کیا اور ان معصومہ کے بازو پر مارا۔ فاطمہؑ نے اپنے پردہ بزرگوار سے خطاب کیا کہ یا رسول اللہؐ عمرو ابوبکر نے آپ کے اہلبیت کے حق میں کیسی بُری خلافت کی ہے۔ یہ دیکھ کر جناب امیر بیقرار ہوئے اور حسرت کر کے اٹھے اور عمر کی گردن پکڑ کر زمین پر شنگ دیا جس سے ان کی ناک زخمی ہو گئی اور ان کی گردن مروڑ کر چاہا کہ مار ڈالیں مگر جناب رسول خداؐ کی وصیت یاد آئی کہ آنحضرتؐ نے آپ کو صبر کا حکم دیا تھا اور جنگ سے منع کیا تھا اس لیے چھوڑ دیا اور فرمایا۔ اُس خدا کی قسم جس نے محمدؐ کو پیغمبری سے سرفراز فرمایا۔ آپ کے پسرخدا کی تقدیر نہ ہوتی جو پہلے گزر چکی ہے اور عہد و پیمان رسول خداؐ نے مجھ سے اس بارے میں نہ لیا ہوتا تو مجھ کو معلوم ہوتا کہ بغیر میری اجازت میرے گھر میں داخل ہونے کا کیا انجام ہوتا۔ عمر نے اپنی مدد کے لیے لشکر طلب کیا اور ان منافقوں نے بھوم کی اور مکان جناب فاطمہؑ میں داخل ہو گئے۔ جناب امیر نے اپنی شمشیر اٹھائی قہقذ نے دیکھا کہ بشیر خدا نے تلوار پکڑ لی ہے ڈرا، کہ شمشیر کھینچ کر باہر نکلیں گے تو کئی ایک کو زندہ نہ چھوڑیں گے تو ابوبکر کے پاس وٹا ہوا پہنچا اور سارا قصہ بیان کیا ابوبکر نے کہا کہ اگر علیؑ باہر نکلنے کا ارادہ کریں تو ان کو گھر سے نکال لاؤ اور گرفتار کر لو۔ اگر مانع ہوں تو ان کے گھر میں آگ لگا دو۔ پھر قہقذ اور اس کے ہمراہیوں نے بھوم کیا اور بغیر اجازت خانہ اقدس میں داخل ہو گئے اور حضرت کے ہاتھ سے تلوار لے لی اور آپ کے گلوتے مبارک میں رسی باندھی اور کھینچی تاکہ ان کو گھر سے باہر لائیں اور بروایت ابن عباس خالد نے حضرت پر تلوار ماری آپ نے اس کی تلوار چھین لی اور چاہا کہ اسی تلوار سے اس کو قتل کریں اُس نے حضرت کو قسم دی کہ مجھ کو چھوڑ دیجئے تو آپ نے تلوار چھینک دی۔ عمر نے قہقذ کو یہ کہہ کر بھیجا کہ اگر فاطمہؑ علیؑ کے باہر آنے میں مانع ہوں تو پرواہ مت کرو اور ان کو زد و کوب کر کے علیحدہ کر دو۔ جب وہ امیر المومنین کو دروازہ تک کھینچ کر لائے جناب فاطمہؑ

دروازہ کے نزدیک آکر مانع ہوئیں۔ قنفذ نے دروازہ چھپے دھکیل دیا اور جناب فاطمہؑ کے پہلو پر مارا کہ آپ کی ایک پسلی ٹوٹ گئی۔ اور وہ بچہ جو جناب فاطمہؑ طاہرہ کے شکم اقدس میں تھا اور جس کا نام جناب رسول خداؐ نے محسن رکھا تھا اسقاط ہو گیا۔ پھر بھی وہ معصومہ روکتی ہی رہیں تو اس ملعون نے آپ کے بازو پر مارا کہ بڑی ٹوٹ گئی اور انہی ضربتوں سے آپ کی شہادت واقع ہوئی۔ جب وہ مخدرہ دنیا سے رخصت ہوئیں تو آپ کے بازو پر اُس ضربت سے ایک بڑی گرہ پڑی ہوئی تھی۔ الغرض جناب امیر کو اسی حال سے گھر سے باہر کھینچ لائے اور ابو بکر کے پاس لائے اور اُن حضرت کے سر پر بہنہ تلوار لیے ہوئے کھڑے تھے اور خالد بن ولید، ابو عبیدہ، سالم، معاذ، ابن جبل، مغیرہ بن شعبہ، ایسید بن خصیر، بشیر بن سعد اور تمام مخالفین مکمل لوح ابو بکر کے گرد کھڑے تھے۔

سلیم بن قیس کہتے ہیں کہ میں نے سلمانؓ سے پوچھا کہ کیا یہ جماعت بغیر اجازت فاطمہؑ کے گھر میں داخل ہوئی تھی۔ اُس نے کہا ہاں واثر فاطمہؑ کے سر پر مقتحہ بھی نہ تھا اور وہ فریاد کر رہی تھیں۔ یا ابتاہ یا رسول اللہ! آپ کل ہمارے درمیان سے چلے گئے اور ابو بکر و عمر آپ کے اہلبیت سے یربتاؤ کرتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ ابو بکر اور جو لوگ اُن کے گرد تھے سب رو رہے تھے۔ سوائے خالد بن ولید، عمر اور مغیرہ کے۔ عمر کہہ رہے تھے کہ ہم کو محمدؐ توں سے کوئی کام نہیں ہے اور نہ کسی معاملہ میں ان کی راستے کی پرواہ ہے۔ جب علیؑ کو ابو بکر کے پاس لائے۔ حضرت نے فرمایا خدا کی قسم اگر تلوار میرے ہاتھ میں ہوتی تم مجھ پر قابو نہیں پاسکتے تھے۔ خدا کی قسم میں اپنے کو ملامت نہیں کرتا کہ تمہارے ساتھ جہاد نہیں کیا۔ اگر وہ چالیس آدمی جنھوں نے میری بیعت کی تھی بیعت نہ ٹوڑتے تو میں تمھاری جماعت کو براگندہ کر دیتا۔ لیکن خدا لعنت کرے اُن پر کہ مجھ سے بیعت کی اور توڑ دی۔ جب ابو بکر کی نگاہ اُنحضرت پر پڑی تو چلائے کہ ان سے دست بردار ہو جاؤ۔ حضرت نے فرمایا کہ اے ابو بکر کس قدر جلد تم رسول خداؐ کی مخالفت اور اُن کے اہلبیت کی اذیت پر اُٹھ کھڑے ہوئے کس حق سے اور کس منزلت سے لوگوں سے اپنی بیعت لیتے ہو۔ کل تم نے خدا اور رسولؐ کے حکم سے میری بیعت نہیں کی تھی؟ عمر نے کہا ان باتوں کو چھوڑو ہم تم سے دست بردار نہ ہوں گے جب تک بیعت نہ کرو گے۔ حضرت نے فرمایا اگر بیعت نہ کروں تو کیا کرو گے۔ کہا تم کو ذلت و خواری سے قتل کر دیں گے۔ حضرت نے فرمایا تو تم خدا کے بندہ خالص اور برادر رسولؐ کو قتل کرو گے۔ ابو بکر نے کہا ہاں۔ اور عباس کی روایت کے مطابق عمر نے کہا کہ ہم بندہ خدا تو مانستے ہیں لیکن برادر رسولؐ نہیں سمجھتے۔ حضرت نے فرمایا کہ اس سے انکار کرتے ہو کہ جناب رسول خداؐ نے مجھ کو اپنا بھائی قرار دیا۔ ان لوگوں نے کہا ہاں تو حضرت نے صحابہ سے فرمایا

کہ اے گروہ مہاجرین و انصاریہ تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ تم نے رسول خدا سے روز غدیر نہیں سنا کہ آپ نے میرے حق میں کیا کہا اور غزوہ تبوک میں کیا کہا۔ پھر آنحضرت نے جو کچھ علانہ آپ کے حق میں کہا تھا بیان کیا تو ان سب نے کہا ہم نے یہ تمام باتیں سنی ہیں۔ چونکہ ابوبکر نے دیکھا کہ لوگ ان کی مدد کرتے ہیں ڈرے اور خود بیعت کر کے کہا کہ جو کچھ آپ نے کہا حق سے اور ہم نے اپنے کانوں سے ان سب باتوں کو سنا اور یاد میں لیکن ہم نے رسول خدا سے سنا کہ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ ہم اہلبیت کو خدا نے برگزیدہ اور گرامی کہا ہے اور ہمارے لیے آخرت کو دنیا پر اختیار کیا ہے اور خلافت اور پیغمبری دونوں کو ہم میں جمع نہیں کیا ہے حضرت علیؑ نے فرمایا کہ کوئی سہ ہے جو تمھاری اس بات کی گواہی دے۔ عمر نے کہا خلیفہ رسولؐ نے سچ کہا۔ میں نے بھی یہ سنا ہے۔ اس کے بعد ابو عبیدہ، سالم غلام حذیفہ اور معاذ بن جبل نے بھی شہادت دی۔ تو حضرت نے فرمایا کہ تم پانچ اشخاص نے اس عہد نامہ پر وفا کیا جو کعبہ میں لکھا کہ اگر محمد قتل ہو جائیں یا رحلت فرمائیں تو ہم ان کے اہلبیت میں خلافت نہ جانے دیں گے تم لوگوں نے یہ حدیث وضع کی۔ ابوبکر نے کہا آپ نے یہ کیسے جانا کہ ہم نے ایسا کیا ہے۔ حضرت نے فرمایا اے زبیر اور اے سلمان اور اے ابوذر اور اے مقداد میں تم سے خدا کا واسطہ اور اسلام کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ تم نے جناب رسول خدا سے سنا ہے کہ آپ نے ان پانچ اشخاص کے نام لیے اور فرمایا کہ اس طرح کا عہد نامہ لکھا ہے اور کہیں میں ایسا عہد کیا ہے۔ ان حضرات نے کہا ہاں ہم سب نے سنا ہے کہ جناب رسول خدا نے فرمایا کہ ان لوگوں نے ایسا عہد نامہ لکھا ہے اور عہد کیا ہے کہ خلافت اہل بیت سے نکال لیں گے تو تم نے کہا کہ میرے باپ ماں آپ پر خدا ہوں یا رسول اللہؐ اگر یہ لوگ ایسا کریں تو میں کیا کروں۔ فرمایا کہ اگر تم کو مددگار مل جائیں تو ان سے جہاد کرو اور جنگ کرو۔ اگر مددگار نہ پاؤ تو اپنی حفاظت کرنا اور اپنے تئیں قتل ہونے سے محفوظ رکھنا۔ پھر حضرت علیؑ نے فرمایا کہ اگر وہ چالیس اشخاص جنھوں نے مجھ سے بیعت کی وفاق کرتے تو میں ان سے خدا کے لیے جہاد کرتا اور خدا کی قسم یہ خلافت جسے ابوبکر و عمر نے مجھ سے غضب کیا۔ ان کی اولاد میں سے کسی تک ناقباً نہ پہنچے گی۔ اور جناب رسول خداؐ پر اتر آکر نے میں جو تمھاری تکذیب کرتی ہے یہ آیت ہے

ام یجسدون الناس علی ما اتیلہم اللہ من فضلہ فقد اتینا الیٰہیما لکتاب
والحکمتا واتیناھم ملکاً عظیماً۔ یعنی کیا لوگ حسد کرتے ہیں اُس سے جو خدا نے اپنے فضل سے ان کو عطا کیا ہے۔ بیشک ہم نے آلِ ابراہیم کو کتاب اور حکمت اور ملک عظیم عطا کیا ہے

اُن حضرت نے فرمایا کہ کتاب پیغمبری اور حکمت سنت ہے اور ملک عظیم خلافت ہے اور تم ہیں آل ابراہیمؑ۔ یہ سن کر مفقود اُٹھے اور کہا یا علیؑ آپ کیا فرماتے ہیں۔ خدا کی قسم اگر آپ مجھے حکم دیں تو اسی تلوار سے ماروں اور اگر آپ فرمائیں تو ہاتھ روکے رکھوں حضرت نے فرمایا کہ اے مفقودؑ اپنے ہاتھ روکے رکھو اور آنحضرتؐ کا عہد یاد کرو جس کی تم کو حضرت نے وصیت فرمائی ہے۔ سلمانؓ کہتے ہیں کہ پھر میں کھڑا ہوا، اور کہا اسی خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر میں جانتا کہ ظلم رفع کر سکتا اور دین خدا کو غالب کر سکتا تو یقیناً اپنی تلوار کھینچتا اور چلا تا، یہاں تک کہ حق غالب ہو۔ کیا رسولؐ خدا کے بھائی اور اُمت میں اُن کے وصی اور خلیفہ اور اُن کے دو فرزندوں کے پدر کو اس ذلت کے ساتھ کھینچتے ہو اور لاتے ہو لہذا تم کو خدا کی جانب سے بلا کی خوشخبری ہو اور اُس کی نعمت اور امید سے مایوس ہو جاؤ۔ پھر ابو ذرؓ اُٹھے اور کہا اے وہ اُمت جو اپنے پیغمبر کے بعد گمراہ ہو رہے ہو اور گناہوں میں مشغول ہو گئے ہو۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان اللہ اصطفیٰ ادم و نوحا و ال ابراہیم و ال محمد اسلاف نوح و العالمین ذریعۃ بعضہما من بعض واللہ سمیع علیم اور آل محمد اسلاف نوح و آل ابراہیم ہیں اور برگزیدہ خاندان اسماعیل ہیں اور پیغمبر آخر الزمان کی عزت ہیں اور اہلبیت نبوت ہیں اور موضع رسالت ہیں اور محل آمد و رفت ملائکہ ہیں اور وہ مثل آسمان بلند مقام حمت الہی ہیں۔ اور زمین کے پہاڑوں کے مانند زمین کے استقرار کا باعث ہیں اور کعبہ محترم کے مانند عالم کے قبلہ میں اور چشمہ صاف کے مانند علم کے محل و مقام ہیں اور روشن ستاروں کے مانند خلق کی ہدایت کرنے والے ہیں اور شجرہ مبارکہ ہیں کہ خدا نے اپنے نور سے ان کے نور کی مثال دی ہے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم انبیاء اور اولادِ آدمؑ کے سردار ہیں اور علیؑ سید اصیاء متقین کے امام اور قائد خراجچلیں ہیں۔ وہی صدیق اکبر اور فاروق اعظم ہیں۔ وصی محمد صلعم اور اُن کے علم کے وارث ہیں اور لوگوں میں سب سے اولیٰ مومنین پر ان کی جانوں سے زیادہ حق رکھنے والے ہیں۔ جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے النبی اولیٰ بالمومنین من انفسہم و اولیٰ امہاتہم و اولوالارحام بعضہم اولیٰ ببعض فی کتاب اللہ یعنی پیغمبر مومنین سے اُن کی جانوں سے اُن پر زیادہ صاحب اختیار ہیں اور اُن کی بیبیاں مومنین کی مائیں ہیں۔ اور ان کے اقربا بعض اولیٰ اور زیادہ حق دار ہیں بعض سے اس کے بعد ابو ذرؓ نے کہا مقدم رکھو اُس کو جس کو خدا نے مقدم رکھا ہے اور موخر رکھو اُس کو جس کو خدا نے موخر رکھا ہے اور پیغمبر کی ولایت اور وزارت اُس کو پیرو کر دو جس کو خدا نے عطا فرمایا ہے۔ اُس وقت عمر نے ابو بکر سے کہا کیا بیکار اس منبر پر بیٹھے ہو۔ علیؑ تمہارے ساتھ محاربہ کر رہے ہیں اور تمہارے منبر

کے نیچے بیٹھے ہیں اور نہیں اٹھتے ہیں کہ تمہاری بیعت کریں یا منبر سے اتر آؤ یا حکم دو کہ اُس کی گردن مار دوں۔ حسنین علیہم السلام اپنے پدر بزرگوار کے پاس کھڑے تھے جب مار ڈالنے کا نام سنا تو رونے لگے اور فریاد کی کہ یا جدہ یا رسول اللہؐ۔ جناب امیر نے ان کو اپنے سینہ سے لگایا اور فرمایا کہ روؤ مت کیونکہ یہ لوگ تمہارے باپ کے قتل پر قادر نہیں ہیں اور اس سے ذلیل و بے قدر ہیں کہ ایسی جرات کر سکیں۔ پھر امین رسول خدا کی مرتبہ آئیں اور کہا اے ابوبکر کس قدر جلد تم نے اپنا حسد و نفاق ظاہر کیا۔ عمر نے کہا ہم کو عورتوں کی باتوں سے کیا غرض اور ان کے حکم سے لوگوں نے ان کو مسجد سے باہر نکال دیا۔ پھر بریدہؓ اسٹی اٹھے اور کہا کہ اے عمر تم برادر رسول خداؐ اور اُن کے فرزندوں کے پدر سے ایسا سلوک کرتے ہو میں تم کو قریش کے درمیان اُن صفتوں سے سچاتا ہوں جن کو شخص جانتا ہے۔ کیا رسول خداؐ نے تم سے اور ابوبکر سے نہیں کہا تھا کہ علیؑ کے پاس جاؤ اور امیر المومنین کہہ کر ان کو سلام کرو۔ تم نے پوچھا کہ کیا یہ خدا و رسول کا حکم ہے فرمایا ہاں۔ ابوبکر نے کہا ہاں ایسا ہی تھا۔ لیکن پیغمبرؐ نے اس کے بعد فرمایا کہ میرے اہلیت کے لیے پیغمبری اور خلافت جمع نہیں ہو سکتی۔ بریدہؓ نے کہا خدا کی قسم رسول خداؐ نے یہ نہیں فرمایا ہے۔ خدا کی قسم جس شہر میں تم حاکم ہو گے میں نہیں رہوں گا۔ عمر نے حکم دیا تو لوگوں نے ان کو زبرد و کوٹ کر کے مدینہ سے نکال دیا۔ پھر عمر نے کہا اے پسر ابوطالب اٹھو اور بیعت کرو حضرت نے کہا اگر نہ کروں تو کیا کرو گے، کہا تمہاری گردن مار دوں گا۔ حضرت نے تین مرتبہ یہ فرمایا اور یہی جواب سنا۔ یہاں تک کہ حجت ان پر تمام کی۔ پھر عمر نے حضرت کا ہاتھ پکڑا اور بغیر اس کے کہ حضرت ہاتھ بٹھائیں۔ ابوبکر نے اپنا ہاتھ بٹھایا اور حضرت کے ہاتھ پر رکھ دیا اور ابن عباس کی روایت کے مطابق جب عمر نے کہا میں تمہاری گردن مار دوں گا تو حضرت نے فرمایا خدا کی قسم اے پسر ضہاک تو اس پر قادر نہیں ہے اور تو فرمایا تمہارا کمر توڑ ہے۔ اس سے کہہ کر اسے یہ سن کر خالد اٹھا اور تلوار کھینچ کر بولا۔ وائے اگر تم بیعت نہ کرو گے تو تم کو قتل کر دوں گا۔ حضرت اٹھے اور خالد کا گلا پکڑا اور اُس کو تکان دی کہ چپٹ گر پڑا اور تلوار اُس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ سلمانؓ کہتے ہیں کہ جب حضرت کو مسجد میں لائے تو حضرت نے قبر جناب رسول خداؐ کی جانب رخ کر کے فرمایا ”یا ابن ام ات القوم استضعفونی وکادوا یقتلونی“ یعنی اے بھائی قوم نے مجھ کو ضعیف کر دیا اور نزدیک ہے کہ مجھ کو قتل کر دیں۔ اور یہ وہ خطاب ہے جو ہارونؓ نے جناب موسیٰؑ سے کیا تھا جبکہ ان کی قوم نے گوٹھال پرستی کی تھی۔ پھر زبیرؓ نے کہا گیا کہ بیعت کرو۔ اٹھوں نے انکار کیا تو عمرؓ، خالد اور غیور نے تلوار ان کے ہاتھ سے لے کر توڑ ڈالی اور ان کو کھینچ کر لائے۔ یہاں تک کہ انھوں نے بحر بیعت کی۔ سلمانؓ کہتے ہیں کہ پھر مجھ کو پکڑا اور

میرا گلابانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ سلمہ نے میری گردن پکڑی اور میں نے جبراً بیعت کی۔ پھر ابوذر و مقداد سے زبردستی بیعت لی، اور امیر المومنین اور ہم چار افراد نے جبراً بیعت کی۔ اور زبیر کا انکار اور سختی بیعت نہ کرنے کی ہم سب سے زیادہ سختی۔ جب زبیر نے بیعت کی تو کہا اے سپر ضہاک اگر یہ سرکش نہ ہوتے جنھوں نے تیری مدد کی ہے تو تو مجھ پر جبر نہیں کر سکتا تھا جس وقت کہ میرے ہاتھ میں تلوار ہوتی۔ میں تیری تیز دلی اور نامردی سے بخوبی واقف ہوں۔ لیکن چندیدہ معاشوں نے تیری اطاعت کی کہ ان کی طاقت پر تو حملہ کرتا ہے۔ یہ سن کر عمر کو غصہ آیا اور کہا تو ضہاک کا نام لیتا ہے۔ زبیر نے کہا ضہاک کون ہے کہ میں اُس کا نام نہیں لے سکتا ضہاک جیشیہ میرے جد عبدالمطلب کی کنیز تھی اور زنا کا رتھی اور تیرے جد طفیل نے اس سے زنا کی تو تیرا باپ خطاب پیدا ہوا اور جب وہ ولد الزنا اُس سے پیدا ہوا تو عبدالمطلب نے ضہاک کو تیرے جد کو بخش دیا اور تیرا باپ ہمارے جد کا غلام تھا۔ یہ سن کر ابو بکر نے اُن کے درمیان صلح کرادی اور اُنھوں نے ایک دوسرے سے ہاتھ اٹھایا سلیم کہتے ہیں کہ میں نے سلمان سے کہا کہ تم نے ابو بکر کی بیعت کی اور پھر نہ کہا۔ سلمان نے کہا میں نے بیعت کے بعد کہا کہ تم ہلاک ہوئے اور قیامت تک ملعون ہوئے۔ جانتے ہو کہ تم نے اپنے ساتھ کیا کیا۔ کافروں کی سنت تم نے اختیار کی اور اس امت میں افتراق و اختلاف پیدا کر دیا اور اپنے پیغمبر کی سنت سے ہاتھ اٹھایا۔ یہاں تک کہ خلافت کو اُس کے معدن سے نکالا۔ عمر نے کہا کہ تو اور تیرے امام نے جب بیعت کر لی تو اب تم جو چاہو کہو۔ میں نے کہا کہ میں نے رسول خدا سے سنا کہ آپ فرماتے تھے کہ تجھ پر اور زبیرے رفیق پر جس کی تو نے بیعت کی ہے قیامت تک تمام امت کے گناہوں کے مثل گناہ ہے اور تمام امت کے عذاب کے مانند تم پر عذاب ہوگا۔ عمر نے کہا تو جو چاہے کہہ تیرے امام نے بیعت کر لی اور تیری آنکھیں روشن نہیں ہوئیں۔ کیونکہ خلافت ان کو نہیں ملی۔ میں نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کی بعض کتابوں میں میں نے پڑھا ہے کہ جہنم کا ایک دروازہ تمھارے نام و نسب و صفت پر ہے کہ تو جو چاہے کہہ خدا نے خلافت اُن اہلبیت سے دُور کر دی جن کو تم سب خدا کے علاوہ خدا سمجھتے تھے۔ میں نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے اس آیت فیومثذلا یعذب عذابہ احد ولا یوثق وثاقہ احد کی تفسیر میں جناب رسول خدا سے سنا کہ تیری شان میں ہے یعنی اس کا عذاب اور اس کی سختی تمام کافروں سے شدید تر ہے۔

آخر عمر نے کہا خاموش ہو۔ خدا تیری آواز کو بند کرے اے زن گندیدہ کے فرزند کے غلام۔ اس وقت جناب امیر نے فرمایا کہ اے مسلمان میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ خاموش ہو جاؤ۔ مسلمان

کہتے ہیں کہ خدا کی قسم اگر امیر المومنین مجھ کو خاموش رہنے کا حکم نہ دیتے تو ہر آیت جو اس کی شان میں نازل ہوئی ہے اور ہر حدیث جو جناب رسول خدا سے اس کے اور ابو بکر کے حق میں سنی تھی سب کو بیان کرتا۔ جب عمر نے دیکھا کہ میں خاموش ہو گیا تو تہدیداً کہا کہ تو ان کا مطیع و فرمانبردار ہے۔ الغرض جب ابوذرؓ اور مقدادؓ نے بیعت کی اور کوئی بات نہ کہی تو عمر نے کہا اے سلمان کیوں تو خاموش نہیں ہوتا جس طرح تیرے دو ساتھیوں نے بیعت کی اور کچھ نہ کہا۔ اہلبیت سے تیری محبت اور تیرا ان کی تعظیم کرنا ان سے زیادہ نہیں ہے۔ ابوذرؓ نے کہا اے عمر کیا تو ہم کو محبت آل محمدؓ اور ان کی تعظیم پر طعن و طنز کرتا ہے۔ خدا لعنت کرے، اور کی ہے اس شخص پر جو ان کو دشمن رکھتا ہے اور ان پر افسوس کرتا ہے اور ان کا حق ظلم کے ساتھ ان سے لیتا ہے۔ اور لوگوں کو ان پر مستط کرتا ہے اور اس امت کو دین سے منحرف کرتا ہے۔ عمر نے کہا آمین خدا لعنت کرے۔ اس پر جو ان کے حق میں ظلم کرے۔ خلافت میں ان کا کوئی حق نہ تھا وہ اور تمام لوگ اس امر میں مساوی تھے۔ ابوذرؓ نے کہا پھر تم نے انصار پر قربت رسولؐ کیلئے حجت قائم کی۔ اُس وقت جناب امیرؓ نے فرمایا کہ اے پسر ضہاک ہم کو اس میں کوئی حق نہیں ہے اور خلافت تجھ سے اور کھٹی کھانے والی عورت کے دنی فرزند ابو بکر سے مخصوص ہے عمر نے کہا اب جبکہ تم نے بیعت کر لی ہے ان باتوں کو چھوڑو۔ عوام الناس میرے رفیق سے راضی ہوئے۔ اور تم سے راضی نہیں ہوتے اس میں میرا کیا گناہ ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ خدا اور رسولؐ راضی نہیں ہیں لیکن میرے ساتھ۔ لہذا تم کو اور تمہارے صاحب کو اور ان لوگوں کو جنھوں نے تمہاری اطاعت اور مدد کی ہے خدا کے غضب اور اس کے عذاب و عواری کی خوشخبری ہو، وائے ہونجر پر پسر خطاب تو نہیں جانتا کہ تو نے کیا کیا اور کیا عذاب اپنے اور اپنے صاحب کے لیے تو نے ہتیا کیا ہے۔ ابو بکر نے کہا اے عمر اب جبکہ انھوں نے بیعت کر لی ہے اور ہم ان کے شر و فتنہ سے مطمئن ہو گئے ہیں بھوڑو جو چاہیں وہ کہیں۔ جناب امیرؓ نے فرمایا کہ ایک بات کے سوا کچھ نہ کہوں گا۔ میں تم کو خدا کی یاد دلاتا ہوں اے چاروں افراد یعنی سلمان ابوذر و مقداد و زبیر کیا تم نے نہیں سنا ہے کہ رسول خدا نے فرمایا کہ جہنم میں آگ کا ایک صندوق ہے جس میں بارہ اشخاص ہوں گے چھ سابق امتوں میں سے اور چھ افراد اس امت کے اور وہ صندوق جہنم کے قعر میں ایک کنوئیں میں ہے اور اس کنوئیں کے منہ پر ایک پتھر ہے کہ جب چاہتا ہے کہ جہنم کو مشتعل کرے تو حکم دیتا ہے کہ اُس پتھر کو اس کنوئیں کے دہانے سے ہٹا دیں تو تمام جہنم اُس کنوئیں کی حرارت سے مشتعل ہو جاتا ہے۔ امیر المومنین نے فرمایا کہ میں نے تمہارے زور و رسول خدا سے سوال کیا کہ وہ کون لوگ ہیں فرمایا کہ پہلا پسر آدم ہے جس نے اپنے بھائی

کو مار ڈالا۔ اور فرعون و فرود اور بنی اسرائیل میں سے دو اشخاص ایک نے یہود کو گمراہ کیا اور دوسرے نے نصاریٰ کو اور ان میں کا چھٹا اہلیس ہے۔ اور اس اُمت میں سے وہاں چھ اور پانچ اشخاص وہ جنہوں نے صحیفہ طعونہ لکھنے پر اتفاق کیا اور اے میرے بھائی تمہاری عداوت پر اتفاق کیا اور ایک دوسرے کی تمہارا حق غضب کرنے میں مدد کی۔ یہاں تک کہ ان پانچوں اشخاص کے نام لیے تو ہم چاروں اشخاص نے گواہی دی کہ ہم اس واقعہ میں موجود تھے اور سب سنا ہے۔ عثمان نے کہا کہ تمہارے اور تمہارے اصحاب کے پاس کوئی حدیث ہے جو تم نے میرے حق میں سنی ہو۔ علیؑ نے کہا ہاں میں نے رسول خداؐ سے سنا کہ حضرت نے تم پر لعنت کی ہے۔ پھر اس لعنت کے بعد میں نے نہیں سنا کہ استغفار کیا ہو۔ عثمان غضبناک ہوئے اور کہا مجھ کو تم سے کیا واسطہ تم کسی حال میں مجھ پر اختیار نہیں رکھتے نہ رسول خداؐ کی حیات میں اور نہ ان کی وفات کے بعد۔ زبیر نے کہا ہاں خدا تمہاری ناک خاک پر گرے۔ عثمانؓ نے کہا خدا کی قسم میں نے رسول خداؐ سے سنا کہ آپ نے فرمایا کہ زبیر مرتد قتل کیا جائے گا۔ سلمانؓ کہتے ہیں کہ اس وقت جناب امیر نے مجھ سے آہستہ فرمایا کہ سچ کہتا ہے۔ زبیر قتل عثمان کے بعد مجھ سے بیعت کرے گا۔ پھر میری بیعت توڑ دے گا اور مرتد قتل ہوگا سلیم کہتے ہیں کہ پھر سلمان نے کہا کہ رسول خداؐ کے بعد سب لوگ سوائے چار اشخاص کے مرتد ہو گئے۔ اور لوگ جناب رسول خداؐ کے بعد بمنزلہ ہارون اور ان کے پیرو کے اور بمنزلہ گوسالہ اور اس کے پیرو کے ہو گئے۔ لہذا علی علیہ السلام بمنزلہ ہارون اور اول بمنزلہ گوسالہ اور دوم بمنزلہ سامری کے اور میں نے رسول خداؐ سے سنا کہ آپ نے فرمایا کہ ایک گروہ میرے اصحاب میں سے میرے پاس آئے گا جو ظاہر میرے نزدیک، قرب و منزلت رکھتا ہوگا کہ صراط سے گزے جب میں ان کو دیکھوں گا۔ اور وہ مجھے دیکھیں گے اور میں ان کو پہچانوں گا اور وہ مجھ کو پہچانیں گے تو ملا کر ان کو میرے پاس سے اُچک لے جائیں گے۔ میں کہوں گا خداوندائے میرے اصحاب ہیں تو وہ مجھ سے کہیں گے کہ آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا ہے۔ جب آپ ان سے جدا ہوئے تو یہ مرتد ہو گئے اور دین سے پھر گئے۔ تو میں کہوں گا کہ ان کو دُور کرو۔ اور میں نے رسول خداؐ سے سنا کہ (میرے اصحاب) بنی اسرائیل کی سنت اور طریقوں کے متنگ ہوں گے نعلین (جوتے کے جڑے) بالشت سے بالشت، ہاتھ سے ہاتھ کے موافق کیونکہ تورات اور قرآن مجید ایک ہاتھ، ایک ظم اور ایک صحیفہ سے صحا ہوا ہے اور ان دونوں اُمتوں کی مثالیں در طریقے مساوی ہیں اور حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب جناب امیر کو بیعت کے لیے مکان سے نکالا جناب فاطمہ زہرا باہر نکلیں، تمام بنی ہاشم کی عورتیں بھی آپ کے ساتھ

باہر نکلیں۔ جب وہ محضوثر جناب رسول خداؐ کی قبر کے نزدیک پہنچیں کہا میرے لیے عمر کو چھوڑ دو، اُس خدائے برحق کی قسم جس نے محمدؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر ان سے باز نہیں آتے ہو تو اپنے بال کھولتی ہوں اور میرا ہی رسول خداؐ اپنے سر پر رکھ کر بارگاہِ خدا میں فریاد بلند کرتی ہوں۔ خدا کے نزدیک ناقہ صالحؑ مجھ سے زیادہ گرامی نہ تھا اور اُس کا بچہ میرے بچے سے زیادہ بلند مرتبہ نہ تھا۔ سلمانؓ کہتے ہیں کہ میں اُن معظّمہ کے قریب تھا۔ خدا کی قسم میں نے دیکھا کہ مسجد کی دیواریں بُنیاد سے اُکھڑ کر اس قدر بلند ہوئیں کہ اگر کوئی چاہتا تو اُس کے پیچھے سے گذر سکتا تھا میں اُن معظّمہ کے نزدیک گیا اور کہا اے میری بیٹہ اور خاتونِ خدا نے آپ کے پدر کو عالمین کے لیے رحمت بنایا تھا آپ ان پر نزولِ عذاب کا سبب نہ ہوں تو وہ معظّمہ مسجد سے باہر چلی گئیں اور مسجد کی دیواریں اپنی جگہ پر پیچھے آئیں اور اُن کی جڑوں سے بہت زیادہ عمارت بلند ہوئی، اور ہماری ناکوں میں بھر گئی۔ دوسری روایت کے مطابق جناب فاطمہؑ نے حسنین علیہما السلام کا ہاتھ پکڑا اور جناب رسول خداؐ کی قبر مطہر کی جانب روانہ ہوئیں تاکہ ان پر پھرن کریں امیر المومنینؑ نے سلمان سے کہا کہ جاؤ اور دخترِ رسولؐ تک جلد پہنچو۔ کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ مدینہ کی دیواریں حرکت میں آگئیں ہیں۔ اگر وہ اپنے بال کھولیں گی اور گریبان چاک کریں گی اور اپنے پدرِ بزرگوار کی قبر تک جا کر خدا کی درگاہ میں فریاد کریں گی تو اس جماعت کو جہنم نہ ملے گی۔ اور مدینہ زمین میں اپنی آبادی سمیت دھنس جائے گا۔ یہ سن کر سلمان اُن معظّمہ کے پاس پہنچے اور کہا کہ امیر المومنینؑ فرماتے ہیں کہ واپس جاتیے اور صبر کیجیے اور اس اُمت پر عذاب کا باعث نہ بنئے۔ یہ سن کر جناب فاطمہؑ نے فرمایا کہ اگر اُن کا حکم ہے تو واپس جاتی ہوں اور صبر کرتی ہوں اور معتبر سندوں سے حضرت صادقؑ سے روایت کی ہے کہ جس وقت جناب امیر کا گریبان پکڑ کر کھینچتے ہوئے ابو بکر کے پاس لائے۔ اور حضرت رسالت مآبؐ کی قبر مطہر کے پاس پہنچے امیر المومنینؑ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی ”یا بٹ ام ان القوم اسسضحفونی وکادوا یقتلوننی“۔ اُسی وقت ایک ہاتھ قبر سے باہر نکلا اور ابو بکر کی طرف بٹھا۔ جس کو سب نے پہچانا کہ رسولِ خداؐ کا ہاتھ ہے اور ایک آواز آئی جس کو سب نے پہچانا کہ رسولِ خداؐ کی آواز ہے کہ اُحقرت بالذی خلقنا من تراب ثم من نطفة ثم سواک رجلاً۔ یعنی کیا تو اُس خدا سے کافر ہو گیا جس نے تجھ کو خاک سے پھر نطفہ سے پیدا کیا۔ پھر تجھ کو درست کر کے ایک مرد بنایا۔ خاصہ کے طریق سے جناب صادقؑ سے اور عامر کے طریق سے زید بن وہب سے روایت کی ہے کہ اکابرِ ہاجر و انصار نے ابو بکر کی جگہ سے انکار کیا اور کافی جتیں اُن پر تمام کیں۔ ہاجرین میں سے خالد بن سعید بن العاص جو بنی امیہ میں سے تھے۔ اور سلمانؓ و ابوذرؓ و مقدادؓ و عمارؓ و عبیدہؓ اسلمی تھے اور انصار میں سے ابوہشیم

بن الیہمان وسہل بن حنیف و عثمان بن حنیف و ذوالشہادین و خزیمہ بن ثنابت و ابن ابی کعب و ابوالیوب انصاری تھے۔ جب ابوبکر منبر کے اوپر گئے، ان لوگوں نے مشورہ کیا۔ بعض نے کہا کہ ہم چلتے ہیں اور ان کو منبر سے نیچے اتارتے ہیں۔ دوسرے نے کہا اگر ایسا کرو گے تو قتل کر دیے جاؤ گے۔ اور خدا نے فرمایا ہے کہ اپنے ہاتھ سے اپنے کو ہلاکت میں مت ڈالو۔ آخر ان کی راستے یہ ہوئی کہ جناب امیر کے پاس چل کر ان سے مشورہ کریں۔ القرض وہ حضرت کے پاس گئے اور کہا یا امیر المؤمنین آپ ابوبکر سے اس کے زیادہ حقدار اور اولیٰ ہیں کیونکہ ہم نے جناب رسول خدا سے سنا ہے آپ فرماتے تھے علیؑ حق کے ساتھ ہیں اور حق علیؑ کے ساتھ ہے علیؑ جس طرف جاتے ہیں حق ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ان کو منبر سے نیچے پھینچ لائیں اور آپ کے پاس اس لیے آئے ہیں کہ آپ کی راستے اس بارے میں معلوم کریں حضرت نے فرمایا۔ خدا کی قسم اگر ایسا کرو گے تو ان سے جنگ کرنا پڑے گا۔ اور تم ان کی نسبت کھانے میں نمک کے مانند ہو اور آنکھ میں سرمہ کے مثل ہو۔ وہ میرے پاس شمشیر بوسہ لے کر جنگ پر آمادہ آئیں گے اور کہیں گے کہ بیعت کرو، ورنہ تم کو قتل کر دیں گے تو مجھے چاہیے کہ میں ان سے جنگ کروں اور ان کے شر کو اپنے سے دفع کروں اور یہ جناب رسول خداؐ کے ارشاد کے خلاف ہے۔ کیونکہ آنحضرتؐ نے اپنی وفات سے پہلے مجھ سے فرمایا تھا کہ یہ امت تمہارے ساتھ غداری کرے گی اور تمہارے بارے میں میرا عہد توڑ دے گی اور تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰؑ سے تھی اور میری امت میرے بعد ہارون اور ان کے پیرو اور سلمی اور اس کے پیرو کے مانند ہو جائے گی۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہؐ جب ایسا ہو تو میں کیا کروں۔ فرمایا اگر مددگار پاؤ تو جنگ میں سبقت کرنا اور جہاد کرنا اور اگر مددگار نہ پاؤ تو ہاتھ روک رکھنا اور اپنی جان کی حفاظت کرنا تاکہ میرے پاس مظلوم آؤ۔ اور جب جناب رسول خداؐ ملا۔ اعلیٰ کی جانب تشریف لے گئے اور میں آپ کے غسل و کفن میں مشغول ہوا تو میں نے قسم کھائی کہ سوائے نماز کے رو اپنے دوش پر نہ رکھوں گا۔ یہاں تک کہ قرآن کو جمع کروں اور میں نے کہا۔ پھر میں حسنینؑ کو ساتھ لے کر اہل بدر کے دروازوں پر گیا۔ جنھوں نے راہ دین میں کارہائے نمایاں کئے تھے۔ اور ان کو قسم دی کہ میرے حق کی رعایت کریں اور ان کو اپنی مدد کے لیے بلوایا۔ انھوں نے منظور نہ کیا۔ سوائے چار اشخاص کے اور وہ سلمانؓ ابوذرؓ، مقدادؓ اور عمارؓ ہیں۔ لہذا خدا سے ڈرو اور خاموش رہو۔ اس کے لیے کہ جو کچھ ان کے دلوں کے کینوں اور بغض و عداوت کو جانتے ہو۔ جو ان کو خدا و رسولؐ اور ان کے اہلبیتؑ سے ہے۔ لیکن تم ان کے پاس جاؤ اور ان پر ظاہر کرو جو کچھ تم نے میرے اور ان کے بارے میں

رسول خدا سے سنا ہے تاکہ اُن پر پوری طرح محبت تمام ہو جائے اور اُن کا کوئی عُذر باقی نہ رہے اور رسول خدا کے نزدیک جب وہ اُن سے ملاقات کریں تو اُن کا حال بدتر ہو۔ الغرض روزِ جمعہ جب ابو بکر منبر پر گئے۔ سب لوگ اُن کے منبر کے گرد جمع ہوئے۔ ہاجرین میں سے جس شخص نے سب سے پہلے گفتگو کی خالد بن سعید تھے۔ چونکہ بنی اُمیہ کی مدد پر بھروسہ تھا۔ اس لیے کہا کہ اے ابو بکر خدا سے ڈرو تم جانتے ہو کہ جناب رسول خدا نے روزِ قریظ فرمایا تھا کہ اے گروہ ہاجرین و انصار میں تم کو ایک وصیت کرتا ہوں۔ یاد رکھو کہ بیشک میرے بعد علی امیر المؤمنین ہیں، اور تمہارے درمیان میرے خلیفہ ہیں۔ مجھے میرے پروردگار نے یہ وصیت کی ہے اور اگر اُن کے حق میں میری وصیت کو یاد نہ رکھو گے اور اُن کی مدد نہ کرو گے تو اپنے احکام میں اختلاف کرو گے اور تمہارا مردہیں تم پر مشتبہ ہو جائے گا اور تمہارے بدکردار حاکم ہو جائیں گے یقیناً میرے اہلبیت میرے وارث ہیں اور میرے بعد میری سنت پر عمل کرنے والے ہیں۔ خداوند! جو شخص میری اُمت سے اُن کی اعانت کرے اور اُن کے حق میں میری وصیت کو یاد رکھے۔ تو اُس کو میرے زمرہ میں مشور کر اور اس کے لیے میری موافقت کے سبب کامل حصہ قرار دے جس سے اُن کو آخرت کی کامیابی اور نجات حاصل ہو۔ اور جو شخص میرے اہلبیت سے خلا رد کرے تو اُس کو بہشت سے محروم رکھنا۔ جس کی چوڑائی ہمارے آسمان و زمین کی چوڑائی کے برابر ہے۔ یہ سن کر عمر اُن پر معترض ہوئے اور خالد نے اُن کے حسب و نسب اور اُن کے قبیلہ اعمال کے بارے میں بہت کچھ کہا۔ اور آخر میں کہا کہ تمہاری مثال اس امر میں شیطان کی مثال ہے جس کے بارے میں خدا نے قرآن میں فرمایا ہے کہ اُس کی مثال شیطان کے مانند ہے۔ جبکہ اُس نے انسان سے کہا کہ کافر ہو جا۔ جب وہ کافر ہوا تو کہا میں تجھ سے بیزار ہوں۔ پھر اُن دنوں کی عاقبت یہی ہوگی کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور یہ سے ظالموں کی جزا۔ مسلمان کہتے ہیں کہ پھر میں اٹھا اور ابتدا میں فارسی میں کہا کہ انھوں نے جو کیا تم نے بھی کیا اور تم نے نہیں سمجھا کہ تم نے کیا کیا۔ پھر عربی میں کہا کہ اے ابو بکر اگر کبھی ایسا مسئلہ درپیش ہو جس کو تم نہ جانتے ہو تو کس سے پوچھو گے اور جب تم سے کسی مشکل امر کے بارے میں لوگ دریافت کریں گے تو کس کی پناہ لو گے اور کیا عُذر کرو گے۔ اس بارے میں کہ تم اُس پر تقدم کرتے ہو۔ جو تم سے زیادہ دانا اور بھدار ہے اور اُس کی قرابت رسول خدا تم سے بہت زیادہ نزدیک ہے اور کتابِ خدا کی تاویل اور پیغمبر کی سنت سے تم سے زیادہ واقف ہے اور رسول خدا نے اپنی حیات میں اپنی وفات کے نزدیک اس کو مقدم کیا تھا تو تم نے اُن کی وصیت کو ترک کر دیا اور اُن کے ارشاد کو بھلا دیا اور اُن سے وعدہ کے خلاف کیا اور اُن کے عہد کو توڑ ڈالا اور امارت اسامہ

کے حکم کو کہ رسول خدا نے اس کو تم پر امیر مقرر کیا تھا کہ تم کو مدینہ سے باہر لے جائے تاکہ تم پر نساؤ
 برپا نہ کرو اور امت پر ظاہر ہو جائے کہ تم نے کسی امر میں رسول کی اطاعت نہیں کی۔ تم نے
 اس حکم رسول کو توڑ ڈالا۔ عنقریب تمہاری عمر ختم ہو جائے گی اور بھاری بوجھ کو لے کر تم قبر
 میں جاؤ گے۔ لہذا جہاں تک جلد ممکن ہو تو یہ کرو اور اس عظیم وبال کو آخرت میں مت لے جاؤ
 بیشک جو کچھ ہم نے علی کے حق میں سنا ہے تم نے بھی سنا ہے اور جو کچھ ہم نے دیکھا ہے تم نے
 بھی دیکھا ہے اور یہ تمام باتیں تم کو مانع نہ ہوں۔ اس سے کہ ایسے امیر عظیم کو اپنی گردن پر تم نے
 اٹھایا۔ پھر ابوذر کھڑے ہوئے اور کہا اے گروہ قریش عجیب قباحت تم نے کیا اور قربت رسول
 سے ہاتھ اٹھایا۔ اس سبب سے عرب کی کثیر جماعت مرتد ہو جائے گی اور اس دین میں شک
 کریں گی اگر اپنے پیغمبر کے اہمیت پر معاملہ کو چھوڑ دیتے تو اختلاف تمہارے درمیان پیدا
 نہ ہوتا اب جبکہ تم نے ایسا کیا ہے جو بھی طاقت رکھتا ہو گا خلافت پر متصرف ہو جائے گا اور
 خلافت طلب کرنے میں بہت خون بہہ جائے گا تم بھی جانتے ہو اور تمہارے سب نیک
 لوگ جانتے ہیں کہ جناب رسول خدا نے فرمایا کہ میرے بعد خلافت علی سے متعلق ہے اس
 کے بعد میرے دونوں فرزند حسن و حسین علیہما السلام سے اس کے بعد میری ذریت کے ظاہر
 لوگوں سے متعلق ہوگی تو تم نے اپنے پیغمبر کے ارشاد کو پس پشت ڈال دیا اور آخرت باقی کو ذلت
 فانی کے عوض فروخت کر دیا اور گزشتہ امتوں کی سنتوں کی پیروی کی جو اپنے پیغمبروں کے بعد کافر
 ہو گئیں تم بہت جلد اپنے عمل کا وبال دیکھو گے اور کردار کا بدلا پاؤ گے اور خدا ظلم کرنے والا
 نہیں ہے۔ پھر مقدار اٹھے اور ان کو بہت نصیحتیں کیں اور کہا اے ابو بکر جانتے ہو کہ علی کی حجت
 تمہاری گردن میں ہے اور رسول خدا نے تم کو اور عمر کو اسامہ کی ماتحتی میں جو رسول خدا اور
 امیر المومنین کا آزاد کردہ ہے داخل فرمایا اور اس کو تم پر امیر قرار دیا۔ یہ خیال تمہارے دلوں
 میں نہیں پہنچتا۔ پھر دوسری مرتبہ تم کو غزوہ ذات السلاسل میں مصدق شفاق و نفاق عمرو بن العاص
 کی ماتحتی میں داخل کیا اور وہ منافق وہ ہے جس کی شان میں اِنَّ شَانِكَ لَهٗوَالِاسْتِزَانِلُ ہوا
 اور ایسے منافق کو تم پر امیر مقرر کیا اور تمام منافقوں اور عمر اور تم کو اس لشکر کا چادش لشکر کے
 آگے چلنے والا یعنی عقب مقرر کیا۔ چاوشی سے کہا کہ تم نے خلافت تک ترقی کی اور یقین کے
 ساتھ جانتے ہو کہ خلافت رسول کے بعد علی بن ابی طالب کا حق ہے ان کا حق ان کے پیرو کرو
 اس کے بعد بریدہ اسلمی کھڑے ہوئے اور کہا اِنَّا قَدْ وَاٰنَا الْيَسْرَ لِحٰجَتِكُمْ حَقٌّ نَّعْنَا لَمْ يَكُنْ
 کیسی تکلیف پائی۔ اے ابو بکر کیا تم بھول گئے یہ کہ رسول خدا نے ہم سب کو حکم دیا تھا کہ علی کو
 امیر المومنین کہیں اور ان کو امیر المومنین کہہ کر سلام کریں اور بہت سے موقعوں پر فہم لیا کہ یہ

امیر المؤمنین اور قاسطین کا قتل کرنے والا ہے۔ اے ابوبکر خدا سے ڈرو اور حق کو جو اس کا زیادہ حق دار ہے اُس کو واپس کر دو۔ پھر عمار اُٹھے اور کہا اے گروہ قریش اور اے مسلمانوں سمجھو کہ اہلبیت رسولِ مظلومت کے زیادہ حقدار ہیں اور ان کی میراث کے زیادہ سزاوار ہیں اور امویوں میں سب سے زیادہ قائم رہ سکتے ہیں اور بلیت رسول اللہ کی بہتر حفاظت کر سکتے ہیں اور سب سے زیادہ اُمت کے خیر خواہ ہیں لہذا اپنے صاحب سے کہو کہ حق ان کے اہل کو پہنچا دیں قبل اس کے کہ تمہارا معاملہ کمزور ہو اور فتنہ عظیم برپا ہو اور دشمن تم پر طبع کریں اور تم جانتے ہو کہ خدا و رسول کے عہد کے ساتھ علی تمہارے ولی ہیں اور یہ بھی جانتے ہو کہ بہت موقعوں پر رسول خدا نے تمہارے اور ان کے درمیان فرق قائم فرمایا ہے۔ حضرت نے تمہارے دروازے مسجد سے بند کرا دیئے۔ سوائے علی کے دروازے کے۔ اور زختر مطہرہ ان کو دی اور بہت سے طلبگاروں کی عیاشی رد کر دی۔ اور فرمایا کہ میں حکمت کا شہر ہوں اور علی اُس کا دروازہ ہیں۔ جو شخص حکمت حاصل کرنا چاہے اس کے دروازہ سے آئے۔ اور تم ہمیشہ امویوں میں ان کے محتاج ہو وہ کسی امر میں تمہارے محتاج نہیں ہیں باوجود ان سابقہ فضیلتوں کے جو وہ رکھتے ہیں اور تم میں سے کوئی نہیں رکھتا۔ لہذا کیوں ان کو چھوڑ کر دوسرے کی جانب رخ کرتے ہو۔ اور ان کے حق کو غارت کرتے ہو بئس للنظالمین بدلا“ اس کے بعد ان ابی کعب اُٹھے اور کہا اے ابوبکر اس حق سے انکار مت کرو جسے خدا نے دوسروں کے لیے قرار دیا ہے اور حق کو اُس کے اہل کو پہنچا دو۔ پھر بہت سی نصیحتیں کیں۔ ان کے بعد خزیمہ اُٹھے اور کہا ایسا الناس کیا نہیں جانتے ہو کہ رسول خدا نے میری تنہا شہادت قبول فرمائی ہے لوگوں نے کہا ہاں جانتے ہیں تو کہا میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے رسول خدا سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ میرے اہلبیت حق کو باطل سے جدا کرنے والے ہیں اور وہ آئمہ ہیں کہ ان کی پیروی کرنی چاہیے۔ میں نے وہ کہا ہے جو جانتا تھا اور ”وما علی الرسول الا البلاغ المبین“۔ پھر ابوالشیم اُٹھے۔ اور کہا میں اپنے پیغمبر کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے علی کو روز غدیر خم کھڑا کیا۔ انصار نے کہا ہاں نہیں کھڑا کیا، مگر خلافت کے لیے بعضوں نے کہا ان کو اس لیے کھڑا کیا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ ہر اُس شخص کے مولا ہیں جس کے مولا پیغمبر ہیں۔ ہم نے کچھ لوگوں کو آنحضرت کے پاس بھیجا کہ وہ حضرت سے سوال کریں۔ حضرت نے فرمایا کہ کہو علی میرے بعد مومنین کے ولی ہیں اور لوگوں کے سب سے زیادہ خیر خواہ ہیں۔ میں جو کچھ جانتا تھا اس کی گواہی دی ہے لہذا جو شخص چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر ہو جائے۔ سب کی وعدہ گاہ قیامت کا دن ہے اس کے بعد سہل بن حنیف اُٹھے اور حمد و صلوات کے بعد کہا اے گروہ قریش گواہ رہنا کہ میں رسول خدا

پر گواہی دیتا ہوں کہ میں نے ان کو اس مقام پر یعنی قبر و منبر کے درمیان دیکھا کہ وہ علیؑ کا ہاتھ پکڑے ہوئے فرماتے تھے کہ ایسا الناس میرے بعد یہ علیؑ تھا رہے امام ہیں اور میری حیات اور میری وفات کے بعد میرے وصی ہیں اور میرے دین کے ادا کرنے والے ہیں اور میرے عہد اور وعدوں کو پورا کرنے والے ہیں اور وہ پہلے شخص ہیں جو حوض کوثر پر مجھ سے مصافحہ کریں گے لہذا کیا کہنا ہے اس کا جو ان کی پیروی اور مدد کرے اور اس پر وائے ہو جو ان سے منحرف ہو اور ان کی مدد نہ کرے۔ اس کے بعد ان کے بھائی عثمان ان کے ساتھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ میں نے رسول خداؐ سے سنا کہ آپ فرماتے تھے کہ میرے اہلبیت زمین کے ستارے ہیں لہذا ان پر تقدیم امت کرو بلکہ ان کو مقدم رکھو۔ کیونکہ وہ میرے بعد میرے والی ہیں۔ اس وقت ایک شخص نے کھڑے ہو کر پوچھا یا رسول اللہ آپ کے اہل بیت کون ہیں۔ فرمایا علیؑ اور اس کے طاہر فرزندوں میں سے۔ لہذا اسے ابو بکر تم پہلے شخص نہ ہو کہ اس بات سے کافر ہو اور خدا اور اس کے رسول سے خیانت کرو۔ اپنی امانتوں میں خیانت نہ کرو، حالانکہ حق کو جانتے ہو۔ پھر ابوبکر انصاری اُٹھے اور کہا اے خدا کے بندو! اپنے پیغمبر کے حق کے بارے میں خدا سے ڈرو اور ان کا حق ان کو دے دو جسے خدا نے ان کے لیے قرار دیا ہے۔ بیشک تم نے بھی سنا ہے جو کچھ ہمارے بھائیوں نے سنا ہے کہ رسول خداؐ نے متعدد مقامات پر کہا ہے کہ میرے اہلبیت میرے بعد تمہارے امام ہیں اور اشارہ علیؑ کی جانب کیا کہ نیکیوں کے امیر ہیں اور کافروں کے قتل کرنے والے ہیں۔ جو شخص ان کو چھوڑ دے گا خدا اس کو چھوڑ دے گا۔ اور جو شخص ان کی مدد کرے گا خدا اس کی مدد کرے گا۔ لہذا اپنے ظلم سے خدا سے توبہ کرو۔ بیشک خدا توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے۔ حضرت صادقؑ نے فرمایا کہ ابو بکر منبر پر خاموش تھے اور کچھ جواب نہ دے سکے پھر کہا میں تمہارا والی و حاکم ہوا ہوں۔ لیکن تم سے بہتر نہیں ہوں۔ تم میری بیعت سے باز آؤ اور ہاتھ مجھ سے اٹھا لو۔ یہ سن کر عمر نے کہا اے احمق منبر سے اتر آجیکہ تو قریش کی دلیلوں کا جواب نہیں دے سکتا تو کیوں اس مقام پر پہنچ گیا۔ خدا کی قسم میں چاہتا ہوں کہ تم کو معزول کروں اور خلافت حدیفہ کے غلام سالم کو دے دوں۔ یہ سن کر ابو بکر منبر سے اتر آئے اور عمر کا ہاتھ پکڑ کے اپنے گھر گئے۔ اور تین روز تک مسجد میں نہیں آئے۔ چوتھے روز خالد بن ولید ہزاروں آدمیوں کے ساتھ آیا اور کہا کیا بیٹھے ہو۔ خدا کی قسم سنی ہاشم خلافت کی طرح میں ہیں کہ خلافت پر متصرف ہوں اور سالم ہزار شخصوں کے ساتھ آیا اور معاذ بن جبل ہزار افراد کے ساتھ آیا اور پیچھے چار ہزار منافقین جمع ہو گئے۔ اور شمشیر برسنہ کے ساتھ باہر نکلے اور عمر ان کے آگے آگے تھے۔ یہاں تک کہ مسجد نبوی میں داخل ہوئے۔ عمر نے کہا کہ خدا کی قسم لے اصحاب

علیؑ اگر تم میں کسی ایک نے کوئی بات کہی جیسا کہ گذشتہ روز کسی مہدی تو اس کا سر بدن سے جدا کر دوں گا۔ یہ سن کر خالد بن سعید اُٹھے اور کہا اے پسر ضہاک جیشیہ اپنی تلواروں سے تو ہم کو ڈراتا ہے یا اپنی اس جمعیت کے ذریعہ سے تم لوگ چاہتے ہو کہ ہم کو پراگندہ کر دو۔ خدا کی قسم ہماری تلواریں بھی بہت تیز ہیں۔ اور باوجود کم تعداد ہونے کے ہم تم سے زیادہ ہیں کیونکہ محبت خدا ہمارے درمیان ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا کہ ہمارا امام ہم کو قتال سے منع کرتا اور اس کی اطاعت ہم پر واجب ہے۔ یقیناً ہم تلوار کھینچتے اور جہاد کرتے تاکہ اپنا عذر ظاہر کریں۔ جناب امیرؑ نے فرمایا کہ اے خالد بیٹھو خدا نے تمہاری گوشمش راہ دین میں جان لی اور تم کو نیک جزائے گا یہ سن کر وہ بیٹھ گئے۔ پھر سلمان اُٹھے اور کہا اللہ اکبر اللہ اکبر میں نے جناب رسول خداؐ سے سنا۔ اگر میں نے نہ سنا ہو تو میرے کان بہرے ہو جائیں کہ آپ فرماتے تھے کہ ایک روز ہو گا کہ میرے بھائی اور میرے پسر عم اپنے چند اصحاب کے ساتھ مسجد میں بیٹھ ہوں گے کہ ناگاہ اہل جہنم کے کتوں کی ایک جماعت اُن کو گھیرے گی اور اُس کے اور اُس کے اصحاب کے قتل کرنے کا ارادہ کرے گی اور مجھے شک نہیں ہے کہ تم وہی ہو۔ یہ سن کر عمر اُٹھے اور چاہا کہ اُن پر حملہ کریں حضرت علیؑ اُٹھے اور اُن کا گلہ پکڑ کر زمین پر پٹک دیا اور فرمایا اے فرزند ضہاک جیشیہ اگر وہ نامہ نہ ہوتا جو پہلے لکھا گیا ہے اور وہ عمدہ کیا ہوتا جو جناب رسول خداؐ سے پہلے ہو چکا ہے تو تجھ کو دکھاتا کہ کس کا مددگار زیادہ کمزور ہے اور کس کی تعداد زیادہ کم ہے۔ پھر اپنے اصحاب سے فرمایا کہ واپس چلو خدا تم پر رحمت نازل کرے۔ خدا کی قسم اس کے بعد مسجد میں داخل نہ ہو گا۔ مگر اُس روش سے جس طرح موسیٰؑ دہارونؑ دو بھائی داخل ہوئے جس وقت کہ اصحاب موسیٰؑ نے اُن سے کہا کہ جاؤ تم اور تمہارا خدا جنگ کر دو۔ ہم اسی جگہ بیٹھے ہیں۔ اور تمہارے ساتھ جنگ کے لیے نہیں جائیں گے۔ خدا کی قسم ہم یہاں نہیں آئیں گے۔ مگر زیارت رسول خداؐ کے لیے یا اُس معاملہ کے لیے جو لوگوں پر مشتبہ ہو جائے گا اور صحیح حکم اُس میں کروں گا کیونکہ اُس محبت کے لیے جائز نہیں ہے جس کو جناب رسول خداؐ نے لوگوں کے درمیان نصب کیا، ہو یہ کہ لوگوں کو سرگشتہ حیران چھوڑ دے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ یہ جھیل اور قلیل بیان ہے اس میں سے جو بطریق شیعہ اس واقعہ ہائے میں وارد ہوتے ہیں۔ اور اکثر یہ مضامین مخالفین کی سیر اور حدیث کی کتابوں میں متفرق طور پر وارد ہوئے ہیں۔ ان میں بعض مضامین کتاب ہمارا لاوار میں میں نے لکھا ہے۔ ان میں سے یہ کہ ابی ابی الحدید نے لکھا ہے کہ قضیہ یہ تفسیر میں روایتیں مختلف ہیں اور جو کچھ شیعہ کہتے ہیں اور حدیث میں کی کثیر جماعت نے روایت کی ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام نے بیعت سے انکار کیا یہاں تک کہ اُن کو جبراً لائے اور زیر نے بیعت سے انکار کیا اور کہا کہ میں سوائے علیؑ کے کسی کی بیعت

نہ کروں گا۔ اسی طرح ابوسفیان، خالد بن سعید، عباسؓ، رسول خدا کے چچا اور ان کے لڑکے، ابوسفیان بن الحارث اور تمام بنی ہاشم نے بیعت سے انکار کیا اور کہتے ہیں کہ زبیر نے تلوار کھینچ لی۔ جب عمر آئے اور ان کے ساتھ ایک گروہ انصار کا اور ان کے علاوہ لوگوں کا تھا عمر نے کہا زبیر کی تلوار چھین لو اور پتھر پر مار کر کند کر دو۔ لوگوں نے ان کی تلوار چھین لی اور پتھر پر ماری اور توڑ ڈالی اور سب کو جبراً ابوبکر کے پاس لاتے یہاں تک کہ بیعت کی اور سوائے علیؑ کے کوئی باقی نہ رہا اور جناب فاطمہؑ کی رعایت کے لیے ان کو باہر نہ لاتے بعض کہتے ہیں کہ ان کو گھر سے باہر لاتے اور انھوں نے ابوبکر کی بیعت کی۔ اور محمد بن جبریلؑ نے ان میں سے بہت سی روایت کی ہے اور کہا ہے کہ جب انصار نے دیکھا کہ خلافت ان کو نہیں ملتی ہے تو سب نے یا بعض نے ان میں سے کہا کہ ہم سوائے علیؑ کے کسی کی بیعت نہ کریں گے اسی کے مانند علی بن عبدالکریم معروف بہ ابن اثیر موصلی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔ نیز ابن ابی الحدید نے نقل کیا ہے کہ علیؑ جناب رسول خداؐ کی وفات کے بعد کہتے تھے کہ اگر چالیس اشخاص بیعت پر ارادہ والے میں پاتا تو جھاڑتا۔ یہ نصر بن مزاحم نے کتاب صفین میں اور بہت سے اہل سیر نے نقل کیا ہے، اور جو محمد بن عامر اور ان کے معاونین اور معتبر لوگ کہتے ہیں یہ ہے کہ حضرت امیرؓ نے ابوبکر کی بیعت سے انکار کیا اور چھ ماہ تک اپنے گھر میں قیام پذیر رہے اور بیعت نہ کی۔ یہاں تک کہ جناب فاطمہؑ نے دار فنا و من سے عالم راحت و تقا کی جانب رحلت کی۔ اور ان معظمہؑ نے جب رحلت کی تو آپ نے بیعت کی۔ اور صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ جب تک جناب فاطمہؑ زندہ رہیں لوگوں کی توجہ ان حضرت کی جانب رہی اور جب جناب فاطمہؑ نے وفات پائی لوگوں کا رخ آپ کی جانب سے پھر گیا اور آپ کے گھر سے نکل گئے تو آپ نے بیعت کی۔ اور جناب فاطمہؑ کی حیات کی مدت آپ کے پدر کے بعد چھ ماہ تھی۔

تجرب تو یہ ہے کہ باوجودیکہ اس مرد فاضل نے اپنی صحاح سے نقل کیا ہے اور پنداریں کہا ہے کہ جناب فاطمہؑ کے بعد جبراً بیعت کی حالانکہ صحیحین کی عبارت صریح ہے اس پر کہ جب تک مددگار پاتے تھے اور جب تک ان کے لیے ممکن تھا قبول بیعت سے انکار کیا۔ اور جب لوگوں کی توجہ آپ کی طرف سے ہٹ گئی تو آپ نے مضطرب ہو کر بیعت کر لی۔ نیز ابن ابی الحدید نے اسمحان عبدالعزیز جو ہری کی کتاب سقیفہ سے جس کی ہمیشہ تشریح و توصیف کی ہے نقل کیا ہے کہ جب ابوبکر سے لوگوں نے بیعت کی زبیر و مقداد صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ علیؑ کے پاس غور و فکر کرتے تھے۔ اور وہ خانہ فاطمہؑ میں تھے۔ وہ لوگ اپنے معاملات میں مشورہ اور صلاح کرنے تھے۔ وہاں عمر آئے اور جناب فاطمہؑ کے گھر میں داخل ہو گئے اور کہا اے دختر رسول خداؐ غلامی میں

تمہارے پدر سے زیادہ ہم کو کوئی محبوب نہیں اور تمہارے پدر کے بعد کوئی ہمارے نزدیک تم سے زیادہ محبوب نہیں ہے۔ خدا کی قسم یہ (محبوبیت) میرے لیے مانع نہیں ہے اس سے کہ اگر یہ جماعت تمہارے مکان میں جمع ہوگی تو میں آگ سے تمہارا گھر جلا دوں گا۔ تو جب عمر باہر گئے اور وہ لوگ آئے تو فاطمہؑ نے فرمایا کہ عمر نے ایسا کہا ہے اور میں جانتی ہوں کہ وہ یہ کام کر گزریں گے۔ تم لوگ دوبارہ اس گھر میں مت آنا تو وہ لوگ چلے گئے اور ابو بکر کی بیعت کر لی۔ پھر ابن ابی العزیز نے کہا ہے کہ معاویہ کی مشہور باتوں میں سے یہ ہے کہ علیؑ کو کھٹا کر کل اپنی زویجہ کو تم نے دراز گوش پر سوار کیا اور اپنے دونوں فرزندوں حسنؑ و حسینؑ کا ہاتھ پکڑا اور جس روز کہ لوگوں نے ابو بکر کی بیعت کی تم نے اہل بدر و سابق لوگوں کو نہ چھوڑا، مگر یہ کہ اپنی زویجہ اور اپنے لڑکوں کو لے کر ہر ایک کے دروازہ پر گئے اور چاہا کہ ان کو مصاحب رسول خدام سے جنگ کے لیے جمع کرو ان لوگوں نے قبول نہ کیا سوائے چار یا پانچ اشخاص کے۔ اگر تم حقدار ہوتے تو تمہاری مدد کرتے۔ اگر میں تمام باتوں کو بھول جاؤں لیکن یہ نہ بھولوں گا کہ تم نے میرے باپ سے کہا جس وقت کہ وہ چاہتے تھے کہ اس خیال سے تم کو پھیر دیں جو تم کہتے تھے کہ اگر چالیس اشخاص کو جو عزم والے ہوں پاتا، تو ابو بکر سے جنگ کرتا۔ ایسا کتاب جوہری سے روایت کی ہے کہ سلمانؓ، ابوذرؓ اور انصار چاہتے تھے کہ رسول خدام کے بعد علیؑ کی بیعت کریں۔ اور سلمانؓ نے کہا کہ خوب کیا کہ اختیار انصار کو نہ دیا۔ لیکن یہ غلط کیا کہ اس کے معدن کو جو علیؑ ہیں نہ دیا۔ دوسری روایت کے مطابق کہا کہ یہ غلطی کی کہ اہلسنت پیغمبر کو نہیں دیا۔ اگر تم ان کو دیتے تو دو شخص بھی تم سے اختلاف نہ کرتے اور اہلینان سے زندگی بسر کرتے۔ جوہری نے ابوالاسود سے روایت کی ہے کہ ابو بکر کی بیعت میں چند مہاجرین نے غیظ و غضب کیا اور علیؑ و زبیر نے بھی غصہ کیا اور فاطمہؑ کے گھر میں مسلح ہو کر داخل ہوئے۔ پھر عمر ایک گروہ کے ساتھ آئے جن میں اسید بن خنیس اور سلیمان بن سلامہ تھے۔ حضرت علیؑ چلائے اور ان کو خدا کی قسم دی۔ مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ اور ہجوم کر کے علیؑ اور زبیر کی تلوار چھین لی اور دیوار پر مار کر توڑ ڈالی پھر عمر نے ان کو سختی سے باہر نکالا اور کھینچتے ہوئے لائے یہاں تک کہ انہوں نے بیعت کی۔ پھر ابو بکر کھڑے ہوئے اور خطبہ پڑھا اور لوگوں سے عُذر کیا کہ میری بیعت ایک امر ناگہانی تھی اور بغیر سوچے سمجھے واقع ہوئی اور خدا نے اُس کے شر سے محفوظ رکھا۔ میں ڈرا کہ فتنہ و فساد برپا ہو جائے گا۔ خدا کی قسم میں نے کسی دن خلافت کی طمع نہیں کی۔ تم لوگوں نے وہ امر میری گردن پر ڈالا ہے جس کی طاقت مجھ میں نہیں ہے اور میرے ہاتھ سے پورا نہ ہوگا۔ میں چاہتا تھا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ طاقتور آدمی میری جگہ پر ہوتا۔ انہی باتوں سے عُذر کرتے تھے۔

اور ماجہ بن نے اُن کا عذر قبول کیا اور دوسری روایت میں کہا ہے کہ شہادت قیس بھی انہی لوگوں کے ساتھ تھا جبکہ عمر و اعلیٰ خاتمہ فاطمہ ہوئے۔ دوسری روایت میں ہے کہ عبدالرحمن بن عوف بھی اُن کے ساتھ تھے جو عمر کے ساتھ خاتمہ فاطمہ میں داخل ہوئے۔ اور مجاہد بن سلمہ بھی اُن لوگوں کے ساتھ تھا۔ اُس نے زبیر کی تلوار توڑ دی۔ پھر کتاب جوہری سے سلمہ بن عبدالرحمن نے روایت کی ہے کہ جب ابوبکر منبر پر بیٹھے علیؑ اور زبیر ایک گروہ کے ساتھ خاتمہ فاطمہ میں تھے۔ عمر ان کے پاس آئے اور کہا اُس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے چلو بیعت کے لیے ورنہ میں گھر جلا دوں گا۔ یہ سن کر زبیر شمشیر برہمنہ لیے ہوئے باہر آئے۔ انصار میں سے ایک شخص زیاد بن لیبد نے ان کو پکڑ لیا۔ تلوار زبیر کے ہاتھ سے گر پڑی۔ ابوبکر نے منبر سے آواز دی کہ اُس کی تلوار پتھر پر مار کر توڑ ڈالو۔ پتھر پر مار کر توڑ دی۔ پھر ابوبکر نے کہا کہ چھوڑ دو، خدا ان کو لائے گا۔ اور جوہری نے کہا ہے کہ دوسری روایت میں یہ ہے کہ سعد بن ابی وقاص خاتمہ فاطمہ میں اُن کے ساتھ تھے اور قتادہ بھی تھے اور وہ جمع ہوئے تھے کہ علیؑ سے بیعت کیا اور عمر آئے کہ آگ گھر میں لگا دیں۔ زبیر تلوار لیے ہوئے باہر آئے اور جناب فاطمہ بھی باہر آئیں فریاد کرتی اور روتی تھیں۔ پھر جوہری نے روایت کی ہے کہ عبداللہ موسیٰ حسنی سے لوگوں نے ابوبکر و عمر کا حال دریافت کیا۔ کہا میں تم کو جواب دیتا ہوں۔ اُس کے جواب میں جو عبداللہ بن حسن نے کہا جس وقت ان دونوں کے بارے میں اُن سے پوچھا تو انھوں نے کہا کہ فاطمہ صدیقہ اور معصومہ تھیں اور پیغمبر مُرسَل کی بیٹی تھیں وہ دنیا سے رخصت ہوئیں اس حال میں کہ اس جماعت پر غضبناک تھیں جن میں یہ دونوں تھے اور ہم اُن کی وجہ سے ان دونوں پر غضبناک ہیں۔ ایضاً جوہری نے امام محمد باقرؑ سے روایت کی ہے کہ ابن عباسؓ نے کہا کہ میں نے عمر سے سنا وہ کہتے تھے کہ تمہارے صاحب (علیؑ) لوگوں میں سب سے زیادہ رسولِ خدا کے بعد خلافت کے سزاوار تھے۔ مگر میں ان سے دو باتوں کے بارے میں ڈرا۔ میں نے کہا وہ کیا تھیں۔ وہ بولے کہ میں ان کی کمسنی اور اولاد عبدالمطلب سے اُن کی محبت سے ڈرا۔ اس کے بعد ابن ابی الحدید نے کہا ہے کہ علیؑ کا ابوبکر کی بیعت سے انکار۔ یہاں تک کہ ان کو سختی سے باہر لائے۔ اُس طرح جو مذکور ہوئی۔ محدثین اور راویان میر و تواریخ نے روایت کی ہے اور تم نے سنا جو کچھ جوہری نے اس بارے میں رجال حدیث سے نقل کیا ہے اور وہ سب ثقہ اور دروغ وغیرہ سے محفوظ ہیں۔ اس کے علاوہ بھی اس قدر ذکر کیا ہے جس کا احصا نہیں ہو سکتا۔ نیز جوہری نے ابوبکر باہلی سے اور اسماعیل بن مجاہد نے شعبی سے روایت کی ہے کہ ابوبکر نے عمر سے کہا کہ خالد بن ولید کہاں ہے کہا حاضر ہے۔ ابوبکر نے کہا تم دونوں جاؤ۔

اور علیؑ اور زبیر کو لاؤ تاکہ بیعت کریں۔ الغرض عمر داخل خانہ ہوئے اور خالد دروازہ پر کھڑے ہوئے۔ عمر نے زبیر سے کہا کہ یہ تلوار کیسی ہے کہا اس کو علیؑ کی بیعت کے لیے لایا ہوں۔ مکان میں بہت سے لوگ تھے۔ جیسے مقدار اور تمام بنی ہاشم۔ عمر نے زبیر کی تلوار لے کر پتھر پر مارا جو اُس گھر میں تھا۔ تلوار توڑ ڈالی اور زبیر کو اُن کا ہاتھ کھینچ کر اٹھایا اور باہر لائے اور خالد کے سپرد کیا۔ خالد کے ساتھ بہت سے لوگ تھے جن کو ابوبکر نے اُن کی مدد کے لیے بھیجا تھا۔ پھر عمر مکان میں داخل ہوئے۔ اور امیر المؤمنین سے کہا اٹھو اور چل کر بیعت کرو۔ حضرت نے انکار کیا تو حضرت کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور خالد کے ہاتھ میں دیا اور تمام منافقین نے ہجوم کیا اور ان لوگوں کو نہایت سختی سے کھینچا۔ لوگ مدینہ کے راستوں پر جمع تھے اور دیکھ رہے تھے۔ اور جناب فاطمہؑ بنی ہاشم وغیرہ کی بہت سی عورتوں کے ساتھ باہر نکلیں اور نالہ و فریاد کی آوازیں بلند ہوئیں۔ جناب فاطمہ نے ابوبکر کو ندا دی اور کہا کہ خوب خانہ اہلبیت رسول خداؐ کو غارت کر رہے ہو۔ خدا کی قسم میں تم سے ایک حرف بات نہ کروں گی۔ یہاں تک کہ خدا سے ملاقات کروں۔ جب علیؑ و زبیر نے بیعت کی اور یہ فتنہ ختم ہوا۔ ابوبکر آتے اور عمر کی سفارش کی اور فاطمہؑ اُن سے راضی ہو گئیں۔ ابن ابی الحدید نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ فاطمہؑ دنیا سے گئیں اور ابوبکر و عمر غضبناک تھیں اور وصیت کی تھی کہ وہ اُن پر نماز نہ پڑھیں۔ اور یہ سب ہمارے اصحاب کے نزدیک گناہان صغیرہ تھے، اور بخش دیئے گئے۔ سب سے بہتر تو یہ تھا کہ وہ لوگ ان کو گلامی رکھتے اور ان کی حرمت کی رعایت کرتے۔ نیز ابن ابی الحدید نے کہا ہے کہ میں اپنے استاد ابو جعفر نقیب کے پاس اس حدیث کو پڑھ رہا تھا کہ سبار بن اسود نے زینب و خضر رسولؐ کی ہونج پر نیزہ مارا تو وہ ڈریں اور ان کا محل ساقط ہو گیا۔ اس سبب سے جناب رسول خداؐ نے فتح مکہ کے دن اُس کا خون پھر (باطل) کر دیا۔ (یعنی جو شخص اس کو جہاں پائے قتل کر دے تو اُس پر کوئی گناہ نہیں)۔ جب میں نے یہ حدیث پڑھی تو نقیب نے کہا۔ جبکہ رسول خداؐ نے سبار کا خون مباح کر دیا۔ فقط زینب کو ڈرانے اور اس باعث اُن کا محل ساقط ہو جانے کی وجہ سے۔ تو ظاہری صورت یہ ہے کہ اگر آنحضرتؐ زندہ ہوتے تو اُس شخص کا خون بھی مباح کر دیتے جس نے فاطمہؑ کو ڈرایا اور اُن کے فرزند (محسن کو شکم میں) ہلاک کیا۔ ابن ابی الحدید نے کہا میں نے نقیب سے کہا کہ میں آپ سے یہ روایت کروں کہ فاطمہؑ کو ڈرایا اور اُن کے فرزند محسن کو ساقط کیا تو انھوں نے تفسیر کیا اور کہا اس کے صحیح اور غلط ہونے میں کسی ایک کی روایت مجھ سے مست کرنا کیونکہ میں اس معاملہ میں خاموشی اختیار کرتا ہوں۔ پھر ابن ابی الحدید نے بیعت

سقیفہ کی محمد بن جریر طبری سے جو ان کے معتبر ترین مورخ ہیں اسی طرح روایت کی ہے جس طرح ہم نے پہلے ذکر کیا اور واقدی نے روایت کی ہے۔ عمر اسید بن خنیس اور سلمہ بن اسلم اور ایک جماعت کے ساتھ علیؑ کے دروازہ پر آئے اور کہا باہر نکلو۔ ورنہ یہ گھر میں تم لوگوں کی بیعت جلاؤں گا۔ اور ابن خزائن نے کتاب غز میں زید بن اسلم سے روایت کی ہے۔ اس نے کہا کہ میں ان میں سے تھا۔ جو عمر کے ساتھ لکڑی لیے ہوئے تھے اور ہم فاطمہ کے دروازہ پر آئے جب کہ علیؑ اور ان کے ساتھیوں نے بیعت سے انکار کیا۔ عمر نے فاطمہ سے کہا کہ جو شخص بھی اس گھر میں ہو اس کو باہر نکالو۔ ورنہ میں گھر کو جلاؤں گا۔ اس وقت علیؑ وحسینؑ اور صحابہ کی ایک جماعت اس گھر میں تھی۔ فاطمہ نے کہا کیا مکان کو مجھ پر اور میرے فرزندوں پر جلا دو گے؟ کہا ہاں خدا کی قسم یہاں تک کہ وہ لوگ باہر آئیں اور بیعت کریں اور ابن عبد ربہ جو ان کے مشہور عالموں میں سے ہیں کہا ہے کہ علیؑ اور عباسؑ غارِ فاطمہ میں تھے۔ ابوبکر نے عمر سے کہا کہ اگر آنے سے انکار کریں تو ان سے جنگ کرنا۔ یہ سن کر عمر آگ لے کر آئے تاکہ مکان کو جلا دیں۔ فاطمہ نے کہا اے پسر خطاب تم میرا گھر جلائے آئے ہو۔ کہا ہاں پھر ابن ابی الحدید نے سقیفہ کی رویت اور جوہری کی کتاب سے زیادہ بسط کے ساتھ جو سابقہ مذکور ہوئی اسی طرح روایت کی ہے۔ اس جگہ تک جہاں کہا ہے کہ بنی ہاشم خانہ علیؑ میں جمع ہوئے اور زبیر ان کے ساتھ تھے۔ کیونکہ وہ بھی اپنے کو بنی ہاشم میں شمار کرتے تھے اور امیر المومنین نے فرمایا کہ زبیر ہمیشہ ہم اہلبیت کے ساتھ تھے۔ یہاں تک کہ ان کے فرزند جو ان ہوئے اور ان کو ہم سے منحرف کر دیا۔

پھر عمر ایک گروہ کے ساتھ خانہ فاطمہ پر گئے۔ اسید اور سلمہ ساتھ تھے اور کہا آؤ اور بیعت کرو۔ ان لوگوں نے انکار کیا۔ زبیر تلوار کھینچے ہوئے باہر نکلے، عمر نے کہا اس کتے کو کچل لو سلمہ بن اسلم نے ان کی تلوار لے کر دیوار پر ماری۔ ان کو اور علیؑ کو کھینچتے ہوئے ابوبکر کے پاس لائے۔ بنی ہاشم ہمراہ تھے۔ علیؑ کہتے تھے کہ میں خدا کا بندہ اور اس کے رسول کا بھائی ہوں۔ میں تمہاری بیعت نہ کروں گا تم اس لائق ہو کہ میری بیعت کرو۔ تم نے اس کو انصاری سے قربت رسولؐ کے سبب سے حاصل کیا۔ میں بھی اسی دلیل سے تم سے احتجاج کرتا ہوں۔ لہذا انصاف کرو اگر خدا سے ڈرتے ہو۔ ہمارے حق کا اعتراف کرو جس طرح انصاری نے تمہارے حق کا اقرار کیا ورنہ اعتراف کرو کہ دانستہ مجھ پر ظلم کرتے ہو۔ عمر نے کہا ہم تم سے باز نہ آئیں گے جب تک بیعت نہ کرو گے۔ علیؑ نے کہا تم دونوں نے سازش کی ہے کہ آج تم ان کے لیے خلافت قرار دیتے ہو۔ کل وہ تمہارے لیے مقرر کریں۔ خدا کی قسم میں تمہاری بات نہ

مانوں گا اور تمہاری بیعت نہ کروں گا۔ ابوبکر نے کہا اگر تم میری بیعت نہیں کرتے ہو تو میں تم پر بھروسہ نہیں کرتا۔ ابوعبیدہ نے کہا اے ابوالحسن تم کس ہوا اور یہ بوڑھے اور بزرگ ہیں تم ان کے ایسا تجربہ نہیں رکھتے ہو۔ ابوبکر تم سے زیادہ اس امر کی قوت رکھتے ہیں اور اس کی برداشت کی طاقت تم سے زیادہ رکھتے ہیں۔ لہذا راضی ہو جاؤ اور اگر زندہ رہو گے اور تمہاری زندگی دراز ہوگی تو تم اس فضیلت اور قربت کے اعتبار سے جو سابقہ امور اور جہادوں میں تم کو حاصل ہے اور جو تم نے کیا ہے اس امر کے لائق ہو گے۔ علیؑ نے کہا اے گروہ جابرین خدا سے ڈرو۔ اور سلطنت کو محمدؐ کے گھر سے اپنے مکانوں کی طرف مت لے جاؤ۔ اور ان کے اہل کو اور ان کے حق کو ان کے مقام سے مت ہٹاؤ۔ خدا کی قسم اے جابرین ہم اہلیت تم سے اس کے زیادہ حق دار ہیں۔ جب تک ہمارے درمیان ایسا شخص ہے جو کتب خدا کو پڑھے اور سمجھے اور دین خدا میں سمجھ رکھتا ہو۔ اور سنت رسول خداؐ کا جاننے والا ہو اور رعایا کے معاملہ کو صحیح طریقہ سے چلا سکے اور خدا کی قسم یہ تمام باتیں ہم میں موجود ہیں۔ لہذا اپنے نفس کی متابعت مت کرو کیونکہ حق سے دور ہو جاؤ گے۔ یہ سن کر شیرین سعد نے کہا اے علیؑ اگر انصار یہ باتیں ابوبکر کی بیعت سے پہلے سنتے تو کوئی شخص تم سے اختلاف نہ کرتا لیکن ان لوگوں نے ابوبکر کی بیعت کر لی۔ پھر علیؑ اپنے گھر چلے گئے اور وہیں قیام پذیر رہے۔ یہاں تک کہ جناب فاطمہؑ نے دنیا سے رحلت کی۔ اس کے بعد ابوبکر کی بیعت کی اور پھر کتاب سقیفہ سے امام محمد باقرؑ سے نقل کیا ہے کہ علیؑ نے فاطمہؑ کو (قاطر پر) سوار کیا اور رات کو انصار کے گھروں پر گئے۔ اور مدد کے طالب ہوئے لوگوں نے قبول نہیں کیا اور کہا اے دختر رسول خدا ہم نے اس مرد سے بیعت کی ہے اگر آپ کے پسر عم ہم سے پہلے یہ بات کہتے ہم ان سے دور رہنے کے لیے عدول نہ کرتے۔ علیؑ نے کہا میں رسول خدا کی میت گھر میں چھوڑ دیتا اور ان کی تجہیز سے پہلے طلب خلافت کے لیے چلا آتا؟ فاطمہؑ نے کہا کہ جو کچھ علیؑ نے یہ بہتر کیا اور ان لوگوں نے وہ کام کیا کہ خدا ان کو اس کا بدلہ دے گا۔ محمد بن قتیبہ نے جو عامر کے بڑے عالموں اور مؤرخین میں سے ہیں قصہ سقیفہ کو اپنی تاریخ میں اسی طرح جیسا کہ گذرا بلکہ اس سے زیادہ بسط سے روایت کی ہے۔ یہاں تک کہ کہا ہے کہ جب ابوبکر کو خبر پہنچی کہ کچھ لوگوں نے ان کی بیعت سے تخلف کیا اور عازہ علیؑ میں جمع ہوئے ہیں تو عمر کو ان کی طرف بھیجا اور ان کو طلب کیا۔ جب آنے سے ان لوگوں نے انکار کیا۔ عمر نے کڑھی طلب کی اور کہا اس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں عمر کی جان ہے یا تو باہر آؤ۔ ورنہ میں جتنے لوگ اس گھر میں ہیں سب کے ساتھ اس گھر کو آگ لگا دوں گا۔ لوگوں نے کہا فاطمہؑ اس گھر میں ہیں کہا اگر چہ وہ

بھی ہیں تب بھی میں جلاؤں گا۔ یہ سن کر سب لوگ باہر آئے اور بیعت کی سوائے علیؑ کے کہ انھوں نے کہا خدا کی قسم میں نے کھائی ہے کہ جب تک قرآن جمع نہ کروں گا گھرتے باہر نہ بھلوں گا۔ پھر جناب فاطمہؑ دروازہ پر کھڑی ہوئیں اور کہا میں نے تم سے زیادہ بیجا اور ید اعمال کسی قوم کو نہیں دیکھا۔ رسولِ خداؐ کا جنازہ ہمارے رو برو چھوڑ دیا۔ اور ہماری رائے اور صلاح کے بغیر خلافت لوٹنے میں مشغول ہو گئے۔ پھر عمر ابوبکر کے پاس آئے اور کہا علیؑ کو جنھوں نے بیعت سے تعلق کیا ہے۔ اس طرح تم گھر میں چھوڑے دیتے ہو۔ ابوبکر نے قنفذ سے کہا جا اور علیؑ کو لے آ۔ قنفذ گیا اور کہا خلیفہ رسولؐ نے تم کو طلب کیا ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا کس قدر جلد تم نے رسولِ خداؐ پر جھوٹ باندھا ہے۔ جب اُس نے آکر یہ ابوبکر سے کہا تو وہ روئے اور کہا جا کر کہو کہ امیر المؤمنین تم کو بلا تے ہیں۔ جب اُس نے یہ کہا تو حضرتؑ نے فرمایا۔ سبحان اللہ وہ اس امر کا دعویٰ کرتے ہیں جس کا تعلق اُن سے نہیں ہے۔ جب قنفذ نے یہ پیغام پہنچایا تو ابوبکر روئے۔ پھر عمر اُٹھے اور ایک گروہ کو اپنے ساتھ لیا اور فاطمہؑ کے دروازہ پر آئے۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ جب حضرت فاطمہؑ نے عمر کی آواز سنی گریباں ہوئیں اور فریاد کی یا رسول اللہؐ آپ کے بعد ہم نے سپرِ خطاب اور سپرِ الوقافہ سے کیا کیا ظلم دیکھے۔ جب لوگوں نے ان معظّمہ کی آواز گریستی روتے ہوئے واپس چلے اور نزدیک تھا کہ اُن کا دل پھٹ جائے اور ان کے جگر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ عمر ایک گروہ کے ساتھ ٹھہرے رہے اور علیؑ کو باہر لائے اور ابوبکر کے پاس پہنچایا اور کہا بیعت کرو کہا اگر نہ کروں تو کیا کرو گے۔ ان دونوں نے کہا خدا کی قسم تمھاری گردن ہم مار دیں گے۔ علیؑ نے کہا پھر ایک بندہ خدا اور برادرِ رسولؐ کو قتل کرو گے۔ عمر نے کہا بندہ خدا کو ہاں لیکن برادرِ رسولؐ نہیں ہو۔ ابوبکر خاموش تھے اور کچھ نہیں بولتے تھے۔ عمر نے ابوبکر سے کہا کہ ان کے بلے میں کیا حکم دیتے ہو۔ کہا میں کسی امر میں ان پر جبر نہیں کرتا۔ جب تک فاطمہؑ زندہ ہیں۔ پھر علیؑ مرے تو جناب رسولِ خداؐ کے نزدیک گئے۔ اور فریاد کی کہ یا بنی امیہ ان القوم استضعفونی وکادوا یقتلوننی۔ پھر عمر نے ابوبکر سے کہا آؤ فاطمہؑ کے گھر چلیں، کیونکہ ہم نے اُن کو آرزو کیا ہے۔ جب وہ آئے اور اجازت طلب کی تو فاطمہؑ نے ان کو اجازت نہیں دی تو جناب امیرؑ کی خدمت میں آئے اور استدعا کی کہ وہ اجازت دلا دیں۔ جناب امیرؑ نے فاطمہؑ سے التماس کیا کہ ان کو اجازت حاضر ہی کی دے دیں اور کپڑا آپ کے روتے اقدس پر ڈال دیا۔ جب وہ لوگ داخل ہوئے حضرت فاطمہؑ نے اُن کی طرف سے دیوار کی جانب مُنہ پھیر لیا۔ اُن لوگوں نے سلام کیا۔ فاطمہؑ نے جواب نہ دیا۔ ابوبکر نے کہا اے جیبہ رسولِ خداؐ میں صلہ

قرابتِ رسولؐ کو اپنے صلہ قرابت سے زیادہ دوست رکھتا ہوں اور آرزو رکھتا ہوں کہ جس روز آپ کے پدر بزرگوار نے رحلت کی میں بھی کاش مرجاتا اور ان کی وفات کے بعد زندہ نہ رہتا کیا آپ گمان رکھتی ہیں کہ جب میں آپ کو پہچانتا ہوں اور آپ کے حق کو جانتا ہوں تو آپ کی میراث جو رسولؐ خدا کی ہو آپ کو نہ دوں گا مگر میں نے رسولؐ خدا سے سنا ہے کہ ہم گروہ انبیاء میراث نہیں رکھتے جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے۔ جناب فاطمہؑ نے فرمایا کہ اگر میں کوئی حدیث رسولؐ خدا کی بیان کر لوں تو تم اس کو مانو گے۔ ان لوگوں نے کہا ہاں۔ فرمایا میں تم کو خدا کی قسم دیتی ہوں کیا تم نے آنحضرتؐ سے نہیں سنا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ فاطمہؑ کی رضا مندی میری رضا مندی ہے اور فاطمہؑ کا غضب میرا غضب ہے اور جو شخص میری بیٹی فاطمہؑ کو دوست رکھے تو اس نے یقیناً مجھے دوست رکھا اور جو شخص فاطمہؑ کو راضی رکھے تو اس نے بیشک مجھے راضی رکھا ہے اور جس شخص نے فاطمہؑ کو غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا ہے۔ ان دونوں حضرات نے کہا ہاں ہم نے سنا ہے تو فاطمہؑ نے کہا کہ میں خدا اور فرشتوں کو گواہ کرتی ہوں کہ تم نے مجھے غضبناک کیا اور مجھے خوشنود نہیں کیا اور جب رسولؐ خدا سے ملاقات کروں گی تو تمہاری شکایت کروں گی۔ ابو بکر نے کہا میں ان کے اور تمہارے غصہ سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں اسے فاطمہؑ پھر اس قدر روئے کہ نزدیک تھا کہ ہلاک ہو جائیں۔ جناب فاطمہؑ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں تم پر ہر نماز میں نفرین کروں گی۔ ابو بکر نے کہا میں تمہارے لیے ہر نماز میں دعا کروں گا۔ پھر گریاں باہر آئے۔ ابو بکر نے لوگوں سے کہا کہ تم ہر ایک جالتے ہو اپنی بیبیوں کے ساتھ سوتے ہو اور مجھ کو اس حال سے چھوڑ دیتے ہو۔ مجھے تمہاری بیعت کی احتیاج نہیں ہے میری بیعت فسخ کر دو۔ لوگوں نے کہا اے خلیفہ رسولؐ یہ امر خلافت بغیر تمہارے صحیح و درست نہ ہوگا۔ اگر تم فسخ کرتے ہو تو دین خدا قائم نہ رہے گا۔ ابو بکر نے کہا اگر اس کا خوف نہ ہوتا کہ اسلام کی عروۃ الوثقیٰ کمزور ہو جائے گی۔ یقیناً ایک رات بھی تمہاری بیعت کے ساتھ نہ سوتا اس کے بعد جو کچھ فاطمہؑ سے میں نے سنا اور دیکھا۔ الغرض علیؑ نے بیعت نہ کی جب تک فاطمہؑ زندہ تھیں وہ اپنے پدر بزرگوار کے بعد پچھتر روز زندہ رہیں۔ اور بلاوری نے جو عامر کے مشہور محدثین و مورخین میں سے ہیں روایت کی ہے کہ جب علیؑ کو ابو بکر نے بیعت کے لیے طلب کیا اور انہوں نے قبول نہ کیا تو عمر آئے اور آگ طلب کی کہ آپ کا مکان جلا دیں۔ جناب فاطمہؑ نے پس در سے کہا اے لیبر خطاب میرا گھر مجھ سمیت جلانے کا؟ عمر نے کہا ہاں اور یہ زیادہ قوی ہے اس سے جو تمہارے باپ (خدا کی جانب سے) لاتے ہیں۔ تو علیؑ آئے اور بیعت کی۔

اور ابراہیم بن سعد ثقفی نے جو طرہیں میں مقبول ہیں حضرت صادقؑ سے روایت کی ہے کہ جناب امیرؑ نے ابوبکر کی بیعت نہ کی۔ مگر اُس وقت جبکہ دیکھا کہ اُن کے گھر میں آگ لگا دی گئی اور دُھواں اُٹھنے لگا۔ اور بلا دردی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جب علیؑ نے ابوبکر کی بیعت سے انکار کیا تو ابوبکر نے عمر کو بھیجا اور کہا کہ ان کو نہایت سختی اور شدت سے لے آؤ۔ جب وہ لائے گئے ان کے درمیان باتیں ہوئیں اس کے بعد علیؑ نے عمر سے کہا وہ دُودھ دو جو جس کا نصف حصہ کل تم کو ملے گا۔ خدا کی قسم تم کو امارت کی طمع نہیں ہوئی مگر اس لیے کہ کل ابوبکر دوسروں پر تم کو اس کے لیے اختیار کریں اور ابراہیم ثقفی نے زہری سے روایت کی ہے کہ علیؑ نے بیعت نہ کی۔ لیکن چھ مہینے کے بعد اور شیخین کو ان سے بیعت لینے کی جرات نہ ہوئی۔ مگر جناب فاطمہؑ کی وفات کے بعد۔ ایضاً ابراہیم نے روایت کی ہے کہ قبیلہ اسلم نے ابوبکر کی بیعت سے انکار کیا اور کہا جب تک بریدہ بیعت نہ کریں گے ہم بیعت نہ کریں گے۔ کیونکہ جناب رسولِ خداؐ نے بریدہ سے کہا ہے کہ علیؑ میرے بعد تمہارے ولی ہیں۔ امیر المؤمنینؑ نے فرمایا کہ اُن لوگوں نے مجھے اختیار دیا ہے کہ یا تو یہ لوگ مجھ پر ظلم کریں اور میرا حق چھین لیں اور میں اُن کی بیعت کروں یا معاہدہ جنگ تک منتہی ہو اور لوگ مُرتد ہو جائیں۔ میں نے یہ اختیار کیا ہے کہ یہ لوگ مجھ پر ظلم کریں لیکن لوگ دین سے منحرف نہ ہوں۔ ایضاً عدی بن حاتم سے روایت کی ہے اُس نے کہا کہ مجھ کو کسی پر اس قدر رحم نہیں آیا جس قدر علیؑ پر آیا جس وقت اُن کا گریبان پکڑ کے کھینچا اور ابوبکر کے پاس لائے اور ابوبکر نے ان سے کہا کہ بیعت کرو۔ علیؑ نے کہا اگر نہ کروں تو کیا کرو گے، کہا سر اُستار لوں گا۔ یہ سُن کر علیؑ نے سر آسمان کی جانب اُٹھایا اور کہا خداوند! تو گواہ رہنا۔ آپ نے اپنا داہنا ہاتھ نہ کھولا اور نہ بڑھایا۔ اس طرح وہ لوگ بیعت سے راضی ہوئے۔

واضح ہوا ہے طالبِ حق و یقین کہ عامہ کی سب سے مضبوط و مستحکم دلیل خلافت ابوبکر پر یہ ہے کہ ان کی خلافت پر تمام صحابہ نے اجماع کیا اور اجماعِ حجت ہے۔ لہذا اُن کی خلافت حق ہے اور اجماع کی خود یہ تعریف کی ہے کہ اس وقت کے تمام مجتہدین کسی امر پر ایک وقت میں اجماع و اتفاق کریں۔ لیکن اس اجماع میں بہت سے اعتراضات ہیں۔

۱۔ اپنے اصول کی کتاب میں اس مسئلہ میں کئی اختلافات کئے ہیں۔ (پہلا اختلاف) یہ کہ اس امر کی تحقیق ممکن ہے یا محال (دوسرا اختلاف) امکان کی صورت میں آیا کسی امر میں محقق ہوا یا نہیں (تیسرا اختلاف) تحقیق کی صورت میں حقیقت پر دلیل ہوئی ہے یا نہیں (چوتھا اختلاف) حجت ہونے کی صورت میں آیا شرط ہے کہ نواتر تک پہنچے یا نہ پہنچے۔ ان ہر ایک میں بہت تکرار و

نزاع کی ہے۔ لہذا ابو بکر کی امامت و خلافت پر اجماع کا ثبوت ان تمام امور کے ثبوت پر موقوف ہوگا اور ان کے عالموں میں سے جو لوگ ان امور کے قائل نہیں ہیں کیونکہ اس دلیل سے استدلال کر سکتے ہیں۔ پھر اس میں اختلاف کیا ہے کہ آیا اجماع کی حجت میں شرط ہے یہ کہ جن لوگوں نے اس رائے پر اتفاق کیا تو وہ وقت و فوات تک باقی رہے یا نہیں۔ پھر اس میں اختلاف کیا ہے کہ فقط اجماع حجت ہے یا چاہیے کہ کوئی سند بھی ہو۔ اور یہ سند حجت ہے اور جس سند کا ذکر کیا ہے وہ قیاس فقہی ہے۔ کیونکہ نماز کو ریاست دین و دنیا پر قیاس کیا ہے اور وہ مختلف وجوہ سے باطل ہے۔

(پہلی وجہ) یہ کہ علمائے امامیہ نے عامہ و خاصہ کے طریق سے بہت سی حدیثوں سے ثابت کیا ہے کہ ان کی نماز جناب رسول خدا ص کے حکم سے نہ تھی۔ بلکہ عائشہ کے کہنے سے تھی۔ جب آنحضرتؐ مطلع ہوئے تیکہ امیر المؤمنین یا عباسؓ یا فضل بن عباسؓ پر کر کے مسجد میں آئے اور محراب سے ان کو بٹا دیا اور خود بیٹھ کر ان کے ساتھ نماز پڑھی۔ چنانچہ صحیح بخاری میں عروہ سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا ص نے اپنے مرض میں کچھ افاقہ پایا تو باہر تشریف لائے اور محراب میں پہنچے تو ابو بکرؓ نے آنحضرتؐ کے پیچھے نماز پڑھی اور لوگوں نے ابو بکر کی نماز کے ساتھ نماز پڑھی یعنی ان کی تکبیر کے ساتھ۔

(دوسری وجہ) یہ کہ قیاس کا حجت ہونا منع ہے۔ علمائے اہلبیت اور ظاہریہ اہلسنت اور جمہور معتزلہ قیاس کو حجت نہیں جانتے اور دلائل شافیہ اُس کے باطل پر قائم کی ہیں۔

(تیسری وجہ) حجیت کی صورت میں حجت اُس جگہ ہے جہاں کوئی علت ہو اور اس علت میں فرع اصل کے مساوی ہو اور یہ اس جگہ مفقود ہے۔ بلکہ یہ فرق ظاہر ہے کہ یہ لوگ نماز کو ہرنیک و بد کی اقتداء میں جائز جانتے ہیں اور خلافت میں عدالت اور شجاعت اور قریشی ہونا اور دوسری شرطوں کو شرط جانتے ہیں۔ ایضاً امامت جامعۃ ایسا امر ہے جس میں بہت علم کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اس میں شجاعت اور تدبیرات زعیام معتبر نہیں ہے اور چونکہ خلافت و سلطنت و ریاست امور دین و دنیا سے متعلق ہے اس لیے بہت علم اور بیشمار شرطوں کی ضرورت ہے جن میں سے ایک بھی ابو بکر و عمر و عثمان میں نہ تھی۔ ہر امر میں عاجز رہتے تھے۔ اور امیر المؤمنین اور تمام صحابہ سے فریاد کرتے تھے۔ ان میں سے بعض کہتے تھے کہ رسول خداؐ نے ان کو ہمارے دین کے لیے اختیار فرمایا ہے تو ہم ان کو دنیا کے لیے کیوں نہ اختیار کریں۔ یہ محض کذب و افتراء تھا۔ اور ان کے محققین جیسے شارح تجرید وغیرہ نے امامت کی توفیق میں دنیا میں حکومت عامہ سے کی ہے۔ نیز اگر یہ دلیل امامت تھی تو کیوں ان لوگوں نے انصار کے مقابلہ میں نہیں کہی اور قربت کا سہارا لیا۔

(چوتھی وجہ) اگر قیاس حجت ہو تو فروعی مسائل میں حجت ہے۔ اصول کے مسائل میں حجت نہیں ہو سکتا اور تمام امور میں تسلیم کرنے کی صورت میں تو ہم جناب رسولؐ کے حضرت امیرؓ کو مدینہ میں غزوہٴ تبوک کے لیے جاتے وقت اپنا خلیفہ بنانے سے مقابلہ کریں گے۔ جبکہ آنحضرتؐ نے اُن کو اس کے بعد معزول نہیں کیا۔ اور جب وہ مدینہ میں خلیفہ ہوتے ہیں تو تمام شہروں میں ہوں گے کیونکہ کوئی فصل کا نائل نہیں ہے اور یہ اُن کی دلیل سے زیادہ قوی ہے۔ کیونکہ مدینہ کی خلافت امور دین و دنیا میں تھی برخلاف خلافت نماز کے۔

۲۔ اخبار سابقہ سے معلوم ہو گیا کہ ان کا اجماع کس طرح کا اجماع تھا۔ سعد بن عبادہ اور اُن کے اصحاب سب کے سب اجماع سے الگ تھے اور ابو بکر کی بیعت مطلق نہ کی اور اہلبیتؑ اور تمام بنی ہاشم نے چھ مہینہ تک بیعت نہیں کی۔ اور جن لوگوں نے بظاہر بیعت کی اس وقت کی جبکہ آگ خانہ اہلبیت رسالت میں لگائی اور برہنہ تلواریں اپنے سروں پر رکھیں۔ لہذا ہر ظالم جس کو تسلط حاصل ہو اور کچھ دنیا دار لوگ مال کی طمع میں اس کے ساتھ ہو جائیں تو چاہیے کہ وہ خلیفہ ہو جائے اور اس کی اطاعت تمام اہل علم و فضل و صلاح پر لازم ہو تو معلوم نہیں کہ سخت انصر، شداد، عمرو اور مسیلہ کذاب کی بیعت باوجود اس رسوائی کے ہوئی ہوگی اگر نہیں کہ اجماع ابتداء میں متحقق نہیں ہوا تو چھ مہینے کے بعد جبکہ امیر المؤمنینؑ نے بیعت کی اجماع متحقق ہوا۔ تو ہم جواب میں کہیں گے کہ وہ بھی ممنوع ہے بلکہ معلوم ہے کہ سعد بن عبادہ اور اس کی اولاد ہرگز اس بیعت میں داخل نہیں ہوئے۔ چنانچہ ابن عبد البر نے استیعاب میں ابو بکر کے حالات میں لکھا ہے کہ لوگوں نے اُن کی خلافت پر رقیفہ بنی ساعدہ میں بیعت کی۔ جس روز کہ جناب رسولؐ نے دنیا سے رحلت فرمائی اور دوسرے روز جو شنبہ تھا عام بیعت ہوئی۔ لیکن ان کی بیعت سے سعد بن عبادہ اور قبیلہ خزرج کے ایک گروہ نے اور قریش کے ایک فرقہ نے انکار کیا۔ ابن عبد البر نے کتاب مذکور میں اور ابن حجر عسقلانی نے کتاب اصحاب میں لکھا ہے کہ سعد نے ابو بکر و عمرؓ میں سے ایک کی بیعت نہیں کی اور یہ لوگ اُن پر بیعت کے لیے سختی بھی نہ کر سکے جس طرح دوسروں پر بصر کیا۔ اس لیے کہ اُن کی قوم قبیلہٴ خزرج سے بہت تھی۔ ان لوگوں نے ان کے فتنے سے پرہیز کیا۔ جب خلافت عمرؓ کو ملی تو عمرؓ کی نگاہ اُن پر پڑی تو کہا کہ یا میری بیعت میں داخل ہو جاؤ یا مدینہ سے نکل جاؤ۔ سعد نے کہا مجھ پر اس شہر میں رہنا حرام ہے جس میں تم امیر ہو۔ اور مدینہ سے چلے گئے اور بہت سے قبیلے دمشق کے اطراف میں ان کے تھے۔ ان میں سے ایک جماعت کے پاس گئے اور ہر روز اس قریہ سے دوسرے قریہ میں جاتے تھے۔ ایک بارغ میں اُن کو تیر مار مار ڈالا۔ صاحب وقت اصفا

نے لکھا ہے کہ سعد نے ابوبکر کی بیعت نہ کی اور شام کی جانب چلے گئے اور ایک مدت کے بعد ایک سرکردہ کی تحریک سے قتل کر دیئے گئے اور ظاہر ہے کہ اُس سرکردہ سے اُن کی مُراد کون ہے۔ بلاوری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ عمر نے خالد بن ولید اور محمد بن سلمہ سے سعد کو مار ڈالنے کے لیے کہا۔ اور ہر ایک نے ان کو تیر کا نشانہ بنایا آخر وہ قتل ہو گئے اور لوگوں کو وہم میں ڈالا کہ جن نے ان کو مار ڈالا۔ اور یہ مشہور شعر جن کی زبان میں وضع کیا ہے

نحن قتلنا سيد الخزرج سعد بن عبادا
فوميثناه بسلميين فلم نخط فردا

(ہم نے سید الخزرج سعد بن عبادہ کو قتل کیا۔ اور ہم نے وہ تیر کا ان کو نشانہ بنایا اور ہم

اور امیر المؤمنین علیہ السلام کا اُن سے ظلم اٹھانا اپنی زندگی کے آخری دنوں تک متواتر ہے۔ اور حضرت نے معاویہ کے جواب میں جو لکھا صریح ہے۔ یہ کہ باختیار خود آپ نے بیعت نہیں کی۔

۳۔ یہ کہ چھ مہینے کے بعد بیعت مان لینے کی صورت میں وہ چھ ماہ سے پہلے اس بیعت میں کیوں بغیر کسی دلیل کے نفوس و خون اور اموال میں مسلمانوں کے کیوں تصرف کرتے تھے۔

اور فوجیں اطراف و جوانب میں کیوں بھیجتے رہے۔ نیز واضح ہوا کہ عامر نے اجماع کی تعریف

یہ کی ہے کہ اہل زمانہ ایک امر پر اتفاق کر لیں تو اگر ایک وقت میں نہ ہو ممکن ہے پہلا

شخص پھیلے کی موافقت میں اُس رائے سے پھر جائے۔ لہذا ابوبکر و عمر کا اجماع تدریجی کیا

نفع دے سکتا ہے اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ ان کے اکثر متاخرین نے جیسے

ملا سعد الدین نے مقاصد میں اور صاحب موافقت اور سید شریف اور دوسرے محدثین نے

جب دیکھا کہ ایسے اجماع سے متمسک ہونا نصیحت کا سبب ہے تو اجماع سے ہاتھ اٹھا

لیا۔ اور کہا ہے کہ جب امامت اختیار اور بیعت سے ثابت ہوئی تو خلافت کے لیے تمام

اہل حل و عقد کے اجماع کی محتاج نہیں رہی کیونکہ اجماع پر عقل و نقل سے دلیل قائم نہیں ہوتی ہے

بلکہ اہل حل و عقد میں سے ایک دو کی بیعت امامت کے ثبوت اور امام کی اطاعت اہل

اسلام پر واجب ہونے میں کافی ہے۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ صحابہ نے اُس استحکام کے ساتھ

جو دین میں رکھتے تھے، امامت کے بارے میں اسی پر اکتفا کی ہے۔ جیسے عمر کی رائے ابوبکر

کے بارے میں اور عبد الرحمن کی رائے عثمان کے بارے میں اور اپنی رائے میں ہر ایک کے

اجماع کی شرط نہیں کی ہے جو مدینہ میں ہو۔ چہ جائیکہ اُمت کے دوسرے شہروں کے عالموں

کا اجماع اور کسی نے ان کا انکار نہیں کیا اور اس امر پر اُس کے بعد اُس زمانہ سے اس زمانہ

تک کے لوگوں نے اتفاق کیا ہے اور ملا سعد الدین نے شرح مقاصد میں لکھا ہے کہ ابوبکر

کی خلافت کی دلیل چند چیزیں ہیں۔

۱۔ اس خلافت میں تنہا نہیں ہیں۔

(پہلی بات) یہ کہ اہل علم و عقدا اجماع ہر چند بعض افراد کے تردد و توقف کے بعد تھا علیا کہ روایت کی ہے کہ انصار نے کہا متاامیر و منکد امیر (ایک امیر تم میں سے اور ایک امیر تم میں سے ہونا چاہیے) اور بوسفیان نے کہا سے اکل بعد منافع تم لڑائی ہو گئے کہ قسیم (۱۰۱) تمھارا والی ہو۔ میں مدینہ کو سواروں اور پیادوں سے بھڑوں گا۔ (تم اپنا حق طلب کرو) اور صحیح بخاری و مسلم وغیرہ اصحاب کی کتابوں سے مذکور ہے کہ علیؑ کی بیعت کافی دیر کے بعد ہوئی اور ابوبکر کا عمر و ابو عبیدہ کو علیؑ کے پاس بھیجنا ایک پُر لطف بات ہے جسے موثق لوگوں نے بہت سی صحیح سندوں سے روایت کی ہے اور جابین سے بیعت ہی پر لطف باتوں پر مشتمل ہے اور کچھ نے عمر کی سختی کے بارے میں روایت کی ہے کہ جب علیؑ آئے اور آپ نے بیعت کی جب اٹھ کر چلے تو کہا خدا تم کو اس امر میں برکت نہ دے جس نے مجھے آزردہ کیا ہے اور تم کو خوش کیا ہے۔ اور یہ جو روایت کی ہے کہ ابوبکر کی لوگوں نے بیعت ہی اور علیؑ و زبیر و مقدادہ و سلمانؓ و ابوذرؓ نے انکار کیا تو دوسرے روز ابوبکر اپنے اصحاب کے ساتھ آئے اور ان لوگوں نے بیعت کی محل نظر ہے۔ اس کے بعد بیعت کے بارے میں صاحب مواقف کے مثل باتیں بھی مروج فخر رازی نے نہایت العقول میں کہا ہے کہ ابوبکر کی خلافت پر ان کے زمانہ میں اجماع منعقد نہیں ہوا بلکہ ان کے مرنے کے بعد عمر کی خلافت کے زمانہ میں جبکہ سعد بن عبادہ مر گئے اجماع منعقد ہوا۔ عاقل صاحب دیانت حذر کر دے کہ کس طرح ان کے فضل سے اجماع سے گریز کیا ہے اور اپنے کو اس سے بدتر بلا میں گرفتار کر لیا ہے۔ جیسے کوئی شخص بالوعمر (وہ کنواں جس میں گندہ پانی گرتا ہے) سے بھاگ کر اپنے تئیں کھیر میں ڈال دے۔ جب اجماع ثابت نہ ہوا تو اس بیعت کا حجت ہونا جو اخبار سنیہ سے معلوم ہوا جو قبیلہ اوس و خزرج کے تعصب و عناد پر تھا اور عمر و ابوبکر کے باہم سازش ہوئی تھی کہ ابوبکر کو وہ خلیفہ کریں اور ابوبکر اپنے بعد ان کو خلیفہ مقرر کریں۔ جب کہ اس جماعت کے بیعت نہ کرنے کی وجہ سے اجماع ثابت نہ ہوا تو سب کا بیعت کر لینا کیسے معلوم ہوا، اور جب وہ ایک شخص کے بیعت کر لینے کو کافی سمجھتے ہیں تو امامت کے ثبوت میں اتنے ہزار اشخاص کی بیعت ابوبکر کا کیوں مقابلہ کرتے ہیں۔ بلکہ کہا جاسکتا تھا کہ اجماع ابوبکر کی خلافت و امامت کے خلاف اور ایک شخص کے بیعت کر لینے پر اکتفا کے خلاف متحقق تھا کیونکہ ان کی صحاح میں مذکور ہے کہ سنی ہاشم میں سے کسی نے چھ مہینے تک بیعت نہ کی اور تمام اہلیت ان میں داخل تھے۔ اور حدیث متواتر یعنی انی تارک فیکم التقلین الخ اور حدیث مشہور مثل اہل بیعتی مثل سفینۃ نوح الخ کی رو سے اجماع اہلیت حجت ہے اور صاحب کشف نے روایت کی ہے کہ رسول خدا نے فرمایا کہ فاطمہؑ میرے دل کا چین ہے۔

اور اس کے دونوں فرزند میرے میوہ دل ہیں۔ اُس کا شوہر میری آنکھوں کا نور ہے اور اُس کی اولاد میں سے آئمہ اطہار میرے پروردگار کے امین ہیں اور ایک کھنچی ہوئی ریشمان اُس کے اور اُس کی مخلوق کے درمیان ہیں۔ جو شخص اس کو پکڑے گا نجات پائے گا اور جو شخص اُس سے انحراف کرے گا ہلاک ہوگا اور جہنم میں جائے گا۔ زیادہ تعجب یہ ہے کہ فضلاء کا ایک گروہ علم و فطانت اور انصاف و دیانت کے دعوے کے ساتھ دین و دنیا کی ریاست کے تحقق میں عام مخلوقات پر اطاعت کے واجب ہونے کو ایک شخص کا ایک شخص کی بیعت کر لینے پر اکتفا کرتا ہے اگرچہ عام اہل علم و فضل و صلاح اس کے خلاف ہوں اور اگر ایک شہادت دے کہ زید کا ایک درہم عمر کے ذمہ ہے تو قبول نہیں کرتے اور امامت کے تحقق میں اس کی بیعت کو کافی سمجھتے ہیں اور اس سبب سے زید پیدا اور ولید عنید کو جس نے قرآن پر تیروں کی بارش کی تھی، خلیفہ خدا اور واجب الاطاعت خلق جانتے ہیں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ یوم ندمت واکلی اناسا بامام سلمہ قرآنی ارشاد (یعنی جس روز ہم تمام انسانوں کو ان کے امام کے ساتھ محشور کریں گے) کی بنا پر ایسے امام کے ساتھ محشور ہو اور ان کے گناہ اور وبال میں شریک بنو تو تم کو اختیار ہے۔

۴۔ یہ کہ جب کہ سابقہ حدیثوں اور عامہ کے مشہور علماء کے اقرار سے معلوم ہوا کہ مدت دراز تک جو حکم سے کم چھ ماہ ہے۔ جناب امیرؑ اور ابو بکرؓ و عمرؓ کے درمیان خلافت میں نزاع ہوئی اور وہ حضرت ان میں اور ان کی خلافت میں قدرح کرتے رہے اور ان کو ظلم و ستم سے نسبت دیتے ہے۔ لہذا یا تم اس کے قائل ہوں کہ اُن کی خلافت باطل اور ظلم و ستم پر تھی۔ یا قائل ہوں کہ حضرت علیؑ (معاذ اللہ) اس مدت میں باطل پر رہے اور اپنے امام کے عاق ہوئے اور امام برحق سے نصیب کے سبب سے انکار کرتے رہے۔ لہذا ان میں سے ایک میں خلافت کی اہلیت نہ تھی۔ اور ان کے اکثر علماء نے اس حدیث رسول خدا کی تصریح کی ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ حق علیؑ کے ساتھ ہے اور علیؑ حق کے ساتھ ہیں اور حق اُن کے ساتھ پھرتا ہے۔ اور خروانیؒ نے باوجود اس منصب کے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ کسی صاحب بصیرت نے ہرگز علیؑ کو کسی معاملہ میں خطا سے نسبت نہیں دی ہے۔ اور عامہ نے اپنے تمام صحاح و اصول میں روایت کی ہے کہ علیؑ علیہ السلام پیغمبر کے بعد اس امت کے سب سے بڑے دیانت دار ہیں۔ یعنی اس امت کے قاضی اور حاکم میں جیسا کہ زعفرانی نے کہا ہے۔ اور ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں کہیں بن سعید حبیبی سے روایت کی ہے کہ میں اسماعیل بن علی حبیبی کے پاس موجود تھا جو بغداد کے حبیبیوں کے پیشوا تھے اور ایک حبیبی کا کچھ مطالبہ ایک کوئی کے ذمہ تھا۔ وہ اسماعیل کے پاس آیا۔ اسماعیل نے اُن سے پوچھا کہ تم نے اپنے قرضدار سے کیا معاملہ

کیا اپنی رقم اُس سے وصول کی؟ اُس نے کہا میں اپنے مطالبہ سے بیزار ہوا میں روز غدیر (یعنی اٹھارویں ذوالحجہ کو) قبر امیر المومنینؑ کے پاس گیا کہ شاید اپنی رقم اُس قرضدار سے وصول کروں۔ وہاں میں نے وہ فضیحتیں اور نامناسب اقوال اور غلامیہ خرافات و خط سب صحابہ شامہ کیا کہ اپنی رقم بھول گیا اسماعیل نے کہا ان کا کیا گناہ ہے۔ خدا کی قسم ان لوگوں پر یہ راستہ نہیں کھولا اور ان بڑائیوں پر ان کو ایسی جرات نہیں دلائی مگر اس صاحبِ قبر نے (یعنی امیر المومنینؑ) نے اُس نے کہا وہ کس کی قبر ہے۔ کہا علیؑ کی۔ اُس مرد نے از روئے تعجب کہا انھوں نے اس امر کی جرات دلائی ہے! اسماعیل نے کہا ہاں خدا کی قسم اُس مرد نے کہا۔ علیؑ اس امر کے حقدار تھے۔ تو ہم کیوں ابو بکر و عمر کی امامت کا اعتقاد رکھیں اور اگر وہ (علیؑ) باطل پر تھے تو ہم کیوں ان کو امام سمجھیں۔ راوی کہتا ہے کہ جب اسماعیل نے یہ بات سنی جست کر کے اُسے بوجہ پھنا اور کہا خدا لعنت کرے اسماعیل ولد الزنا پر اگر اس مسئلہ کا جواب جانتا ہوا اور اپنے گھر میں داخل ہو گئے۔

۵۔ یہ کہ جب یہ معلوم ہوا کہ اجماع ان کی سب سے عمدہ دلیل ان کے خلفاء کی خلافت پر ہے تو ہم انہی احادیث سے جو ان کے اجماع کی مستند ہیں، ان کی امامت کا غیر مستحق ہونا ثابت کرتے ہیں۔ بلکہ اُن کا عدم ایمان و اسلام اس لیے کہ ہماری اور ان کی حدیثوں اور روایتوں سے معلوم ہو چکا کہ عمر نے خانہ اہلبیت رسالت جلالانے کا ابوبکر کے حکم سے ارادہ کیا، یا ابوبکر کی رضامندی سے اور وہ مکان مہبط وحی اور محل نزول ملائکہ مقررین تھا۔ اور جناب امیرؑ، جناب فاطمہؑ اور حسینؑ اُس مکان میں تھے اور وہ دونوں حضرات اُن اہلبیت رسولؐ کی وحشی و سختی ایذا اور اُن کی ہتک عزت کا باعث ہوئے اور اُن حضرات کو غضبناک کیا۔ بلکہ روایات مشہورہ مستحکم کے قرآن سے معلوم ہوا کہ جناب فاطمہؑ کو ڈرایا۔ بلکہ تازیانہ آپ کے سر اور چہرہ پر اور زیام سے مارا۔ یہاں تک کہ اُن کو زخمی کیا اور اُن کا فرزند شکم سے ساقط ہو گیا۔ اور وہ دُنیا سے اُن لوگوں سے رنجیدہ گئیں۔ صاحب جامع الاصول نے صحیح ترمذی سے انس سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا۔ تمام دُنیا کی عورتوں میں چار عورتیں سب سے زیادہ افضل ہیں۔ مریم دختر عمران، خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمدؐ اور آسیہ زین فراعون بچہ ترمذی سے حمل بن عیسیٰ سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں اپنی چھوٹی کے ساتھ عایشہ کے پاس گیا۔ میری چھوٹی نے اُن سے پوچھا کہ رسول خداؐ کو سب سے زیادہ عورتوں میں کون محبوب تھا۔ انھوں نے کہا فاطمہؑ۔ پوچھا مہ دوں میں کون محبوب تھا۔ کہا اُن کے شوہر علیؑ اور پیرے سے بھی یہی مضمون روایت کیا ہے اور اُن کی تمام صحاح سے حدیث ابن شہاب سے روایت کی

ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ فاطمہؑ میرے بدن کا ٹکڑا ہے جو شخص اس کو ازیت پہنچاتا ہے وہ مجھ کو ازیت پہنچاتا ہے اور ترمذی سے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ فاطمہؑ بہترین زنان اہلبیت ہیں اور عائشہؓ کی روایت کے مطابق فرمایا کہ مومنین کی عورتوں سے بہتر ہیں ایضاً ترمذی نے عائشہؓ سے روایت کی ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ میں نے کسی کو فاطمہؑ سے زیادہ رسول خداؐ سے مشابہ رفتار اور سیرت میں بیٹھنے اٹھنے میں نہیں دیکھا جب وہ آنحضرتؐ کے پاس آتی تھیں۔ آپ کھڑے ہو جاتے تھے، اور ان کی پیشانی پر بوسہ دیتے تھے اور اپنی جگہ پر بٹھاتے تھے نیز صحیح ترمذی سے زید بن ارقم سے روایت کی ہے کہ رسول خداؐ نے علیؑ و فاطمہؑ و حسینؑ علیہم السلام سے فرمایا کہ میں انس کے ساتھ جنگ کرنے والا ہوں جو تمہارے ساتھ جنگ کرے۔ اور صلح رکھتا ہوں اس سے جو تم سے صلح رکھتا ہے۔ پھر ترمذی سے روایت کی ہے حذیفہ سے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی ماں سے کہا کہ مجھے اجازت دیجئے کہ جناب رسول خداؐ کی خدمت میں جاؤں اور ان کے ساتھ نماز مغرب ادا کروں اور ان سے التجا کروں کہ وہ حضرت میرے اور آپ کے لیے استفادہ کریں۔ حذیفہ کہتے ہیں کہ پھر میں گیا اور نماز مغرب و عشاء آنحضرتؐ کے ساتھ ادا کی۔ جب فارغ ہوا تو میں آنحضرتؐ کے پیچھے چلا جب حضرت نے میری آواز سنی فرمایا کہ تم حذیفہ ہو۔ میں نے کہا ہاں یا رسول اللہؐ فرمایا کیا حاجت رکھتے ہو۔ فاطمہؑ کو اور تمہاری ماں کو بخش دے۔ میرے پاس آج وہ ملک آیا۔ جو اس سے پہلے زمین پر نہیں آیا تھا۔ اس نے اپنے پروردگار سے اجازت لی تھی کہ میرے پاس آئے اور مجھ کو سلام کرے۔ اور خوشخبری دے کہ فاطمہؑ تمام بہشت کی عورتوں کی سردار ہیں اور حسنؑ و حسینؑ جو انان اہل بہشت میں سب سے بہتر ہیں۔ نیز روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ جو حدیث حذیفہ تمہارے لیے نقل کریں۔ اس کی تصدیق کرو، اور ثعلبی نے رسول خداؐ سے روایت کی ہے کہ حسنؑ و حسینؑ عرش الہی کے دو گوشوارے ہیں۔ اور جامع الاصول میں صحیح بخاری اور مسلم اور ترمذی سے روایت کی ہے بارہ سے کہ میں نے دیکھا کہ رسول خداؐ حسنؑ بن علیؑ کو اپنے دوش پر سوار کئے ہوئے تھے اور فرماتے تھے کہ خداوند میں اس کو دوست رکھتا ہوں اس کو تو بھی دوست رکھ اور تمام صحابہ سے بارہ سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خداؐ نے حسنؑ و حسینؑ کو دیکھا اور کہا خداوند میں ان دونوں کو دوست رکھتا ہوں تو بھی ان کو دوست رکھ۔ اور ترمذی سے انس سے روایت کی ہے کہ لوگوں نے رسول خداؐ سے پوچھا کہ آپ کے اہلبیت میں آپ کے نزدیک کون سب سے زیادہ محبوب ہے۔ فرمایا حسنؑ و حسینؑ، اور جناب فاطمہؑ سے فرمایا کہ میرے دونوں فرزندوں کو میرے پاس لاؤ۔ جب وہ آئے تو آپ نے

ان کو گود میں لیا اور پیار کیا نیز ترمذی نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خداؐ نے ہاتھ امام حسنؑ کی گردن میں ڈال کر کہا خداوند! میں اس کو دوست رکھتا ہوں لہذا تو بھی اس کو دوست رکھ اور اُس کو بھی دوست رکھ جو اس کو دوست رکھے اور صحیح بخاری و مسلم سے بھی اسی مضمون کی روایت کی ہے۔ نیز ترمذی نے اسامہ سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خداؐ حسن و حسینؑ کو اپنے ران پر بٹھائے ہوئے تھے اور فرماتے تھے یہ دونوں میرے اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ خداوند! میں ان کو دوست رکھتا ہوں تو ان کو اور ان کے دوستوں کو دوست رکھ نیز ترمذی نے یعلیٰ بن مرہ سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ خدا اُس کو دوست رکھے جو حسینؑ کو دوست رکھے۔ حسینؑ اسباط میں سے ایک سبط ہے۔ نیز ترمذی نے ابو سعید خدری سے روایت کی ہے۔ انھوں نے جناب رسول خداؐ سے کہ آپ نے فرمایا کہ حسینؑ جو انان اہل جنت کے سردار اور ان کے بہتر افراد ہیں۔ اور بخاری و مسلم و ترمذی نے ابن عمر سے روایت کی ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا کہ حسینؑ دُنیا کے پھولوں میں سے دو پھول ہیں اور ان کے فضائل کی حدیثیں اس سے زیادہ ہیں کہ احصاء ہو سکیں اور اس رسالہ میں جمع کی جا سکیں اور احادیث متواترہ وارد ہوئی ہیں کہ ایذائے جناب امیرؑ ایذائے رسولؐ ہے اور ایذائے رسولؐ ایذائے خدا ہے۔ اور خداوند عالم نے قرآن میں فرمایا ہے کہ جو لوگ خدا اور اُس کے رسولؐ کو ایذا دیتے ہیں۔ خدا نے ان پر دُنیا و آخرت میں لعنت کی ہے، اور ان کے واسطے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے لہذا معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے یہ آذیتیں ان کو دی ہیں وہ دنیا و آخرت میں ملعون ہیں اور خدا و رسولؐ سے لڑنے والے ہیں اور اہل کفر و شقاق و نفاق ہیں۔ لہذا کس طرح امامت کی صلاحیت رکھتے تھے (چوتھی طعن) یہ عظیم مصیبت اور انتہائی آذیت ہے جو فدک کے بارے میں ابو بکر و عمر سے اہلبیت رسالت پر واقع ہوئی۔ پہلے شیعوں کے طریق سے مجملاً اس کی روایت کرتا ہوں۔ اس کے بعد ان کی تائید میں مخالفوں کی معتبر کتابوں سے بیان کروں گا۔ تاکہ معلوم ہو کہ اس قضیہ میں ظلم و ستم متفق علیہ ہے۔

مجل اس قضیہ ہاتھ کا ذکر یہ ہے کہ جب ابو بکر نے امیر المؤمنینؑ کی خلافت غضب کی اور صاحبزادے اور انصار سے جبراً بیعت لی اور اپنا کام مضبوط کر لیا تو فدک کی لالچ کی تاکہ ایسا نہ ہو کہ لوگ مال کی طرح میں، ان کی طرف رجوع ہو جائیں۔ کیونکہ جب قرابت و فضیلت رض خدا و رسولؐ ان کے لیے تھی تو جو چیز کہ ان کی طرف منافقوں کے مائل ہونے کا باعث ہو مال ہوگا تو ان غضب کرنے والوں کی طرف ہو۔ یہ کہ ان کا ہاتھ مال سے خالی رہے تاکہ دُنیا پرست ان خاصانِ خدا کی طرف سے منحرف

ہوں اور جبکہ تھوڑا مال بھی اُن کے پاس ہوگا، تو ممکن ہے کہ بعض لوگ اُن کی طرف مائل ہو جائیں۔ اور اُن کی باطنی خلافت درہم و برہم ہو جائے لہذا اس سبب سے جب کہ وہ صحیفہ زمیمہ لکھا تو اس حدیث افترانگیر کو بھی وضع کیا کہ ہم گروہ انبیاء ترک نہیں چھوڑتے۔ جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے۔ اور فدک اُن شہروں میں سے تھا جو بغیر جنگ کے جناب رسول خدا کے تصرف میں آیا تھا۔ اس لیے کہ جب امیر المؤمنینؑ کے ہاتھ سے خیر فسخ ہوا۔ اہل فدک اور اُس کے اطراف و جوانب کے رہنے والوں نے جانا کہ حضرت سے مقابلہ کی تاب نہیں رکھتے تو ان شہروں کو بغیر جنگ حضرت کے حملے کر دیا اور آیتیں نازل ہوئیں کہ جب بغیر جنگ قبضہ میں آسے ہیں تو جناب رسول خدا کے مال ہیں۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی: **وَآتَى ذِي الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ** یعنی اپنے قرنی کو ان کا حق دے دو۔ حضرت نے جبریلؑ سے پوچھا کہ ذی القربین کون اور ان کا حق کیا ہے کہا ذی القربین فاطمہؑ اور ان کا حق فدک سے تو جناب رسول خدا نے خدا کے حکم سے فدک فاطمہؑ کو دے دیا تاکہ ان کی اور ان کی ذریت کی ملکیت رہے۔ اور فرمایا یہ سب بغیر جنگ کے حاصل ہوئے ہیں اور مجھ سے مخصوص ہیں اور میں خدا کے حکم سے تم کو دیتا ہوں، ان کو لویہ تمھارا اور تمھارا فرزندوں کی قیامت تک ملکیت ہے۔ جب ابوبکرؓ پر خلافت منصبی قرار پائی تو انھوں نے اپنا عادل فدک میں بھیجا اُس نے فاطمہؑ کے وکیلوں کو فدک سے نکال دیا۔

ابن بابویہ اور شیخ طوسی وغیر ہم نے بہت سی معتبر سندوں سے جناب صادق سے روایت کی ہے کہ جب ابوبکر نے اپنے امور مستحکم کر لیے اور اکثر مہاجرین و انصار سے بیعت لی کسی کو بھیجا جس نے فدک سے فاطمہؑ کے وکیل کو نکال دیا تو حضرت فاطمہؑ ابوبکر کے پاس آئیں اور کہا کس سبب سے مجھے میرے پدر رسول خداؐ کی میراث سے محروم کر دیا اور کس لیے میرے وکیل کو فدک سے باہر نکال دیا۔ حالانکہ رسول خداؐ نے مجھے خدا کے حکم سے فدک دیا تھا۔ ابوبکر نے کہا جو تم کہتی ہو اُس پر گواہ لاؤ۔ جناب فاطمہؑ نے ام ایمن کو پیش کیا۔ ام ایمن نے کہا میں گواہی نہ دوں گی، جب تک اسے ابوبکر تم پر حجت نہ تمام کر لوں اور جو کچھ رسول خداؐ نے میرے حق میں کہا ہے تم سے تصدیق نہ کرالوں تم کو خدا کی قسم دیتی ہوں۔ بتاؤ کیا تم نہیں جانتے کہ رسول خداؐ نے فرمایا کہ ام ایمن اہل بہشت کی ایک عورت ہے۔ ابوبکر نے کہا ہاں میں جانتا ہوں ام ایمن نے کہا کہ اب گواہی دیتی ہوں کہ حق تعالیٰ نے اپنے رسولؐ پر وحی کی کہ اپنے ذی القربین کو ان کا حق دے دو۔ تو رسول خداؐ نے خدا کے حکم سے خرچ طعام و غذا کے لیے فاطمہؑ کو دے دیا۔ جناب امیرؓ بھی آئے اور اسی طرح سے گواہی دی۔ دوسری روایت کے مطابق حسینؑ نے بھی گواہی دی تو ابوبکر نے ایک وثیقہ فاگذاشت فدک کا لکھ کر فاطمہؑ کو دے دیا۔ اسی اثنا میں عمر

آئے اور کہا یہ کیا نامہ ہے۔ ابوبکر نے کہا فاطمہؑ نے فدک کا دعویٰ کیا۔ ام ایمن اور علیؑ نے ان کے حق میں گواہی دی تو میں نے یہ وثیقہ لکھ دیا۔ عمر نے فاطمہؑ کے ہاتھ سے وہ کاغذ لے کر پھاڑ ڈالا۔ اور فاطمہؑ روتی ہوئی چلی گئیں۔ دوسرے روز جناب امیر ابوبکر کے پاس آئے جس وقت کہ وہاں انصار ان کے گرد جمع تھے اور کہا اے ابوبکر فاطمہؑ کو ان کے پدر رسولِ خداؐ کی میراث سے کیوں محروم کر دیا۔ حالانکہ وہ جناب رسولِ خداؐ کی حیات میں اس کی مالک اور متصرف تھیں۔ ابوبکر نے کہا کہ وہ سارے مسلمانوں کی ملکیت ہے اگر گواہ پیش کرو کہ ان کے لیے رسولِ خداؐ نے مخصوص کر دیا ہے تو ان کو دے دوں گا۔ ورنہ ان کا اس میں کوئی حق نہیں ہے۔ جناب امیرؓ نے فرمایا کیا ہمارے حق میں تمام مسلمانوں کے بارے میں حکم خدا کے خلاف حکم کہتے ہو۔ ابوبکر نے کہا نہیں۔ حضرت نے فرمایا پھر بتاؤ کہ اگر مسلمانوں کے قبضہ میں کوئی چیز ہو جس کے وہ مالک اور متصرف ہوں اُس کے بعد میں آؤں اور دعویٰ کروں کہ یہ میری چیز ہے تو کس سے گواہ طلب کرو گے۔ کہا تم سے تو فرمایا پھر فاطمہؑ سے فدک کے بارے میں کیوں گواہ طلب کیا؟ اس چیز کے بارے میں جو ان کے قبضہ میں حیاتِ رسولؐ میں تھی۔ اور ان کے بعد وہ اس کی مالک و متصرف تھیں اور مسلمانوں سے گواہ نہیں طلب کیا جس طرح مجھ سے طلب کیا۔ اُس فرضی ملکیت میں جو میں نے بیان کی۔ ابوبکر یہ سن کر خاموش ہو گئے۔ لیکن عمر نے کہا ان باتوں کو چھوڑو ہم تم سے بحث کی طاقت نہیں رکھتے۔ اگر عادل گواہ لاتے ہو تو میں دے دوں گا۔ ورنہ تمہارا اور فاطمہؑ کا اُس میں کوئی حق نہیں ہے۔ حضرت نے فرمایا اے ابوبکر قرآن تم نے پڑھا ہے یا نہیں کہا ہاں۔ فرمایا مجھے خدا تعالیٰ کے اس قول انسایرید اللہ لینهب عنکم الرجس اهل البیت دیطہر کہ تظہیرا سے آگاہ کرو کہ ہمارے حق میں نازل ہوا ہے یا ہمارے غیر کے حق میں۔ ابوبکر نے کہا ہمارے حق میں نازل ہوا ہے۔ حضرت نے فرمایا اگر گواہاں تمہارے سامنے گواہی دیں کہ العیاذ باللہ فاطمہؑ نے زنا کی ہے تو کیا کرو گے۔ کہا ان پر حد جاری کروں گا جس طرح اور دوسرے لوگوں پر کرتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا اگر ایسا کرو گے تو کافر ہو جاؤ گے۔ کہا کیوں؟ حضرت نے فرمایا اس لیے کہ ان کے حق میں طہارت کی خدا کی گواہی تم رد کرو گے۔ اور لوگوں کی گواہی قبول کرو گے۔ جس طرح حکم خدا و حکم رسولؐ کو نہ کر کے بارے میں تم نے رد کیا ہے۔ جنھوں نے فاطمہؑ کو فدک دیا ہے اور وہ ان کے تصرف میں تھا اور تم نے اس اعرابی کی گواہی قبول کی جو اپنے پیر کے پنجہ پر پیشاب کرتا ہے جس نے گواہی دی کہ پیغمبر کی میراث نہیں ہوتی اور فدک تم نے فاطمہؑ سے چھین لیا کہ مسلمانوں کی غنیمت ہے۔ بیشک جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا ہے کہ گواہی پیش کرنا مدعی کے ذمہ ہے اور قسم دعا علیہ کے ذمہ۔ تم نے رسولِ خدا کے قول کو رد کر دیا اور اس کے برعکس

عمل کیا۔ جب گفتگو یہاں تک پہنچی تو لوگ رونے لگے اور آوازیں بلند ہوئیں۔ اکثر لوگوں نے جناب امیرؓ کے قول کی تصدیق کی اور حضرت گھر تشریف لے گئے اور فاطمہؓ مسجد میں آئیں اور اپنے پدر بزرگوار کی قبر کا طواف کیا اور زمانہ کی شکایت اور منافقوں کے مظالم کے ذکر میں چند اشعار پڑھے، جس سے در و دیوار گریاں ہوئے۔ پھر ابو بکر و عمر اپنے اپنے گھر واپس گئے۔ پھر ابو بکر نے عمر کو بلایا اور کہا تم نے دیکھا کہ علیؓ نے آج ہمارے ساتھ کیا کیا۔ اگر دوسری بار ہمارے اوپر ایسے ہی عزت اٹھائے گئے تو ہمارا بنا بنایا کام درہم برہم ہو جائے گا۔ اس معاملہ میں تمھاری رائے میں کیا تدبیر ہو سکتی ہے۔ عمر نے کہا میری رائے میں تو ان کے قتل کا حکم دے دینا چاہیے۔ ابو بکر نے کہا یہ کام کس سے ہو سکے گا۔ عمر نے کہا خالد بن ولید سے۔ الغرض خالد کو بلایا اور کہا تم اپنے کمر سے ایک عظیم کام لیں۔ اُس نے کہا جو چاہو کام لو۔ اگرچہ وہ قتل علیؓ ہی کیوں نہ ہو۔ اُن دونوں نے کہا ہم بھی یہی چاہتے ہیں۔ خالد نے کہا کس وقت ان کو قتل کروں۔ کہا نماز کے وقت مسجد میں حاضر ہو اور اُن کے پہلو میں کھڑے ہونا۔ جب میں سلام نماز کو اُٹھنا اور اُن کی گروں مار دینا۔ اُس نے کہا ایسا ہی ہوگا۔ اسباب بنت عمیس نے جو اس وقت تک ابو بکر کی زوجہ تھیں اور اس سے پہلے حضرت جعفر طیار کی زوجیت میں تھیں اور امیر المؤمنین کے شیعوں میں تھیں یہ باتیں سنیں اور علانیہ حضرت کو اس کی اطلاع نہیں پہنچا سکتی تھیں تو اپنی کنیز سے کہا کہ علیؓ و فاطمہؓ کے گھر جا اور میرا سلام کہنا اور صحن خانہ میں اس آیت کو پڑھنا جس میں مومن آلِ فرعون نے موسیٰؑ کو پیغام دیا۔ کہ یاتمرون بئذ لیقتلواک فاخرج اقلیٰ من الٰہ صحیون یعنی فرعون کی قوم کے اشراف نے تمھارے متعلق مشورہ کیا ہے کہ قتل کر دیں لہذا باہر چلے جاؤ۔ بیشک میں تمھارے غیر خواہوں میں ہوں۔ اسامہ نے کہا اگر متوجہ نہ ہوں تو دوبارہ پڑھنا۔ وہ کنیز آئی اور سلام پہنچایا اور واپس ہوئی۔ تو یہ آیت پڑھی۔ جناب امیرؓ نے فرمایا اپنی خاتون کو سلام کہنا اور کہنا کہ خدا ان ظالموں کے ارادہ میں ان کو کامیاب نہیں کرے گا۔ اور دوسری روایت کے مطابق فرمایا کہ اگر وہ مجھ کو مار ڈالیں گے تو ناکٹھن و قاسطین و مارقین سے جنگ کون کرے گا۔ الغرض جناب امیرؓ اور نماز کے لیے تیار ہوئے۔ اور مسجد میں آئے اور تہنید کے ساتھ ابو بکر کے پیچھے کھڑے ہوئے۔ اور اپنی نماز فرادئی (تنہا) پڑھی۔ خالد تلوار باندھے ہوئے آپ کے پہلو میں کھڑا تھا۔ جب ابو بکر تشہد کے لیے بیٹھے اپنے ارادہ سے پشیمان ہوئے اور فساد سے ڈرے۔ جناب امیرؓ کی کمال سعادت و شجاعت کو جانتے تھے اور ڈر کرتے رہے اور بار بار تشہد پڑھتے رہے اور ڈر کے مارے سلام نہیں پڑھتے تھے۔ یہاں تک کہ لوگوں نے سمجھا کہ نماز میں ان کو سہو ہو گیا ہے۔ پھر خالد کی جانب متوجہ ہوئے اور کہا کہ اے خالد جس کام کا حکم میں نے تجھ کو دیا ہے مت کرنا۔ ایک روایت کے مطابق تین مرتبہ کہا۔ اُس کے بعد سلام نماز پڑھا۔ امیر المؤمنین

نے پوچھا اے خالد تجھ کو کیا حکم دیا تھا۔ اُس نے کہا مجھ کو حکم دیا تھا کہ تمہاری گردن مار دوں۔ حضرت نے پوچھا کیا تو ایسا کر سکتا تھا۔ اُس نے کہا ہاں خدا کی قسم اگر سلام پڑھنے سے پہلے مجھ کو منع نہ کرتے تو یقیناً تم کو قتل کر دیتا۔ یہ سن کر حضرت نے اُس کو بلد کر کے زمین پر پٹک دیا عمر نے کہا خدا کی قسم اس کو مار ڈالا۔ یہ دیکھ کر لوگ جمع ہوئے اور حضرت کو صاحبِ قبر (یعنی رسول اللہ ص) کی قسم دی تو حضرت نے اُس کو چھوڑا۔ پھر عمر کا گلا پکڑ کے فرمایا کہ اے پسر ضحاک اگر جناب رسول خدا ص کی وصیت اور تقدیر الہی نہ ہوتی تو بیشک تجھ کو معلوم ہوتا کہ میں اور تو دونوں میں کون مددگاروں میں کم اور تعداد میں قلیل ہے۔ پھر اپنے خانہ اقدس واپس تشریف لے گئے۔ ایک روایت کے مطابق یہ واقعہ نماز صبح کے وقت ہوا۔ ابو بکر نے تشدد کو اس قدر طول دیا اور اپنے اس حکم پر سوچتے رہے یہاں تک کہ نزدیک تھا کہ آفتاب طلوع ہو جائے اور ابو ذر کی روایت کے مطابق حضرت نے خالد کو انگشتِ سبابہ (کلمہ کی انگلی) اور انگوٹھے سے دبایا۔ وہ چلایا اور نزدیک تھا کہ اُس کی جان نکل جائے اور اس کا پاخانہ نکل گیا اور کپڑے نجس ہو گئے۔ ہاتھ پیر مارتا تھا اور بولنے کی طاقت نہ تھی۔ یہ دیکھ کر ابو بکر نے کہا یہ تیرے مشورہ سے ہوا، اور میں یہ حال جانتا تھا۔ خدا کا شکر کہ وہ ہماری طرف متوجہ نہیں ہوئے۔ جو شخص خالد کو چھڑانے نزدیک جاتا تھا۔ حضرت تیز نگاہ سے اُس کو دیکھتے تھے اور وہ خوف کھا کر پلٹ جاتا تھا۔ آخر ابو بکر نے جناب عباس ص کو بلایا کہ وہ سفارش کر لیا عباس امیر المومنین کے پاس گئے اور آپ کو قبر جناب رسالت مآب اور خود جناب سالک کی اور حسین اور جناب فاطمہ کی قسم دی تو حضرت اس سے دست بردار ہوئے۔ جناب عباس نے حضرت کی تورانی پیشانی کو چومنا۔ اور کتبِ معتبرہ میں مذکور ہے کہ فدک کے غضب کے بعد جناب امیر نے ابو بکر کو نہایت سخت خط لکھا اور اس میں کافی وعید درج کی۔ جب ابو بکر نے خط پڑھا تو بہت ڈرے اور چاہا کہ فدک اور خلافت دونوں واپس کر دیں۔ عمر نے کہا کہ میں نے تمہارے واسطے خلافت کا مقطر پانی صاف کیا کہ تم پتو اور تم چاہتے ہو کہ پیاسے رہو۔ جس طرح ہمیشہ رہے ہو۔ اور عرب کے گردن کشوں کی گردنیں تمہارے لیے جھکا دی ہیں اور تم کو اس کی قدر نہیں معلوم یہ علی بن ابی طالب ہیں۔ بزرگانِ قریش کو قتل کیا ہے اور ان کے سلسلہ کو ختم کر دیا۔ میں نے ان کو اپنی تدبیروں سے رام کیا ہے تم ان کی دھمکیوں کی پرواہ مت کرو۔ ابو بکر نے کہا اے عمر میں تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ ان افسوس گریوں سے باز آ جاؤ۔ خدا کی قسم اگر وہ میرے اور تمہارے مار ڈالنے کا ارادہ کریں تو ہم دونوں کو بائیں ہاتھ سے مار ڈالیں گے بغیر اس کے کہ واہنے ہاتھ کو کام میں لائیں تم کو ان کی تین خصلتوں کے سبب اب تک نجات ملتی

رہی ہے۔ اول یہ کہ وہ تنہا ہیں مددگار نہیں رکھتے۔ دوسرے یہ کہ رسول خداؐ کی وصیت کی رعایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے ان کو حکم دیا ہے کہ تلوار نہ کھینچیں۔ تیسرے یہ کہ عرب کے تمام قبیلے ان سے اپنے دلوں میں کینہ رکھتے ہیں۔ اگر یہ باتیں نہ ہوتیں تو خلافت ان کے پاس واپس چاہی جاتی۔ کیا تم نے روزِ اُحد کو فراموش کر دیا ہے کہ ہم سب بھاگ گئے تھے اور انھوں نے تلوار کھینچی اور تنہا قریش کے علمداروں اور شجاعوں کو ہلاک کر کے خاک پر گرا دیا تم خالد پر غور مت کرو اور جب تک وہ (جناب امیرؑ) ہم سے متعرض نہ ہوں تم بھی ان سے متعرض نہ ہو۔

اگرچہ اکثر اہلسنت نے چاہا ہے کہ امیرالمومنینؑ کے قتل کا ابوبکرؓ و عمرؓ کے حکم کو پوشیدہ کریں اور اسی وجہ سے صریحاً اپنی کتابوں میں اس کی روایت نہیں کی ہے لیکن ابوبکرؓ کا سلام نماز سے پہلے خالد سے خطاب کرنا نقل کیا ہے اور وہ اس بارے میں شیعوں کی روایت کی صداقت پر واضح قرینہ ہے۔ چنانچہ ابن ابی الحدید نے نقل کیا ہے کہ میں نے اپنے استاد ابو جعفر نقیب سے پوچھا کہ کیا ابوبکرؓ و عمرؓ کا خالد کو امیرالمومنینؑ کے قتل کا حکم دینا صحیح ہے۔ ابو جعفر نے کہا کہ ساداتِ علوی کے ایک گروہ نے روایت کی ہے۔ نیز روایت کی ہے کہ ایک شخص ابو حنیفہ کے شاگرد زفر بن ہذیل کے پاس آیا اور سوال کیا اس فتویٰ کے بارے میں جو ابو حنیفہؒ نے کہا ہے کہ نماز کے سلام سے پہلے نماز سے باہر ہونا جائز ہے۔ جیسے بات کرنا اور فعل کثیر اور حدیث صادر کرنا زفر نے کہا ہاں جائز ہے، جیسا کہ ابوبکرؓ نے تشہد میں کہا جو کچھ کہا۔ اُس مرد نے پوچھا وہ کیا تھا جو ابوبکرؓ نے کہا۔ زفر نے کہا مجھ کو ایسا سوال کرنا جائز نہیں ہے۔ اُس نے دوبارہ پوچھا تو زفر نے کہا کہ اس مرد کو باہر نکال دو کہ یہ ابوالخطاب کے اصحاب میں سے ہوگا۔ پھر ابن ابی الحدید نے نقیب سے پوچھا کہ آپ کیا کہتے ہیں تو اس نے تفسیر کیا اور کہا کہ میں یہ امر بعید جانتا ہوں۔ لیکن امامیہ نے روایت کی ہے اور فضل بن شاذان نے کتاب ایضاح میں اس قصہ کو جس طرح مذکور ہوا۔ سفیان بن عیینہ، حسن بن صالح بن حمی، ابوبکر بن عیاش، شریک بن عبداللہ اور عامر کے فقہاء میں سے لوگوں نے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ سلیمان، ابن حنی اور وکیع سے لوگوں نے پوچھا کہ اس مسئلہ میں آپ کیا کہتے ہیں جو ابوبکرؓ نے کیا تو سب نے کہا غلط تھا لیکن تمام نہ کیا۔ اور دینار کے ایک دوسرے گروہ نے کہا ہے کہ کوئی حرج نہیں ہے اگر اصلاحِ امت کے لیے کہ متفرق نہ ہوں ایک شخص کو قتل کر دیں۔ چونکہ علیؑ لوگوں کو ابوبکرؓ کی بیعت کرنے سے منع کرتے تھے اس لیے انھوں نے بھی ان کے قتل کا حکم دیا اور بعضوں نے اس عمل کی علت کی خرابی کے خوف سے روایت نہیں کی ہے۔ لیکن ابوبکرؓ کی اصل تمہید و حکایت کی ہے یعنی خالد کے ساتھ کہ جب میں سلام پھیروں تو فلاں کام کرنا اور سلام پھیرنے سے پہلے ایشیاں ہو کر خالد سے کہنا کہ جو کچھ میں نے کہا عمل میں مت

لانا اور ان کے اسی فضل کو سلام پڑھنے سے نمازیں پاتیں کرنے کے جواز کی دلیل قرار دی ہے۔ اس کے بعد نقل کیا ہے کہ کسی نے شاگرد ابو حنیفہ بغداد کے قاضی ابو یوسف سے پوچھا کہ وہ کیا تھا (یعنی جائز یا ناجائز) جو ابوبکر نے خالد سے کہا تھا۔ ابو یوسف نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور کہا کہ خاموش رہ تجھ کو ان باتوں سے کیا سروکار ہے۔ خدا کی قسم اگر علیؑ ابوبکر کی بیعت پر راضی اور ان کے فرمانبردار رہتے۔ اور وہ اور ان کے اصحاب سب شہادت دیتے ہیں کہ رسول خداؐ نے فرمایا کہ علیؑ اہل جنت سے ہیں۔ لہذا کوئی مظلم اس سے زیادہ روتے زمین پر نہ ہو گا کہ باوجود اس حال کے ان کے قتل کا حکم دیں۔ اور اگر علیؑ ان کی بیعت پر راضی نہ ہوتے تو یہ عین مذہب شیعہ کی بات ہے کہ ابوبکر نے جبراً علیؑ پر تقدم اختیار کیا۔ یہاں تک فضل کا کلام تھا اور باطل و جہول سے جن سے ان لوگوں نے ان کے لیے عذر کیا ہے اور بات کرنے کی وجہ کو تمام جماعتوں کے مخفی کرنے سے قطعی علم حاصل ہوتا ہے کہ ایسے امر فحش کا سبب تھا جس کو فضیحت و رسوائی کے خوف سے ظاہر نہیں کر سکتے۔ اور کون مسلمان تجویز کر سکتا ہے کہ جو شخص ایسے بزرگ کو قتل کرنا چاہتا ہو امامت و خلافت کی قابلیت رکھتا ہے۔

جو حدیثیں کہ عامہ کے طریقہ سے غضب فحک کے بارے میں وارد ہوئی ہیں ان میں سے جاب فاطمہؑ کا مشہور خطبہ ہے کہ اصل خطبہ اس کی حقیقت کی گواہی دیتا ہے اور ایسا کلام ائمہ علیہم السلام کے سوا جو منبع وحی الہی والہام ہیں دوسروں سے صادر نہیں ہو سکتا۔ ابن ابی الحدید جو ان کے اعظم علماء میں سے ہیں۔ شرح معجم البلاغہ میں اس خطبہ کی شرح میں جو امیر المؤمنینؑ نے عثمان بن حنیف کو لکھا ہے کہا ہے۔

پہلی فصل

اخبار و مسیر جو اہل حدیث کی زبانوں سے اور ان کی کتابوں میں وارد ہوتے ہیں۔ ان کو نقل کرتا ہوں۔ شیعوں کی کتابوں اور ان کے راویوں کے بیان سے نہیں اور وہ تمام باتیں جو اس فصل میں لکھتا ہوں، وہ ابوبکر احمد بن عبد الرحمن جوہری کی کتاب سقیفہ سے لکھتا ہوں۔ اور یہ ابوبکر جوہری مرد عالم، محدث، کثیر الادب، ثقہ اور صاحب درجہ ہیں جن کی مدح عظیم نے کی ہے اور ان کی تصانیف و غیر تصانیف سے روایت کی ہے اور اس خطبہ کی تین سندوں سے یعنی جناب زینبؑ و خضر امیر المؤمنینؑ علیہ السلام، امام محمد باقرؑ اور عبد اللہ بن حسنؑ سے روایت کی ہے اور صاحب کشف الغمہ نے بھی جوہری کی کتاب سے روایت کی ہے اور مسعودی نے کتاب مروج الذهب میں جو معتبر ترین تواریخ ہے، اس خطبہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور سید مرتضیٰ نے عامہ کی سندوں سے عاشرہ سے روایت کی ہے اور سید ابی اسحاق نے عامہ کے طریق سے روایت کی ہے اور سید احمد بن ابی طاہر نے کتاب بلاغات النساء میں چند

طریقوں سے روایت کی ہے اور ابن اثیر نے کتاب نہایہ میں اس کے اکثر الفاظ کی روایت کی ہے۔ ایسے مشہور خطبے سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ خطبہ بہت طولانی دو جزو کے قریب ہے جس کے تمام نقل کی اس رسالہ میں گنجائش نہیں ہے۔ اس میں سے جس قدر مذک کے احتجاج کے بارے میں ہے ہم نقل کرتے ہیں۔

روایت کی ہے کہ جب ابو بکر نے ارادہ کیا کہ فاطمہؓ سے فدک کو لے لیں اور یہ خبر جناب فاطمہؓ کو پہنچی مغلطہ مغلطہ سر پر باندھا اور چادر عصمت اوڑھی اور اپنے خدمت گاروں اور اپنی ارشاداً عورتوں کے گروہ کے ساتھ روانہ ہوئیں اور اپنے پیروں کو بھی بسبب حیا کے چھپایا۔ آپ کی رفتار اور جناب رسولِ خداؐ کی رفتار میں کوئی فرق نہ کر سکتا تھا۔ مسجد تک ابو بکر کے پاس آئیں۔ وہ جاہلین و انصار کے گروہ کے درمیان بیٹھے تھے۔ ایک سفید پردہ آپ کے سامنے لوگوں نے بٹینچ دیا اور آپ پس پردہ بیٹھیں اور بہت درد سے رویں کہ لوگوں میں پھل مچ گئی اور صدائے گریہ تازی بلند ہوئی۔ آپ نے کچھ دیر صبر کیا یہاں تک کہ لوگ خاموش ہوئے، تب آپ نے خدا کی حمد و ثنا کی اس طرح کہ سب حیران رہ گئے۔ پھر آپ نے سرور کائنات پر درود بھیجا اور لوگوں پر آنحضرت کے حقوق بیان فرمائے۔ پھر کہا کہ حق تعالیٰ نے ان کی روح مقدس کو نہایت لاف و رحمت و رحمت کے ساتھ قبض کیا کیونکہ دار آخرت کو آپ کے لیے پسند فرمایا اور دنیا کی تکلیفوں سے آپ کو رحمت بخشی۔ اور ملائکہ مقربین کے گھیرے میں لے گیا اور پروردگار کی خوشنودی اور مجاورت خدائے جبار سے ان کو سرفراز کیا۔ خدایسے پدر پر جو اس کے پیغمبر اور امین ہیں اس کی وحی پر اور تمام خلق سے اُس کے برگزیدہ ہیں صلوات بھیجتا ہے۔ اور سلام و رحمت و برکات الہی اُن پر ہو۔ پھر اہل مجلس سے خطاب کیا اور فرمایا کہ اےندگانِ خدا تم اوامروا نہی خدا کے عمل و مقام ہو، اور اُس کے دین و وحی کے حامل ہو جو تم پر پڑھی گئی اور خدا نے تم کو اپنا امین قرار دیا ہے کہ خود دینِ خدا پر عمل کرتے ہو اور دوسروں تک پہنچاتے ہو اور اپنے کو ایسا ہی سمجھتے ہو، اور خدا کا ایک عہد تمہارے درمیان ہے جو قرآن مجید ہے اور اُس نے اپنے پیغمبر کا بقیہ تمہارے درمیان چھوڑا ہے جو اُن کے اہمیت ہیں۔ پھر قرآن کے فضائل نہایت بلاغت سے ذکر کئے اور ادا کرنا ہی خدا کے وجہ بیان کئے، پھر فرمایا کہ خدا سے ڈرو اور اس کی اطاعت کرو۔ ان امور میں جن کا تم کو اُس نے حکم دیا ہے یا جن سے ممانعت فرمائی ہے۔ بیشک خدا سے علماء کے سوا اور لوگ نہیں ڈرتے۔

اس کے بعد فرمایا ایسا الناس جان لو کہ میں فاطمہؓ ہوں اور میرے پدر بزرگوار محمدؐ ہیں میں جو کچھ کہتی ہوں غلط نہیں کہتی اور جو کچھ کرتی ہوں اس حدود سے تجاوز اور حق سے انحراف نہیں کرتی

ہوں پھر یہ آیت پر ہی لقمہ جانشکر رسولؐ من انفسکم یعنی تمہاری طرف نہیں میں سے رسولؐ معوضت ہو جس پر تمہاری تکلیف و دشواری تھی اور وہ تمہاری ہدایت پر حریص تھا اور رسولؐ پر ہریان اور رحیم تھا۔ اگر ان کا نسب یاد کرو تو وہ میرے پدر تھے تمہارے پدر نہیں تھے میں ان کی بیٹی ہوں تمہاری عورتیں ان کی بیٹیاں نہیں ہیں۔ ان کا بھائی میرے چچا کا بیٹا ہے تمہارے مد نہیں ہیں۔ وہ کس قدر نیک اور اچھے بزرگوار ہیں جن سے میں نے یہ سببتیں دی ہیں۔ انہوں نے خدا کی رسالت تم کو پہنچائی اور اپنی نبوت ظاہر کی اور مشرکوں کے ساتھ مقابلہ کے طریق پر عمل کیا اور ان کے قبائل کو تلواریں باریں۔ ان کے بتوں کو توڑا اور ان کے رسولوں اور سرداروں کے سر تنخ بے دروغ سے کاٹے اور اچھے موعظوں اور حکمت کی باتوں سے راہِ حجت ان پر بند کی۔ ان کی جمعیت کو براگندہ کیا۔ ان کے شجاعوں کو بھگا دیا۔ یہاں تک کہ دین کی صریح صادق کفر و ضلالت کی شبِ ظلمت کی ساطع ہوئی اور حق کا خوب صورت پھرہ پر وہ جہالت سے نمودار ہوا اور اہل دین مستد ہدایت پر بیٹھے اور شیاطین اور دین کے ہرزوں کے مددگار گونگے ہو گئے اور نفاق رکھنے والے رذیل لوگ ہلاک ہوئے اور کفر و طمع و شقاق کی گریں کھول دی گئیں اور کلمہ اخلاص پورا اور دین اسلام عام ہوا۔ اور تم سب کفر و شرک کے سبب سے بہنم کے غار کے کنارے پر تھے اور دنیا کے لوگوں میں غوار و ذلیل تھے جو شخص تم پر غلبہ حاصل کرنا چاہتا حال کرتا۔ اور بلندی کا پیر تمہارے سر غرور پر رکھنا چاہتا رکھتا۔ تم کو ہلاک کرنا اور تمہارا استیصال پانی پینے اور آگ جلانے سے زیادہ آسان سمجھتا تھا تم پیشاب و پاخانہ سے ملامت متعفن پانی پیتے تھے اور بکری کی کھال درخت کے پتوں کے ساتھ کھاتے تھے اور نہایت ذلت و خواری سے بسر کرتے تھے اور ڈرتے تھے کہ دشمن دُور سے تم کو اچک لے جائیں گے۔ آخر خداوند تعالیٰ نے تم کو ان ہلکوں اور ذلتوں سے محمدؐ کی برکت سے نجات دی۔ اس کے بعد جبکہ تم نے تکلیفیں اٹھائیں اور چھوٹی بڑی بلاؤں میں مبتلا ہوئے اور اس کے بعد جبکہ بہادریوں، بھیڑلوں، دیہاتی چوروں اور اہل کتاب کے سرکشوں کے شر میں خود حضرت گرفتار ہوئے اور ہر مرتبہ جبکہ شیطان کی سیدنگ ظاہر ہوئی یا مشرکوں کی جانب سے فتنہ عظیم نے رخ کیا خدا نے ان کے (محمدؐ) کے بھائی علیؑ کو اس میں ڈالا۔ انہوں نے جنگ سے منہ نہ موڑا جب تک ان کے دلیری کے سر کو اپنی شجاعت کے قدموں سے کچل نہ دیا۔ ان کے سروں کو اپنے پیروں کے نیچے دیکھا اور ان کی آتش فتنہ کو اپنی تیغ بے دروغ کے پانی سے بجھایا۔ اپنے کو مشرکوں اور تکلیفوں میں خدا کے دین کی بلندی کے لیے ڈالتے تھے اور امرِ خدا میں اہتمام کرتے تھے۔ ہمیشہ رسولؐ خدا سے نزدیک رہتے ان سے کسی حال میں جدا نہیں ہوتے تھے۔ وہ ہر حال میں خدا کے دوستوں کے

سردار اور طاعتِ خدا میں مکرستہ اور خلقِ خدا کے غیر خواہ رہے اور خدا کی رضا حاصل کرنے کے لیے اپنے کو مشقت میں ڈالتے تھے اور تم اس مدت میں آرام سے زندگی گزارتے اور اور امن کے گنوارہ میں نعمتوں سے مالا مال تھے اور ہمارے لیے بلاؤں اور فتنوں کے منظر تھے اور وحشت ناک خبروں کی امید کرتے تھے۔ جب کوئی جنگ رونما ہوتی تو تم پہلو تہی کرتے اور میدانِ قتال میں دشمن کو پیٹھ دکھا کر بھاگتے رہے۔ اور جب خدا نے اپنے پیغمبر کے لیے پیغمبروں کا مکان اختیار کیا اور ان کو برگزیدہ لوگوں کی آرام گاہ میں لے گیا تو تمہارے سینوں میں خاکِ کفر و شقاق ظاہر ہوا اور تم میں آشمارِ عصبیت و نفاق نمایاں ہوئے اور دین کا بائیکاٹ پڑانا ہوا۔ اور مگر ہوں نے بولنا شروع کیا جن کے دہن تلواروں کے خوف سے بند تھے اور چند گناہ پیدا ہوئے جو تمام لوگوں سے ذلیل تھے اور اہل باطل کا اونٹ کا گویا ہوا، اور تمہارے میدانوں میں دوڑنے لگا اور شیطان نے اپنا سر جس جگہ نیچے کئے ہوئے تھا وہیں بلند کیا اور اُس نے تم کو آواز دی اور تم سب نے اجابت کی اور عزتِ دنیا کے لیے آنکھیں کھول دیں شیطان نے کہا اٹھو تم ہلکے پھلکے اٹھے اُس نے تم کو اہل حق پر غضبناک کیا۔ اُس نے دیکھا کہ تم غضبناک ہو گئے اور دوسرے کے اونٹ پر اپنی ملکیت کا داغ لگایا۔ یعنی خلافت جو دوسرے کا حق تھا اپنے نام کیا اور دوسرے کا حق چھین کر اپنے گھر لے گئے۔ ابھی تمہارے پیغمبر کا زمانہ زیادہ نہ گزرا تھا اور ان کی مصیبت کا زخم مندمل نہیں ہوا تھا اور ابھی تم اُن کے جسمِ اقدس کو قبر تک نہیں لے گئے تھے کہ تم نے بہانہ کیا اور وہمِ فتنہ میں پڑنے سے ڈرے اور تم عینِ فتنہ میں گر پڑے اور یاد رکھو جو ہم کا فرسوں کو گھیرے ہوئے ہے تم سے اور امت کی تدبیر کس قدر دُور ہے اور تم سے قوم کا معاملہ کیونکر درست ہو سکتا ہے شیطان تم کو کس طرف لے جا رہا ہے۔ حالانکہ کتابِ خدا تمہارے درمیان ہے اور اُس کے امور ظاہر ہیں اور اس کے احکام واضح ہیں اور اُس کے نشانات ہو چکے ہیں اور اس کے اوامر و نواہی نمایاں ہیں۔ اس کو تم نے اپنے پس پشت ڈال دیا۔ کیا قرآن سے رغبت نہیں رکھتے یا کوئی حاکم اُس کے علاوہ چاہتے ہو۔ ظالموں کے لیے بُرا بدلا ہے، اُس کا جو حکم اس کے مخالف ہو۔ اور خداوندِ عالم فرماتا ہے کہ جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی دین اختیار کرے تو اس سے برگزیدہ قبول کیا جائے گا۔ اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا پھر تم نے اس قدر صبر کیا کہ تمہاری باطلِ خلافت مضبوط ہو جائے۔ اُس وقت تم نے آتشِ فتنہ و فساد جلا نا اور بدعتیں پیدا کرنا شروع کیا اور ہر آواز جو گمراہ کرنے والے شیطان کی تمہارے درمیان بلند ہوئی۔ تم نے اس کو قبول کیا اور دینِ مبین کے انوار کو جو جلی اور روشن

تھاقم نے بچھا دیا اور پیغمبرِ برگزیدہ کی سنت کو تم نے محو کر دیا اور درپردہ کرو حید کرنا چاہتے ہو تاکہ دین کے نشانات مٹا دو اور لباسِ دین داری میں آہستہ آہستہ چاہتے ہو کہ انوارِ شریعت کو چھپا دو۔ اور جاہلیت کی بدعتوں کو شائع کرو اور رسولِ خدا کے ساتھ جو کچھ لائے لوں میں ہیں ان کے اہلیت سے پورے کرنا چاہتے ہو۔ اور تم تمہاری طرف سے مظالم پھیر کرتے ہیں اس شخص کے مانند جس کو چھری اور نیزے سے ٹکڑے ٹکڑے کریں اور وہ چارہ نہ رکھتا ہو ان میں سے ایک یہ ہے کہ گمان کرتے ہو کہ مجھے میرے پدر کی میراث نہ ملنی چاہیے۔ پھر وہ آیت پڑھی جس کا مضمون یہ ہے کہ آیا جاہلیت کا حکم طلب کرتے ہو اور خدا سے بڑھ کر حکم کرنے میں کون بہتر ہو سکتا ہے۔ اس گروہ کے لیے جو صاحبِ یقین ہے۔ اسے لوگوں کی میراثِ حقیقت نہیں جانتے ہو۔ نہیں بلکہ جان بوجھ کر چھپاتے ہو۔ تم پر میراثِ حق روشن آفتاب کے مانند ظاہر ہے اسے گروہِ جاہلین مجھ پر میرے پدر کی میراث میں غلبہ کرتے ہیں اور تم ان کی مدد کرتے ہو۔ اس لیے ابو قحافہ کیا کتابِ خدا میں ہے کہ تم اپنے باپ کی میراث پاؤ اور میں اپنے باپ کی میراث نہ پاؤں لہذا حدیثِ شیبانی فرمایا خدا پر عجیب افترا تم نے باندھی ہے۔ کیا کتابِ خدا پر عمل کرنا عداً ترک کرتے ہو اور اپنے پس پشت ڈالتے ہو۔ کیونکہ خدا فرماتا ہے۔ وورث سلیمان داؤد یعنی داؤد کی میراث سلیمان نے پائی اور یحییٰ بن زکریا کے قصہ میں فرمایا ہے۔ رب ھب لمان لسانک ولیا یرثنی ویرث من ال یعقوب یعنی خداوند! مجھے ایک واپ عطا فرما جو میری میراث لے اور آلِ یعقوب کی میراث لے اور فرمایا ہے واولوا الارحام بعضهم اولیٰ ببعض فی کتاب اللہ یعنی رجمی اعتراض کے لحاظ سے بعض سے بعض کتابِ خدا میں اولیٰ ہیں۔ پھر ان مظلوم نے میراث کی آیتیں جن کو خدا تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کے لیے بیان کی ہیں پڑھیں اور کہتا کہتے ہو کہ میرے پدر کی میراث میں میراثِ حق نہیں ہے۔ میرے اور میرے پدر کے درمیان رجمی رشتہ نہیں ہے وکیا خدا نے تم کو آیاتِ میراث سے مخصوص فرمایا ہے اور مجھ کو اور میرے پدر کو ان سے خارج کر دیا ہے۔ یا یہ کہتے ہو کہ میں اور میرے پدر ایک ملت کے اہل سے نہیں ہیں۔ اس سبب سے میں ان کی میراث نہیں پاسکتی یا تم لوگ علمِ قرآن سے میرے پدر اور میرے پسیر عم سے زیادہ واقف ہو۔ مختصر یہ کہ جب حضرت فاطمہ نے دیکھا کہ منافقوں میں سے کسی کی آواز نہیں آتی ہے تو ابوبکر سے خطاب کیا کہ آج بغیر کسی مقابلہ و مناظرے کے فدک لے لو۔ لیکن روزِ قیامت مقامِ حساب پر تم سے ملاقات کروں گی اور تم سے پوچھوں گی۔ اس وقت بہترین فیصلہ کرنے والا خدا ہوگا اور حق طلب کرنے والے محمد ہوں گے اور وعدہ گاہِ قیامت ہے اور قیامت میں تم زیاں کار ہو گے۔ اس وقت ندامت کچھ فائدہ نہ دے

گی۔ ہر چیز کے لیے ایک قرار گاہ ہے۔ اس کے بعد تم جانوں گے کہ کون ہے وہ جس کی طرف
 ذلیل کرنے والا عذاب آتا ہے اور اُس میں عذاب ابدی حلول کرتا ہے پھر انصار سے
 خطاب کیا اور کہا اے بہادروں کے گروہ کہ اپنے کو قوم کے مددگار جانتے ہو کیسے سستی ہے
 جو میرا حق لینے میں کرتے ہو۔ اور یہ تم جو میرے حق میں ہو رہا ہے، اُس میں تم کیسی تغافل عمل میں
 لاتے ہو۔ کیا میرے پدرنے جو رسولِ خدا ہیں نہیں کہا ہے کہ ہر شخص کی حرمت کی اُس کی اولاد کے
 حق میں رعایت کریں۔ کس قدر جلد بدعتوں پر راضی ہو گئے اور اپنے پیغمبر کی قلت کی حمایت سے
 ہاتھ اٹھالیا ہے۔ حالانکہ جو طاقت میں تم سے طلب کرتی ہوں تم رکھتے ہو اور تم میں میری مدد کی
 قوت ہے۔ اگر تم یہ کہو کہ محمدِ فرقت ہو گئے تو وہ ایسی مصیبت ہے جکا اثر آسمان و زمین، کوہ و دریا
 اور صحرایں ظاہر ہے۔ اس سبب سے ستارے تاریک ہو گئے، حرمتیں ضائع ہو گئیں اور اس
 سے بڑی مصیبت نہیں ہو سکتی۔ لیکن یہ اُس کا سبب نہیں ہے کہ تم دین سے پھر جاؤ۔ حق تعالیٰ
 فرماتا ہے و ما محمد الا رسول الخ یعنی محمد ایک رسول ہیں جیسے ان سے قبل رسولانِ خدا
 آئے۔ اگر وہ فرجائیں یا قتل ہو جائیں تو کیا تم دین سے پھر جاؤ گے اور جو پھر جائے گا تو خدا کا
 کچھ نقصان نہ کرے گا۔ اور خدا عنقریب شکر گزیریالوں کو جزا دے گا۔ اسے قید والو! کیا ظلم کے
 ساتھ مجھ سے میرے باپ کی میرا شظلم کرنے والے لے لیں اور تم دیکھتے رہو گے اور سنتے رہو
 گے۔ حالانکہ تم کافی تعداد میں ہو، اور جنگ کے اسلحے اور طاقت و قوت رکھتے ہو۔ میں تم کو اپنی
 مدد کے لیے پکارتی ہوں اور تم قبول نہیں کرتے۔ میری گریہ و زاری سنتے ہو اور میری فریاد کو
 نہیں پہنچتے۔ حالانکہ تم شجاعت و مردانگی سے موصوف تھے اور تم صلاح و عقل سے معروف ہو۔
 عرب کے قبیلوں سے جنگ کر چکے ہو۔ اور معرکوں میں سختیاں جھیلی ہیں۔ ہم نے جو حکم تم کو دیا تم نے
 اس کی اطاعت کی اور ہمارے خلاف قدم نہیں اٹھایا۔ یہاں تک کہ ہماری برکت سے خدا نے
 تعالیٰ اسلام کی چکی گردش میں لایا اور کفر کی آگ بجھی اور دین کا انتظام مضبوط ہوا۔ اب کیوں
 بیان کے بعد جبران اور ایمان لانے کے بعد مشرک ہو رہے ہو۔ پھر اُس آیت کو پڑھا جس کا
 مضمون یہ ہے کیا اُس گروہ سے جنگ نہیں کرتے جو جنھوں نے عہد کو توڑ دیا اور دین سے
 برگشتہ ہو گئے اور چاہتے ہیں کہ رسول کو نکال دیں اور انھوں نے ابتداء میں تم سے جنگ کا
 آغاز کیا۔ کیا تم ان سے ڈرتے ہو۔ حالانکہ خدا زیادہ سزاوار ہے کہ اُس سے ڈرو، اگر ایمان
 رکھتے ہو۔ جب دیکھا کہ ان باتوں کا اثر اُنی منافقوں پر نہیں ہوا۔ تو فرمایا کہ میں دیکھتی ہوں کہ
 عیش و راحت کی جانب مائل ہو گئے اور اُس کو جو خلافت کا سب سے زیادہ مستحق ہے تم نے
 دُور کر دیا ہے اور آرام و راحت کی طرف شدت سے مائل ہو گئے۔ ہو اور علم دین جس قدر تھا

گلے کے اندر ڈالا گیا تھا، تم نے وہ سب دہن سے نکال پھینکا۔ تو اگر تم اور جو لوگ زمین میں کافر ہو جائیں تو (خدا کو کیا پروا ہو گی) خدا تمام عالمیں سے بے نیاز ہے۔ میں نے سمجھ لیا کہ کمر اور غداری کرو گے اور میری مدد نہ کرو گے۔ لیکن میرے سینے میں درد و غم جمع ہو گئے تھے اور میں نے چاہا کہ حجت تم پر تمام کر دوں۔ تاکہ روز قیامت تمہارے پاس کچھ عذر نہ رہے۔ لہذا ابھی ذلت اور خدا کے غضب اور روز جزا کے عذاب کے ساتھ میرا حق لے جاؤ۔ خدا جانتا ہے اور دیکھتا ہے جو کچھ کرتے ہو۔ اور وہ لوگ بہت جلد دیکھ لیں گے جنہوں نے تم کے ہیں کہ ان کی بلائیں کہاں ہوں گی۔ میں اُس کی بیٹی ہوں جو تم کو عذاب الہی سے ڈراتا تھا۔ لہذا جو چاہو کرو اور ہم تو وہی کریں گے جو حق سمجھیں گے۔ تم بھی منتظر رہو، اور ہم بھی انتظار کرتے ہیں اُس روز کا جس روز حق و باطل ظاہر ہو گا۔ یہ سن کر ابو بکر نے کہا۔ اے رسولؐ کی بیٹی آپ کے پدر بزرگوار مومنوں پر رحیم، مشفق، کریم اور مہربان تھے اور کافروں کے لیے شدید عقاب اور دردناک عذاب تھے۔ ہم ان کو کس سے نسبت دے سکتے ہیں۔ وہ آپ کے پدر تھے، دوسری عورتوں کے نہیں۔ وہ آپ کے شوہر کے بھائی تھے، دوسروں کے نہیں۔ خدا نے ان کو ہر قربت مند پر اختیار کیا اور ہر اعظیم میں ان کی مدد کی۔ آپ کو دوست نہیں رکھتا مگر سعادت مند اور دشمن نہیں رکھتا مگر ہر بد قسمت۔ آپ رسولؐ خدا کی پاکیزہ عترت ہیں اور ہمارے نیک و برگزیدہ اور خیر و سعادت اور رحمت کی طرف ہماری رہنمائی کرنے والے لوگ ہیں اور تمام عورتوں میں برگزیدہ آپ ہیں اور بہترین انبیاء کی بیٹی ہیں۔ اپنے کلام میں سچی ہیں۔ اور اپنی عقل کی زیادتی میں سب پر سبقت دیتی ہیں۔ کوئی آپ کے حق سے آپ کو الگ نہیں کر سکتا۔ خدا کی قسم میں نے رسولؐ خدا کی رائے سے تجاوز نہیں کیا ہے اور جو کچھ کیا ہے ان کی اجازت سے کیا ہے۔ میں خدا کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے رسولؐ خدا سے سنا۔ آپ نے فرمایا کہ ہم گروہ انبیاء ترک نہیں چھوڑتے۔ نہ سونا نہ چاندی، نہ گھرنہ گھر کے سامان۔ ہماری میراث کتاب و حکمت اور علم پیغمبری ہے اور جو کچھ ہمارے کھانے پینے کا ذریعہ ہے، ہمارے بعد ولی امر خلافت اُس میں اپنی رائے اور اختیار سے حکم کرتا ہے اور میں نے ایسا ہی حکم (فیصلہ) کیا ہے کہ جو کچھ آپ ہم سے طلب کرتی ہیں وہ گھوڑوں اور اونٹوں کی خریداری پر صرف ہو گا۔ جس سے مسلمان کافروں سے جنگ کریں گے۔ اور یہ فیصلہ میں نے مسلمانوں کی رائے سے کیا ہے۔ میں اس رائے میں تنہا اور منفرد نہیں ہوں۔ میں اپنا مال اسباب آپ سے دریغ نہیں کرتا جو چاہیے لے لیجئے۔ آپ اپنے پدر بزرگوار کی امت کی سردار ہیں۔ اور اپنے فرزندوں کے لیے شجرہ طیبہ میں آپ کے فضل و شرف سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ آپ کا حکم میرے مال میں جاری ہے۔ لیکن مسلمانوں کے مال میں آپ کے پدر کے ارشاد کی مخالفت میں

نہیں کر سکتا حضرت فاطمہؑ نے فرمایا کہ سبحان اللہ! میرے پدر نے کبھی کتاب خدا کے احکام کی مخالفت نہیں کی۔ ہمیشہ آیات و قرآنی سوروں کی پیروی کرتے تھے۔ اپنے مکرو فریب کی وجہ سے میرے پدر پر افسوس کرتے ہو، اور یہ حیلہ اُن حضرت کی وفات کے بعد انہی مکرو فریب کے مانند ہے جو ان کے ہلاک کرنے میں تم لوگوں نے ان کی حیات میں کیا تھا۔ ہمارے تمہارے درمیان یہ ہے کتاب خدا جو حاکم عادل ہے۔ سچائی و سلیمان کی میراث کا حال قرآن میں مذکور ہے اور مرد و عورت کی میراث کی تقسیم کتاب النبی میں صریح ہے۔ تمہارے لیے تمہارے نفسوں نے ایک امر کو زینت دے رکھا ہے۔ لہذا صبر جمیل کرتی ہوں اور خدا سے اُس امر پر مدد طلب کرتی ہوں جو حق بیان کرتے ہو۔

یہ سن کر ابو بکر نے کہا خدا نے سچ کہا اور رسول خداؐ نے سچ کہا اور آپ اُن کی دختر ہیں سچ کہتی ہیں۔ آپ معدن حکمت اور ہدایت و رحمت کا سرچشمہ اور رکن دین اور میں حجت ہیں۔ آپ کی بات کو سچائی سے دُور نہیں جانتا ہوں اور آپ کے بیان سے انکار نہیں کرتا ہوں۔ یہ مسلمان میرے اور آپ کے سامنے موجود ہیں۔ انہوں نے میری گردن میں خلافت ڈال دی اور میں نے جو کچھ اختیار کیا ہے ان کے اتفاق سے اختیار کیا ہے۔ میں نے اپنے واسطے اختیار نہیں کیا ہے۔ یہ لوگ میرے گواہ ہیں۔ یہ سن کر جناب فاطمہؑ نے دوبارہ ان کی جانب خطاب کیا اور فرمایا کہ بے دُلوگو! جو قول باطل کی طرف تیزی سے جاتے ہو اور عمل قبیح سے آنکھیں بند کر لی ہیں۔ کیا تم قرآن میں غرور و تکبر نہیں کرتے یا دلوں پر قتل پڑے ہیں۔ نہیں ایسا نہیں ہے بلکہ تمہاری بد اعمالیوں نے تمہارے دلوں سے حق کو نکال دیا ہے اور تمہاری آنکھوں اور تمہارے کانوں کو بند کر دیا ہے۔ تم نے بُری تاویل کی ہے اور بدترین امور کی راہنمائی کی ہے اور ہدایت کے عوض گمراہی اختیار کر لی ہے۔ اور بہت جلد اُس کے بوجھ کو گمراہی اور اس کے انجام کو نقصان سے قریب پاؤ گے جس وقت کہ تمہاری آنکھوں کے سامنے سے پردے اٹھ جائیں گے اور عنایات جو غیب میں پوشیدہ ہیں تم پر ظاہر ہوں گے، اور تم پر پروردگار کی جانب سے وہ نمایاں ہوگا جس کا گمان نہ رکھتے ہو گے۔ اُس وقت اہل عدالت و شقاوت نقصان اٹھائیں گے۔ پھر جناب سرورِ عالم کی قبر منور کی طرف رخ کر کے چند اشعار نہایت درد انگیز لہجہ میں پڑھے جن کے مضامین یہ ہیں۔ اے بابا آپ کے بعد بہت فتنے اور فسادات رونما ہوئے۔ اگر آپ ہوتے تو وہ ظاہر نہ ہوتے۔ ہم آپ کے بغیر ایسے بے بارش کے باغ ہیں جس کے درخت و برگ و گل و پتے سب بگردار لوگوں کے ظلم کے باوجود سے پژمردہ ہو گئے۔ ہمارے حال کے گواہ رہیں اور تغافل کے کانٹوں سے ہمارے دل کو زخمی نہ کیجئے۔ ہر پیغمبر کے اہلیت اپنی امت کے نزدیک صاحبِ عزت و حرمت تھے، ہوائے ہمارے۔

چند مردوں نے اپنے دلوں کے کینے جب آپ زبردست پنہاں ہو گئے تو ہمارے ساتھ ظاہر کئے۔ ایک گروہ نے ہم سے ترشرونی کی اور ہمارے حق کو سبک سمجھا جبکہ آپ کو نہ دیکھا۔ ان لوگوں نے زمین ہم پر تنگ کر دی۔ آپ وہ تباہ اور آفتاب درخشاں تھے جس سے ہم روشنی حاصل کرتے تھے۔ آپ پر پروردگار عزت کی جانب سے کتاب نازل ہوئی اور جبریل قرآنی آیتوں کے ساتھ ہمارے مونس تھے۔ آپ دنیا سے گئے اور تمام نیکیاں چھپ گئیں۔ کاش آپ کے سامنے ہم کو موت آگئی ہوتی۔ جب آپ گئے اور اپنا جمال ہم سے پوشیدہ کر لیا تو ہم چند ایسی بلاؤں میں مبتلا ہوئے کہ خلافت سے جس کے مثل کوئی اندوہناک مبتلا نہ ہوا تھا۔ پھر جناب فاطمہؑ بیعت الشرف واپس تشریف لے گئیں۔ جناب امیران کے انتظار میں تھے جب وہ اپنے غار اقدس میں پہنچ گئیں تو مصلحتاً دلیرانہ سخت خطابات جناب امیر سے کئے کہ آپ اس جنین کے مانند جو رحم میں ہوتا ہے۔ پر وہ نشین ہو گئے اور خوفزدہ لوگوں کی طرح گھر میں بھاگ آئے۔ اس کے بعد جبکہ زمانہ کے شجاعوں کو خاک میں ملا دیا اور ان نامردوں سے مغلوب ہو گئے۔ یہ فرزند قحافہ میرے پدر کا عطا کردہ فدک جو میرے فرزندوں کی معیشت کا ذریعہ تھا مجھ سے بجز و ظلم لیتا ہے اور علاوہ مجھ سے خصامت کرتا ہے اور انصاف میری مرد نہیں کرتے۔ جا بجا یہ ایک کنارہ ہو گئے اور تمام لوگوں نے آنکھیں بند کر لی ہیں۔ نہ کوئی مجھ سے دشمنوں کو دفع کرنے والا ہے۔ اور نہ روکنے والا نہ کوئی مددگار ہے نہ سفارش کرنے والا۔ غضبناک میں نکلی اور غمناک واپس آئی۔ آپ نے اپنے کو ذلیل کر دیا جس روز کہ اپنے زعب و جلال سے ہاتھ اٹھالیا۔ بھیڑیے بھاڑے کھاتے ہیں اور جو چاہتے ہیں لے جاتے ہیں اور آپ اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرتے۔ کاش اس ذلت و خواری سے پہلے میں مریچکی ہوتی ہر صبح و شام مجھ پر واتے ہو میرا عمل مٹ گیا۔ میرا مددگار سست ہو گیا میری شکایت اپنے پدر سے ہے۔ اور میرا خاصہ اپنے پروردگار سے ہے۔ خداوند اتیری قوت و طاقت سب سے زیادہ ہے۔ اور تیرا عذاب اور تیری سختی سب سے زیادہ شدید ہے۔ یہ سن کر امیر المؤمنین نے فرمایا اے سیدۃ النساء ذلت و خواری اور کسی طرح کا عذاب تم پر نہیں بلکہ تمہارے دشمن پر ہے۔ صبر کرو اور اپنے غم و صدمہ کی آگ کو بجھا دو۔ اے برگزیدہ عالمین کی بیٹی اور اے پیغمبری کی ذریت کی بقیہ میں نے اپنے امردین میں سستی نہیں کی اور جس پر خدا کی جانب سے مامور تھا عمل میں لایا اور جس قدر ممکن تھا اپنے حق کے طلب کرنے میں کسی روز میں نے کمی نہیں کی۔ تمہارا اور تمہاری اولاد کا خدا ضامن ہے اور جو تمہارے امر کا کفیل ہے امن میں ہے اور جو کچھ حق تعالیٰ نے تمہارے لیے آخرت میں عطا کیا ہے اس سے بہتر ہے جو ان اشقیاء نے تم سے چھین لیا ہے۔ لہذا خدا سے اجر طلب کرو اور صبر کرو۔ جناب فاطمہؑ

نے کہا خدا میرے لیے کافی ہے اور دوسری میرے لیے بہتر وکیل ہے اور خاموش ہو گئیں لے

لے مولف فرماتے ہیں کہ اس مقام پر بعض امور کی تحقیق ضروری ہے۔

۱۔ چند شبہات کا رفع کرنا جو ممکن ہے دلوں میں فطور کریں کہ جناب فاطمہ کے جناب امیر پر اعتراض کی کیا صورت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض مصححت پر محمول ہے تاکہ لوگ جان لیں کہ جناب امیر نے اپنی غموشی سے عداوت ترک نہیں کی اور فدک کے منصب ہونے پر راضی نہ تھے۔ قرآن مجید میں بہت سے عتاب امیر خطابات جناب رسول سے ہوئے ہیں۔ لیکن ان سے غرض دوسروں کی تنبیہ اور تادیب ہے۔ اسی طرح ہے جو کچھ حضرت موسیٰ سے صادر ہوا۔ جس وقت کہ اپنی قوم کی طرف واپس آئے اور وہ گوسالہ کی پرستش کرتے تھے۔ جیسے الواح کا پھینک دینا اور جناب ہارون کی دائرہ پکڑ کر کھینچنا۔ باوجودیکہ جانتے تھے ہارون کا کوئی قصور نہیں۔ لیکن غرض یہ تھی کہ قوم پر ان کے عمل کی فزانی ظاہر ہو جائے گی اور جس طرح خدائے تعالیٰ روز قیامت جناب عیسیٰ سے باز پرس کرے گا کہ آیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو دو خدا سمجھو۔ باوجود اس کے وہ جانتا ہے کہ جناب عیسیٰ نے ایسا نہیں کہا تھا۔ اور ایسی مثالیں بہت ہیں۔ اگر کہیں کہ جناب فاطمہ کا فدک کے دعویٰ میں یہ مطالبہ کرنا اور جمع میں جا کر خطبہ پڑھنا ان محدثوں کے تقدس اور منزه اور زہد دنیا اور کمال معرفت کے خلاف ہے۔ دو طریقہ سے جواب دیا جاسکتا ہے۔

(اول) یہ کہ ان معظلہ کا مخصوص حق نہ تھا کہ اس کے خیال کو چھوڑ دیتیں اور ان کے حوالے کر دیتیں۔ بلکہ ائمہ اطہار اور قیامت تک کی آپ کی اولاد بھی اس میں شریک تھی اور اس امر میں سستی ان کے حقوق کو ضائع کرنے کے مانند تھی اور ان معظلہ پر واجب تھا کہ اپنی طاقت و قوت کے مطابق ان کے حقوق کو ضائع ہونے سے بچائیں۔

(دوسرے) یہ کہ ان معظلہ کی فرض صرف فدک کی واپس لینے ہی سے نہ تھی۔ بلکہ سب سے بڑی غرض اعدائے دین کے کفر و نفاق کو ظاہر کرنے کی تھی تاکہ لوگ ان کو پہچان لیں اور ان کے فریب میں نہ آئیں اور موجودہ لوگوں پر محبت تمام ہو جائے اور غائب لوگوں پر شیعوں کے لیے روز قیامت تک محبت و دلیل حاصل رہے۔ چنانچہ آخر خطبہ میں اشعار بیان فرمائے کہ باوجودیکہ میں جانتی تھی کہ تم مدو نہ کرو گے۔ تب بھی میں نے کہا اور جو کچھ کہا اس لیے کہ تاکہ محبت تمام کر دوں۔ اسی طرح ان خاص بان خلافت کے ساتھ امیر المؤمنین کا ان کے ظلم اور شکایت کے اظہار میں تمام عمر تک نزاع کرنا تھا۔ جیسا کہ گزر چکا۔ وہ دنیا کی محبت اور جاہ و ریاست کی خواہش میں نہ تھا بلکہ اس جماعت کے ظلم و ارتداد کے اظہار کے لیے تھا تاکہ عالمین پر محبت ہو۔

۲۔ اول و دوم کے کفر کا ان خبروں سے جو اس واقعہ ہانک میں وارد ہوئے ہیں ان کی چند وجوہیں ہو

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر ملاحظہ فرمائیے)

دیگر۔ اُن تمام امور میں سے جو حکمِ خدا و رسول کے خلاف جنابِ فاطمہؑ اور اہلبیت کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) سکتی ہیں :-

(اول) یہ کہ اخبار عامہ و خاصہ سے معلوم ہوا کہ حضرت فاطمہؑ اور جنابِ امیر نے اس واقعہ میں ان دونوں کو قاصب و ظالم و عاصی جانا ہے اور اُن دونوں نے بھی ان دونوں بزرگوار کو کاذب اور ناحقِ خلافت کا مدعی اور حاقی امام جانا ہے۔ لہذا ان دونوں جماعتوں میں سے چاہیے کہ ایک صحیح اور حق پر ہو۔ باوجود اس کے مخالفوں نے اپنی صحاح میں بہت طریقوں سے خود روایت کی ہے کہ جو شخص اپنے امام کی اطاعت سے باہر ہو جائے اور جماعت سے علیحدگی اختیار کرے، وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔ نیز روایت کی ہے کہ جو شخص بادشاہ کی اطاعت سے ایک بالشت باہر ہو جائے وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے اور جو شخص مر جائے اور اُس کی گردن میں کسی امام کی بیعت نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے اور یہ معلوم ہے کہ صدیقہ طاہرہ البکر سے راضی نہیں ہوئیں اور ان کو باطل و گمراہی پر جانتی تھیں یہاں تک کہ دنیا سے رخصت ہوئیں تو جو شخص امامتِ البکر کا قائل ہو تو چاہیے کہ بیدہ زنانِ عالمین جس کو خدا نے ہر جس سے پاک کیا ہے، جاہلیت اور کفر و ضلالت کی (معاذ اللہ) موت پر دنیا سے رخصت ہوئیں۔ لیکن کوئی زنیق اور کوئی ملحد بھی یہ نہیں کہہ سکتا اور جامع الاصول میں صحیح مسلم اور صحیح ابی داؤد سے روایت کی ہے کہ جنابِ فاطمہؑ نے البکر سے سوال کیا کہ جو ترکہ جنابِ رسولِ خداؐ نے چھوڑا ہے اور جو کچھ خدا نے ان کو غنیمت میں عطا فرمایا ہے اُن پر تقسیم کریں۔ البکر نے کہا کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا ہے کہ ہم میراث میں کچھ نہیں چھوڑتے جو کچھ ہمارا مال ہوتا ہے وہ صدقہ ہے یہ سن کر فاطمہؑ غضب ناک ہوئیں اور ترکہ کلام کر دیا اور ہمیشہ اسی حال میں رہیں۔ یہاں تک کہ دنیا سے رخصت ہوئیں اور جنابِ رسولِ خداؐ کے بعد چھ مہینے سے کچھ کم زلفہ رہیں اور جنابِ فاطمہؑ خیر، فدک اور مدینہ میں جو کچھ رسولِ خداؐ کا ترکہ تھا اس سے پناحتہ طلب کرتی تھیں البکر نے تسلیم نہیں کیا اور نہیں دیا۔ عمر نے بھی اپنے زمانہ میں ایسا ہی کیا۔ لیکن عمر نے مدینہ کے مال و سامان میں سے علیؑ کو عباس کو دیا۔ اور خیر اور فدک کو محفوظ رکھا اور ان دونوں بزرگواروں کو نہیں دیا اور صحیح بخاری میں ان میں سے بعض باتوں کی روایت کی ہے اور ابن ابی الحدید نے کتاب سقیفہ سے روایت کی ہے کہ جب البکر نے فدک فاطمہؑ سے لے لیا اور فاطمہؑ کو جواب دے دیا تو آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں تم سے کبھی کلام نہ کروں گی۔ البکر نے کہا میں خدا کی قسم آپ سے ہرگز دوری اختیار نہ کروں گا جنابِ فاطمہؑ نے فرمایا واللہ خدا کے سامنے تم پر نفرین کروں گی۔ البکر نے کہا خدا کی قسم میں آپ کے لیے دعا کروں گا جب حضرت فاطمہؑ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے وصیت کی کہ البکر میرے جنازہ کی نماز نہ پڑھیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پڑھ لاکھو)

بارے میں ابوبکر نے کیا یہ ہے کہ اُن سے ذوی القربی کا حق روک دیا جو نبی قرآن اُن کا تھا چنانچہ ابن ابی الحدید نے کہا ہے کہ ابوبکر و فاطمۃ الزہراء کے درمیان دو امور میں تنازع تھی میراث اور

(بتقریب حاشیہ صفحہ گذشتہ) اسی لیے لات ہی کو انھیں دفن کر دیا۔ حضرت عباس نے اُن پر نماز پڑھی۔ اور اُن معصومہ اور اُن کے پدر بزرگوار کی وفات کے درمیان بہتر راہیں گزری تھیں اور اُن کی صلح میں مذکور ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے اور بنی ہاشم میں سے کسی نے ابوبکر کی بیعت نہیں کی۔ لہذا چاہیے کہ ابوبکر کی خلافت باطل تھی اور وہ فدک پر قبضہ کرنے سے غاصب اور ایک روایت کے مطابق بموجب حدیث رسول کا ذب ہوں یا جناب امیر عصمت و طہارت اور حق سے جلا نہ ہونے کے باوجود عاصی اور ظالم اور اپنے امام کے عاق ٹھہری۔ نیز جناب امیر سے عداوت کفر و نفاق کی علامت ہے اور کونسی عداوت اس سے زیادہ شدید ہو سکتی ہے جو ان لوگوں نے اس واقعہ اور دوسرے واقعات میں حضرت کے ساتھ کی۔ یہاں تک کہ ابن ابی الحدید نے کتاب سقیفہ - جو ہماری سے روایت کی ہے کہ جب ابوبکر نے فدک کے بارے میں فاطمہ کے خطبہ کو سنا تو منبر پر گئے اور کہا ایسا الناس ایسی بات کا کیا سُننا۔ یہ آرزو جناب رسول خدا کے عہد میں کیوں نہ ہوئی۔ یہ قصہ اُس لوٹری کے مانند ہے جس کی گواہ اس کی دم تھی۔ وہ (فاطمہ) تو تمام فتنوں کی جڑیں چاہتی ہیں کہ پڑانے فتنوں کو نئے سرے سے اٹھائیں، کمزور عورتوں سے مدد کی طلبگار ہیں خود ام طہال کے بارے میں زنا کی نسبت کسی کتاب میں نظر سے نہیں گزری اس لئے بلا ثبوت اپنی طرف سے اُس کو زنا کار کہنا مناسب نہیں..... اگر میں چاہوں تو کہہ سکتا ہوں اور اگر کہوں گا تو ظاہر کروں گا تاکہ مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دیں۔ لیکن میں خاموش ہوں۔ اے گروہ انصار مجھے تمھارے بیوقوفوں کی باتوں کی خبر ملی ہے اور اپنے ہاتھ اور اپنی زبان نہیں کھوتی ہوں تاکہ کوئی اس کا مستحق نہ ہو۔ جب جناب فاطمہ نے یہ باتیں سُنیں اپنے گھر واپس گئیں۔ ابن ابی الحدید کہتے ہیں کہ میں نے اپنے اُستاد نقیب سے کہا کہ ابوبکر یہ کہتے کس کی طرف کر رہے تھے کہا کہ یہ نہیں بلکہ میری ہے اور اُن کی مراد علی بن ابی طالب تھے۔ میں نے تعجب سے کہا ایسی باتیں اُن حضرت سے کرتے تھے۔ کہا ہاں بادشاہ تھے اور جو کچھ چاہتے تھے کہتے تھے اور کرتے تھے جب دیکھا کہ انصار گرگڑ گئے۔ ابوبکر ڈسے کہ وہ امیر المؤمنین کی مدد کریں گے، تو اُن کے غصہ کو ٹھنڈا کیا۔ نقیب نے کہا کہ ام طہال ایک زنا کار عورت تھی جاہلیت میں زنا سے اُس کی مثال دی جاتی تھی۔

اے طالبان حق! اس خبر میں غور کرو، اور انصاف کرو کہ جو شخص پیدا و مویا اور ہر عم و برادر رسول خدا اور اُن مناقب و فضائل کے حامل جن کی دوست و دشمن نے روایت کی ہے علی علیہ السلام اور کونسا رسول خدا اور سیدۃ زنانِ عالمین کے بارے میں اس قسم کی باتیں کہے وہ خلافت کی اہلیت رکھتا ہے؟ یا اسلام کے کچھ تعلق ہو سکتا ہے؟

بخشش میں اور حدیث میں وارد ہوا ہے کہ شالشی کے معاملہ میں بھی نزاع کیا تھا۔ ابو بکر نے ان کو وہ حق نہیں دیا اور وہ ذوی القربی کا حصہ تھا جیسا کہ کتاب سقیفہ میں اس سے روایت کی

(بقیہ حاشیہ سابقہ)

۳۔ جناب فاطمہؑ کی تکذیب کرنا یا وجود انؑ کی عصمت کے ثبوت کے خدا و رسولؐ کے قول کی تردید کرنا ہے۔ جیسا کہ آریہ تطہیر کی تحقیق میں معلوم ہو چکا۔ نیز عامہ و خاصہ کے طریقوں سے متواتر ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے فرمایا کہ فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے۔ جس نے اس کو غضب ناک کیا اس نے مجھ کو غضب ناک کیا ہے اور جس نے اس کو اذیت دی ہے اس نے مجھ کو اذیت دی ہے۔ جیسا کہ بیان ہو چکا اور یہ انؑ کی عصمت کی دلیل ہے۔ کیونکہ اگر ان سے محبت صادر ہو سکتی ان کی ایذا کا کیا ذکر ان پر حد و تعزیر لازم ہوگی اور محبت میں ان کی رضا خدا و رسول کی خوشنودی کا باعث نہیں ہو سکتی۔ اگر کہیں کہ ان کو ظلم و ستم سے آزار پہنچانا رسولؐ کی ایذا کا باعث ہے اور اطاعت میں ان کو خوش کرنا جناب رسولؐ خدا کی خوشی کا باعث ہے تو جواب میں ہم کہیں گے کہ یہ تخصیص اصل کے خلاف ہے اور حدیث عام ہے۔ (یعنی کسی حال میں ان کی اذیت موجب اذیت رسولؐ ہے اور انصاف کے ساتھ انؑ کو کوئی اذیت پہنچا سکتا ہی نہیں تھا۔ کیونکہ وہ معصومہ تھیں۔ کوئی کام ان کا مرضی خدا کے خلاف ہوتا ہی نہ تھا۔ لہذا جو اذیت ان کو دی گئی وہ ظلم و ستم کے ساتھ دی گئی۔) (مترجم) ایضاً اگر یہ مراد ہو تو جناب رسولؐ خدا اور عام مسلمانوں میں کوئی فرق نہ ہوگا اور اس صورت میں کوئی مدح اور کوئی شرف ان حضرت کے لیے نہ ہوگا۔ اور باتفاق امت یہ کلام سرور عالم مدح اور اختصاص میں وارد ہوا ہے۔ ایضاً آنحضرتؐ کے پارہ بدن ہونے پر اس کی فرج بے فائدہ ہوگی۔ کیونکہ دوسرے بھی اس امر میں آپ کے ساتھ شریک ہیں۔ ایضاً جو حدیثیں ان کی صحاح میں وارد ہوئیں ہیں کہ میں تمہارے درمیان دو بزرگ چیزیں چھوڑتا ہوں۔ کتاب خدا اور میرے اہلبیت اگر ان کی متابعت کرو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ اور مشکوٰۃ وغیرہ میں ابوذرؓ سے روایت کی ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا کہ میرے اہلبیت کی مثال فرج کی کشتی کی سی ہے جو اس پر سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جس نے اس سے انحراف کیا وہ ہلاک ہوا۔ اور بہت سی حدیثیں ان کے صحاح سے بیان کی گئی ہیں کہ علی و فاطمہ و حسین علیہم السلام آنحضرتؐ کے اہلبیت ہیں اور جب ان کی اطاعت و پیروی نجات کا باعث اور ان کی مخالفت ہلاکت کا سبب ہوتو چاہیے کہ ان کے اقوال حق اور ان کے کردار قابل پیروی ہوں اور تمام گناہوں سے قلاً و فعلاً معصوم رہے ہوں اور ان کا مخالف ہلاک ہونے والا گمراہ اور ملعون رہا ہو۔

۴۔ یہ جو ابو بکر نے دعویٰ کیا کہ پیغمبروں کی میراث نہیں ہوتی محض کذب و افتراء تھا۔ اس کی چند روایاں ہیں (اول) یہ کہ حضرت یحییٰ کا جناب زکریا کی میراث پانے میں آیات قرآنی کی مخالفت ہے۔ اگر کہیں کہ ظلم (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر ملاحظہ فرمائیں)

ہے کہ فاطمہؑ ابو بکر کے پاس آئیں اور کہا کہ تم جانتے ہو کہ خدا نے ہم اہلبیت پر صدقہ حرام کیا ہے اُس نے خمس کی آیت میں ہمارے لیے خدیمتوں میں ذوی القربیٰ کا حصہ قرار دیا ہے۔ ابو بکر نے کہا میں نے اس آیت کو پڑھا ہے لیکن مجھے معلوم نہیں کہ یہ تمام حصے تمہارے ہی لیے ہیں جتنا

(بقیہ ماشیہ گذشتہ) پیغمبری کی میراث مراد ہے تو ہم کہیں گے چند وجوہ سے یہ باطل ہے۔ (اول) یہ کہ لغت اور عرف عام کے مطابق جب میراث مطلق کہتے ہیں تو وہ مال کی میراث مراد ہوتی ہے خصوصاً اس وقت جبکہ آیت میں اس بات کے قرینے ہیں کہ میراث مال ہے۔ کیونکہ شرط ہے کہ وہ لاضی، پسندیدہ اور اعمال صالحہ سے لالنے والا ہو اور معلوم رہے کہ پیغمبر ایسے ہی ہوتے ہیں۔ لہذا یہ شرط بے فائدہ ہے۔ ایضاً اپنے دوستوں اور رشتہ داروں سے مال کے بارے میں خوف ہوتا ہے۔ پیغمبری اور علم کے بارے میں نہیں ہوتا۔ پھر کیوں زکریا علیہ السلام ڈرتے ہیں اور دریغ کرتے ہیں اس سے کہ خدا اُن کے اقارب سے پیغمبروں اور علماء کو مقرر کرے۔ اس حال میں ممکن ہے کہ جانتے ہیں ان کے فسق و فساد کا باعث ہو۔ اس سبب سے دریغ کرتے ہیں اسی طرح حضرت سیمان کو حضرت داؤد کی میراث پانے میں آیت کی مخالفت ہے اسی وجہ کی بنا پر جو مذکور ہوئیں۔ نیز آیات میراث کی مخالفت ہے۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ نبوت میراث سے اُن کے اقارب کی مایوسی کا باعث ہوگی۔ اور اپنی مشہور کتابوں میں ان لوگوں نے کتاب قرآن میں اس کو ذکر کیا ہے (دوسری وجہ) یہ کہ ابو بکر نے شہادت جو روایت کے مطابق دی ہے وہ فائدہ حاصل کرنے کے ضمن میں ہے اور چند طریقوں سے متم ہے۔ (اول) یہ کہ وہ چاہتے تھے یہ اموال ان کے تصرف میں ہوں تاکہ جس کو چاہیں دیں اور جس کو چاہیں نہ دیں۔ جیسا کہ جامع الاصول میں ابوالطیل سے روایت کی ہے کہ فاطمہؑ ابو بکر کے پاس آئیں اور اپنے باپ کی میراث طلب کی۔ ابو بکر نے کہا کہ میں نے رسولؐ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب خداوند عالم کوئی مال دیتا ہے تو وہ اُس کا ہوتا ہے جو اُس پیغمبر کے بعد امر خلافت پر مقرر ہوتا ہے۔ (دوسرے) یہ کہ قرآن سے گمان بلکہ واضح ہوتا ہے کہ وہ چاہتے تھے کہ اہلبیت کو کمزور کر دیں۔ تاکہ لوگ ان کی جانب مائل نہ ہوں اور وہ ان کی خلافت میں کوئی تنازع نہ کریں یہی اہتمام کے لیے کافی ہے اور یہ بہت زیادہ قوی قرینہ ہے اس جہت سے کہ ابو بکر نے امیر المؤمنین کی گواہی میں نفع حاصل کرنے کا اہتمام لگایا اور چند دوسرے اشخاص نے ان کی تصدیق کی ہے اور سب اُس صدقہ میں شریک رہے تھے اور اہلبیت کی عداوت میں معروف رہے ہیں اور یہ الزام ان میں ظاہر تھا۔ (دوم) یہ کہ مشہور خبروں سے معلوم ہے کہ امیر المؤمنین اس حدیث کو موضوع اور باطل جانتے تھے جیسا کہ مسلم نے اپنی صحیح میں مالک بن اوس سے روایت کی ہے کہ عمر نے عباسؑ اور علیؑ سے کہا کہ ابو بکر نے کہا کہ رسولؐ خدا نے فرمایا کہ ہم میراث نہیں رکھتے ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے۔ تو تم اُن کو چھوٹا، (بقیہ ماشیہ صفحہ آئندہ پر)

فاطمہؑ نے فرمایا کہ کیا وہ تمہاری اور تمہارے اقربا کی ناک ہے۔ ابو بکرؓ نے کہا نہیں بلکہ بعض حصہ کو تمہارے حق میں صرف کروں گا اور باقی مسلمانوں کی ضرورتوں میں خرچ کروں گا۔ جناب فاطمہؑ

(ابقہ حاشیہ گوشہ) مکار، خائن اور گنہگار جانتے تھے اور خدا جانتا ہے کہ وہ نیکو کار سچے اور تابع حق تھے۔ ابو بکرؓ نے کہا کہ میں خدا اور رسول خداؐ اور ابو بکرؓ کا ولی ہوں تو تم نے مجھ کو بھی بھٹوٹا، مکار، خائن اور گنہگار سمجھا اور خدا جانتا ہے کہ میں سچا، نیک کردار اور حق کا تابع ہوں اور اسی کے مثل صحیح بخاری نے بھی روایت کی ہے اور ابن ابی الحدید نے بھی اس مضمون کو چند سندوں سے کتاب ستیقہ سے روایت کی ہے اور احادیث صحیحہ مشہورہ بیان ہو چکی کہ آیہ تطہیر و احادیث نقلین و سفید و غیرہ کی رو سے جو کچھ پہلے گذر چکی ہیں حق علیؑ سے جدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح جناب فاطمہؑ کا انکار کرنا اس روایت کی حقیقت کو ثابت کرتا ہے جو حدیث سخن معاشر الانبیاء کے باطل ہونے پر فاطمہؑ کی سجت ہے۔ (زیسری وجر) یہ کہ اگر یہ حدیث سچی تھی تو چاہیے تھا کہ جناب رسول خداؐ حضرت فاطمہؑ کو اس حکم کی تعلیم فرماتے تاکہ ناحق دعویٰ نہ کرے اور علیؑ کو بھی آگاہ کرنا چاہیے تھا جو آنحضرتؐ کے وصی اور معدن علم تھے تاکہ وہ فاطمہؑ کو ناحق دعویٰ نہ کرنے دیں اور کوئی عاقل تجویز نہیں کر سکتا کہ سیدہ زہراؑ نے اس حکم کو اپنے پدر بزرگوار سے سنا ہوگا۔ اسی کے ساتھ اس بارے میں اس قدر مبالغہ و فریاد کرتیں اور جابجوا انصار کے مجمع میں آئیں اور اس قدر عتاب و غصہ کا اظہار تمہارے ناسد زعم میں مسلمانوں کے امام کے ساتھ کرتیں اور ان کو ظلم و جور سے نسبت دیتیں۔ اور لوگوں کو ان سے جنگ کرنے کی ترغیب دیتیں اور یہ باعث ہوتا اس کا کہ مسلمانوں کی کثیر جماعت ابو بکرؓ کو فاضل و ظالم جانتی اور قیامت تک ان پر اور ان کے مددگاروں پر نفرین کرتی اور اگر امیر المؤمنینؑ جانتے کہ فاطمہؑ کا کوئی حق نہیں اور حق ابو بکرؓ کے ساتھ ہے تو کب یہ امر تجویز فرماتے اور حضرت فاطمہؑ کی وفات کے بعد عباسؑ کے ساتھ میراث میں کیوں نزاع کرتے یہ تمام باتیں اس حکم کے بیان نہ کرنے سے اہمیت کے لیے ہوں گی۔ کیا کوئی مسلمان اس طرح کی بھول اور غفلت اور اپنے بھائی اور اپنے جسم کے ٹکڑے کے ساتھ آنحضرتؐ کی یہ بھول تجویز کر سکتا ہے۔ لہذا یہ دلیل قاطع ہے اس پر کہ یہ حدیث محض افتراء و کذب تھی۔ (چوتھی وجر) اس حدیث کے بھوٹی ہونے کے شواہد ہیں یہ کہ لوگوں کی عادت عام یہ ہے کہ جو بات عہد اور شہرت کے خلاف لوگوں میں ہوتی ہے اس کا بہت تذکرہ کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ سنت میراث آدمؑ سے قائم تک ہر زمانہ میں جاری رہی ہے اور ہر زمانہ میں ایک گروہ انبیاء کا رہا ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ لوگ انبیاء کے حالات اور ان کی بیعت اور ان کی اولاد کے حالات محفوظ رکھنے میں بہت اہتمام رکھتے ہیں خصوصاً وہ چند امور جو ان سے مخصوص ہیں (یہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر ملاحظہ ہو)

نے فرمایا کہ یہ خدا کا حکم نہیں ہے۔ ابوبکر نے کہا یہی خدا کا حکم ہے۔ اگر جناب رسول خدا نے تم سے کوئی عہد کیا ہے تو بیان کرو۔ میں تصدیق کروں گا اور تمہارے اور تمہارے اہل کے لیے چھوڑ دوں گا۔ جناب فاطمہؑ نے فرمایا کہ اس بارہ میں مخصوص کچھ نہیں کہا ہے لیکن میں نے آنحضرت سے سنا ہے جس وقت کہ یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت نے فرمایا کہ اے آل محمد! تم کو خوشخبری ہو کہ تو مگر ہی تمہاری طرف آئی۔ ابوبکر نے کہا میں اس آیت کا یہ مطلب نہیں سمجھتا کہ سب تم کو دے دوں۔ لیکن اسی قدر جو تمہارے لیے کافی ہو۔ عمر نے بھی ابوبکر کی تصدیق کی اور دوسری حدیثیں بھی اسی مضمون کی روایت کی ہے اور جامع الاصول میں چند سندوں سے ابن عباسؓ اور دوسروں سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عزیزوں پر تقسیم کرتے تھے۔ ابوبکر و عمر نے کم کر دیا اور سب ان کو نہیں دیا اور حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام سے منقول ہے کہ خدا نے تعالیٰ نے خمس کا ایک حصہ آل محمد کے لیے فرض قرار دیا تھا۔ ابوبکر نے خود و عداوت کے سبب سے اس سے انکار کیا کہ ان کا حصہ ان کو دینا اور خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ خدا نے جو حکم نازل کیا ہے اس کے مطابق جو فیصلہ نہ کرے وہ فاسق ہے۔ اور اس بارے میں اہلبیت کے طریقے سے حدیثیں بہت ہیں اور آیہ کریمہ کا ظاہر ہی مطلب یہ ہے کہ تمام قسم کے لوگ حصہ میں مساوی ہیں جیسا کہ عامہ و خاصہ کے فقہاء نے وصایا و خیر کے

(عاشیہ گذشتہ) ہوتے ہیں۔ لہذا کیا سبب ہوا کہ لیے عامی اعظم کے خلاف انبیاء کی کتابوں میں سے کسی کتاب میں اور ان کی تاریخوں میں سے کسی تاریخ میں مذکور نہ ہوا اور ہاں نہ تھا ابوبکر اور دوسرے وقین غیر معتبر اشخاص کے اس عجیب امر پر کوئی مطلع نہ ہوا اور اس امر میں کسی سابقہ نماز میں ایک مرتبہ بھی کوئی نزاع نہ ہوئی کہ باوجود اس تقریب کے سابقہ امتوں کی تاریخوں میں درج کرتے ایک شخص نے بھی نقل نہیں کیا کہ عصابے موسیٰؑ یا سلیمانؑ کی انگوٹھی یا فلاں پیغمبر کا اسم فلاں شخص کو میراث میں دیا یا وہ فخر کرے کہ فلاں پیغمبر کا کپڑا مجھ کو ملا۔ لہذا جو شخص ذرا بھی شعور رکھتا ہو جانتا ہے کہ یہ حدیث وضع کیا ہے اور غیر سبجے اور کیا ہے اور اس کے انجام پر غور نہیں کیا۔ اور جو کچھ ان کے صحابہ سے ظاہر ہوتا ہے اور ابن ابی الحدید نے بھی اعتراف کیا ہے کہ سوائے ابوبکر کے کسی نے اس حدیث کو نقل نہیں کیا اور بعضوں نے کہا ہے کہ ماہک ابن اوس نے بھی ان کی تصدیق کی۔ اس قول کو نادر جانتے ہیں اور کتب افعال میں اس پر استدلال کیا ہے کہ ایک صحابی کی روایت پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔ حالانکہ تنہا ابوبکر کی روایت پر عمل کیا کہ عمر کے زمانہ میں جبکہ علیؑ اور عباسؓ نے ان کے سامنے میراث میں نزاع کی تو عمر نے طلحہ، زبیر، جندبہ، ثعلبہ، عوف، سعد بن وقاص سے شہادت طلب کی اور ان لوگوں نے خوف کی وجہ سے شہادت

بارے میں کہا ہے اور حق تعالیٰ نے ذوالقرنیٰ کے لیے فقر و پریشانی کی شرط نہیں کی ہے۔ لہذا جو کچھ ابو بکر نے کیا آئیہ کریمہ کے خلاف کیا اور جو شخص حکم قرآن کی مخالفت کرے بے نص قرآن کا فخر، فاسق و ظالم ہے۔

دیگر۔ یہ کہ منجملہ مطامع کے جو ابو بکر پر کئے ہیں یہ واقعہ بھی ہے کہ رسول خدا کی ازواج کو با اتفاق ان کے جھروں پر تصرف کرنے سے نہیں روکا اور ان کو ان کے جھروں میں آباد رکھا اور نہیں کہا کہ یہ صدقہ ہے۔ اور یہ اس حکم کے برعکس ہے۔ جو فدک اور میراث رسول کے بارے میں، فاطمہ کے حق میں کیا کیونکہ ان کا جھروں کا مالک ہونا یا میراث کے سبب سے تھا یا رسول خدا کی جانب سے بخشش تھی۔ پہلی صورت اس موضوع حدیث کے خلاف ہے جو انھوں نے روایت کی اور دوسری صورت میں ان ازواج سے ثبوت طلب کرنے کی ضرورت تھی۔ لیکن ان سے گواہی طلب نہ کی جس طرح جناب فاطمہ سے طلب کی۔ لہذا معلوم ہوا کہ ان کی اس میں اطمینان کو نقصان پہنچانے کے سوا کوئی اور غرض نہ تھی۔ ابن ابی الحدید نے اس مقام پر ایک نظریہ کی بات علی قسی سے نقل کی ہے جو بغداد کے ایک مدرسہ میں درس تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے پوچھا کہ فاطمہ اپنے دعوائے فدک میں سچی تھیں؟ کہا ہاں تو میں نے کہا کہ پھر ابو بکر نے فدک ان کو کیوں نہ دیا۔ وہ مسکرائے اور کہا کہ اگر اس روز فدک صرف ان کے دعویٰ کرنے سے ان کو دے دیتے تو دوسرے روز آتیں اور اپنے شوہر کے لیے خلافت کا دعویٰ کرتیں پھر ابو بکر کے لیے کوئی عذر کرنا اور دفع کرنا ممکن نہ ہوتا۔ جبکہ اس سے پہلے بغیر ثبوت و گواہی ان کے سچا ہونے کو مان چکے ہوتے۔ اس کے بعد ابن ابی الحدید نے کہا ہے کہ اگرچہ یہ کلام شومی اور غرض طبعی کی صورت سے تھا لیکن سچ کہا۔ اس مقام پر گفتگو بہت ہو سکتی ہے لیکن اس رسالہ میں اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں ہے۔ کتاب بشار الاوار میں میں نے نہایت تفصیل سے لکھا ہے۔

دیگر۔ عامر کی تمام کتب کلامی اور احادیث اور ان کی لغت کی کتابوں میں روایت کی ہے کہ عمر نے اپنے ایام خلافت میں منبر پر کہا کانت بیعتنا لہی بکر فلتتوا وقی اللہ المسلمین شرفا من عادا لہی مثلہا فاقتلوا۔ یعنی ابو بکر کی بیعت ناگہانی تھی۔ خدا نے اس کے شر سے مسلمانوں کو بچالیا۔ آئندہ جو شخص اس کے مثل عمو کرے تو اس کو قتل کر دو۔ جو شخص ذرا بھی شعور اور انصاف رکھتا ہوگا وہ جانتا ہے کہ وہ اس سے واضح تر کلام ابو بکر کی مذمت اور ان کی خلافت کے باطل ہونے میں نہیں کہہ سکتے تھے۔ اگر انھوں نے سچ کہا تو ابو بکر خلافت کی اہلیت سے اس قدر دور تھے جو مسلمانوں کے لیے شر کا ایسا سبب تھا جو قتل کا باعث ہے

اور اگر جھوٹ کہا تو وہ خود قابلِ خلافت نہ تھے۔ اگر کہیں کہ خلافت عمر خلافت ابو بکر پر مبنی تھی، کیسے ممکن ہے کہ وہ ان جیلوں اور فریب کے ساتھ جن کے عادی تھے اس میں قدرح کرتے؟ ہم جواب میں کہیں گے کہ جب امر خلافت و سلطنت اُن پر مقرر ہو گیا اور ان کی بیعت و رعب دلوں پر چھا گیا وہ جانتے تھے کہ ایسی باتوں سے اُن کی خلافت کو کچھ ٹھیس نہیں لگ سکتی اور کوئی ان پر اعتراض کی جرأت نہیں رکھتا اور ڈرتے تھے کہ خلافت ان کے بعد امیر المؤمنین کو پہنچ جائے۔ اس لیے ایسی بات کی تاکہ اس (اجماع کے) راستہ ہی کو بند کر دیں اور ان کی شوخی کی تدبیر کامیاب ہو جائے۔ چنانچہ ابن ابی الحدید نے حافظ سے روایت کی ہے کہ جب عمر نے سنا کہ عمار کہتے ہیں کہ اگر عمر جائیں گے تو میں علیؑ کی بیعت کر لوں گا۔ لہذا ایسی بات کی۔ اور بخاری وغیرہ نے روایت کی ہے کہ عمر نے اپنے خطبہ میں کہا کہ میں نے سنا کہ تم میں سے ایک کہنے والے نے کہا ہے کہ اگر امیر المؤمنین یعنی خود (عمر) مر جائیں گے تو میں تلال کی بیعت کر لوں گا لہذا مغرور مت ہو اس پر کہ ابو بکر کی بیعت ناگمانی اور بے خبری میں واقع ہو گئی۔ اور اس کا پورا ہونا ایسا ہی تھا لیکن خدا نے اُس کے شر کو دفع کر دیا۔ لہذا معلوم ہوا کہ امیر المؤمنین علیہ السلام کی عداوت نے ان کو بیتاب کر دیا اور یہ ان کی زبان پر جاری ہو گیا اور ان کا مطلب، ان جناب کے قتل کا تہمتہ تھا جیسا کہ شوخی میں بھی کیا۔

پچھٹی طعن : یہ ہے کہ جب غضب شدہ خلافت ابو بکر پر قرار پائی تو خالد بن ولید کو قبیلہ بنی یربوع کی طرف بھیجا تاکہ ان کے مال کی زکوٰۃ وصول کرے۔ اس سبب سے کہ جناب رسول خداؐ نے مالک بن نویرہ صحابی کو ان سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ جب اُن کو آنحضرتؐ کی وفات کی اطلاع ہوئی تو وہ زکوٰۃ وصول کرنے سے باز رہے اور کہا کہ ابھی تک جاؤ۔ جب تک کہ معلوم نہ ہو کہ امر خلافت کس پر مقرر ہوتا ہے اور شیعوں کی روایت کے مطابق اُس کا سبب یہ تھا کہ مالک نے جناب رسول خداؐ سے دریافت کیا تھا کہ حقیقت ایمان کیا ہے حضرت نے اصولِ دین کے سلسلہ میں بیان فرمایا تھا کہ یہ میرے وصی ہیں اور اشارہ امیر المؤمنین کی جانب کیا تھا۔ جب آنحضرتؐ نے دنیا سے رحلت فرمائی۔ مالک قبیلہ یمیم کے ساتھ مدینہ آئے اور ابو بکر کو رسول خداؐ کے منبر پر دیکھا ان کے پاس آئے اور کہا کہ کس نے تم کو اس منبر پر جگہ دی حالانکہ رسول خداؐ نے اپنا وصی علیؑ کو مقرر فرمایا اور ان کی اطاعت کا حکم دیا۔ ابو بکر نے حکم دیا کہ ان کو مسجد سے باہر نکال دیں۔ قنقذ اور خالد نے ان کو نکال دیا۔ پھر ابو بکر نے خالد کو بھیجا اور اُس سے کہا کہ تم نے سمجھا کہ اس نے کیا کہا۔ میں اس سے مطمئن نہیں ہوں۔ وہ میرے کام میں رخنہ نہ ڈالے جس کی اصلاح نہ کی جاسکے۔ اُس کو قتل کر دے۔ الغرض خالد

نے جا کر مالک کو قتل کر دیا اور اسی رات اُس کی زوجہ سے زنا کی۔ اور عامر کے ارباب میر جیسے ابن اللہ نے کابل میں اور ان کے علاوہ دوسرے مورخین نے روایت کی ہے کہ جب خالد مالک کے قبیلہ میں پہنچے۔ ان لوگوں نے اذان کہی اور نماز پڑھی اور اطاعت و فرمانبرداری کا اظہار کیا جب رات ہوئی۔ خالد سے خداری کے آثار ظاہر ہوئے۔ تو ان لوگوں نے احتیاطاً اپنے ساتھ اسلحے لے لیے۔ خالد کے ہمراہیوں نے کہا ہم مسلمان ہیں اسلحے کیوں تم نے سنبھالے ان لوگوں نے کہا ہم بھی مسلمان ہیں تم نے کیوں اسلحے سنبھالے ہیں۔ انھوں نے کہا تم اسلحے رکھ دو ہم بھی رکھ دیں گے۔ تو جب ان لوگوں نے اسلحے رکھ دیئے۔ خالد کے لشکر والوں نے ان کو گرفتار کر لیا۔ اور ان کے ہاتھ باندھ کر خالد کے پاس لائے۔ ابقتا وہ نے جو اُس لشکر میں تھے خالد سے کہا کہ ان لوگوں نے اظہار اسلام کیا ہے، لیکن تم نے ان کو امان نہیں دی۔ خالد نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ کی اُس عداوت کی وجہ سے جو ایام جاہلیت میں ان لوگوں کی طرف سے اپنے دل میں رکھتا تھا اور ان سب مردوں کے قتل کا حکم دے دیا اور عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا اور لشکر والوں پر تقسیم کر دیا اور مالک کی زوجہ کو اپنے واسطے لے لیا اور اسی رات اُس سے جماع کیا۔ ابقتا وہ نے قسم کھائی کہ جس لشکر میں خالد میر شکر ہوگا وہ اس کے ساتھ ہرگز نہ جائیں گے۔ اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر ابو بکر کے پاس واپس آئے اور تمام حالات بیان کئے۔ عمر نے جب یہ حال سنا تو بہت برہم ہوئے اور خالد پر شدید عرصتہ کا اظہار کیا اور ابو بکر سے کہا کہ خالد سے قصاص لینا واجب ہو گیا۔ جب خالد واپس آیا اور مسجد میں بل عرب کے مانند اپنی پگڑی میں تیر کھونٹے ہوئے داخل ہوا۔ عمر نے تیروں کو اُس کی پگڑی سے بھینچ لیا اور توڑ ڈالا اور کہا اے دشمن خدا تو نے ایک مسلمان کو شہید اور اس کی عورت سے زنا کیا ہے۔ خدا کی قسم تجھ کو سنگسار کروں گا۔ خالد خاموش رہا اور کچھ نہ کہا اور سمجھا کہ ابو بکر بھی اُس کے گناہ کے حکم میں عمر کے ساتھ شریک ہیں۔ جب خالد ابو بکر کے پاس گیا اور بنا معقول عذر پیش کئے اور ابو بکر نے اپنی باطل غرضوں کے سبب سے قبول کیا تو خوش خوش باہر نکلا اور چند کھاتے عمر سے کہے۔ اور چلا گیا اور عامر کے ایک گروہ نے روایت کی ہے کہ خالد کے لشکر والوں نے گوہی دی کہ وہ لوگ (یعنی مالک ابن نویرہ کے ساتھ والے) اذان دیتے تھے اور نماز پڑھتے تھے۔ (یعنی مسلمان تھے) مالک کے بھائی نے عمر کو اپنا ہمنوا اور سفارشی بنایا اور ابو بکر کے پاس گئے اور خالد کی شکایت کی۔ عمر نے کہا کہ اس سے قصاص لینا چاہیے۔ ابو بکر نے کہا میں اپنے مصائب کو ایک اعرابی کے لیے قتل نہیں کروں گا اور دوسری روایت کے مطابق جو صاحب نہایت نے روایت کی ہے۔ ابو بکر نے جواب دیا کہ خالد سیف اللہ (خدا کی تلوار) ہے۔ میں اس تلوار کو نبیام میں

نہیں داخل کروں گا جس کو خدا نے مشرکوں پر پھینچی ہے عمر نے قسم کھائی کہ اگر مجھ کو طاقت حاصل
 ہوئی تو خالد کو مالک کے قصاص میں قتل کروں گا اور اپنا حصہ جو تقسیمت سے الگ کیا گیا تھا
 اس کو صرف نہیں کیا اور محفوظ رکھا یہاں تک کہ خلیفہ ہوا اس وقت اپنا حصہ اور جو کچھ ان
 کی عورتیں، لڑکیاں، لڑکے اور مال لوگوں کے پاس باقی تھے سب سے وصول کر کے ان کے
 مردوں اور مالوں کو دیا اور ان کو رخصت کیا۔ اکثر عورتیں اور لڑکیاں حاملہ تھیں۔ چونکہ خالد ان
 کے مار ڈالنے کی قسم سے ہمیشہ ڈرتا اور ان سے بھاگتا رہتا تھا۔ ایک مرتبہ عمر کے پاس آیا اور
 کہا کہ مالک کے قتل کے بدلے جاتا ہوں اور سعد بن عبادہ کو قتل کرتا ہوں اور گیا اور سعد کو
 قتل کر دیا جیسا کہ بیان ہو چکا تو عمر اس سے راضی ہو گئے۔ اس کو اپنے پاس بلایا اور اس کی
 پیشانی کو بوسہ دیا۔ پھر جب مالک کا بھائی آیا اور عمر سے کہا کہ اپنا وعدہ وفا کرو اور خالد
 کو قتل کرو۔ کہا میں اس کے نفرت جو رسول اللہ کے مصاحب (ابوبکر) نے کیا ہے نہیں کروں گا
 اور شیعوں کی روایت میں وارد ہوا ہے۔ کہ جب اسیروں کو ابوبکر کے پاس لائے۔ محمد بن حنفیہ
 کی ماں گرامی بھی انہی میں تھیں۔ جب قبر مطہر جناب رسول خدا پر ان کی نگاہ پڑی گریہ و زاری
 کے ساتھ فریاد کی اور کہا السلام علیک یا رسول اللہ۔ خدا نے آپ پر اور آپ کے اہمیت
 پر صلوات بھیجی یہ آپ کی امت ہے اور مجھے بویہ اور وطم کے کافروں کے مانند قید کیا ہے
 خدا کی قسم ہمارا اس کے سوا کوئی گناہ نہیں کہ آپ کے اہمیت کی محبت کا بیج اپنے سینوں میں
 بونکھا ہے اور ان کی فضیلت کا اقرار کیا ہے۔ یہ لوگ نیکی کو بدی اور بدی کو نیکی شمار کرتے
 ہیں۔ آپ ہمارا انتقام ان سے لیتے۔ پھر مسلمانوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ ہم کو کیوں قید کیا ہے
 ہم خدا کی وحدانیت اور رسول کی رسالت کا اقرار کرتے ہیں۔ انھوں نے کہا تمھارا گناہ یہ ہے
 کہ تم زکوٰۃ نہیں دیتے ہو۔ فرمایا اگر سچ کہتے ہو تو اس گناہ کے مرتکب ہمارے مرد ہوئے ہمارے
 مردوں نے زکوٰۃ نہیں دی ہے۔ ہم عورتوں اور بچوں کا کیا گناہ ہے۔ یہ سنی کر طلحہ و خالد اٹھے تاکہ
 ان کو اپنے حصہ میں لے لیں۔ ان معظمر نے فرمایا کہ نہیں خدا کی قسم میرا مالک کوئی نہیں ہو سکتا۔
 میرا شوہر وہی ہو گا جو مجھے یہ بتائے کہ میری ولادت کے وقت مجھ پر کیا گزری۔ اس وقت اس نے
 موجود تھے۔ آپ نے فرمایا کہ میں خبر دیتا ہوں۔ جب تمھاری ماں کا وضع حمل قریب ہوا تو کاندھانڈا
 مجھ پر یہ وضع حمل آسان فرما۔ اس کے بعد تو چاہے تو اس کو محفوظ رکھے یا دنیا سے اٹھائے جب
 تم پیدا ہوئیں تو اسی وقت تم نے زبان کھولی اور شہادت، ادا کی اور اپنی ماں سے کہا کہ آپ میرا
 بلاست پر کیوں راضی تھیں۔ انشاء اللہ مجھ سے سید اولاد آدم نکاح کرے گا اور ایک سو وار میرے
 شکم سے پیدا ہو گا جب تمھاری ماں نے یہ باتیں سنیں تو تائبے کے ایک ٹکڑے پر لکھوا کہ اسی زمین

میں دفن کرا دیا۔ جب تم کو گرفتار کیا اُس وقت تمہاری تمام کوششیں یہ تھی کہ تم اُس تانبے کے ٹکڑے کی حفاظت کرو۔ تم نے اُس کو لے کر اپنے بازو پر باندھ لیا۔ پھر عثمان اور دوسرے لوگوں کے اصرار سے وہ لوح اُن کے بازو پر سے کھولی گئی۔ سب نے وہی عبارت دیکھی جو حضرت نے فرمائی تھی حضرت نے ان کو اسماء بنت عمیس کے گھر بھیج دیا۔ جب ان کے بھائی آئے تو انہوں نے ان کو حضرت علیؑ کے ساتھ تڑو تڑج کیا۔ عامہ کی حدیثوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مالک کو خالد کے قتل کرنے کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی تھا کہ خالد مالک کی بیوی پر عاشق ہو گیا تھا۔ چنانچہ روضۃ الاخبار کے مولف نے نقل کیا ہے کہ جب مالک کو قتل کرنے لائے تو ان کی زوجہ عیثم منہال کی بیٹی تھی اور اپنے زمانہ کی حسین ترین عورت تھی اُس نے اپنے کو مالک پر گرا دیا تو مالک نے کہا دور ہو میں نہیں قتل ہوتا ہوں مگر تیرے سبب سے۔ اور زخشری نے اس اہل سنت میں اور ابن اثیر نے نہایتہ میں لغت اقیلہ کے ذیل میں روایت کی ہے۔

جب یہ واقعہ بعض مخالف اور بعض موافق خبروں سے معلوم ہوا تو سمجھو کہ ابوبکر نے اس واقعہ میں چند صورتوں سے خطا کی اور بعض میں عمر بھی ان کے ساتھ شریک ہیں۔ (اول) یہ کہ بے گناہ و خطائے شرعی کا لشکر مسلمانوں کے قبیلہ پر بھیجا اور اُن کثیر مسلمانوں کے قتل و غارت پر رضامندی ظاہر کی اور وہ ضد و حیلہ جو اس فعل بد کے لیے بیان کیا یہ ہے کہ زکوٰۃ نہ دینے سے فتنہ مہم ہو گئے جواب یہ ہے کہ خالد کے تمام لشکر نے یہ گواہی دی کہ انہوں نے شہادت دی، اذان کہی اور نماز پڑھی۔ حالانکہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا ہے کہ جو شخص شہادتین زبان پر جاری کرے اور نماز پڑھے وہ مسلمان ہے۔ انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار نہیں کیا تھا بلکہ یہ کہا تھا کہ ہم ابوبکر کو زکوٰۃ نہ دیں گے۔ وصی پتیر بے کو دیں گے یا خود ہم فقیروں کو دے دیں گے۔ بلکہ طبری نے تاریخ میں روایت کی ہے کہ مالک نے زکوٰۃ نہ دینے پر اپنی قوم کے اتفاق کرنے کو روکا اور ان کو منتشر کر دیا اور ان کو نصیحت کی کہ اسلام کے حاکموں سے نزاع نہ کرنی چاہیے جب وہ لوگ منتشر ہو گئے تو خالد آیا اور ان کو گرفتار کیا اور غداری اور مکر کے ساتھ جو مذکور ہوا قتل کیا۔ باوجود اس کے صاحب منہاج نے خطائی سے نقل کیا ہے کہ زکوٰۃ نہ دینے والے جبکہ اہل دین کے قابل ہوں تو اُن پر ان کی عورتوں اور بچوں پر حکم کفار جاری نہیں ہے نیز شارح و حنیف نے باغیوں کی بحث میں کہا ہے کہ اُن سے جنگ کی ابتداء نہ کرنا چاہیے۔ جب تک وہ خود ابتدا نہ کریں اور چاہیے کہ امام ایک ناصح امین کو بھیجے کہ اُن سے سوال کرے کہ بغاوت کا سبب کیا ہے۔ اگر سبب اُن پر ظلم کا ہونا ہو جو اُن پر واقع ہوا ہے تو اس کا ازالہ کرنا چاہیے۔ اگر کوئی شہدہ واقع ہوا ہو تو اُس کو دفع کریں۔ اگر ان میں سے کوئی سبب نہ ہو تو ان کو وعظ و

نصیحت کریں اگر اس پر نہ مانتیں تو ان کو آگاہ کریں کہ اب ہم تم سے جنگ کریں گے اور کسی ردا میں یہ نہیں ہے کہ خالد نے ان میں سے ایک پر بھی ان کے ساتھ عمل کیا ہو اور ان لوگوں سے اطاعت و فرمانبرداری کے سوا کچھ ظاہر نہ ہوا۔ لہذا ان کے قتل و غارت میں محض عصبیت کا فرما تھی پھر کیوں نہ ابو بکر اور دوسرے جنھوں نے متواتر خبروں کے مطابق عہد خدا کو توڑا اور جناب امیر اور سیدہ زنان عالمین کے حقوق غصب کرنے میں اور اہلیت کی عصمت و طہارت پر خدا و رسول کی گواہیاں رد کرنے میں ظلم و جور کی بنیاد ان پر قائم کی اور عائشہ اور معاویہ اور ان کے مددگاروں نے حضرت امیر المؤمنین کے ساتھ جنگ و جدال کی اور اس قدر اہلیت ظاہر کر دی اور ذریعہ طیبین اور بے شمار مسلمانوں کو شہید کیا، احادیث متواترہ سلک سلمی و عربک عمری اور ایسی دوسری حدیثوں کے باوجود مُرْتَد نہیں ہیں بلکہ خلفائے خدا و رسول اور ائمہ مسلمین ہیں اور ان کی اطاعت فرض اور مخالفت کفر ہے اور مالک بن نویرہ صرف اس لیے کہ اس نے کہا کہ میں ابو بکر کو زکوٰۃ نہ دوں گا، وہ خلیفہ نہیں ہیں یا یہ کہ جب رسول اللہ نے نہیں فرمایا ہے کہ زکوٰۃ ان کو دوں اس لیے نہیں دیتا مُرْتَد و مستحق قتل ہے اور خالد باوجود ان اعمال فحیح کے ایک مرتبہ بھی مذمت اور ملامت کا مستحق نہیں ہوتا بلکہ اس کی مدح کی جاتی ہے اور سیف اللہ کا خطاب عطا ہوتا ہے۔ ان میں سے بعض نے جب دیکھا کہ یہ عذر بالکل مہمل ہے تو دوسرا عذر اس کے لیے پیدا کیا۔ اور کہا کہ اثنائے گفتگو میں خالد نے رسول اللہ کا نام لیا تو مالک نے کہا تمہارے سردار نے ایسا کہا ہے خالد نے کہا حضرت ہمارے سردار ہیں اور تمہارے سردار نہیں ہیں۔ اس سبب سے ان کے ارتداد کا حکم دیا اور اس کو قتل کیا۔ اس وجہ کا باطل ہونا پہلی وجہ سے زیادہ واضح ہے کیونکہ کسی روایت میں یہ مذکور نہیں ہے نیز اگر ایسا واقع ہوا ہوتا تو چاہیے تھا کہ خالد عمر کے مقابلہ میں اس عذر کو پیش کرتا اور ابو بکر بھی جبکہ عمر اس کے قصاص کا اصرار کر رہے تھے چاہیے تھا کہ یہ عذر کرتے۔ باوجودیکہ اس عبارت کے واقع ہونے کی صورت میں بھی اس کا ارتداد صحیح نہیں ہے اور حد و شبہ رفع کرنے کے لیے کافی ہے اور مالک کے مُرْتَد ہونے کی صورت میں بھی اس کے تمام قبیلہ کا کیا گناہ تھا۔ ان کی عورتیں، ان کے لڑکے اور بچے جو ابھی بالغ نہ ہوتے تھے اور ان کے باپ اصل کا فرزند تھے اور ان کی اولاد ان کے حکم میں تھی کیا تصور رکھتے تھے کہ سب کو کافروں کی طرح قید کیا اور لوگوں کی غلامی اور کنیزی میں دیا۔ یہاں تک کہ بغیر نکاح ان کی عورتوں اور لڑکیوں کے ساتھ مباشرت کی اور ان سے اولادیں پیدا ہوئیں۔ واضح ہو کہ یہ حال دو صورتوں سے خالی نہیں یا اس جماعت میں سب حقیقت میں مُرْتَد اور قتل و غارت اور اسیری کے سزاوار نہ تھے تو ابو بکر جنھوں نے اتنی کثیر جماعت مسلمان کو بے گناہ قتل اور اسیر کیا اور

غلامی میں مبتلا کیا اور کثرتِ زنا اور حرمتِ اسلام کی ہتک کے باعث ہوئے اور اتنی کثیر اولاد زنا کا سبب ہوئے ظالم اور فاسق بلکہ کافر ہوئے کہ حکمِ خدا کے خلاف حکم کیا۔ اور اگر یہ جماعت اس قسم کے عذاب اور آخرتوں کی مستحق تھی۔ تو عمر بچھوں نے عورتوں، لڑکیوں، مردوں اور لڑکوں کی تعداد کثیر کو جو مسلمانوں کے غلام ہوئے تھے اور مسلمانوں کی اولادیں جو ان سے پیدا ہوئی تھیں اور ان کے اموال واپس لے کر اسی قبیلہ کو دے دیا تو مسلمانوں پر ظلم کیا اور اپنے امام کی مخالفت کی اور خطائے سے منسوب کی کافر ہوں گے۔ الغرض یہ ظلم و کفر و فسق ان دونوں اماموں میں سے ایک پر لازم آتے ہیں اور جب ایک کی خلافت باطل ہوتی ہے تو باجماع مرکبِ یمینوں کی خلافت باطل ہوتی ہے (دوسری وجہ) یہ کہ ابوبکر نے حدودِ الہی کی چند حدود کو ضائع کیا۔ ایک یہ کہ خالد کو مالک کے قصاص میں قتل نہ کیا۔ دوسرے یہ کہ حدِ زنا اس پر جاری نہ کی جبکہ اس نے زوجہٴ مالک سے زنا کی تھی۔ دوسرے یہ کہ تمام مقتولین کے خون باطل کر دیئے اور قصاص اور ان کی دیت کو معطل کر دیا اور ان تمام کاموں میں عمران کے ساتھ شریک رہے ہیں اور خالد سے قصاص کے ضائع کرنے میں دو صورت سے عمر شریک غالب تھے۔ اول یہ کہ قسم کھائی تھی کہ خالد کو قتل کر دوں گا۔ اور قسم کی مخالفت کی۔ دوسرے یہ کہ سعد بن عبادہ کے بے گناہ قتل پر راضی ہوئے۔ اور ان کا قتل مالک کے قتل کے عوض قبول کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکار جو اس بارے میں عمر نے کیا دینداری کی راہ سے نہ تھا بلکہ صرف اس لیے تھا کہ ایامِ جہالت میں اس کے دوست اور ہم سوگند تھے۔ ورنہ چاہیے تھا کہ یہ دینداری جنابِ فاطمہؑ اور اہلبیتِ رسولیؑ پر مظالم کے بارے میں عمل میں لاتے اور زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ ملا علی قوشچی نے خالد کے زنا کی قبا کو دفع کرنے کے لیے کہا ہے کہ مالک کی بیوی مطلقہ تھی اور اس کا عدہ تمام ہو چکا تھا اور یہ حمل بات اور افترا اس کے سوا کسی نے نہیں کیا۔ اور نہ کسی روایت میں مذکور ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو چاہیے تھا کہ جب عمر اس کو سنگسار کرنے کی دھمکی دے رہے تھے تو خالد ہی عذر کرتا۔ (ساتویں طعن) یہ کہ اخبارِ مشہورہ بلا متواترہ میں جو عامر کے طریقہ سے وارد ہوئے ہیں یہ کہ ابوبکر بار بار خلافت کو چھوڑنے اور اس سے استعفا دینے کو کہتے تھے۔ چنانچہ طبری نے تاریخ میں اور طبری نے انساب میں اور سمعانی نے فضائل میں اور ابو عبیدہ وغیرہ نے روایت کی ہے کہ ابوبکر جبکہ ان سے لوگوں نے بیعت کی تو منبر پر بار بار کہتے تھے اقبلون فليست بخير كدمو علي فيكم يعني ميرى خلافت اور بيعت سے باز آجاؤ۔ میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ حالانکہ علیؑ تم میں موجود ہیں۔ اور حضرت علیؑ نے خطبہٴ شتہٴ شقیہ میں جس کو عامر اور ناصب نے روایت کی ہے، فرمایا کہ کس قدر تعجب ہے ابوبکر پر کہ اپنی حیات میں خلافت چھوڑ دینے کو کہتے تھے اور شیعانی

کا اظہار کرتے تھے اور مرتے وقت خلافت دوسرے کو سپرد کر گئے۔ دوسری روایت میں ہے کہ ابوبکر نے کہا کہ میں تمہارا حاکم ہوا ہوں اور تم سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں سیدھے چلوں تو میری متابعت کرو۔ اگر کجی اختیار کروں تو راہ راست پر لگا دو۔ اس لیے کہ میرے اوپر ایک شیطان مسلط ہوتا ہے۔ جبکہ میں غصہ میں ہوتا ہوں۔ جب وہ مجھے غصہ میں لائے تو مجھ سے پرہیز کرو تا کہ میں تمہارے بالوں کی جڑوں اور تمہاری کھالوں میں اثر انداز نہ ہو سکوں۔ یہ روایتیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ اپنے کو قابلِ امامت نہیں جانتے تھے۔ اور امیر المؤمنین کو اپنے سے فاضل تر سمجھتے تھے۔ اور مفضل کی امامت قبیح ہے۔ نیز اس امر پر اتفاق ہے کہ عقل اور انصاف دونوں امام کے لیے شرط ہیں۔ اگر یہ شیطان جو ان پر عارض ہوتا تھا عقل و تکلیف سے باہر کر دیتا تھا اور وہ عقل سے غالی ہو جاتے تھے تو شرط اول جو عقل ہے ان سے ناکل ہوتی تھی اور بالکل ختم نہیں ہو جاتی تھی اور کچھ عقل کی موجودگی میں وہ اپنے اوپر قابو نہیں رکھ سکتے تھے تو فاسق ہوتے اور دوسری شرط انصاف بھی ختم ہوتی۔ نیز امام کا خلافت سے علیحدہ ہونا یا جائز ہے یا ناجائز ہے۔ اگر ناجائز ہے تو ابوبکر چھوڑ دینے پر کیوں آمادہ ہوئے۔ اور اگر جائز ہے تو عثمان نے اپنی حالتِ اضطراب و اضطراب میں کیوں نہ علیحدگی اختیار کی۔ یہاں تک کہ قتل ہو گئے اور کہا میں اس پیراہن کو نہیں اتاروں گا جس کو خدا نے مجھے پہنایا ہے۔ حالانکہ حالتِ اضطراب میں کلمہ شریک کنا مجروحہ اور شور کا گوشت کھانا بھی جائز ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ عثمان کے لیے یہ سب بدتر تھے۔ لہذا ان دونوں خلفاء میں سے ایک کے لیے مذمت لازم ہوتی ہے اور جو شخص ذرا سا بھی شعور رکھتا ہے۔ ان جیلد ساز و مکار و فریب اور ان کے رفیق کے حالات سے شواہد سے جانتا ہے کہ یہ سب کروجیلہ اور باہمی سازش تھی تاکہ لوگوں کو اس امر باطل پر زیادہ مستحکم کر دیں جیسا اس پر خطیبہ شفق شقیہ کا فقرہ سچا گواہ ہے۔

آنکھوں طعن۔ یہ کہ وہ اکثر احکام دین سے ناواقف تھے اور الفاظ قرآن کی تفسیر جس کو اکثر صحابہ جانتے تھے۔ ابوبکر اس کے بہت سے معانی و تاویل سے نااہل تھے۔ یہ طعن چند طعنوں پر مشتمل ہے۔ ہم اس رسالہ میں چند واقعات کا ذکر کرتے ہیں۔ (اول) کلام کے معنی نہیں جانتے تھے جس سے مراد باپ اور ماں کی اولاد ہیں یعنی اہلبیت کی روایت کے مطابق حقیقی بھائی یا صرف باپ کی طرف سے یا صرف ماں کی طرف سے بھائی ہوتے ہیں جیسا کہ سورۃ نسا کی آیتوں سے بھی معلوم ہوتا ہے اور بعض مفسروں نے کہا ہے کہ باپ اور بیٹے کی تعداد مراد ہے لوگوں نے ان سے پوچھا اور وہ نہیں جانتے تھے اس کے بعد جیسا کہ صاحب کشف نے روایت کی ہے کہ اگر اپنی رائے سے کہتا ہوں اگر صحیح ہے تو خدا کی طرف سے ہے اور اگر غلط

ہے تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہے اور خدا اُس سے بری ہے اور کلاب باپ اور بیٹے کے علاوہ ہے۔ بہت اچھا کیا کہ اپنے کو شیطان کا رفیق کہا اور ممکن ہے شیطان سے مُراد اُن کے بہت نزدیکی اور ان کی خلافت میں بہت ذخیل سماعتی ہوں۔ (دوسری) یہ کہ اپنی جہالت کا اقرار کرنے کے بعد تفسیر قرآن اپنی رائے سے کیا۔ بغوی نے مصابیح میں اور اُن کے علاوہ عامر نے بہت طریقوں سے روایت کی ہے کہ جو شخص قرآن میں اپنی رائے کو دخل دے وہ اپنی جگہ آگ میں بُتیا سمجھے۔ دوسری روایت کے مطابق اگر اُس نے صحیح کتاب بھی خطا کی ہے اور دوسری روایت کے مطابق اگر اُس نے صحیح کتاب بھی خطا کی ہے اور دوسری روایت کے مطابق جناب رسول خدا نے ایک گروہ کو دیکھا کہ جو تفسیر قرآن اپنی رائے سے کرتا تو فرمایا کہ ایک گروہ تم سے پہلے ایسا ہی کرتا تھا تو وہ ہلاک ہوا کیونکہ کتاب خدا میں اُس نے اُلٹ پھیر کیا۔ جب تم اپنی رائے سے تفسیر کرو گے تو کتاب الہی میں اختلاف پیدا ہوگا۔ کیونکہ رائے مختلف ہوتی ہیں اور حکم خدا میں اختلاف نہیں ہوتا بلکہ سب موافق ہیں۔ جو کچھ جانتے ہو کہو اور جو کچھ نہیں جانتے مت کہو۔ بلکہ جو شخص جانتا ہے اُسی پر چھوڑ دو۔ نہ جانتے کا علاج پوچھنا ہے۔ یہ بھی انہیں کی روایتیں ہیں۔ فخر رازی نے کہا ہے کہ عمر کہتے تھے کہ کلاب ولد (لڑکے) کے علاوہ ہے اور روایت کی ہے کہ جب اُن کو خنجر مارا تو کہا کہ میں یہ سمجھتا تھا کہ کلاب وہ ہے جس کے لڑکانہ ہو اور میں اس سے شرم کرتا ہوں کہ ابوبکر کی مخالفت کروں۔

تعبیب ہے اس شخص سے جو رسول خدا سے شرم نہ کرے اور آنحضرت کی بات کو فرمایاں سے نسبت دے وہ ابوبکر سے شرم کرتا ہے اور ان کی رعایت کے لیے اپنی رائے سے بھٹکتا ہے اگر ان کا پہلا قول مستند نہ تھا تو اس پر وائے ہو جو کلام خدا کی غیر مستند (تفسیر) کرتا ہے اور اگر مستند تھا تو اُس پر وائے ہو جو ابوبکر کی رعایت کے لیے مرنے کے وقت اُس سے پھرتا ہے۔ نیز روایت کی ہے کہ وہ اپنے مرنے کے وقت کہتے تھے کہ تین باتیں ہیں جن کو اگر رسول خدا میرے واسطے بیان کئے ہوتے تو میرے نزدیک دنیا اور جو کچھ اُس میں ہے سب سے بہتر تھا۔ کلاب، خلافت، اور ریاست۔ لہذا معلوم ہوا کہ جو کچھ کلاب کے بارے میں کہتے تھے سب اپنی رائے سے اور زیاںکار نفس کی خواہش سے کہتے تھے غیر مستند اور اسی طرح خلافت ابوبکر کے بارے میں مشکوک رہے اور ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے تمام امور کی بنیاد باطل خواہشوں اور دنیاوی مصلحتوں پر نہ رہی ہے کسی دلیل اور حجت سے مستند نہیں رہی ہے اور ابوبکر کی تاواقفیت کی دلیل یہی کافی ہے کہ ان کو باوجودیکہ اسلام میں سب سے سابق ماننے ہیں اور آنحضرت کے حضور اور مصاحب غار ماننے ہیں۔ لیکن انہوں نے آنحضرت کی مدت بعثت میں ایک سو بائیس ۱۳ حدیثوں سے زیادہ روایت نہیں کی۔ باوجودیکہ ان میں سے بہت سی حدیثیں معلوم ہے کہ متنوع

میں جیسے حدیث میراث انبیاء اور انہی کے ایسی اور ابو ہریرہ نے قلیل مدت میں کتنی ہزار حدیثیں روایت کی ہیں۔ (دوسرے) یہ کہ اب معنی گھاس اور حیوانات کی چراگاہ جس کو ہر جاہل جانتا ہے لیکن وہ نہ جانتے تھے جیسا کہ صاحب کشف نے روایت کی ہے کہ لوگوں نے اب کے معنی ان سے پوچھے کہ کون مجھ کو زمین سے اٹھاتا ہے اور کون آسمان کا مجھ پر سایہ کرتا ہے۔ اگر میں مجھے تو کتاب خدا سے جواب دوں۔ (تیسرے) یہ کہ ایک چرواہا اُس کے دارہ سے ہاتھ کے بچاتے آیا ہاتھ قطع کر لیا۔ اور خزر رازی نے کہا کہ پہلی بار بایاں ہاتھ کٹوانا مسلمانوں کے اجماع کے خلاف ہے۔ (چوتھے) یہ کہ ایک عورت نے اپنے پوتے کی میراث طلب کی۔ کہا خدا و رسول کے کلام میں داوی کا کوئی حصہ میں نہیں پاتا۔ اُس وقت مغیرہ اور محمد بن سلمہ نے شہادت دی کہ رسول نے انہی داوی کو چھٹا حصہ دیا۔ تب انھوں نے میراث کا چھٹا حصہ دینے کا حکم دیا۔ (پانچویں) یہ کہ نجاسامی کو جس نے ان کی اطاعت نہیں کی آگ میں جلا دیا۔ باوجود اس کے کہ اُس نے توبہ کر لی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ کلمہ شہادت میں باواز بلند آگ کے درمیان کتا تھا۔ یہاں تک کہ جل گیا۔ توبہ قبول نہ کرنا اور جلانا دینِ خدا میں دونوں بدعت تھی۔ اور صاحب مواقف نے بھی نقل کیا ہے کہ وہ مسلمان تھا۔ اور بعض نے جو یہ عذر کیا ہے کہ وہ زندقہ تھا اور بعض علمائے کما سے کہ زندقہ کی توبہ قبول نہیں یہ عمل بات ہے۔ کیونکہ روایت میں اُس سے اس کے علاوہ اور کچھ نقل نہیں کیا ہے کہ اُس نے مسلمانوں کی ایک جماعت کو کوٹ لیا تھا اور یہ فعل زندقہ ہونے کا باعث نہیں ہوتا اور آگ میں جلانے کی مترادفینہ کی صحیح روایتوں میں ممانعت ہے اور صحیح بخاری میں، ابو ہریرہ اور عباس سے روایت کی ہے۔ ابن ابی الحدید نے بھی روایت کی ہے نویں طعن۔ یہ کہ جب اپنے میں آثار موت مشاہدہ کئے اور جو وہاں اپنی خلافت کے زمانہ میں حاصل کیا تھا اپنے عذاب کے لیے جس کی امید رکھتے تھے کم سمجھا اور چاہا کہ عمر کے اعمال قبیحہ کے وبال کو ساتھ میں ملا لیں۔ نیز چاہا کہ اُس عہد کو پورا کریں جو عمر سے کیا تھا اور یہ خوب جانتے تھے کہ عمر کے سوا کوئی حق امیر المؤمنین واپس ہونے میں مانع نہیں ہو سکتا ارادہ کیا کہ اپنے بعد عمر کو خلافت کے لیے معین کریں۔ ابن ابی الحدید نے روایت کی ہے کہ ابو بکر نے اپنی جاگنی کے وقت عثمان کو طلب کیا اور کہا میری وصیت لکھو۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ وہ عہد ہے جو ابو بکر بن قحاذہ مسلمانوں کی طرف کرتا ہے۔ ابابعد۔ یہ کہا اور بیہوش ہو گئے۔ عثمان نے کہا کہ وہ مشک میں نے ابن خطاب کو تم پر خلیفہ مقرر کیا۔ جب ابو بکر کہہ ہوئی کیا تو کہا پڑھو۔ جب انھوں نے پڑھا تو کہا اللہ اکبر تم ڈرے کہ اگر میں اسی عالمِ عرش میں مرقاؤں تو لوگ خلافت عمر کے بارے میں اختلاف کریں گے۔ عثمان نے کہا ہاں۔ ابو بکر نے کہا خدا تم کو اسلام

اور اہل اسلام کی طرف سے جزائے خیر دے۔ پھر عہد کو ختم کیا اور اس کو حکم دیا کہ لوگوں کو پوٹھ کر سنا دیں۔ پھر عمر سے وصیتیں کیں۔ اتنے میں ظلمہ آگئے اور کہا خدا سے ڈرو اور عمر کو لوگوں پر مسلط مت کرو۔ کہا تم محمد کو خدا سے ڈرانے ہو۔ اگر خدا پوچھے گا تو میں کہہ دوں گا کہ بہترین امت کو ان پر میں نے خلیفہ کیا ہے۔ لیکن خلیفہ کی اس تعیین میں کسی غلطیاں کیوں اول یہ کہ ان کو کیا حق تھا کہ لوگوں کے لیے امام اور خلیفہ مقرر کریں باکہ جناب رسول خدا کی مخالفت کی۔ کیونکہ ان کے اعتقاد میں آنحضرت نے خلیفہ کی تعیین نہیں کی تھی، اور آنحضرت کی پیروی قرآن کے نص سے واجب ہے۔ دوسرے یہ کہ عمر کے لیے کہا کہ وہ بہترین امت ہیں باوجودیکہ حضرت علیؓ امت میں موجود تھے اور احادیث متواترہ کی رو سے وہ حضرت بہترین امت تھے جیسا کہ گذر چکا اور ابو بکر نے خود کہا ہے لست بنجیکم و علیؓ فیکم۔ تیسرے یہ کہ عثمان کو کیا حق تھا کہ خلیفہ ناحق (ابوبکر) کی اجازت کے بغیر ایسے عظیم کیسے ایسے سخت مزاج اور بے علم اور بدایک انسان (عمر) کو خلیفہ مقرر کر دیں اور چاہے تھا کہ ان (عثمان) کو منع کرتے اور ملامت کرتے کہ کیوں ایسا لکھا۔ چہ جائیکہ ان کی تعریف و تحسین کرتے ہیں اور اسلام اور اہل اسلام کی جانب سے ان کو جزائے خیر دیتے ہیں۔ جناب رسول خدا معمولی معمولی باتوں میں وحی کا انتظار کرتے تھے اور اپنی طرف سے معاملہ ختم نہیں کر دیتے تھے کیا یہ نادانق دین اور بیک لوگ آنحضرت سے افضل تھے اور اہل تھے کہ ایسے امر عظیم کی اپنی رائے سے تعیین کرتے تھے اور تعریف و تحسین کے لائق ہوتے تھے۔ اس صورت میں لازم آتا ہے کہ امت پر آنحضرت کی شفقت سے جو رحمتہ للعالمین تھے ان حضرات کی شفقت زیادہ تھی۔ آنحضرت نے خلیفہ مقرر نہیں کیا اور ان لوگوں نے کیا ہر صاحب عقل پر ان متضاد طریقوں سے ظاہر اور واضح ہے کہ تمام حالات میں ان کی غرض اسی معهود صحیفہ کے مطابق جاری کرنے اور اہلبیت رسالت کو خلافت سے محروم کرنے کی تھی اور عامہ و خاصہ کے اقوال و افعال اس حال میں ان سے ظاہر ہوئے ان کی نامناسب راہ عمل اور ان کی خلافت کے باطل ہونے پر دلالت کرتے ہیں بہت زیادہ ہیں۔ اس سالہ میں ان کے ذکر کی گنجائش نہیں ہے۔

دوسرا مطلب :- جناب عمر کی بدعتوں قبیح اعمال و افعال کا مختصر تذکرہ جو حضرات اہلسنت کے دوسرے خلیفہ ہیں۔

جاننا چاہیے کہ ان حضرات کے مطاعن اس قدر زیادہ ہیں جو کتب مبسوطہ میں احصا نہیں کئے جاسکتے تو اس رسالہ میں کیونکہ ان سب کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ وہ ابو بکر کے

تمام مطاعن میں شریک تھے بلکہ ابو بکر کی خلافت انہی کی خلافت کی ایک شاخ تھی۔ ہم ان کے مخصوص مطاعن اس جگہ مختصر طور سے بیان کرتے ہیں۔

پہلی طعن۔ حدیث قرطاس اور ایسے ہی دوسرے امور ہیں۔ یہ طعن چند مطاعن پر مشتمل ہے۔ غزالی اور محمد شہرستانی وغیرہ علمائے عامہ نے تصریح کی ہے کہ یہ پہلا فتنہ اور پہلی مخالفت تھی جو اسلام میں ہوئی جس کا سبب جناب عمر تھے۔

اور شہرستانی نے کتاب ملل و نحل میں کہا ہے کہ پہلی مخالفت جو خدا کے حکم کی عالم میں ہوئی شیطان نے کی اور پہلی مخالفت جو اسلام میں ہوئی حضرت عمر کا کاغذ و قلم پیغمبر کو دینے سے لوٹنا تھا یہ واقعہ متواترات سے ہے۔ جس کی خاصہ و عامہ نے روایت کی ہے اور کسی نے اس سے انکار نہیں کیا ہے۔ اور بخاری نے باوجود انتہائی تعصب کے اپنی صحیح میں سات مقامات پر تھوڑے تھوڑے فرق سے اور مسلم اور تمام محدثین نے بہت سے طریقوں سے روایت کی ہے ان سب کا مشترک مضمون یہ ہے کہ ابن عباس نے کہا کہ روزِ پنجشنبہ انسوس روزِ پنجشنبہ کہہ کے اس قدر روئے کر ان کے آنسوؤں سے زمین تر ہوگئی۔ دوسری روایت کے مطابق آنسوؤں کے قطرے ان کے پیرے پر بوتیوں کی طرح جاری تھے۔ لوگوں نے پوچھا کون سا روزِ پنجشنبہ؟ کہا وہ جس پنجشنبہ کو آنحضرت کا درد اور آزار شدید ہوا۔ تو حضرت نے فرمایا کہ ہڈی لاؤ اور دوسری روایت کے مطابق دوات یا کاغذ دوات لاؤ کہ میں تمہارے واسطے ایک تحریر لکھ دو کر میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ تو عمر نے کہا ان الرجل لیلہجر یعنی یہ مرد فریاد بکتا ہے۔ (معاذ اللہ) اور دوسری روایت کے مطابق کہا کہ رسولِ خداؐ ہڈیاں کہتے ہیں اور دوسری روایت کے مطابق کہا کہ اس شخص کو کیا ہو گیا ہے۔ کیا ہڈیاں بکتا ہے۔ دریافت کرو کیا کتاب ہے۔ دوسری روایت کے مطابق درد و بیماری اس پر غالب ہوگئی ہے اور ہمارے پاس کتابِ خدا ہے وہ ہمارے لیے کافی ہے۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ پھر لوگوں نے اختلاف اور نزاع کی۔ حالانکہ پیغمبر کے سامنے نزاع کرنا مناسب نہ تھا اور آوازیں بلند نہ ہوئیں بعضوں نے کہا کہ ارشادِ رسولؐ، تمہارا ارشاد ہے دوات و قلم حاضر کرو۔ بعضوں نے کہا کہ قولِ محمدؐ درست عمر کا قول ہے۔ قلم دوات لاؤ کی ضرورت نہیں ہے۔ الغرض نزاع شدید ہوئی۔ حضرت نے فرمایا ہمارے پاس سے اٹھ جاؤ اور نکل جاؤ یہاں سے۔ میرے نزدیک نزاع کرنا مناسب نہیں ہے۔ ابن عباس نے کہا کہ مصیبت اور کمال مصیبت اُس وقت ہوئی جبکہ رسولِ خداؐ کو تحریر لکھنے نہ دی جو حضرت اختلاف نہ ہونے کے لیے لکھنا چاہتے تھے۔ لوگوں نے آوازیں بلند کر دیں اور جامع الاصول میں بھی ان حدیثوں کو اسی طرح اور صحیح مسلم اور بخاری سے زیادہ روایت کی ہے اور قاضی عیاض نے جو ان کے

فاضلوں میں سے ہیں کتاب شفا میں اس سے زیادہ تفصیل اور برائی کے ساتھ روایت کی ہے۔
 ناقد بصیر پر پوشیدہ نہیں ہے کہ جو امر اس تنگ و قلیل وقت میں حضرت چاہتے تھے کہ ہڈی
 پر لکھ دیں وہ تمام شراخ دین نہ ہوگا۔ لہذا چاہیے کہ ایک محل امر ہو جو قیامت تک کے لیے تمام
 امت کی مصلحتوں پر مشتمل ہو۔ اور وہ سوائے اس کے کچھ نہیں ہو سکتا کہ ایک عالم، عادل اور
 معصوم خلیفہ و جانشین کی تعیین کر دیں۔ جو امت کے تمام مصالح اور دین کے تمام مسائل سے
 واقف ہو۔ اور خطا اور غلطی اس پر جائز نہ ہو اور ساری امت کو ایک طریقہ پر قائم رکھے اور قرآن
 کو جس طرح نازل ہوا لفظ و معنی کے ساتھ اُن سے بیان کرے تاکہ گمراہی اور جهالت بالکل اُن
 سے دور ہو جائے۔ جیسا کہ حدیث ثقلین میں فرمایا کہ کتاب خدا اور اپنے اہلبیت کو تمہارے
 درمیان چھوڑتا ہوں اور یہ دونوں کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ اور روز غدیر خلیفہ کا
 تعیین فرمایا اور چونکہ آنحضرت جانتے تھے کہ ان تمام باتوں کو باوجود اتمام حجت نہ سنی ہوئی کے
 مثل سمجھیں گے۔ لہذا آپ نے جاہا کہ حجت کی تاکید اس وقت فرمادیں اور صحیحی تحریر بیان کے
 درمیان چھوڑ دیں جس سے انکار نہ کر سکیں۔ عمر اس مطلب کو تاڑ گئے اور یہ تحریر اس تمہید کے خلاف
 تھی جو سازش وہ اس بارے میں اپنے دوسرے رفیقوں سے کر چکے تھے۔ لہذا یہ شبہ ڈال دیا
 کہ آنحضرت پر مرض غالب ہے اور آپ (معاذ اللہ) ہذیان تک رہے ہیں۔ حضرت نے
 دیکھا کہ جب یہ لوگ آنحضرت کی حیات میں آپ کے قول سے انکار کر رہے ہیں اور منافقین
 ان کے ساتھ موافقت کر رہے ہیں۔ سمجھ گئے کہ اگر اس بارے میں اہتمام فرماتے ہیں اور کچھ کہتے
 ہیں تو وہ (عمر) کہیں گے کہ یہ سب ہذیان بکے ہیں۔ اس تحریر کا کوئی اعتبار نہیں اور ساتھ نصیب
 پر جو حجت اُن پر تمام کر چکے تھے۔ اکتفا فرمایا اور اُن کو حجرہ سے باہر کر دیا۔ ایضا جب اُن لوگوں
 کا جھگڑا اپنے سامنے مشاہدہ فرمایا تو حضرت کو خوف ہوا کہ تحریر لکھنے کے بعد شدید نزاع ہوگا
 اور محالہ جنگ و قتال تک پہنچے گا اور منافقوں کو ایک بہانہ مل جائے گا اور اسلام درمیان
 سے بالکل برطرف ہو جائے گا۔ چنانچہ جناب امیر کو اسی سبب سے مددگار نہ ملنے پر حجازی
 قتال سے منع فرمایا نیز ظاہر ہے کہ وصیت اور عہد و پیمان جو اس وقت اور اس حال کے مناسب
 ہے وصیت کرنا اور وصی مقرر کرنا باقی رہنے والوں کے حال سے متعلق ہے اور تمام امت
 آنحضرت کی باقی رہنے والی تھی۔ لہذا کہنے ہو سکتا تھا کہ ان کے حالات کو حضرت محل چھوڑ
 جائیں اور اُن کے لیے وصی نہ مقرر کریں۔ حالانکہ تمام امت کو وصیت کا حکم فرمایا ہے جیسا
 کہ صحیح ترمذی اور ابو داؤد میں رسول خدا سے روایت کی ہے کہ کوئی مرد یا عورت ساتھ برس
 خدا کی اطاعت کرتا ہے اور مرنے کے وقت وصیت نہیں کرتا تو آتش جہنم اس پر واجب ہو جاتی

ہے اور تمام صحاح میں خود روایت کی ہے کہ آدمی کو چاہیے کہ کوئی رات اُس پر نہ گزیرے مگر یہ کہ وصیت کر کے اپنے سر کے نیچے رکھ دے اور جو مذکور ہوا اس کی مؤید وہ ہے جو ابن ابی الحدید نے ابن عباس سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں راہ شام میں عمر کے ہمراہ تھا۔ ایک روز میں نے دیکھا کہ وہ اونٹ پر سوار تھا کہیں جا رہے ہیں میں اُن کے پیچھے گیا۔ تو کہا اے ابن عباس میں تم سے تمہارے پسرعلم یعنی علیؑ کی شکایت کرتا ہوں۔ میں نے اُن سے کہا کہ میرے ساتھ آؤ۔ انھوں نے قبول نہ کیا۔ میں اُن کو ہمیشہ اپنے اوپر غضبناک پاتا ہوں تم کیا سمجھتے ہو کہ اُن کا غضب و غصہ کس سبب سے ہے؟ میں نے کہا آپ اُس کا سبب خود جانتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ اُن کا غصہ اُن کی خلافت اُن کو نہ ملنے کے سبب سے ہے؟ میں نے کہا یہی سبب ہے وہ ایسا یقین رکھتے ہیں کہ خلافت کو رسول خدا اُن کے لیے چاہتے تھے تو کہا جبکہ خدا نے نہ چاہا کہ خلافت اُن کو ملے تو پیغمبر کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ رسول خدا نے ایک امر چاہا اور خدا نے اُس کے علاوہ ایک امر چاہا۔ شاید پیغمبر جو چاہتے تھے ہو جاتا تھا؛ رسول خدا نے چاہا کہ ان کے چچا ابوطالب مسلمان ہو جائیں اور چونکہ خدا نے نہیں چاہا لہذا وہ مسلمان نہیں ہوئے۔ پھر ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ عمر نے کہا کہ رسول خدا نے چاہا کہ اپنے مرض موت میں خلافت اُن کے (علیؑ کے) لیے تحریر کر دیں تو میں مانع ہوا کیونکہ مجھے خوف ہوا کہ امر اسلام پر آگندہ نہ ہو اور رسول خدا نے جو میرے دل میں تھا سمجھ لیا لیکن کہا نہیں اور خدا نے جو مقدر کیا تھا ہوا۔ نیز ابن عباس سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں عمر کے پاس اُن کی خلافت کے زمانہ میں ایک روز گیا۔ ان کے سامنے ایک صاع خرمایا ایک چادر پر بچھا ہوا تھا وہ کھا رہے تھے۔ مجھ سے بھی کہا میں نے ایک دانہ اٹھالیا۔ باقی وہ سب کھا گئے اور ایک گھڑا پانی اُن کے سامنے رکھ دیا گیا تھا۔ اٹھایا اور پی گئے اور نیکہ پر ٹیک لگائی اور حمد خدا بجالائے۔ پھر مجھ سے پوچھا کہاں سے آتے ہو اے عبداللہ؟ میں نے کہا مسجد سے، پوچھا اپنے پسرعلم کو کس حال میں چھوڑا؟ میں نے سمجھا عبداللہ بن جعفر کو پوچھتے ہیں۔ میں نے کہا نیزہ بازی کی مشق کر رہے تھے۔ عمر نے کہا ان کو نہیں پوچھتا ہوں، بلکہ تم اہل بیت کے بزرگ کو پوچھتا ہوں۔ میں نے کہا غلستان میں اب کشی میں مشغول تھے۔ اور تلاوت قرآن کر رہے تھے۔ عمر نے کہا اے عبداللہ تم کو قسم دیتا ہوں کہ اونٹوں کا قصاص تم پر لازم ہو اگر تم پوشیدہ کرو۔ تاؤ کہ اب بھی ان کے نفس میں خلافت کے دعبے کا کچھ حصہ باقی ہے۔ میں نے کہا ہاں اور اس سے زیادہ کہتا ہوں کہ میں نے اپنے پدر سے پوچھا جس کا وہ (علیؑ) دعوت کرتے ہیں۔ میرے والد نے فرمایا وہ سچ کہتے ہیں۔ عمر نے کہا رسول خدا سے

کبھی ان کے حق میں بات ہوتی تھی تو وہ حضرت کوئی حجت ثابت نہیں کرتے تھے اور کوئی عذر قطع نہیں کرتے تھے یعنی صریح نہ تھی اور کبھی اُس عبت کے سبب سے جو حضرت کو اُن سے تھی حضرت چاہتے تھے کہ حق سے باطل کی جانب اُن کے بارے میں مائل ہوں اور مرض موت میں چاہتے تھے کہ ان کے نام کو واضح کر دیں لیکن میں نے اُمت پر شفقت اور اسلام کی حفاظت کے خیال سے ان کو اس سے روک دیا۔ اور خانہ کعبہ کی قسم کہ قریش اُن پر اتفاق نہ کریں گے۔ اگر وہ خلافت حاصل کر لیں تو قریش اُن کے خلاف اطراف زمین میں شورش و ہنگامہ برپا کر دیں گے۔ لہذا رسول خدا نے جاناکر میں نے یہ طلب سمجھ لیا کہ وہ دل میں کیا رکھتے ہیں اس لیے خاموش ہو گئے اور اُن کے نام کی تصریح نہ کی۔ پھر خدا نے جو مقدر ہو چکا تھا اُسے جاری فرمایا۔ یہاں تک ابن ابی الحدید کی روایت تھی۔

اے طالب حق و یقین اس روایت سے معلوم ہوا کہ اول سے آخر تک رسول خدا چاہتے تھے کہ امیر المومنین کو مقرر کریں اور فرمایا کرتے تھے۔ لیکن یہ کہ حضرت (عمر) مانع اور اس کو باطل کرنے کی کوشش میں لگے رہتے تھے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ خدا و رسول سے امت کی مصلحتوں سے اپنے کو زیادہ جانتے والا سمجھتے تھے۔ اور یہ کہ کما کہ عرب اُن کے خلاف فتنہ برپا کریں گے اُن کے مزید لوگ اس کو ان کی کرامت سمجھتے ہیں اور ان کی بزرگوار قوت تھی کہ جناب رسول خدا کی وفات کے بعد انھوں نے امیر المومنین تک اُن کا حق نہ جانے دیا۔ کہ جناب رسول خدا کے طریقہ کے مطابق امت کی ہدایت کریں۔ اور پچیس سال کی مدت میں لوگوں کی عادت ڈال دی کہ رؤساء اور صاحبان اثر کو خوب خوب مال دیں اور کمزوروں اور غریبوں کو ذلیل و محروم رکھیں اور جس امر میں دنیاوی فائدے سمجھیں عمل میں لائیں اور حکم خدا سے ہاتھ مٹھالیں۔ لہذا جب خلافت امیر المومنین کو واپس ملی تو آپ نے چاہا کہ خدا کے فرمان اور جناب رسول خدا کی سنت کے مطابق عمل میں لائیں اور غنیمت و مال برابر برابر تقسیم فرمائیں اور رئیس اور کمزور اشخاص کے ساتھ ایک طریق (انصاف) کے ساتھ عمل کریں تو لوگ برداشت نہ کر سکے اور طلحہ وزیر مرتد ہو گئے۔ بصرہ کا فتنہ برپا ہوا، اور معاویہ کو شام میں جان بوجھ کر معین کیا تھا۔ اور اُس کو خوب آمادہ کر دیا تھا کہ اگر حق امیر المومنین کی طرف واپس پہنچے تو اُن کی اطاعت نہ کرنا۔ عمر جانتے تھے کہ وہ کافر، منافق اور دشمنِ اہلبیت سے اور فتنہ رصغین و تحاراج اور حضرت علی کی شہادت اس پر مرتب ہوئی۔ خدا و رسول کی تمبر غلط نہیں تھی تمام شہدار کا خون اسی کی گردن پر ہے۔ چونکہ آپ اس قصد پر مطلع ہوئے اور یقین کے درمیان متفق علیہ حدیث نہیں تو اب میں بیان کرتا ہوں کہ اس مقدمہ سے اُن کافر و نفاق اور خطائیں چند صورتوں

سے لازم آتا ہے۔

۱۔ یہ کہ جناب رسول خداؐ کو ہدایاں سے نسبت دی۔ حالانکہ خاصہ و عامہ کا اتفاق ہے کہ آنحضرتؐ موصوم ہیں اس سے کہ ان کے کلام میں کوئی ایک دوسرے سے خلاف و اضطراب ہو اور خلاف واقعہ صادر ہو۔ نہ عمدتہ نہ سہواً نہ صحت میں نہ حالت مرض میں۔ نہ مزاج و خوش طبعی کی صورت سے۔ نہ حالت خوشی میں نہ عالم غضب میں۔ چنانچہ قاضی عیاض نے کتاب شفا میں اور کرمانی نے شرح صحیح بخاری میں اور نووی نے شرح صحیح مسلم میں اس کی تصریح کی ہے اور خدا تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے۔ **وَيَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ** یعنی جناب رسول خداؐ اپنی خواہش نفس سے کلام نہیں کرتے ان کا کلام نہیں ہے۔ مگر وحی جو خدا کی جانب سے ان کو پہنچتی ہے۔

۲۔ یہ کہ اس طرح آنحضرتؐ کی شان میں کلام کرنا نہایت بے ادبی و بیجائی ہے جو دلیل کفر و نفاق ہے کہ یہ مرد ہدیان بکتا ہے یا اس کو چھوڑ دو۔ کیونکہ ہدیان بکتا ہے یا کیا ہوا ہے اس کو کہ ہدیان بکتا ہے۔ جو شخص ذرا بھی حیا اور ادب رکھتا ہوگا۔ ادنیٰ شخص سے بھی اس طرح کلام نہیں کرے گا۔ چہ جائیکہ جناب خاتم الانبیاء کے بارے میں جن کے متعلق خداوند تعالیٰ نے قرآن میں عظیم نہایت بلند القاب سے آنحضرتؐ کا نام مبارک لیا ہے۔ **مَثَلًا يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمِ وَأَبْهَتِ الْكُفْرَ بِاللَّحْمِ وَالشَّوْكَاتِ وَالْحَبَابِ** یعنی آنحضرتؐ کو پکارنا۔ اپنے آپس میں ایک دوسرے کے پکارنے کے مثل مت قرار دو۔ دوسری جگہ فرمایا ہے کہ اپنی آواز رسولؐ کی آواز سے بلند مت کرو۔ **يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَلَا تُخَفِّفْ مِنْهَا شَيْئًا وَلَا تُخَوِّفْ مِنْهَا قَوْمًا لَّا يَخَافُونَ رَبَّهُمْ يَوْمَ يُبْعَثُونَ** اس طرح کلام کرنا نہایت لاپرواہی اور آنحضرتؐ سے مطلق محبت نہ ہونے پر دلالت کرتا ہے کہ ایسی حالت میں اپنی باطل غرضوں کے لیے مخزون و متاثر نہیں ہونا اور ایسی نزاع اور جھگڑا آنحضرتؐ کے خانہ اقدس میں جو ملائکہ مقربین کے نازل ہونے کی جگہ ہے برپا کرتا ہے بلکہ اس کی مسترت و شادمانی اور سرزنش پر دلالت کرتا ہے کہ ایسا موقع اس کے ہاتھ آیا اور جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

۳۔ یہ کہ حکم خدا کو روکیا جو چند مقام پر فرمایا ہے **اطيعوا الله واطيعوا الرسول** یعنی اطاعت کرو خدا کی اور اطاعت کرو رسولؐ کی اور فرمایا ہے **مَا أَسْكَمُ الرَّسُولُ فخذوا ومانهين** کہ عنہ فانتھو یعنی رسولؐ جو کچھ عطا فرمائیں لے لو اور جس سے روک دیں باز آؤ۔ اور فرمایا ہے کہ **وما**

كان لمومن والمومنة اذا قضى الله ورسولهما امر ان يكون لهما الخيرة من امرهما يعني کسی مومن اور مومنہ کو جب خدا اور اس کے رسول کسی کام کا حکم دیں تو اُس کو نہ کرنے کا اختیار نہیں۔ اور کسی جگہ آنحضرت کی صحت اور بیماری میں فرق نہیں کیا ہے یا یہ کہ بیماری میں رسالت سے معزول ہیں اور نہیں فرمایا ہے کہ بیماری میں ان کی اطاعت مت کرنا اور ان کی بات نہ سننا۔ دوسری جگہ فرمایا کہ جو شخص اُس کے مطابق نہ کرے جو خدا نے بھیجا ہے تو ایسے لوگ ناسق، ظالم اور کافر ہیں۔

۴۔ یہ کہ ابن ابی الحدید کی روایت میں گذر چکا ہے کہ عمر نے خود اعتراف کیا ہے کہ رسول خدا نے اُس وقت چاہا کہ اپنے نوشتہ میں علیؑ کے نام کی تصریح کریں میں مانع ہوا اور یہ عین آنحضرت کے ساتھ نزاع اور جھگڑنا ہے۔ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے ومن يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدى الهدى الخ۔ یعنی جو شخص رسول خدا کے ساتھ نزاع و جھگڑا کرے اُس کے بعد جیکہ حق اُس پر ظاہر ہو چکا ہو اور مومنین کی راہ سے جو اطاعت رسول ہے منحرف ہو جائے تو ہم اُس کو چھوڑ دیتے ہیں اور بالآخر جہنم میں بھیج دیں گے اور جہنم ایسے لوگوں کے واسطے کتنی بُری جگہ ہے۔

۵۔ یہ کہ آنحضرت کو اذیت دی اور غضبناک کیا اس حد تک کہ باوجود اُس وسیع منق کے جس کی خدا نے خلق عظیم سے تعریف کی اور آنحضرت کو رحمة اللعالمین فرمایا آپ نے اُن کی طرف سے منہ پھیر لیا اور اعراض فرمایا اور اپنے پاس سے دُور کر دیا اور بہت سی آیتوں اور حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ آنحضرت کو آزار پہنچانا اور غضبناک کرنا خدا کو آزار پہنچانا ہے اور خدا نے فرمایا ہے والذین يوذون رسول الله عذاب اليم یعنی جو لوگ کہ رسول خدا کو آزار پہنچاتے ہیں اُن کے لیے دردناک عذاب ہے۔ پھر فرمایا ہے والذین يوذون الله ورسولهم لعنهم الله في الدنيا والاخرة واعد لهم عذابا مهلبا یعنی بیشک جو لوگ خدا و رسول کو ایذا دیتے ہیں خدا نے اُن پر دنیا و آخرت میں لعنت کی ہے ان کے لیے خواہ ذلیل کرنے والا عذاب مہیا کر رکھا ہے۔

۶۔ یہ کہ قول حسبنا کتاب الله میں چند خطائیں کی ہیں۔ (اول یہ کہ جناب رسول خدا کے جہل یا خطا کا اظہار کیا ہے۔ کیونکہ اگر جناب رسول خدا نہیں جانتے تھے کہ کتاب خدا کافی ہے۔ اس صورت میں آنحضرت کے جہل کا اظہار کیا اور اگر جانتے تھے پھر بھی چاہا کہ وصیت کریں تو خطا اور ایک لغو کام کیا۔ (دوسرے) یہ کہ وہ آیتیں جن سے احکام حاصل کئے گئے ہیں تقریباً پانچ سو آیتیں ہیں اور معلوم ہے کہ خلاق عالم کے اکثر احکام قرآن مجید سے مستنبط نہیں

ہوتے ہیں اور جس قدر ہوتے ہیں نہایت اجمال و اشکال اور مشابہت میں ہیں اور آیات و اخبار و احکام اُن سے سمجھنے میں اختلافِ عظیم ظاہر ہوئے اور بعضوں نے کہا ہے کہ حکم ترین آیات آیتِ یکدم و ضوابط اور اس میں قریب قریب ستواتشابه ہے اور قرآن مجید میں ناسخ و منسوخ محکم و متشابه، ظاہر و مآول (تاویل کی ہوئی) عام و خاص، مطلق و مفید وغیرہ ہیں لہذا کس طرح رفع اختلاف میں کتابِ خدا کافی ہوگی؟ ایضا اگر کافی تھی تو کیوں مسائل میں خود سرگشتہ و حیران ہوتے تھے۔ اور دوسروں کی طرف رجوع ہوتے تھے اور کہتے تھے لولا علی اللہاک عمر اور بار بار اپنے جہل کا اقرار کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ تمام لوگ عمر سے اعلم ہیں حتیٰ کہ گھروں کے اندر پردہ میں رہنے والی عورتیں بھی۔ (تیسرے) یہ کہ اگر کتابِ خدا کافی ہوتی تو جناب رسولِ خدا ﷺ کے ساتھ اہلبیت کو کیوں شامل کرتے جیسا کہ حدیثِ قطین میں گذر چکا ہے اور نہ فرماتے کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہوں۔ لہذا کتابِ مفسر امام کے ساتھ کافی ہے۔ تنہا کتاب کافی نہیں۔ اسی لیے جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں قرآنِ ناطق ہوں۔ قطبِ حنی الدین شیرازی نے جو شافعیہ کے مشہور عالم اور اہلِ حالِ صوفیہ ہیں اپنے مکاتیب میں لکھا ہے کہ راستہ بغیر رہنما کے نہیں طے ہو سکتا۔ اور لکھا ہے کہ جب کتابِ خدا اور سنتِ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان میں ہے تو مرشد کی کیا ضرورت ہے مثل اس کے ہے کہ مریض کہے کہ جبکہ طب کی کتابیں ہیں جن کو اطباء نے لکھا ہے۔ ہم کو طب کے پاس نہیں جانا چاہیے۔ یہ بات غلط ہے اس لیے کہ نہ ہر شخص میں کتابِ سمجھنے کی اہلیت ہے کہ اُس سے علاج حاصل کر سکے۔ لہذا استنباط کی جانب رجوع کرنا چاہیے۔ ولورودہ الی الرسول والی اولی الامر منہم لعلمہ الذین یتنبطونہ منہم کتابِ حقیقی اہل علم کے سینے میں بل ہوا آیاتِ بینات فی صدور الذین اوتوا العلم وفتروں کی الماریاں نہیں جیسا کہ جناب امیر نے فرمایا انا کلام اللہ الناطق ولہذا کلام اللہ الصامت۔ یہاں تک قطب کا کلام تھا جس کو حق تعالیٰ نے اُن کے قلم پر جاری کیا اور انہوں نے اپنے جاہل اور باطل کی انتہائی غلط روش کو ثابت کیا۔

چوتھے یہ کہ بعد اس قول (حسبنا کتاب اللہ) کی مخالفت چند مواقع پر کی ہے۔ (اول) روزِ سقیفہ جبکہ جناب رسولِ خدا ﷺ کی تمیز و تکفین اور آپ پر نماز سے فارغ ہونے سے پہلے وہ اور اُن کے ساتھی (ابوبکر) اور دوسرے چند ان کے ہمنا سقیفہ کی جانب دوڑ گئے اور خلافتِ منصب کرنے میں مشغول ہوئے۔ اُن کے معتقدین اس موقع پر ان کے لیے جو عذر کرتے ہیں یہ ہے کہ فتنہ برپا ہونے سے خائف ہوئے۔ اگر کتابِ خدا اختلافِ رفع کرنے کے لیے کافی ہوتی تو فتنہ

نہ ہوتا جس وقت کہ جناب رسول خدا چاہتے ہیں کہ خلافت نصب کریں تو آنحضرت کو ہڈیاں سے نسبت دیتے ہیں اور جب خود خلیفہ کا تعین کرتے ہیں تو اُس میں اُمت کی اصلاح ہے اور ضروری ہے۔ ایضا جس وقت کہ ابو بکر نزع کے عالم میں تھے اور عثمان کو طلب کیا کہ عمر کی خلافت پرنص کریں اور قبل اس کے کہ اُن کا نام لیں بیہوش ہو گئے اور عثمان نے اپنی طرف سے عمر کا نام لکھ دیا۔ پھر جب ہوش آیا تو اُن کو دعا دی تو کیوں اُن کو ہڈیاں سے نسبت نہیں دی باوجود اس کے کہ بے شعوری کی وجہ سے ہڈیاں اُن سے زیادہ قریب تھا اور کیوں نہ اُس وقت جسنا کا لقب لیا۔ اور جبکہ شوریٰ مقرر کیا کیوں یہ نہ کہا۔ لہذا صاحب عقل خبر رکھنے والے ان متضاد اقوال و افعال سے بخوبی سمجھتے ہیں کہ اول سے آخر تک اُن کا ایک دوسرے کے خلاف اقوال سے اطمینانِ راستہ کو خلافت سے محروم کرنے کے سوا کوئی غرض نہ تھی اور یہ پہلا شیشہ نہ تھا جو اسلام میں ٹوٹا بلکہ وہ حضرت برابر متحدہ موقعوں پر آنحضرت کے مقابلہ پر آمادہ رہے اور ہمیشہ حضرت کے ارشاد پر راضی نہ ہوئے۔ جیسا کہ بخاری و مسلم اور ابن ابی الحدید اور ان کے تمام مؤرخین و محدثین نے روایت کی ہے کہ جب صلح نامہ حدیبیہ میں لکھا گیا تھا کہ جو شخص مسلمانوں میں سے مشرکوں کی طرف چلا جائے گا اس کو مشرکین واپس نہ دیں گے اور جو مشرکین کی طرف سے مسلمانوں کی جانب آئے گا۔ اُس کو مسلمانوں کو واپس کرنا ہوگا۔ اس پر عمر کو غصہ آیا وہ آنحضرت کے پاس آئے اور کہا آپ خدا کے رسول ہیں۔ فرمایا ہاں۔ پوچھا ہم لوگ مسلمان ہیں اور وہ لوگ کافر ہیں۔ فرمایا ہاں۔ تو کہا پھر ہم کیوں اس وقت کو اپنے واسطے قرار دیں۔ حضرت نے فرمایا جو حکم مجھ کو خدا نے دیا ہے میں اُس پر عمل کرتا ہوں۔ اور خدا مجھ کو ضائع نہ کرے گا۔ اور ہماری مدد کرے گا۔ عمر نے کہا کیا آپ نے نہیں کہا تھا کہ ہم مکہ میں داخل ہوں گے۔ اور خانہ کعبہ کا طواف کریں گے پھر کیوں نہ ایسا ہوا۔ حضرت نے فرمایا یہ نہیں کہا تھا کہ اسی سال ایسا ہوگا۔ اس سال کے بعد ہوگا۔ وہاں سے غضبناک اُٹھے۔ اور کہا اگر میں کچھ مددگار پاتا تو ان کافروں سے جنگ کرتا۔ پھر ابو بکر کے پاس گئے اور آنحضرت کی شکایت اور مذمت کی ابو بکر نے اُن کو منع کیا۔ جب روز فتح مکہ آیا تو آنحضرت نے کعبہ کی گنجی حاصل کی اور عمر کو بلایا اور فرمایا کہ یہ ہے جس کا خدا نے مجھ سے وعدہ کیا تھا میں نے جھوٹ نہیں کہا تھا بعض روایتوں میں ہے کہ عمر نے کہا تھا کہ جس روز سے میں مسلمان ہوا ہوں ان کی پیغمبری میں میں نے شک نہیں کیا، سوائے روز حدیبیہ کے اور یہ خبر صحیح ہے کہ عمر کو آنحضرت کے کہنے پر اطمینان نہیں ہوا اور آنحضرت کے ارشاد سے دل تنگ تھے اور خداوندِ عالم فرماتا ہے۔ فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في انفسهم حرجاً مما قضيت ويسلموا تسليماً پھر نہیں ہتھکڑے خدا کی قسم

یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ یہاں تک کہ اُن معلومات میں جن میں اُن کے درمیان نزاع ہو تم کو نصف قرار دیں پھر تمہارے فیصلہ پر اپنے دلوں میں کوئی شک و شبہ نہ پائیں۔ اور تمہاری اطاعت کریں جیسا کہ اطاعت کرنے کا حق ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ وہ مومن نہ تھے کیونکہ آنحضرت کے قول میں شک کیا اور اعتراض کیا کہ کیوں آپ کا قول پورا نہ ہوا۔ اور ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت اُن سے رنجیدہ ہوئے تھے۔ اور اُن کو شک کرنے والا جانتے تھے اور اس قدر آنحضرت کے قلب مبارک کو رنج پہنچایا تھا کہ حضرت اُن کی باتوں کو دل میں رکھے ہوئے تھے اور اپنے قول کی صداقت کے ثبوت دینے کا انتظار کر رہے تھے۔ آخر روزِ فرج تک ان کو طلب کیا اور فرمایا کہ جو کچھ میں نے کہا تھا یہ تھا۔ تم نے مجھ کو جھوٹ سے نسبت دی۔

منجملہ ان کے ایک یہ ہے جس کی صحیح مسلم میں روایت کی ہے اور ابن ابی الحدید نے بھی منج البلاغہ کی شرح میں لکھا ہے کہ ابوہریرہ کہتے ہیں کہ ایک روز میں آنحضرت کی تلاش میں چلا یہاں تک کہ آپ کو انصار کے ایک باغ میں پایا حضرت نے اپنی نعلین مجھے دی کہ یہ دونوں پاپوش لے جاؤ اور جس کو باغ کے باہر دیکھو اور جو کلام اللہ کی شہادت ہے اور اپنے دل میں اس کا یقین رکھتا ہو اس کو بہشت کی خوشخبری دے دو۔ ابوہریرہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے جس شخص سے ملاقات ہوئی عمر تھے۔ انھوں نے پوچھا نعلین کسی سے میں نے کہا آنحضرت کی ہے مجھ کو اس کے ساتھ بھیجا ہے کہ جس کو دیکھوں۔ اس کو بہشت کی اس طرح خوشخبری دوں۔ یہ سن کر عمر نے میرے سینے پر ایک ہاتھ مارا کہ میں پشت کے بل زمین پر گر پڑا اور کہا اے ابوہریرہ واپس چل۔ لہذا میں واپس آنحضرت کی خدمت بھاگتا اور روتا ہوا پہنچا۔ عمر میرے پیچھے آ رہے تھے۔ آنحضرت نے پوچھا ابوہریرہ تم کو کیا ہوا میں نے روئید اور بیان کی۔ حضرت نے عمر سے پوچھا کیوں ایسا کیا۔ عمر نے کہا میرے باپ ماں آپ پر خدا ہوں کیا آپ نے اپنی نعلین ابوہریرہ کو دی تھی کہ ایسی خوشخبری دے فرمایا ہاں عمر نے کہا یہ کام نہ کیجئے کیونکہ لوگ اس پر بھروسہ کر لیں گے۔ چھوڑ دیجئے کہ لوگ اعمال خیر بجالائیں۔ حضرت نے فرمایا میرے حکم کی مخالفت تم نے مصلحت دین کے لیے کی۔ اچھا چھوڑو کہ لوگ اعمال خیر بجالائیں۔

اگرچہ اس حدیث کا وضعی ہونا اول سے آخر تک ظاہر ہے جیسا کہ کسی مائل پر پوشیدہ نہیں ہے۔ لیکن ان کی صحاح کی حدیث ہے اور عمر کی بے باکی اور بے ادبی پر دلالت کرتی ہے اور انھوں نے پیغمبر کے ارشاد کو رد کر دیا اور یہ عین شرک ہے اور ابوہریرہ بے گاہ کو مارا اور اذیت پہنچائی اور حدیث کا آخری حصہ اگر سچ اور صحیح ہو تو حضرت نے مصلحتاً اس وقت اس

کا اظہار ترک فرمایا اور شاید مصلحت اُن حضرت (عمر) کے مقابلہ اور جہرات کا ترک کرنا ہو نیز بخاری اور مسلم دونوں نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے کہ جب عبد اللہ بن ابی منافق جہنم واصل ہوا تو اُس کا بیٹا رسول خدا کے پاس آیا اور سوال کیا کہ حضرت اپنا پیرا بہن مبارک عطا فرمائیں تاکہ اپنے باپ کے گفن میں رکھے حضرت نے اُن کو عنایت فرمایا۔ پھر اُس نے التجا کی کہ اُس کے پیر کی نماز جنازہ بھی حضرت پڑھیں حضرت اُسٹھے کہ اس پر نماز پڑھیں۔ عمر اُسٹھے اور حضرت کا دامن پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور کہا کہ آپ اُس پر نماز پڑھتے ہیں حالانکہ آپ کے پروردگار نے منع کیا ہے کہ اُس پر نماز پڑھیں۔ تو حضرت نے فرمایا دُور ہو اے عمر۔ لیکن جب عمر نہ مانے تو حضرت نے فرمایا کہ خدا نے مجھے اختیار دیا اور فرمایا ہے کہ استغفرلہم اولاً استغفرلہم ان تغفرلہم سبعین مرۃ فلن یغفر اللہ لہ یعنی اے رسول تم اُن کے لیے مغفرت چاہو یا نہ چاہو۔ اگر تم ستر مرتبہ بھی اُن کی مغفرت کی دعا کرو گے تب بھی خدا ان کو ہرگز نہ بخشے گا۔ حضرت نے فرمایا کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ ستر مرتبہ سے زیادہ اس کے لیے استغفار کروں گا تو خدا اُس کو بخش دے گا تو زیادہ مرتبہ استغفار کروں گا۔ یہ سننے کے بعد بھی عمر نے کہا کہ وہ منافق ہے۔ لیکن حضرت نے اُس پر نماز پڑھی۔ اُس کے بعد منافقین پر نماز پڑھنے کی ممانعت میں آیت نازل ہوئی۔ اس کے بعد عمر نے کہا کہ میں نے اپنی اُس جہرات پر تعجب کیا جو جناب رسول خدا پر کی۔ ابن ابی الحدید کی روایت کے مطابق لوگوں نے عمر کی اس جہرات پر تعجب کیا۔ اور شیعوں کی روایت میں حضرت صادقؑ سے منقول ہے کہ جناب رسول خداؐ پیر عبد اللہ کی تالیف قلب کے لیے اس کے باپ کے جنازہ پر تشریف لے گئے تھے تو عمر نے کہا کہ کیا خدا نے آپ کو منع نہیں کیا ہے اس سے کہ اُس کی قبر پر کھڑے ہوں۔ حضرت نے کوئی جواب نہیں دیا۔ عمر نے یہی بات دوبارہ کہی تو حضرت نے فرمایا افسوس ہے تیرے حال پر تو کیا جانتا ہے کہ میں نے کیا کہا۔ میں نے کہا کہ خداوند اُس کے شکم کو آگ سے بھر دے اس کی قبر کو آگ سے بھر دے اور اس کو جہنم کی آگ میں جلا۔ حضرت صادقؑ نے فرمایا کہ اُس نادان نے آنحضرتؐ کی مصلحت کو ضائع کر دیا اور حضرت کو وہ امر ظاہر کرنا پڑا جو نہیں چاہتے تھے کہ ظاہر کریں اور پیر عبد اللہ کی خاطر شکنی کریں۔ بہر صورت نہایت بے ادبی اور بیباکی اُن سے ظاہر ہوئی۔ اس صورت سے کسی ادنیٰ آدمی کے ساتھ ایسی حرکت جائز نہیں ہے کہ اُس کے کپڑے کو پکڑ کر کھینچے یا پیچھے سے اُس کا گریبان پکڑے اور کھینچے۔ اس میں شک نہیں کہ ایسی حرکت آنحضرتؐ کی ایذا و اہانت اور استخفاف کے ضمن میں ہے، حالانکہ آنحضرتؐ کا احترام تمام خلق پر واجب اور جزو اسلام ہے۔ نیز آنحضرتؐ کے فعل کی تردید کی اور حضرت کو غلطی اور خطا سے نسبت دی ایضاً

صحیح بخاری میں دو مقامات پر نقل کیا ہے کہ جب خطاب بن بلتعتر نے جناب رسول خدا ﷺ کے مکہ تشریف لے جانے کی خبر مشرکین مکہ کو فتنی اور جبریل نے خبر دی کہ اُس نے خط ایک عورت کو دیا ہے اور وہ فلاں باغ میں ہے جناب رسول خدا ﷺ نے جناب امیرؓ اور زبیر اور ابوہریرہؓ کو بھیجا۔ اُن لوگوں نے خط اُس سے لیا اور آنحضرت کی خدمت میں لائے۔ عمر نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اُس نے خدا و رسول ﷺ اور مومنوں کے ساتھ خیانت کی ہے۔ اجازت دیجئے کہ میں اُس کی گردن مار دوں حضرت نے خطاب سے خطاب فرمایا کہ تم نے ایسا کیوں کیا۔ اُس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں نے بے ایمانی کی وجہ سے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ میرے خیال مکہ میں تھے اور وہاں اُن کی حالت کرنے والا کوئی نہیں ہے تو میں نے چاہا کہ اُن (اہل مکہ) پر احسان ثابت کروں تاکہ وہ میرے خیال کی رعایت کریں۔ حضرت نے فرمایا سچ کہتا ہے اُس کے بارے میں نیکی کے سوا کچھ نہ کہو پھر عمر نے کہا مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن مار دوں اس نے خیانت کی ہے پھر عمر نے فرمایا وہ اہل بدر سے ہے ممکن ہے کہ خدا نے اہل بدر سے خطاب کیا ہو کہ جو چاہے کرو میں نے تم پر بہشت واجب کر دیا۔ اگرچہ یہ حدیث شیعوں کی روایات کے خلاف ہے تاہم الزام مخالفوں پر ہو سکتا ہے۔ اُس کے بعد جبکہ آنحضرت نے خطاب کے قول کی تصدیق کر دی اور اُس کے عذر کو قبول کر لیا اور کہا کہ اُس کے بارے میں نیکی کے سوا کچھ نہ کہو تو دوبارہ اُس کو خیانت سے نسبت دینا اور اُس کی گردن مار دینے کا ارادہ کرنا۔ رسول خدا ﷺ کے قول کو رد کرنا اور صریح مخالفت ہے۔ نیز ابن ابی الحدید نے نہج البلاغہ میں اور ابن حجر نے فتح الباری میں مسند بن جنبل سے روایت کی ہے اور اس کی سند کی تصحیح بھی کی ہے۔ ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ ابو بکر آنحضرت کے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہ ﷺ میں فلاں وادی سے آ رہا ہوں وہاں میں نے ایک شخص کو اچھی حالت میں دیکھا جو نہایت مشغوع کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا حضرت نے فرمایا کہ جاؤ اور اس کو قتل کر دو۔ ابو بکر گئے اور وہاں اس کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو نہ چاہا کہ قتل کریں اور واپس آگئے تو حضرت نے عمر کو بھیجا اور فرمایا کہ اس کو قتل کر کے آؤ۔ وہ بھی گئے اور جب اُس کو حالت نماز میں دیکھا تو نہیں قتل کیا اور واپس آگئے۔ آخر حضرت نے امیر المومنین سے فرمایا کہ تم جاؤ اور اُس کو قتل کر دو۔ حضرت علیؓ گئے تو وہاں اس کو نہیں پایا۔ وہ جا چکا تھا۔ تو حضرت رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ یہ مرد اور اس کے ساتھی قرآن پڑھتے ہیں لیکن ان کی گردن کے خنجر سے نہیں اترتا یہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے کمان سے تیر نکلے اور نکل جاتا ہے۔ اُس کے بعد کبھی دین میں واپس نہ آئیں گے۔

ابن حجر نے کہا ہے کہ اس حدیث کی حقیقت کی گواہ حدیث جابر سے ہے اور اس کے رجال (راوی)

سب کے سب نہایت معتبر ہیں، اور ابی الحدید کی روایت میں اس طرح ہے کہ اس کے بعد جناب رسول خدا ص نے فرمایا کہ اگر یہ قتل کر دیا جاتا تو یہ اول فتنہ اور آخر فتنہ تھا یعنی پھر فتنہ و فساد نہ ہوتا۔ پھر فرمایا کہ اس کی نسل سے ایک گروہ پیدا ہوگا۔ جو دین سے باہر نکل جائیں گے۔ جیسے تیرنشاہ سے دُور نکل جاتا ہے۔ اس مضمون کو حافظ ابو نعیم نے حلیہ میں اور مؤصلی نے مسند میں اور ابن عبد البر نے عقدہ میں اور دوسروں نے بہت سی سندوں سے روایت کی ہے اس طرح کہ صحابہ نے ایک شخص کی تعریف کی کہ وہ بہت عبادت گزار ہے۔ یہ سن کر حضرت نے اپنی تلوار ابو بکر کو دی اور اُس کے قتل کرنے کا حکم دیا اسی طریقہ سے روایت کی ہے اور اُس کے آخر میں حضرت نے فرمایا کہ اگر وہ قتل ہو جاتا تو میری اُمت میں ہرگز اختلاف پیدا نہ ہوتا۔ لہذا معلوم ہوا کہ ابو بکر کا اس کو قتل نہ کرنا جناب رسول خدا ص کے حکم کی صریح مخالفت تھی اور اُس کی نماز کا عذر نہ تھا۔ کیونکہ اُس کے بعد جبکہ صحابہ نے اس کی کثرت عبادت کا ذکر کیا تھا تو حسنت نے اُس کے قتل کا حکم دیا تھا۔ اور حدیث سابق میں اُس کے بعد جبکہ ابو بکر نے اُس کی خشوع کے ساتھ اُس کی نماز کی مدح کی تھی حضرت نے اُس کے قتل کا حکم دیا تھا اور عمر کی مخالفت اُس سے زیادہ باعث شرم تھی کیونکہ اس کے بعد جبکہ ابو بکر نے اس کی نماز کا ذکر کیا حضرت نے قبول نہ فرمایا اور پھر اس کے قتل کا حکم دیا اور اس نامناسب عذر کی مخالفت فرمائی لہذا معلوم ہوا کہ اس امر میں ان کی مخالفت قیامت تک فتنوں کے پیدا ہونے کا باعث ہوئی اسی طرح جیسا کہ قلم و دوات دینے سے مانع ہونا قیامت تک اُمت کی مگر اہی کا سبب ہوا۔ اور ان مختلف خبروں اور متحدہ واقعات سے ظاہر ہوا کہ اس طرح کے امور نفاق باطنی کے اعتبار سے بار بار ظاہر ہوئے اور خدا و رسول کی مخالفت کی ان کی عادت تھی اور اس سے زیادہ واضح نفاق کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ لوگوں نے کہا کہ ایک خطا دو خطا تہیں خطا۔ اسے مادرِ خطا اس قدر خطا؟

دوسری طعن۔ یہ کہ اُس امر سے انکار کیا جس کا واقع ہونا کسی عاقل پر پوشیدہ نہیں ہو سکتا جیسا کہ عامر و خاصد نے متواتر طریقوں سے روایت کی ہے کہ جب آنحضرت کی وفات کا سانحہ معلوم ہوا تو ابو بکر موجود نہ تھے۔ عمر نے لوگوں کے درمیان ندا کی کہ خدا کی قسم رسول نہیں مرے ہیں اور واپس آئیں گے۔ اور ان چند اشخاص کے ہاتھ اور پیر کاٹیں گے جنھوں نے ان کو موت سے نسبت دی ہے۔ یہاں تک کہ ابو بکر حاضر ہوئے اور کہا کیا تم نے اس آیت کو نہیں سنا ہے اِنَّكَ مَيِّتٌ وَاَنْتُمْ مَيِّتُونَ۔ اور اس آیت کو وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افان مات او قتل انقلبتم على اعقابكم لعنتم تم بھی مرو گے اور وہ

سب بھی مرے گئے۔ اور محمد نہیں ہیں مگر ایک رسول جس طرح ان سے پہلے بہت سے رسول گذرے ہیں اگر وہ مر جائیں یا قتل ہو جائیں تو کیا تم متردد ہو جاؤ گے اور اپنی بیٹھڑے کے پیچھے پلٹ جاؤ گے عمر نے جب یہ آیتیں سنیں تو کہا کہ گویا میں نے خدا کی کتاب کی ان آیتوں کو کبھی نہیں سنا تھا۔ اس واقعہ کو ابن اثیر نے نہایت میں اور صاحب کامل اور زحمتی نے اساس اللغۃ میں روایت کی ہے اور کسی نے اس واقعہ سے انکار نہیں کیا ہے اور یہ دو صورت سے خالی نہیں ہے یا یہ کہ عمر آیات قرآن اور آثار نبوی سے اس قدر جاہل تھے کہ ایسے امر سے جو ضروریات دین میں سے تھا ناواقف تھے کہ جناب رسول خدا بار بار فرماتے تھے کہ میرے بعد ایسا ہوگا۔ اور فرمایا کہ میرے بعد علی ہر مومن کا مولا ہے اور فرمایا کہ علی میرے بعد ناکشین (اہل جمل) تکین (اہل صفین) اور مارقین (اہل نہروان) سے جنگ کریں گے اور حجۃ الوداع میں بار بار فرماتے تھے کہ دنیا سے میرا جانا نزدیک ہے۔ اور میں تمہارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑتا ہوں الخ۔ اور جس وقت قلم و دوات طلب فرمایا اسی قسم کے اشعار ارشاد فرمائے۔ نیز ان حضرت کو یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ آنحضرت لوگوں کے ہاتھ پیر قطع کریں گے۔ اور اس واقعہ کی بُرائی و زشتی اس سے زیادہ ہے جس قدر بیان کیا جائے یا ان کی غرض مکر و حیلہ تھی کہ ایسا نہ ہو کہ ابو بکر کے آنے تک لوگ حضرت علیؑ کی بیعت کر لیں اور ان کا منصوبہ باطل ہو جائے ایسی بات درمیان میں لائے یہاں تک کہ ابو بکر آ موجود ہوئے۔ جیسا کہ ابن ابی الحدید نے اس کا اشارہ کیا ہے۔ میں نے مخالفین کے اعتراضات کے جوابات تفصیل سے سجا میں لکھے ہیں۔

تیسری طعن۔ یہ کہ حج تمتع اور متعہ النساء کو حرام کیا باوجودیکہ جناب رسول خدا نے ان دونوں کو مقرر فرمایا تھا اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس میں امت کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اصل متعہ جناب رسول خدا کے زمانہ مقرر ہوا اور اختلاف جو اس میں لوگ کرتے ہیں یہ ہے کہ منسوخ ہو گیا یا اُس کا حکم باقی ہے۔ اہل بیعت نے اس پر اجماع کیا ہے کہ اس کا حکم باقی ہے اور منسوخ نہیں ہوا ہے اور متعہ کے حکم میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ فما استمتعتم بها منہن فاتواہن اجورہن فریضدا اکثر اور زیادہ صحیح تفسیروں کی بنا پر اور حضرت الدین رازی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ امت نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ صدر اسلام میں متعہ مباح تھا اور لکھا ہے کہ جناب رسول خدا سے روایت کی ہے کہ جب آنحضرت عمر کے لیے مکہ آئے تو زنان مکہ نے اپنے تئیں آراستہ کیا۔ اُس وقت اصحاب نے آنحضرت سے اپنی بیویوں سے زیادہ دنوں تک علیحدہ رہنے کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا ان عورتوں سے متعہ کرو۔ اور

صحیح بخاری اور جامع الاصول میں قیس و جابر وغیرہم سے بہت سی روایتیں کی ہیں کہ جناب رسول خدا نے متعہ کی اجازت دی اور صحیح مسلم میں قتادہ سے انھوں نے اپنی بصیرت سے روایت کی ہے کہ ابن عباس لوگوں کو متعہ کا حکم دیتے تھے۔ اور عبداللہ ابن زبیر منع کرتے تھے میں نے یہ بات جابر سے بیان کی۔ انھوں نے کہا کہ یہ حدیث مجھ سے جاری ہوئی۔ ہم نے جناب رسول خدا کے زمانہ میں متعہ کیا۔ جب عمر خلیفہ ہوئے تو کہا کہ بیشک خدا اپنے رسول کے لیے جو چاہتا تھا حلال کرتا تھا۔ اور بلاشبہ قرآن اپنے منازل میں نازل ہوا ہے۔ لہذا حج و عمرہ کو تمام کرو جس طرح خدا نے حکم دیا ہے اور عورتوں سے نکاح دائمی کو قرار دو۔ اور اگر مجھے معلوم ہوا کہ کسی شخص نے کسی عورت سے نکاح وقتی (متعہ) کیا ہے تو یقیناً میں اس کو سنگسار کروں گا اور عامہ نے متعدد طریق سے ابن عباس اور جناب امیر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ اگر ایسا نہ ہوتا کہ پیر خطاب نے متعہ سے منع کیا تو زمانہ کرتے مگر بہت کم لوگ اور فخر رازی نے تفسیر میں اس کی روایت کی ہے نیز عمران بن حصین کی تفسیر میں روایت کی ہے کہ آیت متعہ قرآن مجید میں نازل ہوئی اُس کے بعد کوئی آیت اس کو منسوخ کرنے کی نہیں نازل ہوئی اور رسول خدا نے ہم کو اس کا حکم دیا اور ہم نے متعہ کیا اور حضرت نے لوگوں کو اس سے منع نہیں فرمایا۔ اس کے بعد ایک شخص نے اپنی رائے سے جو چاہا کہا اور حج تمتع مسلمانوں کا اجتماعی مسئلہ ہے جو مشروع ہے اور اس کا حکم باقی ہے اور عامہ کے فقیہوں نے جو اس میں اختلاف کیا ہے یہ ہے کہ آیا وہ حج کی بہترین قسم ہے یا نہیں؟ اور آیا یہ ضمن تمتع بالعمرة الی الحج اس کی مشرہیت کی دلیل ہے اور صحیح بخاری، مسلم، ترمذی وغیرہ میں بہت سی حدیثیں جابر انصاری، ابن عباس، حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور دوسرے حضرات سے روایت کی ہے کہ جب جناب رسول خدا حج ذی الحج کے لیے روانہ ہوئے۔ قربانی اپنے ساتھ لے گئے اور ان سب لوگوں میں سوائے رسول خدا اور طلحہ کے کوئی اپنے ساتھ اونٹ نہیں لیا تھا اور جناب امیر چمکہ میں میں تھے اس لیے آنحضرت نے ان کو لکھا کہ اسی طرف سے حج کے لیے آجائیں جب امیر المؤمنین میقات میں پہنچے تو نیت کی کہ میں احرام رسول خدا کے مانند احرام باندھتا ہوں۔ جناب رسول خدا تک اونٹ اپنے ساتھ لائے تھے اور جناب امیر کو اپنی قربانی میں شریک کر لیا اور یہ ان حضرت کے مناقب کی آخری منقبت ہے جس کو حضرت نے متعدد موضوعوں پر بیان کیا ہے۔ جب آنحضرت نے لوگوں کو طواف اور سعی کی تعلیم دی تو لوگ ان کو بجالائے۔ پھر حضرت کو مروہ پر کھڑے ہوئے اور فرمایا میں خوب جانتا تھا کہ خداوند عالم حج تمتع سے عدول فرمائے گا۔ اس لیے ہر اپنے ساتھ نہیں لایا۔ لہذا جو شخص اپنے ساتھ ہر نہ

لایا ہو اس کو چاہیے کہ عمرہ کی نیت کی طرف واپس ہو جائے اور احرام سے نکل جائے۔ سراقہ ابن مالک نے پوچھا کہ یا رسول اللہؐ یہ اسی سال سے مخصوص ہے یا ہمیشہ ایسا ہی ہوگا حضرت نے اپنی ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کر کے فرمایا عمرہ حج میں اس صورت سے داخل ہو گیا اور ہمیشہ اسی طرح ہوگا۔ چونکہ جناب امیرؓ نے اپنے احرام کو آنحضرتؐ کے احرام کے تابع کیا تھا۔ اس لیے فرمایا کہ تم بھی اپنے احرام پر باقی رہو۔ جناب رسول خداؐ نے ترنٹھ اونٹوں کو اپنے دست مبارک سے نھر کیا۔ باقی اونٹوں کو جناب امیرؓ نے نھر کیا اور بخاری و مسلم نے مروان بن الحکم سے روایت کی ہے کہ عثمانؓ میں جناب امیرؓ اور عثمانؓ کے درمیان نزاع ہوئی۔ کیونکہ عثمانؓ حج تمتع سے لوگوں کو منع کرتے تھے۔ جب امیرالمؤمنینؓ نے فرمایا تو تبلیغ کی صدا عمرہ تمتع کے لیے بلند کی اور کہا لپیٹ بعدتہ و حججتہ۔ عثمانؓ نے کہا میں لوگوں کو حج تمتع سے منع کرتا ہوں اور تم میری خلافت کی تصریح کرتے ہو۔ حضرت نے فرمایا میں جناب رسول خداؐ کی سنت سے کسی کے ہتھ سے دست بردار نہیں ہوں گا۔ اور صحیح مسلم میں مطرف سے روایت کی ہے کہ عمران بن حصین نے مجھ سے کہا کہ آج میں تم سے ایک حدیث بیان کرتا ہوں۔ شاید خداوند عالم تم کو اس سے آج کے بعد سے فائدہ پہنچائے۔ واضح ہو کہ جناب رسول خداؐ نے اپنے ایک گروہ کو عمرہ کا دس ذی الحجہ تک حکم دیا اور آیت نازل ہوئی جو اس حکم کو فروغ کرتی ہے اور آنحضرتؐ نے اس سے منع نہیں کیا یہاں تک کہ دنیا سے تشریف لے گئے۔ پھر ایک شخص نے اپنی راتے سے جو کچھ چاہا کہا اور بہت سی روایتوں کے مضامین پر صحیح مسلم سے روایت کی ہے اور جامع الاصول میں سب کو لکھا ہے۔ میں نے بحار الانوار میں ان تمام روایتوں کو ان کے شہوں کے جواب میں ذکر کیا ہے اور عامہ اور خاصہ نے متعدد و متواتر طریقوں سے روایت کی ہے کہ عمر منبر پر آیا و از بلند کہتے تھے متعتان کانتا محللتان علی عہد رسول اللہ وانا احرم لہا و اعاقب علیہما متعتا النساء و متعتا الحج جناب رسول خداؐ کے عہد میں دو متعہ حلال تھے۔ میں ان دونوں کو حرام کرتا ہوں اور ان دونوں میں کسی ایک کے کرنے والے کو سزا دوں گا۔ ایک عورتوں کے ساتھ متعہ اور دوسرا حج تمتع ہے۔ جو شخص ذرا بھی شعور رکھتا ہوگا وہ مان لے گا کہ یہ عبارت خدا و رسولؐ کے ساتھ شقاوت و عداوت کے اظہار میں اور ان کے حکم کو رد کرنے میں صریح ہے۔ لہذا وہ اس آیت میں داخل ہوئے۔ ومن یشاقق الرسول الم جس کا ترجمہ بیان ہو چکا۔ نیز عمرؓ نے اس کے مطابق حکم نہیں کیا جو کچھ خدا نے نازل فرمایا ہے اور خدا نے فرمایا کہ جو شخص خدا کے نازل کردہ حکم کے مطابق حکم نہ کرے تو ایسے لوگ کافر، فاسق اور ظالم ہیں۔ بعض نے عامر میں سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے متعہ کی لوگوں

نے اُس سے پوچھا تم نے کیسے جانا کہ متعہ حلال ہے اور کس سے معلوم کیا۔ اس نے کہا کہ عمر سے لوگوں نے کہا کہ عمر نے تو منع کیا تھا اور متعہ کرنے والے کو سزا دیتے تھے۔ اس نے کہا اس طرح کہ وہ خود منبر پر کھتے تھے کہ رسول خدا کے زمانہ میں دو متعہ حلال تھے اور میں ان دونوں کو حرام کرتا ہوں۔ میں نے ان کی اس روایت کو مان لیا جو کہا کہ آنحضرت کے عہد میں تھا اور ان کی رائے قبول نہیں کی جو اپنی طرف سے کہی۔

پوچھتی طعن۔ یہ کہ مغیرہ بن شعبہ منافقوں کا سرغنہ اور جناب امیر کا دشمن تھا چنانچہ متعدد روایتوں میں وارد ہوا ہے کہ پانچ اشخاص نے باہم اتفاق کر کے ایک عہد نامہ لکھا کہ عہد نامہ پانچ اشخاص متفق رہیں کہ اہلبیت رسالت تک خلافت نہ جانے دیں۔ ان میں سے ایک مغیرہ بن شعبہ تھا جو سالہا سال منبر پر آنحضرت کو گالیاں دیتا رہا۔ چنانچہ ابن ابی الحدید نے کہا کہ سارے بغدادی اصحاب نے کہا ہے کہ جس کا اصل اسلام یہ ہو جو کتابوں میں مذکور ہے جو خودت و اصلت کے طریقہ پر تھا اور اُس کے خاتمہ کا یہ حکم تھا جو اخبار متواترہ میں وارد ہوا ہے کہ ہمیشہ منبروں پر علی پر لعن کرتا تھا یہاں تک کہ جہنم داخل ہوا۔ اور اُس کی زندگی میں زنا اور شراب پینے کا عمل تھا اور وہ عورت اور شکم کی خواہش سے آگے نہیں بڑھتا تھا اور ناسقوں کی مدد کرتا رہا۔ اور ہمیشہ اپنی عمر کو خدا کی اطاعت کے خلاف بسر کرتا رہا۔ ایسے شخص کو ہم کیوں دوست کہیں اور کیوں اُس کے فسق کو لوگوں پر ظاہر نہ کریں۔ اس کے بعد بہت سی روایتیں نقل کی ہیں کہ وہ طعون منبروں پر امیر المؤمنین کو گالیاں دیا کرتا تھا اور لوگوں کو اس کا حکم دیتا تھا۔ اسی طرح ابن ابی الحدید نے اعتراف کیا ہے کہ مغیرہ اسلام اور جاہلیت میں زنا کا مشہور تھا۔ لہذا ایسے شخص کو عمر کا دوست رکھنا واضح ہے کہ کس غرض کے لیے تھا۔ اس قصہ کا مکمل بیان کرنا تو طوالت کا باعث ہے اُس کو مجمل طور سے اس جگہ ذکر کرتا ہوں کہ جب عمر نے اُس کو ان قبائح کے باوجود بصرہ کا حاکم مقرر کیا۔ وہاں ایک عورت بنی بلال سے تھی جس کو ام مجہیل کہتے تھے۔ مغیرہ اُس کے گھر پوشیدہ طور سے آتا جاتا تھا۔ اہل بصرہ جب اُس پر مطلع ہوئے تو اُس کو بہت عظیم شہار کیا۔

اور طبری نے روایت کی ہے کہ خاتہ البکرہ و مغیرہ ایک دوسرے کے نزدیک تھا۔ درمیان میں ایک راستہ کا فاصلہ تھا اور ان کے مکانوں میں ایک دوسرے کے مقابل بالا خانے تھے اور ان میں کھڑکی تھی جو ایک دوسرے کی طرف کھلتی تھی۔ ایک روز البکرہ اپنے بالا خانے پر بیٹھے تھے اور کچھ لوگوں کے ساتھ مشغول گفتگو تھے ناگاہ ایک ہوا آئی اور کھڑکی کا دروازہ کھل گیا البکرہ اُسے کہ روزن کا دروازہ بند کر دیں اُن کی نظر مغیرہ کے کمرے پر پڑی ہوائے اُس کے دروازہ

کو بھی کھول دیا تھا۔ دیکھا کہ مغیرہ ایک عورت کے پیروں کے درمیان بیٹھا ہے۔ ابوبکر نے اپنے اصحاب سے کہا کہ اٹھو اور دیکھو، اُن لوگوں نے دیکھا۔ تو ابوبکر نے کہا گواہ رہنا۔ لوگوں نے پوچھا یہ عورت کون ہے؟ ابوبکر نے کہا ام جمیل دختر اہتم ہے۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم نے عورت کو تو دیکھا مگر اُس کا منہ نہیں دیکھا۔ آخر وہ لوگ ٹھہرے رہے اور اُن کی حرکتوں کا مشاہدہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ فارغ ہوئے۔ جب وہ دونوں اٹھے تو لوگوں نے پہچانا کہ وہ عورت ام جمیل ہے۔ اسی وقت مغیرہ روانہ ہوا کہ اپنے لیے منافقوں کے ساتھ نماز جماعت ادا کرے۔ ابوبکر آئے اور اُس کی نماز میں ممانع ہوئے اور یہ واقعہ عمر کو دکھا۔ مغیرہ نے بھی اس بارے میں چند جھوٹی باتیں عمر کو کھیں۔ جب دونوں خطوط عمر کو ملے تو عمر نے ابوموسیٰ اشعری کو جو امیر المؤمنین کا دشمن تھا بصرہ کا حاکم مقرر کیا اور مغیرہ کو گواہوں کے ساتھ مدینہ طلب کیا۔ ابن ابی الحدید ابو نعیم اصفہانی کی کتاب اغالی سے جو مخالفین کی معتبر ترین کتابوں سے ہے عمر بن شیبہ سے روایت کی ہے کہ عمر بیٹھے اور مغیرہ کو گواہوں کے ساتھ طلب کیا۔ سب سے پہلے ابوبکر کو بلا یا اور پوچھا کہ کیا تم ام جمیل کی راتوں پر مغیرہ کو دیکھا۔ اُس نے کہا واللہ گویا میں دیکھتا ہوں جو ابوبکر کا اثر اُس کی راتوں پر تھا۔ مغیرہ نے کہا کیا تو نے نہایت دقیق نگاہ کی تھی اُس نے کہا میں اُس امر میں تفصیر نہیں کرتا ہوں جس کے سبب سے تجھ کو خدا ذلیل و خوار کرے۔ عمر نے کہا نہیں خدا کی قسم جب تک تو اُس کی شہادت نہ دے گا شرمہ دان میں سلامی کے مانند تو نے دیکھا ہے کہ داخل کرتا اور باہر کی طرف کھینچتا تھا میں قبول نہ کروں گا۔ ابوبکر نے کہا واللہ میں ہی شہاد دیتا ہوں۔ اُس وقت عمر کا رنگ متغیر ہو گیا اور امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا اے مغیرہ تیری پوچھائی عمر گئی۔ بعضوں نے کہا ہے کہ یہی بات عمر نے کسی پھر عمر نے نافع کو طلب کیا اور اُس سے پوچھا۔ اُس نے کہا میں ابوبکر کے مثل گواہی دیتا ہوں۔ عمر نے کہا نہیں خدا کی قسم جب تک یہ گواہی نہ دے گا کہ شرمہ دان میں سلامی کے مانند تو نے دیکھا ہے کچھ فائدہ نہیں نافع نے کہا ایسی ہی گواہی دیتا ہوں کہ میں نے دیکھا یہاں تک کہ سو فار میں بیٹھا۔ یہ سن کر عمر کے چہرہ سے عظیم اثر ظاہر ہوا۔ امیر المؤمنین نے فرمایا کہ مغیرہ کی نصف عمر ختم ہوئی۔ پھر شعیب ابن محمد کو طلب کیا جو تیسرا گواہ تھا۔ اُس نے بھی ایسی ہی گواہی دی تو امیر المؤمنین نے عمر سے فرمایا مغیرہ کی تین پوچھائی عمر گئی۔ اور عمر کا رنگ ایسا متغیر ہوا۔ گویا اُن کے چہرہ پر راکھ ل دی گئی۔ پھر تھا گواہ زیاد تھا جو ابھی مدینہ میں داخل نہیں ہوا تھا۔ مغیرہ روتا تھا اور مباحرن و انصار کے پاس جاتا اور فریاد کرتا تھا کہ وہ اس کی سفارش کریں اور جناب رسول خدا کی ازواج کے پاس جاتا، روتا اور فریاد کرتا۔ عمر نے حکم دیا کہ گواہ اہل مدینہ میں سے کسی سے بات نہ کریں

جب تک زیادہ نہ آجائے۔ جب زیادہ حاضر ہوا تو عمر بیٹھے اور اُن کو طلب کیا۔ رُو سائے مہاجرین
 و انصار بھی آئے۔ جب زیاد آیا تو عمر نے کہا کہ میں ایسے شخص کو دیکھتا ہوں کہ ہرگز خدا اس کی زبان
 سے مہاجرین میں سے ایک شخص کو ذلیل و خوار نہ کرے گا۔ یعنی اس بات سے یہ عرض تھی کہ زیاد
 اپنی شہادت کو ختم نہ کرے۔ جب نزدیک پہنچا لوگوں نے دیکھا ایک مغرور پست جوان ہے ہاتھوں
 کو حرکت دیتا ہوا آ رہا ہے۔ عمر کے دل میں یہ بات آئی کہ اُس کو دھمکی بھی دینی چاہیے عمر کی ہیبت
 باوجود بزدلی کے عرب و عجم میں مشہور و معروف ہے۔ الغرض انھوں نے بلند اور نہایت سخت لہجہ
 میں کہا تیرے پاس کیا شہادت سے اے کلموۃ عقاب۔ گویا اس عبارت میں متح و ذمہ دونوں ہے
 عبدالکریم حدیث کے راوی نے کہا کہ جب ابو عثمان عمر کی روایت نقل کرتا تو چاہتا تھا کہ اپنی آواز عمر
 کی آواز کے مشابہ بنائے۔ چنانچہ اُس نے نعرہ کیا ایسا کہ نزدیک تھا کہ میں عیش ہو جاؤں۔ ان
 خبروں کے مضامین سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر اور مغیرہ خاسق کے درمیان چونکہ بھجنس ہونے کا رابطہ تھا
 اِس لیے وہ نہایت کوشش کرتے تھے کہ اُس پر زنا ثابت نہ ہو۔ اور اُن تینوں بے گناہ گواہوں
 پر حد عیش جاری کریں۔ حالانکہ حدود الہی کو معطل کرنا اور اُس میں کوشش کرنا قطعاً بُرا ہے اور
 اگر اتنے بے گناہوں پر حد جاری کرنا ہو تو اور بھی بُرا ہے اور سابقہ اکثر روایتوں سے ظاہر ہے کہ
 اُن لوگوں نے پہلے اپنی گواہی کو ایک طرح پر لکھ لیا تھا اور یہ اختلاف عمر کے حیلہ اور دھمکی سے
 پیدا ہوا۔ اور ابو الفرج اصفہانی نے کہا ہے کہ بہت سے راویوں نے روایت کی ہے کہ زیاد نے
 کہا میں نے دیکھا کہ مغیرہ ام جمیل کے پیروں کو اٹھائے ہوئے تھا اور اُس کے نسیوں کو دیکھا کہ اُس
 کے راتوں کے درمیان تھے۔ صدائے بلند اور لمبی سانس لیتے ہوئے میں نے سنا۔ ابو الفرج نے کہا
 ہے کہ زیاد کی بات اور اس کی شہادت میں تبدیلی اور مغیرہ پر سے حد کا رفع ہونا عمر کو بہت پسند
 آیا۔ اور کہا ہے کہ اس کے بعد ابوبکرہ پر حد کے کوڑے لگوائے۔ اُس نے پھر کہا کہ میں گواہی دیتا
 ہوں کہ مغیرہ نے زنا کی۔ عمر نے چاہا کہ دوبارہ اُس پر حد جاری کریں تو جناب امیر نے فرمایا اور کہا
 اگر تم اس پر حد جاری کرو گے تو میں مغیرہ کو سنگسار کروں گا۔ اسی جگہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر نے
 کے نزدیک مغیرہ کا زنا کرنا ثابت ہو چکا تھا اور تقیہ کی وجہ سے اُس پر حد زنا جاری نہیں کی تھی
 سنی حضرات نے اِس بات کی دوسری توجیہ کی ہے۔ ابو الفرج نے کہا ہے کہ عمر نے ابوبکرہ سے
 توبہ کرنے کا حکم دیا۔ ابوبکرہ نے کہا مجھ کو توبہ کے لیے کہتے ہو کہ میری گواہی قبول کرو۔ میں عہد کرتا ہوں
 کہ کسی دو شخصوں کے درمیان گواہی نہ دوں گا۔ جب تک تم زندہ ہو یا میں زندہ رہوں اور کہا ہے
 کہ جب گواہوں پر حد جاری کی مغیرہ نے کہا الحمد للہ کہ خدا نے تم کو ذلیل کیا۔ عمر نے کہا خاموش رہ خدا
 تیری جان نکالے۔ دوسری روایت کے مطابق سانس مت لے خدا ذلیل کرے اُس مکان کو جہاں

ان لوگوں نے تجھ کو دیکھا ہے۔ اور ابو الفرج نے کہا ہے کہ عمر اس کے بعد مجمع میں گئے اور ام جہل اور مغیرہ دونوں مجمع میں آئے تھے۔ عمر نے مغیرہ سے کہا تجھ پر وائے ہو یا مجھ سے تجاہل کرتا ہے۔ خدا کی قسم مجھے گمان نہیں کہ ابوبکر نے تجھ پر جھوٹا تہمت لگائی ہوگی۔ میں تجھ کو کسی وقت نہیں دیکھتا۔ مگر یہ کہ ڈرتا ہوں کہ تیرے سبب سے آسمان مجھ پر پتھروں کی بارش کرے گا۔ اور جناب امیر فرماتے تھے کہ اگر مغیرہ پر قابو پاؤں گا تو اس کو سنگسار کروں گا۔ اور جو شخص اس معاملہ میں غور کرے گا۔ اس کو اس میں شک نہ رہے گا۔ کہ مغیرہ کی زنا عمر پر ثابت ہو چکی تھی اور عمر نے دیدہ و دانستہ مغیرہ کی رعایت کے لیے اُس کے حق میں حد الہی معطل کیا اور چند بیگیاہوں پر ظلم و جور کے ساتھ حد جاری کی۔

پانچویں طعن - یہ ہے کہ فخر رازی اور ابن ابی الحدید اور عامر و خاصہ کے تمام محدثین نے روایت کی ہے کہ ایک روز عمر نے اپنے خطیب میں کہا کہ اگر میں سنوں گا کہ کسی عورت نے اپنا ہر پیغمبر کی بیویوں کے ہر سے زیادہ لیا ہے تو اُس سے لے لوں گا۔ دوسری روایت کے مطابق مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کر دوں گا۔ یہ سن کر ایک عورت نے کہا خدا نے تم کو اس کام کے کرنے کی اجازت نہیں دی ہے۔ وہ فرماتا ہے کہ اگر گائے کی کھال بھر کے سونا دیا ہے تو اُس میں سے کچھ واپس نہ لو۔ یہ سن کر عمر نے کہا تمام لوگ عمر سے زیادہ عقلمند اور زیادہ فقیہ ہیں۔ یہاں تک کہ گھروں کے اندر کی پردہ نشین عورتیں بھی اور ابن ابی الحدید کی روایت کے بموجب عمر نے کہا کہ تعجب نہ کرو اُس امام پر جس نے خطا کی اور جس عورت نے حق کو پایا اور تمہارے امام سے مقابلہ کیا اور اُس پر غالب آئی اور فخر رازی کی روایت کے بموجب اُس عورت نے کہا اے پسر خطاب خدائے جو چیز ہم عورتوں کو عطا فرمائی تم ہم سے روکتے ہو۔ یہ سن کر عمر نے اپنی ذات سے خطاب کیا کہ اے عمر تجھ سے تمام لوگ زیادہ عقلمند اور زیادہ فقیہ ہیں اور اپنی بات کو واپس لیا۔ اس روایت سے اُن کی کتاب و سنت سے کمال ناواقفیت ظاہر ہوتی ہے اور ایسا شخص جس کے اپنے اقرار سے زنانہ مخدرہ اس سے زیادہ فقیہ ہوں مسلمانوں کی ریاست عامہ کی قابلیت نہیں رکھتا خصوصاً اُس وقت جبکہ تمام علوم کا جانتے والا اُمت کے درمیان موجود ہو۔ چھٹی طعن - جو خدا و رسول کی دشمنی میں تمام طعنوں سے بہت زیادہ سخت و عظیم ہے۔

اکثر علماء امامیہ نے بھی ان کے تمام مطاعن کو ذکر نہیں کیا ہے اور وہ علم تیمم سے انکار ہے چنانچہ صحیح مسلم بخاری ابی داؤد اور نسائی نے روایت کی ہے اور صاحب جامع الاصول نے بھی روایت کی ہے اور سب نے شفیق سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں عبد اللہ بن مسعود اور ابو ہریرہ اشعری کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ابو موسیٰ نے کہا کہ اگر کوئی شخص جنب ہو اور ایک مہینہ تک پانی نہ پائے

تو تیمم کرے تیمم نہ کرے گا کہ نماز پڑھے تو سورۃ مادہ کی آیت فلم یجدوا ماء فتیموا جیداً طیباً کے بارے میں کیا کرے تو ابن مسعود نے کہا اگر ان کو اجازت دیں جس وقت کہ پانی سرد ہو خاک سے تیمم کریں گے۔ میں نے کہا کہ اسی مطلب کے لیے تیمم سے کراہت رکھتے ہو۔ کہا ہاں۔ ابو موسیٰ نے کہا کیا تم نے نہیں سنا عمار کی بات جو اٹھوں نے عمر سے کہا کہ رسول خدا نے مجھ کو ایک ضرورت سے بھیجا میں اتفاق سے جنب ہو گیا اور پانی مطلق نہیں پایا تو خاک پر لوٹا جیسے کہ چوپایا نوٹتا ہے۔ جب میں نے آنحضرت سے عرض کیا حضرت نے فرمایا کہ تمہارے لیے یہی کافی تھا کہ اس طرح کرتے۔ پھر اپنے ہاتھوں کو زمین پر مارا اور دونوں ہاتھوں کو ملا کر چہرہ پر مسح کیا بعد ازاں نے کہا شاید تم نے نہیں دیکھا کہ عمار کے قول پر عمر نے قناعت نہیں کی۔ بخاری نے دوسری روایت کے مطابق اس مضمون کی روایت کی ہے نیز دوسری سند سے شفیق ابن سلمہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں ابن مسعود اور ابو موسیٰ کے پاس تھا۔ ابو موسیٰ نے کہا کہ اگر کوئی جنب ہو اور پانی نہ پائے تو کیا کرے۔ ابن مسعود نے کہا جب تک پانی نہ ملے نماز نہ پڑھے۔ ابو موسیٰ نے کہا عمار کے قول کو کیا کرو گے۔ ابن مسعود نے کہا کہ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ عمر نے قول عمار پر قناعت نہیں کی۔ ابو موسیٰ نے کہا عمار کو چھوڑو آیت کو کیا کرو گے تو عبد اللہ جواب نہ دے سکے اور وہی سابقہ عذر نامناسب کیا نیز بخاری نے سعد بن عبد الرحمن سے اس نے اپنے پر سے روایت کی ہے کہ ایک شخص عمر کے پاس آیا اور کہتا ہے جنب ہوا اور پانی نہیں پایا تو کیا کرتا۔ عمر نے کہا نماز مت پڑھو۔ عمار بن یاسر نے عمر سے کہا کہ کیا تم کو یاد نہیں کہ میں اور تم ایک سفر میں ساتھ تھے اور ہم دونوں جنب ہوئے۔ تم نے نماز نہیں پڑھی اور میں خاک پر لوٹا اور نماز پڑھی پھر جنب رسول خدا سے اس واقعہ کا ہم نے ذکر کیا حضرت نے فرمایا تم کو کاہن ہے کہ اس طرح کیا کرو اور ہاتھوں کو زمین پر مارا اور خاک کو چھونکا پھر چہرہ اور ہاتھوں کا مسح کیا اور سلمہ کی روایت کے مطابق جب عمار نے یہ بات کہی عمر نے کہا اے عمار خدا سے ڈرو۔ یہ سن کر عمار نے کہا کہ اگر تم چاہتے ہو تو میں اس حدیث کو بیان نہ کروں گا۔ دوسری روایت کے مطابق عمار نے کہا کہ اگر چاہتے ہو تو اس حق کے سبب سے جو پھر پر رکھتے ہوں حدیث کو کسی سے نقل نہ کروں گا اور صاحب جامع الاصول نے بخاری و مسلم کی اس روایت کو لکھنے کے بعد کہا ہے کہ ابو داؤد کی روایت میں اس طرح ہے کہ عبد الرحمن نے کہا کہ میں عمر کے پاس تھا ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ ہم ایک یا دو جینے ایک مقام پر پہنچے ہیں اور وہاں پانی نہیں پاتے عمر نے کہا اگر میں ہوں تو جب تک پانی نہ ملے نماز نہ پڑھوں۔ عمار نے کہا کیا تم کو یاد نہیں کہ میں اور تم دونوں اونٹوں کے درمیان تھے اور جنب ہوئے۔ میں نے خاک پر لوٹ کر نماز پڑھی۔ پھر آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی تو حضرت نے تیمم کا طریقہ

مجھے تعلیم فرمایا۔ یہ سن کر عمر نے کہا اے عمار خدا سے ڈرو، عمار نے کہا اگر تم چاہتے ہو تو خدا کی قسم اس حدیث کا ذکر آئندہ نہ کروں گا۔ عمر نے کہا تم کو تمہارے کہنے سے چھوڑے دیتے ہیں۔

یہ حدیثیں اہل سنت کی صحاح سے نقل کی گئی ہیں اور وہ ان کی صحت سے انکار نہیں کر سکتے لہذا دو صورتوں سے خالی نہیں ہے یا یہ کہ جس وقت عمر نے سائل کو پانی نہ پلانے کی صورت میں نماز ترک کرنے کا حکم دیا اور عمار کے قول پر اعتبار نہیں کیا اور کہا اگر میں ایسے موقع پر ہوں تو نماز نہ پڑھوں جب تک پانی نہ ملے تو وہ جانتے تھے کہ خدا نے پانی نہ ملنے پر تیمم واجب کیا ہے۔

اور آیت تیمم جانتے تھے کہ خداوند عالم نے ان کی تردید کی دو آیتوں میں صراحت فرمائی ہے اور جناب رسول خدا کا تیمم کے بارے میں حکم اور آنحضرت کا اس کی ترکیب بیان کرنا یا دیکھنا یا جاہل تھے۔ اور خدا و رسول کا حکم نہیں جانتے تھے؟ اگر پہلی شق ہو جیسا کہ اکثر حدیث سے ظاہر ہے تو ان کا انکار حکم تیمم کا صریحاً رد کرنا ہوگا۔ اور خدا و رسول پر اس گمان سے کہ یہ حکم فساد و فحشاء کا باعث ہے۔ تو خدا و رسول کی جانب (معاذ اللہ) جہالت اور ان کے حکم کو قیوح سے نسبت دینا ہوگا اور اس سے زیادہ قیوح اور بدتر اور بخوبی ظاہر کفر نہ ہوگا۔ اگرچہ ان کی ذات سے اس پر تعجب نہیں تھا۔ اور ان کا اسی پر دار و مدار تھا جیسا کہ حتی علیٰ حدیث العمل کو اذان سے نکال دیا۔ اور پیغمبر کو دوات و قلم دینے سے مانع ہوتے اور اسی قسم کے تمام امور جو متواتر ہیں جن میں سے بعض کا ذکر ہو چکا اور بعض کا ذکر آئندہ کیا جائے گا۔ اور اگر دوسری شق مانی جائے کہ اس حکم سے ناواقف تھے اور آیت و حدیث سے آگاہ نہ تھے تو یہ ان کی انتہائی جہالت، حماقت اور بے دینی کی دلیل ہوگی کہ بیس سال سے زیادہ مدت تک آنحضرت کی خدمت میں رہے اور ایسے عام مسئلہ سے جو دین کے اعمال کا عظیم مسئلہ نماز ہے اور عوام بھی جس کو جانتے ہیں اور جس کی بہت ضرورت پڑتی ہے وہ نہیں جانتے تو ایسا شخص تمام مسلمانوں کی دین و دنیا کی ریاست عامہ کی صلاحیت کیونکر رکھتا ہے اور سب سے زیادہ تعجب یہ ہے کہ ان کے مرنے کے وقت لوگوں نے ان سے کہا کہ کیوں اپنے بیٹے عبداللہ کو خلیفہ مقرر نہیں کرتے۔ چونکہ وہ جانتے تھے کہ وہ جناب امیر سے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتے اور امامت جلد ان حضرت کو واپس مل جائے گی۔ اس لیے قبول نہ کیا اور جو عذر کیا یہ تھا کہ جو شخص یہ نہ جانتا ہو کہ کس طرح اپنی زوجہ کو طلاق دے وہ امامت کے قابل نہیں ہے۔ لیکن ان کے پیرو ایسے حکم کو جس میں طلاق کے مختلف جہتوں سے فرق ہے ان کی امامت میں مانع نہیں سمجھتے۔ باوجود اس کے کہ ان کے لڑکے نے تشبیہ کے بعد اپنی اصلاح کر لی تھی۔ اور عمر انکار پر مصر رہے۔ اور عمار کے قول کے بعد تمام صحابہ سے رجوع کرنا چاہیے تھا لیکن نہیں کیا۔ اگر اس حکم سے جاہل تھے تو معلوم کرتے یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ

اکثر مسئلہ میں اُن سے متمسک ہوتے ہیں کہ جب کسی نے ان کے خلفاء کے فعل سے انکار نہیں کیا تو چاہیے کہ وہ حق ہو باطل سے۔ کیونکہ ایسے واضح اور کھلے ہوئے مسئلہ کا جو کتابِ خدا اور سنتِ رسولؐ اور تمام اُمت کے اجماع کے خلاف تھا حکم کیا اور یہ بیان نہیں کیا گیا ہے کہ صحابہ میں سے کسی نے سوائے عمار کے اُن کی مخالفت کی ہو، اور وہ بھی اظہارِ حق کے بعد ڈرے اور کہا اگر آپ کہیں تو میں اس حدیث کی کسی سے روایت نہ کروں گا۔ جب کہ ایسے جزئی امور میں جس میں کوئی دینی غرض نہیں ہے۔ اس کے انکار کی قدرت نہ رکھتے ہوں تو امورِ خلافت و سلطنت میں کیونکر انکار کر سکتے تھے۔

ساتویں طعن : یہ کہ بہت سے واقعات میں غلط حکم دیتے تھے اور تمام صحابہ اُن کی تشبیہ کرتے تھے اور ان کو اپنے حکم کو منسوخ کرنا پڑتا تھا۔ جیسا کہ زنِ حاملہ کو سنگسار کرنے کا حکم دیا معاذ نے کہا کہ آپ کو عورت پر حکم کرنے کا اختیار ہے۔ لیکن اُس لڑکے پر جو شکم میں ہے کوئی حکم نہیں ہے۔ یہ سن کر وہ اپنے حکم سے واپس ہوئے۔ اور مناقبِ خوارزمی میں روایت کی ہے کہ عمر کے زمانہ حکومت میں ایک زنِ حاملہ لائی گئی۔ عمر نے اُس سے پوچھا اُس نے زنا کا اقرار کیا عمر نے حکم دیا کہ اُس کو سنگسار کریں۔ عورت کو لے کر چلے تو راستہ میں امیر المؤمنین سے ملاقات ہو گئی۔ حضرت نے اُس سے حال دریافت کیا۔ حضرت آگاہ ہوئے تو اُس کو واپس عمر کے پاس لائے۔ اور فرمایا کہ کیا تم نے حکم دیا ہے کہ اس کو سنگسار کریں کہا ہاں اُس نے میرے سامنے زنا کا اقرار کیا حضرت نے فرمایا کہ تم اس عورت پر اختیار رکھتے ہو۔ لیکن جو اُس کے شکم میں ہے۔ اختیار نہیں رکھتے پھر حضرت نے فرمایا شاید تم نے اس کو دھمکی دی ہوگی۔ اور اقرار کرنے سے پہلے ڈرایا ہوگا کہا ہاں ایسا ہی تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ رسولِ خداؐ نے فرمایا ہے کہ اُس پر حد نہیں جو قید کے جانے کے بعد یا ڈرانے دھمکانے کے بعد جرم کا اقرار کرے۔ یہ سن کر عمر نے حکم دیا، تو اُس عورت کو رہا کر دیا اور کہا کہ عورتیں مثلِ علی پیدا کرنے سے عاجز ہیں اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔

نیز مناقبِ خوارزمی اور مستدرکِ احمد بن حنبل سے روایت کی ہے کہ ایک دیوانی عورت عمر کے پاس لائی گئی کہ زنا کی ہے۔ عمر نے چاہا کہ اُس کو سنگسار کریں۔ جناب امیر نے فرمایا کہ شاید تم نے نہیں سنا کہ رسولِ خداؐ نے فرمایا۔ تین اشخاص سے تکلیف اٹھائی گئی ہے۔ دیوانہ جب تک عاقل نہ ہو اور لڑکے سے جب تک بالغ نہ ہو اور جو شخص سو رہا ہو جب تک بیدار نہ ہو۔ یہ سن کر عمر اُس سے باز آئے۔ اور اس قصہ کو قاضی القضاة اور ابن ابی الحدید نے قبول کیا ہے۔ اور اس بارے میں روایتیں اور حدیثیں بہت ہیں جن کی گنجائش اس رسالہ میں نہیں ہے۔

آٹھویں طعن : وہ بدعتیں ہیں جو دینِ خدا میں عمر نے اپنی رائے سے بغیر کسی سند کے کی ہیں۔

ان میں سے کچھ اس جگہ لکھنے پر ہم اکتفا کرتے ہیں۔

۱۔ نماز تراویح ہے جو ماہ رمضان المبارک کی راتوں میں بہت سی نافذ نمازیں جماعت سے بجالاتے۔ اس کے بدعت ہونے کی دلیل وہ ہے جس کا اعتراض خود کیا ہے چنانچہ صاحب نماز اور ان کے اکثر محدثین نے روایت کی ہے کہ جب عمر مسجد میں شب ماہ رمضان میں آئے دیکھا کہ شیطان کے غوا سے مسجد بھری ہوئی ہے۔ عمر نے یہ حالت دیکھ کر کہا نعمۃ البداعت کیا اچھی بدعت ہے جو ہم نے کی ہے اور صحیح بخاری و صحیح مسلم اور جامع الاصول میں روایت کی ہے کہ ابو مسلم نے عائشہ سے سوال کیا کہ ماہ رمضان میں جناب رسول خدا کی نمازیں کس طرح ہوتی تھیں۔ عائشہ نے کہا کہ ماہ رمضان اور دوسرے ایام میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ پہلے چار رکعت پڑھتے تھے۔ یہ نہ پوچھو کہ چار رکعت کس قدر خوبی سے اور طولانی پڑھتے تھے پھر چار رکعت اسی طرح نہایت بہتر طریقہ سے اور طولانی پڑھتے تھے پھر تین رکعت پڑھتے تھے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ تو پڑھنے سے پہلے آپ سو رہتے ہیں۔ فرمایا اے عائشہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔ دوسری روایت کے مطابق مسلم نے روایت کی ہے کہ عائشہ نے کہا ہے کہ آنحضرت کی نماز ماہ رمضان اور دوسرے دنوں میں تیرہ رکعت ہوتی تھی جس میں صبح کی نافذ بھی شامل ہوتی تھی اور جامع الاصول میں صحیح بخاری و مسلم و ابی داؤد سے روایت کی ہے رسول خدا نے مسجد میں بولے گا ایک حجرہ ماہ رمضان میں بنایا اور تشریف لائے کہ اُس حجرہ میں نماز پڑھیں۔ کچھ لوگ آئے تاکہ آنحضرت کی اقتدا کریں۔ یہ دیکھ کر حضرت واپس اپنے خانہ اقدس چلے گئے پھر دوسری رات کو نہیں آئے۔ ان لوگوں کو گمان ہوا کہ حضرت سو گئے ہیں۔ لہذا بعض لوگوں نے کھکھارنا شروع کیا۔ بعض لوگ حضرت کے دروازہ پر ڈھیلے مارنے لگے، تو حضرت غضبناک باہر آئے اور فرمایا کہ ہمیشہ ان امور میں مبالغہ کرتے ہو۔ یہاں تک کہ میں ڈرتا ہوں کہ تم پر واجب نہ ہو جائیں گے اور تم ان کو پورا نہ کر سکو۔ لوگو! اپنے گھروں میں نمازیں پڑھا کرو بیشک بہترین نماز وہ ہے جو آدمی اپنے گھر میں پڑھتا ہے۔ سوائے نماز واجب کے جس کو جماعت سے پڑھنا بہتر ہے نیز انس سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا ﷺ ماہ رمضان میں نماز پڑھ رہے تھے۔ میں آیا تو حضرت کے پہلو میں نماز کے لیے کھڑا ہو گیا۔ دوسرا شخص بھی آیا یہاں تک کہ ہم ایک عجا ہو گئے جب حضرت کو معلوم ہوا کہ ہم حضرت کے پیچھے اور پہلو میں کھڑے ہیں تو حضرت نے نماز مختصر کی اور خانہ اقدس میں چلے گئے اور وہاں نماز میں مشغول ہوئے۔ اس کے بعد فرمایا کہ جب تم لوگوں نے اقتدار کی میں نے مسجد میں نماز ترک کی۔ اس بارے میں آنحضرت سے صحاح میں بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں اور ان بہت روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب رسول خدا ﷺ نے ماہ رمضان

میں مطلقاً کوئی اضافہ نہیں کیا اور اگر لوگ کرتے تھے تو حضرت راضی نہ ہوئے کہ جماعت واقع ہو۔ لہذا شریعت میں نماز کی مخصوص رکعتوں کا مقرر کرنا بدعت ہے۔ عامہ و خاصہ کے طریقہ سے حدیث متواترہ وارد ہوئی ہے کہ ہر بدعت ضلالت ہے اور ہر ضلالت کی راہ جہنم کی جانب ہے صحیح مسلم میں جابر سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خداؐ اپنے خطیبہ میں فرماتے تھے کہ بہترین کلام کتاب خدا ہے اور بہترین ہدایت، ہدایت محمدؐ ہے۔ اور بدترین امور وہ ہیں جو نئے پیدا ہوں اور ہر بدعت مگر اہی ہے اور بخاری و مسلم نے روایت کی ہے کہ شخص میری سنت یا سنت اللہ کرے وہ مجھ سے نہیں ہے اور فرمایا کہ کیا سبب ہے کہ ایک جماعت اُس کام سے کراہت رکھتی ہے جو میں کرتا ہوں۔ خدا کی قسم میں خدا کو سب سے زیادہ جانتا ہوں اور خدا سے میرا خوف تمام لوگوں سے زیادہ ہے۔ اور جامع الاصول میں صحیح ترمذی اور ابوداؤد سے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ خبردار اُن امور سے پرہیز کرو جو دین میں نئے پیدا ہوتے ہیں کیونکہ ہر نیا امر بدعت ہے اور ہر بدعت مگر اہی ہے اور جو کچھ عامہ کے کچھ لوگوں نے عمر کے فعل کی اصلاح کے لیے کہا ہے کہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں۔ عامہ و خاصہ کی حدیث کے خلاف ہے اور نصوص صریحہ سے واضح ہوتا ہے کہ ہر اُس امر کو جو دین میں پیدا کریں جو شریعت میں خاص طور سے یا عام طور سے وارد نہ ہوا ہو بدعت ہے اور حرام ہے اور ہر وہ فعل جس کو عبادت کے طریقہ سے واضح کریں اور وہ دلیل شرعی عام یا خاص سے ثابت نہ ہوا ہو بدعت اور شرعی ہے خواہ وہ مستقل فعل ہو یا کوئی عبادت ہو جس کی اصل شارع سے ثابت ہو جیسے واجب کو سنت کے قصد سے یا سنت کو واجب کی نیت سے عمل میں لائیں یا عبادت میں کوئی خاص صورت ایجاد کریں جیسے طواف کو جماعت کے ساتھ کریں یا عبادت کے کسی خاص عدد کو کسی مخصوص وقت میں سنت قرار دیں۔ جیسے نماز چاشت (سورج نکلنے کے بعد) جو عمر کی دوسری بدعت ہے، یہ سب حرام ہے۔ اگر کسی بدعت کی اصلاح کریں اور پانچ قسم میں تقسیم کریں جو عمر کی بدعتوں میں داخل ہے حرام ہے۔

۲۔ عسس (پاسبانی) کی بدعت ایجاد کی کہ راتوں کو گشت کریں اور لوگوں کے حالات کا تجسس کریں۔ باوجودیکہ خداوند عالم نے منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے ولا تجسسوا ابن ابی الحدید اور دوسروں نے روایت کی ہے کہ عمر ایک رات عسس کے طور پر گشت کر رہے تھے۔ ایک مکان سے ایک شخص کی آواز سُنی۔ دیوار چھانڈ کر اندر پہنچے۔ ایک شخص کو ایک عورت کے ساتھ دیکھا جو شراب کی بوتل سامنے رکھے ہوئے ہے۔ فرمایا اے دشمن خدا تو گمان کرتا ہے کہ خدا تیرے گناہ کو پوشیدہ کر دے گا، سالانہ تو اُس کی نافرمانی میں مشغول ہے، اُس شخص نے کہا جلدی

مت کرو۔ اگر میں نے ایک گناہ کیا تو تم نے تین گناہ کئے ہیں۔ خدا فرماتا ہے کہ لوگوں کے عیوب کی تلاش مت کرو۔ تم نے کیا۔ اُس نے فرمایا ہے وَاَتُوا بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ اَبْوَابِهَا۔ یعنی گھروں میں اُن کے دروازوں سے آؤ۔ اور تم دیوار پھانڈ کر آئے۔ اور فرمایا ہے وَاِذَا دَخَلْتُمْ بِلُجُجِهَا فَسَلِّمُوا۔ یعنی جب کسی کے گھر میں جاؤ تو سلام کرو۔ اور تم نے سلام نہیں کیا۔ عمر نے کہا اگر میں تجھ کو مُصَافِحَاتِ کر دوں تو امرِ نہیہ کو اختیار کرے گا۔ اُس نے کہا واللہ پھر ایسا کام نہ کروں گا۔ عمر نے کہا جا میں نے تجھ کو مُصَافِحَاتِ کیا۔

۳۔ یہ کہ بغیر رجوع کے پیارے طلاق کو ایک طلاق حساب کرتے تھے۔ جناب رسول خدا کے زمانہ میں اور ابوبکر اپنے تین سال کی خلافت میں تین طلاق شمار کرتے تھے۔ جیسا کہ صاحب جامع الاصول نے صحیح ابن داؤد اور نسائی سے ابن عباس سے چند طریقہ سے روایت کی ہے۔ اور عذر جو بیان کیا ہے یہ ہے کہ لوگ طلاق پر جہرات نہ کریں۔ اگر یہ جہرات تین طلاق کے جاری ہونے کا سبب ہوتی تھی۔ تو چاہیے کہ خلاص کا علم تمام چیزوں کو گھیرے ہوئے ہے حکم کرتا۔ رسول خدا تمام امور میں وحی الہی کے منتظر ہوتے تھے اور اپنی عقلِ کامل سے حکم نہیں کرتے تھے۔ عمر کو کیا نسبت ہے کہ احکام الہی کو اپنی عقل ناقص سے تغیر دے۔

۴۔ یہ ہے کہ ائمہ اہل بیت سے معتبر طریق سے منقول ہے کہ مقام ابراہیم حضرت ابراہیم کے زمانہ میں اور آپ کے بعد دیوارِ خانہ کعبہ سے متصل تھا۔ یہاں تک کہ کفارِ قریش نے ایامِ جاہلیت میں اُس جگہ سے اُس مقام پر جہاں اب سے رکھ دیا۔ جب آنحضرت نے مکہ فتح کیا۔ مقام کو اسی مقام پر پہنچا دیا۔ جہاں حضرت ابراہیم کے زمانہ میں تھا اور برابر اسی مقام پر تھا یہاں تک کہ عمر نے خلافتِ غضب کی۔ کعبہ میں گئے اور پوچھا کہ کون ہے جو جانتا ہے کہ مقام ابراہیم ایامِ جاہلیت میں کس مقام پر تھا ایک مناقب نے کہا میں نے اُس کا اندازہ ایک تسمہ سے کیا ہے اور مجھے یاد ہے عمر نے اُس تسمہ کو طلب کیا اور اُس سے جاہلیت کی جگہ کو معلوم کیا اور مقام کو اٹھایا اور اسی جگہ رکھا جہاں جاہلیت میں تھا اور اب تک اسی جگہ ہے اور حضرت صاحب الامر اُس کو مقامِ اول پر رکھیں گے۔ یہ قصہ مشہور اور متواتر قصوں میں سے ہے۔ اب مقام کی اس جگہ کو جہاں حضرت ابراہیم کے زمانہ میں تھا بہت گہرا کر دیا ہے اور اُس کو مقامِ جبل کہتے ہیں اور صاحبِ کشف نے بھی تحویلِ مقام کی طرف اشارہ کیا ہے اور کہا ہے کہ عمر نے مطلب بن ابی وراعہ سے پوچھا کہ تم مہانتے ہو کہ جاہلیت میں مقام کی جگہ کہاں تھی۔ کہا ہاں اور اُس نے جگہ کی نشاندہی کی۔

اور ابن ابی الحدید نے کہا ہے کہ مورخوں نے کہا ہے کہ عمر سب سے پہلے شخص تھے جنہوں

نے اقرار کیا کہ ماہِ رمضان کی نفل نمازیں جماعت سے پڑھیں اور شہروں میں لکھ کر بھیجا کہ ایسا کریں اور دو اشرف ثقفی کے گھر کو جلا یا جو بیٹنہ چیتا تھا اور وہ سب سے پہلے شخص تھے کہ رات کو گھومنے کا طریقہ اختیار و ایجاد کیا اور سب سے پہلے شخص تھے کہ لوگوں کی تادیب کے لیے نازیبا مقرر کیا۔ کہتے ہیں کہ حضرت عمر کے نازیبانے کی ہدیت حجاج کی تلوار سے زیادہ تھی۔ اور سب سے پہلے شخص تھے کہ اپنے عمال پر جبر مانا کیا اور ان کے تمام مال میں سے نصف لے لیا اور وہی ہیں کہ مسجدِ رسولؐ کو لکھو کر زیادہ کیا۔ اور جس قدر اُس میں زیادہ کیا جناب عباسؓ کا مکان تھا اور عمر نے مقام کو اُس جگہ رکھا جہاں اب ہے پہلے خانہ کعبہ سے متصل تھا اور آنحضرتؐ کی عداوت اس سے واضح تر اور بہت صریح اور نہیں ہو سکتی کہ آنحضرتؐ کی سنت کو دیدہ و دانستہ بظاہر کیا اور جاہلیت کی بدعت اور کفر کو زندہ کیا۔

۵۔ یہ کہ چونکہ آنحضرتؐ اور جناب امیرؓ سے سنا تھا کہ ہمارے دوست اور انصارِ عجم سے ہوں گے اس لیے اہل عجم سے عداوت کرتے تھے اور مسلمانوں کے احکام ان پر جاری نہیں کرتے تھے اور مقرر کیا تھا کہ قریش عرب و عجم سے بیٹھی لیں اور عرب عجم سے بیٹھی لیں۔ قریش اپنی بیٹی تمام عرب کو نہ دیں اور عرب اپنی بیٹی عجم کو نہ دیں۔ لہذا عرب کو قریش کے مقابلہ میں اور عجم کو عرب کے مقابلہ میں یہود و نصاریٰ قرار دے دیا۔ حالانکہ رسولِ خداؐ نے فرمایا مسلمان ایک دوسرے کے کفو ہیں۔ اور جامع الاصول میں موطائے مالک سے روایت کی ہے کہ عمر نے منع کیا کہ عرب کی میراث عجم کو نہ دیں سوائے اُس کے جو عجمی عرب میں پیدا ہوا ہو۔ اور یہ احکام میراث کے صریح برعکس ہے جو خداوندِ عالم نے قرآن مجید میں نازل فرمایا ہے۔

۶۔ یہ کہ میراث میں عیال و عزیزہ کا حصہ مقرر کیا اور وہ کتاب و سنت کے خلاف ہے، اُس کے بیان میں طول ہوگا جو اس رسالہ کے مناسب نہیں ہے۔

۷۔ یہ کہ الصلوٰۃ خیر من النودۃ صبح کی اذان میں داخل کیا جیسا کہ جامع الاصول میں موطائے مالک سے روایت کی ہے۔

۸۔ یہ ہے کہ بیت المال، قیمت اور نبی جناب رسولِ خداؐ اور ابوبکر کے زمانہ میں برابر برابر تقسیم کیا جاتا تھا اور عمر نے اس کو محو کر کے حضرت کی ازواج کا زیادہ حصہ مقرر کیا۔ عائشہؓ کو بارہ ہزار درم سالانہ دیتے تھے اور دوسری بیبیوں کو دس ہزار درم دیتے تھے اور مہاجرین اہل بدر کے لیے پانچ ہزار درم اور مہاجرین انصار کے لیے چار ہزار درم مقرر کیا اس طرح قلم و قول کو فرق کے ساتھ دیتے تھے اور بخاری و مسلم وغیرہم نے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے انصاف سے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ میرے بعد تم پر دوسروں کو ترجیح دیں گے۔ صبر کرو یہاں تک کہ میرے

پاس حوض کوثر پر آؤ، اور ابن ابی الحدید اور دوسروں نے اعتراف کیا ہے کہ سب سے پہلے جس نے اس بدعت کو جاری کیا اور مساوی تقسیم کو بدلا عمر تھے اور یہ ظاہر ہے کہ تقسیم ظلم پر مبنی تھی کہ ایک جماعت کا حق کم کیا اور اکثر فتنے اسی بدعت کے سبب سے جناب امیر کے زمانہ میں پیدا ہوئے۔ کیونکہ جناب امیر بھی جانتے تھے کہ ان کے درمیان سنت رسولؐ جاری کریں۔ لیکن بڑے بڑے صحابہ اس پر راضی نہیں ہوئے۔ جیسے طلحہ و زبیر اور بصرہ کا فتنہ برپا ہوا اور اس کے بعد دوسرے فتنے رونما ہوئے۔ اگر تقسیم میں تفصیل جائز ہوتی تو جناب امیرؓ ان عظیم فتنوں کی آگ کو اس سے بجھا دیتے۔ تو اس قدر کمزوری آپ کے ارکانِ خلافت میں پیدا نہ ہوتی اور مٹاویہ اور دوسروں کی تقویت کا باعث نہ ہوتا۔

ابن ابی الحدید نے منج البلاغہ کی شرح میں لکھا ہے کہ اگر کم کو کہ ابو بکر نے بھی مساوی تقسیم پر عمل کیا جس طرح جناب امیرؓ نے کیا اور کسی نے ان کی مخالفت نہیں کی۔ جس طرح جناب امیرؓ سے انحراف کیا تو ہم جواب میں کہیں گے کہ ابو بکر کا زمانہ جناب رسولؐ خدا کے زمانہ سے متصل تھا اس لیے آنحضرتؐ کی سیرت پر عمل کیا۔ اور کوئی ان پر اعتراض نہ کر سکا جب عمر خلیفہ ہوئے عمل کی بنیاد تفصیل پر رکھی اور لوگوں نے اس کو پسند کیا اور پہلی تقسیم مجھول گئے اور عمر کا زمانہ طویل ہوا اور لوگوں کے دلوں میں مال کی محبت اور عطا کی کثرت راسخ ہو گئی اور جو لوگ کہ مظلوم ہوئے انھوں نے اپنی ویسی ہی عادت ڈال لی۔ اور قناعت اختیار کی اور جب عثمان خلیفہ ہوئے انہوں نے بھی عمر کے طریقہ پر عمل کیا اور لوگوں کی عادت اسی طریقہ پر زیادہ جم ہو گئی۔ اور جب حضرت امیرؓ نے خلیفہ ہوئے اور آپ نے چاہا کہ لوگوں کو زمانہ رسولؐ اللہ کی عادت کے مطابق واپس لائیں جبکہ بائیس سال تک، دوسرے طریقہ کی عادت پڑ چکی تھی اور پہلی سنت کو مجھول چکے تھے۔ اس لیے لوگوں پر اس کا قبول کرنا گراں تھا۔ اس حد تک کہ لازمی بیعت کو توڑ دیا اور ان حضرت پر خروج کیا اور دوسرے لوگوں کو جنھیں عمر نے ترجیح دی تھی گراہ کیا اور اپنے ساتھ شریک کیا اور آنحضرتؐ کے طریقہ کی مذمت کرنے لگے۔ اور عمر کی بدعت کی تعریف کرتے تھے۔ یہاں تک کہ کثرت سے لوگوں کو ان حضرتؐ سے منحرف کر دیا۔

مؤلف فرماتے ہیں اگر غور کرو تو تم کو معلوم ہوگا جو فتنے اور فسادات اسلام میں رونما ہوئے اور اہل بیت رسالت پر جس قدر مظالم ہوئے وہ سب انہی حضرت کی بدعتوں، فتنوں اور تزیروں کے سبب سے تھے کہ درخت، فتنہ کی بنیاد روزِ سقیفہ ڈالی تھی اور لوگوں کو ایک دوسرے پر عطا میں ترجیح دے کر اس درخت کو سینچا اور شورائی کی تدبیر سے اس کو بار آور کیا اور قائم آل محمدؐ تک ہر ظلم و جور جو اہل بیت اور ان کے شیعوں پر واقع ہوئے، اسی شجرِ ستم آفریں کے پھل ہیں۔

دسویں طعن۔ شورائی کے قضیہ کے ذکر میں جو تمام قضیوں میں عظیم تر اور شنیع تر سے مجمل بیان اس قصہ کا جیسا کہ ابی ابی الحدید و ابن اثیر اور اکثر مخالفین نے بیان کیا ہے یہ ہے کہ جب ابوہلول نے عمر کو چھڑا مارا اور ان کو یقین ہو گیا کہ جابر نہ ہوں گے تو جو وہ خلافت سے اطمینان کی محرومی اور ان کے مرتبہ و عزت کی ہتک کے بارے میں اپنی زندگی میں کر چکے تھے اُس پر قناعت نہ کی بلکہ چند امور کی تدبیر و کوشش شروع کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے بعد بھی ہرگز امر خلافت اُن پر قرار نہ پائے اور عوام کے نزدیک بہتر ہو اور کوئی ان پر کمر و فریب کا گمان نہ کرے اور ان کو بے غرض و بے لوث سمجھیں۔ پہلے اس بارے میں اپنے مصاحبین سے مشورہ کیا۔ کسی نے خوشامد میں کہا کہ اپنے بیٹے عبداللہ کو خلیفہ مقرر کیجئے۔ اس لیے کہ لوگ اُن کو صاحب غرض نہ جانیں۔ وہ جانتے تھے کہ اگر وہ خلیفہ ہوں گے تو اُن کی خواہش کے مطابق خلافت نہ چلا سکیں گے اور بہت جلد حق اُس کے حقدار کو واپس مل جائے گا۔ اس لیے منظور نہ کیا اور کہا نہیں خدا کی قسم خطاب کی اولاد میں سے جو شخص اس امر کے مرتکب نہیں ہو سکتے عمر کے لیے کافی ہے جو کچھ اُس نے کیا خلافت کو اپنی اولاد کے لیے ذخیرہ نہیں کروں گا۔ اور اپنی حیات و ممات میں اس امر کا متحمل نہ ہوں گا۔ اُس کے بعد کہا کہ یقیناً جناب رسول خدام جب دنیا سے رخصت ہوئے۔ ان چھدا اشخاص سے راضی تھے۔ جو علی و عثمان، طلحہ و زبیر، سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمن بن عوف ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کے درمیان خلافت کو شورائی سے قرار دوں تاکہ یہ لوگ اپنی راستے سے جس کو چاہیں خلافت کے لیے اختیار کر لیں۔ اس کے بعد اُن اشخاص کو بلایا اور کہا ان میں سے ہر ایک خلافت کی امید میں آتے ہیں۔ ابن ابی الحدید کی روایت کے مطابق کہا کیا آپ سب لوگ میرے بعد خلافت کی خواہش رکھتے ہیں جب دومرتبہ یہی بات کہی تو زبیر نے کہا ہم کو خلافت کی خواہش کیا مانع ہے تم نے خلافت کی اور ہم لوگ قریش میں تم سے کمتر نہیں ہیں۔ نہ فقہیت میں نہ جناب رسول خدام کے ساتھ قربت میں۔ یہ سن کر عمر نے کہا۔ کیا آپ لوگ چاہتے ہیں کہ میں بتاؤں کہ آپ لوگ کس طرح کے لوگ ہیں سب نے کہا فرمائیے۔ اگر ہم کہیں گے تو آپ ہم سے دست بردار نہ ہوں گے۔ عمر نے کہا اے زبیر! تم بد مزاج اور مفسد ہو۔ اگر راضی ہو تو مومن ہو اور اگر ناراض ہو تو کافر ہو۔ تم کبھی انسان ہو، کبھی شیطان ہو۔ خیال ہے کہ اگر تم خلیفہ ہو گے تو جس روز تم شیطان ہو گے تو لوگوں کا امام کون ہو گا اور جب تم ان اوصاف سے موصوف ہو تو اُمت کے کام نہ آؤ گے۔ اور اے طلحہ تم وہ ہو کر رسولِ خدا تم سے آزدہ دنیا سے تشریف لے گئے اُس کلام کے سبب سے جو تم نے آیہ حجاب نازل ہونے کے دن کہنے تھے۔ ابن ابی الحدید کہتے ہیں کہ ہمارے شیخ ابو عثمان جاحظ نے کہا ہے کہ وہ بات یہ تھی کہ جب آیت حجاب نازل ہوئی۔ طلحہ نے ایک جماعت کے سامنے کہا کہ آج پیغمبر جا رہے ہیں اور

کے سر پر رکھتے ہیں اس سے کیا فائدہ۔ جلد وہ مرجائیں گے تو ہم اُن کی عورتوں سے نکاح کریں گے۔ اُس کے بعد تمہارے لیے یہ آیت نازل ہوئی: وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوا رُسُلًا وَاللّٰهُ وَاٰلَان تَسْلُكُوْا ازواجاً من بعدہ ابدا یعنی تمہیں حق نہیں اور جائز نہیں کہ رسولِ خدا کو رنجیدہ کرو۔ اور نہ یہ جائز ہے کہ اُن کی عورتوں سے اُن کے بعد کبھی نکاح کرو۔ اور اے سعد تم متعصب اور متکبر ہو اور خلافت کے لائق نہیں ہو۔ اگر کسی گاؤں کی حکومت تم کو حاصل ہو تو تم اُس سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے اور بنی زہرہ کو خلافت سے کیا نسبت؟ اور تم اے عبدالرحمن کہہ دو اور عاجز ہو، اپنی قوم کو دوست رکھتے ہو۔ اور بنی زہرہ کو اس کام سے کوئی نسبت نہیں ہے اور تم اے عثمان خدا کی قسم تم سے بہتر میٹگنی ہے۔ اگر تم غلیظہ ہوئے تو اپنے رشتہ داروں کو لوگوں پر مسلط کر دو گے۔ اور بیت المال کا تمام خزانہ ان کو دے دو گے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ قریش تم کو امام مقرر کریں گے اور تم اپنی قوم کو لوگوں پر سوار کر دو گے۔ اور اُن کو مسلمانوں کی غنیمت میں مخصوص قرار دو گے۔ اس کے بعد عرب کے بھیڑیے تم پر حملہ آور ہوں گے اور تم کو مار ڈالیں گے۔ اس کے بعد علی کی جانب رخ کیا اور کہا اگر تم مزاج و شوخی نہ کرتے ہوتے تو اس کام کے لیے بہتر تھے۔ خدا کی قسم اگر تمہارے ایمان کو تمام اہل زمین کے ایمان کے مقابل میں وزن کریں تو تمہارا ایمان سب سے زیادہ ثابت ہوگا اس کے بعد امیر المؤمنین اُٹھے اور باہر چلے گئے تو عمر نے کہا خدا کی قسم میں اُس مرد کی قدر جانتا ہوں اور اُن کے مرتبہ کو پہچانتا ہوں۔ اگر اپنا معاملہ ان کو سپرد کرو گے تو وہ تم کو واضح حق اور راہ روشن پر قائم رکھیں گے۔ لوگوں نے پوچھا کہ وہ شخص کون ہے۔ کہا وہی جو تمہارے درمیان سے اُٹھ کر چلا گیا۔ اگر تم اس کو خلافت کے لیے اختیار کرو گے تو وہ تم کو خدا کے راستہ پر لے جائے گا۔ لوگوں نے کہا پھر کیا مانع ہے کہ خلافت آپ ان کو نہیں سپرد کرتے ہیں۔ کہا میں یہ نہیں چاہتا کہ دوبارہ یہ بار زندگی اور موت کے بعد میرے کاندھے پر رہے اور دوسری روایت کے مطابق شوریٰ کے علاوہ دونوں میں کہا کہ نبوت اور خلافت دونوں بنی ہاشم کے لیے یکجا نہ کروں گا۔ اور دوسری روایت کے مطابق کہا وہ کس ہیں۔ اس کے بعد عمر نے کہا: آہ اگر ابو عبیدہ جراح یا سالم خلیفہ کا ظلم زندہ ہوتا تو کوئی تشویش و تردد نہیں تھا۔ وہ دونوں اس کام کے لیے مناسب اور بے عیب تھے۔ اس کے بعد عمر نے ابو طلحہ انصاری کو طلب کیا اور کہا پچاس اشخاص انصاری کو ہمراہ لو اور ان پچھ اشخاص کو ایک مکان میں جمع کرو۔ اور تم سب تنگی تنواریں لیے ہوئے اُس کے دروازے پر کھڑے رہو اور جلدی کرو۔ تین روز سے زیادہ حلیت نہ دینا۔ یہاں تک کہ وہ باہم مشورہ کریں اور اپنے چھ اشخاص میں سے کسی ایک کو خلافت کے لیے اختیار کریں۔ اگر پانچ اشخاص متفق ہوں اور ایک مخالفت کرے تو اس کی گردن مار دینا۔ اگر چار اشخاص متفق ہوں اور دو شخص مخالفت

کریں تو ان دونوں کی گردن مار دینا۔ اور اگر تین اشخاص اتفاق کریں تو جس کے درمیان عبد الرحمن
 ہو تو اسی کے قول پر عمل کرنا اور اگر وہ تین اشخاص مخالفت پر مصر رہیں تو ان تینوں کو قتل کر دینا۔
 اگر تین روز گزر جائیں اور وہ لوگ کسی امر پر متفق نہ ہوں تو سب کو قتل کر دینا۔ پھر مسلمانوں پر
 چھوڑ دینا کہ جس کو چاہیں اپنے لیے اختیار کریں۔ جب عمر کو دفن کر دیا۔ ابو طلحہ پچاس اشخاص
 کے ساتھ سب ننگی تلواریں لیے ہوئے گھر کے دروازے پر کھڑے ہوئے۔ اور روایات مشہورہ
 مخالفت و موافقت کے مطابق جناب امیر نے اپنے غیر قننا ہی مناقب میں سے تو مناقب ان کے
 سامنے بیان کئے اور سب نے تصدیق کی اور آپس میں مشورہ کیا اور کہا اگر خلافت ان کو دے دی
 جائے کسی شخص کو ایک دوسرے پر زیادتی (ترجیح) نہ ہوگی۔ وہ تمام مسلمانوں کو برابر سمجھیں گے
 اس سبب سے ان کی خلافت پر راضی نہ ہوئے۔ اور جب طلحہ اپنے لیے خلافت سے مایوس
 ہوئے اور سمجھے کہ خلافت علی یا عثمان کے علاوہ کسی کو نہ ملے گی اور چونکہ بنی ہاشم سے عداوت
 رکھتے تھے۔ اس لیے کہا کہ میں نے اپنا حق عثمان کو دے دیا۔ اور زبیر چونکہ جناب امیر کے
 چھوٹی زاد بھائی تھے قرابت کی وجہ سے کہا کہ میں نے اپنا حق علی کو دیا۔ اس کے بعد سعد بن ابی
 وقاص نے بھی جب جانا کہ خلافت اس کو نہیں ملے گی تو کہا میں نے اپنا حق اپنے ابن عم عبد الرحمن
 کو دیا۔ چونکہ وہ دونوں بنی زہرہ سے تھے اس لیے اس کے بعد عبد الرحمن نے کہا میں بھی اپنے حق
 سے گزرا اور علی و عثمان کے مابین چھوڑ دیا اور جناب امیر سے کہا میں آپ سے بیعت کرتا ہوں
 کتاب خدا اور سنت رسول خدا اور طریق شیخین ابوبکر و عمر پر فرمایا۔ میں کتاب خدا اور سنت رسول
 اللہ تو قبول کرتا ہوں۔ اور جو کچھ میں خود جانتا ہوں اور میری رائے جو ہوگی اُس پر عمل کروں گا۔
 اُس کے بعد اسی طریقہ سے عثمان سے کہا۔ عثمان نے کہا میں قبول کرتا ہوں۔ دوبارہ پھر اسی طرح
 علی عبیدہ السلام اور عثمان سے اسی شرط کے ساتھ کہا۔ تین مرتبہ اسی طرح کہتے تھے۔ عثمان قبول کرتے
 تھے اور جناب امیر قبول نہیں کرتے تھے۔ جب اُس نے دیکھا کہ علی طریقہ شیخین کو قبول نہیں کرتے
 ہاتھ عثمان کے ہاتھ میں دے دیا اور کہا السلام علیک یا امیر المؤمنین جناب امیر نے فرمایا
 کہ واللہ تو نے ان سے بیعت نہیں کی۔ مگر اسی امید کے ساتھ جس امید سے عمر نے ابوبکر کی
 بیعت کی تھی۔ لیکن خدا تمہارے درمیان جدائی ڈال دے گا۔ جیسا کہ اکثر لوگوں نے نقل کیا ہے
 کہ ان حضرت کی دعا مقبول ہوئی اور ان دونوں کے درمیان فساد اور دشمنی اس حد تک پہنچی کہ
 کوئی ایک دوسرے سے کلام نہیں کرتا تھا۔ یہاں تک کہ موت نے ان دونوں میں جدائی ڈالی۔
 یہ اس قضیہ کی کیفیت تھی جس طرح محدثین و مورخین عامہ نے روایت کی ہے اور احتیاج کے مقام
 میں مستم قرار دیا ہے کسی عاقل پر مختلف صورتوں سے اس کا ابوبکر و عمر و عثمان اور ان کے وفکار کے

کفر و ضلالت اور خطا و طعن پر شامل ہونا پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔

۱۔ یہ کہ عمر نے کہا کہ عمر کو کافی ہے جو کچھ اُس نے حیات میں کیا۔ اور عمارت میں اس کا متحمل نہیں ہوں گا۔ اگر یہ کام حق اور خدا و رسول کے حکم کے موافق اور اُن کی رضامندی اور اطاعت کے مطابق تھا تو کیوں اُس سے پرہیز اور علیحدگی اختیار کرتے تھے اور اُس کے پروا سنت کرنے سے کیوں بھاگتے تھے اور اگر خطا و باطل اور خدا و رسول کی رضا و اطاعت کے خلاف تھا تو کیوں اپنی حیات میں متحمل ہوتے تھے۔ اور خدا اور اُس کے رسول کی کس حجت سے متمسک ہو کر حق کو صاحبِ حق سے پہلے ابو بکر کے لیے حاصل کیا اور اُن کے بعد اپنے لیے۔

۲۔ یہ کہ پہلے تو کہا کہ رسول خدا ان چھرا شخصوں سے راضی تھے۔ اس صورت سے سب لائقِ خلافت ہیں اس کے بعد ہر ایک میں عیب نکالے جو خود ان کے اپنے اعتقاد سے خلافت کے معنی تھے اور ان میں سے اکثر اگر کفر نہ بھی تھے تو معصیت ضرور ہیں تو ان عیوب کے باوجود ان کو خلافت کے لیے جب تجویز کیا تو رسول اللہ ان سے کس طرح راضی تھے۔ ابن ابی الحدید نے جاحظ سے روایت کی ہے کہ اگر کوئی شخص عمر سے کتا کہ تم نے پہلے تو کہا کہ رسول اللہ ان سے راضی تھے۔ تو پھر کیوں طلحہ سے کہتے ہو کہ رسول خدا تم سے گویا سے رنجیدہ گئے اور یہ دونوں باتیں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ لیکن اس سے کتر کلام کی جرأت کسی میں نہیں تھی۔ چہ جائیکہ یہ بات (کون کہہ سکتا تھا)۔

۳۔ یہ کہ امیر المؤمنین میں مزاج کا عیب نکالا جو صفاتِ حمیدہ میں سے ایک صفت ہے اور انبیاء اور اوصیاء کے اخلاقِ حسنہ میں سے ہے اور خداوندِ عالم نے اپنے رسول کی اس صفت سے مدح فرمائی ہے اور اس کے خلاف کی ذمّت کی ہے اور فرمایا ہے فیما رحمتہ من اللہ ولو کنت فظا غلیظ القلب لالفضوا من حولک اور اگر ان کی مراد ایسے مزاج سے ہو جو تمکین و وقار اور حکم کے نفاذ کے خلاف اور لہو و لعب کے ضمن میں ہو تو ساری گویا جانتی ہے کہ وہ ان اوصافِ اقصیٰ کے خلاف صفتیں رکھتے تھے اور آپ کا رعب کافروں اور منافقوں کے دلوں میں اذلت علی المؤمنین اعزۃ علی الکافرین کے مطابق اس طرح لاسخ تھا کہ جب آپ کا نام سنتے تھے تو اُن کے بدن کانپ جاتے تھے۔ اسی سبب سے اُن کی خلافت قبول نہیں کرتے تھے اور عمر خود اپنے تئیں فخر و غرور سے نسبت دیتے تھے۔ ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جب وہ حضرت خاموش رہتے تھے تو ہم جرأت نہیں کرتے تھے کہ کلام کی ابتداء کریں اور ابن ابی الحدید نے زبیر بن بکارسے روایت کی ہے کہ عمر نے ابن عباس سے کہا کہ اگر تمہارے مولا علی بن ابی طالب خلافت کے متولی ہوں تو میں ڈرتا ہوں کہ جو خود پرستی

اُن میں ہے اُن کو صحیح راستہ سے روک دے گی۔ اور ابن الانباری نے روایت کی ہے کہ علیؑ مسجد میں آئے اور عمر کے پاس بیٹھے۔ وہاں ایک جماعت موجود تھی۔ جب وہ اُٹھ کر چلے گئے تو ایک شخص نے حضرتؑ کو تکبیر و خود پرستی سے نسبت دی تو عمر نے کہا کہ سزاوار ہے کہ ان کے ایسا آدمی تکبیر کرے۔ اگر ان کی تلوار نہ ہوتی تو اسلام نہ پھیلتا۔ اور وہ فیصلہ کرنے میں تمام دنیا سے اعلم (زیادہ جاننے والے) ہیں اور انہی کے سبب سے اس اُمت کی عزت و بلندی و شرف ہے۔ یہ سُن کر کسی نے کہا اگر ایسا ہے تو اُن کو خلیفہ کیوں نہیں بنا لیتے تو کہا ہم اُن کی خلافت سے کراہت رکھتے ہیں اس لیے کہ وہ کمسن ہیں اور فرزند ان عبدالمطلب کو دوست رکھتے ہیں۔

نیز روایت کی ہے کہ عمر نے ابن عباس سے کہا کہ تم رسولِ خدا کے اہلبیت اور ان کے چچا کی اولاد ہو کیوں تمہاری قوم نے خلافت تم کو نہ سپرد کی۔ ابن عباس نے کہا سوائے نبی کے میں اُن سے کچھ نہیں جانتا، اور نہ اُن کے خلافت کچھ میرے دل میں ہے۔ عمر نے کہا تمہاری قوم نے نہ چاہا کہ تمہارے لیے پیغمبری اور خلافت جمع ہوں۔ لہذا آسمان پر سخت و تکبر کے ساتھ چلے جاؤ۔ شاید تم سمجھتے ہو کہ جس نے تم کو خلافت سے دُور رکھا ابو بکر تھے۔ ان کا یہ مطلب نہیں تھا لیکن ایک امر رونما ہو گیا۔ جس کا علاج اس کے سوا نہ تھا۔ اگر ابو بکر کی رائے میرے لیے نہ ہوتی تو وہ خلافت سے کچھ حصہ تم کو بھی دیتے۔ اگر وہ ایسا کرتے تو تم کو گوارا نہ ہوتا کیونکہ تمہاری قوم تمہاری طرف اس طرح دیکھتی ہے جیسے گائے قصاب کی طرف دیکھتی ہے جو اُس کو ذبح کرتا ہے۔ پھر ابن ابی الحدید نے عبد اللہ بن عمر سے روایت کی ہے کہ ایک روز اُن کے پدر (عمر) نے عبد اللہ بن عباس سے کہا کہ جانتے ہو کہ مجھ کو تمہیں خلافت دینے میں کون سا امر مانع ہوا کہا نہیں عمر نے کہا لیکن میں جانتا ہوں ابن عباس نے پوچھا وہ کیا ہے۔ عمر نے کہا قریش اس کو ناپسند کرتے تھے کہ تمہارے لیے پیغمبری اور خلافت جمع ہو اور ابا بکر کی لوگوں کو پامال کر دو۔ لہذا قریش نے اپنے واسطے تدبیر کی اور خلیفہ اختیار کیا اور توفیق پائی اور صحیح رائے اختیار کی۔ ابن عباس نے کہا کیا خلیفہ غضبناک تو نہیں ہوں گے۔ اگر میں اس بات کا جواب دوں عمر نے کہا جو چاہو کہو۔ ابن عباس نے کہا جو کچھ آپ نے کہا کہ قریش نے اُس کے لیے اپنی رائے سے اختیار کیا۔ خداوند عالم فرماتا ہے ورتبک یخلق ما یشاء ویختار ما کان لہم الخیرۃ یعنی تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے خلق کرتا ہے اور ان کے لیے اختیار کرتا ہے جس میں ان کے واسطے بہتری اور بھلائی ہوتی ہے اور آپ جانتے ہیں کہ خدا نے اپنی مخلوق میں سے خلافت کے لیے اُس کو اختیار کیا جس کو کیا۔ اگر قریش نے اپنے واسطے خدا کے اختیار کردہ کو اختیار کیا ہے تو حق ہے ورنہ باطل ہے اور یہ جو آپ نے کہا کہ قریش نے چاہا کہ پیغمبری

اور خلافت ہمارے لیے جمع ہو تو خداوند عالم نے اُس جماعت کا حال ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ ذلک بانہم کرہوا ما انزل اللہ فاحیط اعمالہم یعنی یہ سبب وہ ہے کہ جو کچھ خدا نے بھیجا ہے اُس کو انہوں نے نہیں چاہا تو خدا نے اُن کے اعمال ضبط کر لیے اور اُن کا ثواب زائل کر دیا ہے اور یہ جو آپ نے کہا کہ اگر خلافت ہم کو ملتی تو ہم لوگوں کو پامال کر دیتے۔ اگر ہم خلافت کی وجہ سے لوگوں پر ظلم و ستم کرتے تو قربت اور رشتہ کی وجہ سے بھی کر سکتے تھے لیکن خلقِ رسول سے ہمارے اخلاق قائم ہوئے ہیں۔ جیسا کہ خداوند عالم نے اُن حضرت کے حق میں فرمایا ہے کہ آپ خلقِ عظیم پر فائز ہیں نیز انحضرت سے خطاب فرمایا ہے کہ اپنے رحم و کرم کے بازو کو پھیلاؤ۔ اور اُن کے لیے وسیع کر دیجھوں نے زمین میں سے تمہاری متابعت کی ہے۔ یہ سن کر عمر نے کہا اے ابن عباس ہوش میں آؤ۔ تمہارے قلوب قریش کی جانب سے مکر و فریب سے بھرے ہوئے ہیں۔ ایسا مکر جو کبھی زائل نہ ہوگا اور ایسا کینہ ہے جو مستغیر نہ ہوگا۔ ابن عباس نے کہا اے مومنوں کے بادشاہ راہ میں نرمی و اہستگی سے چلتے اور بنی ہاشم کے قلوب کو مکر و فریب سے نسبت مت دیجئے کیونکہ یقیناً ان کے قلوب رسول کے قلب سے ہیں جس کو خدا نے پاک کیا اور تمام میہوں سے پاکیزہ قرار دیا ہے، اور وہ اُس گھر کے لوگ ہیں جن کی شان میں خدا نے آیہ تطہیر بھیجی ہے اور یہ جو آپ نے کہا کہ ہمارے دل میں تمہاری عداوت اور کینہ ہے۔ کیونکہ وہ شخص کینہ نہ رکھے جس کا حق غصب کیا گیا ہو اور وہ دوسروں کے ہاتھ میں دیکھتا ہو۔ عمر نے کہا اے عبد اللہ تمہارے متعلق میں نے ایسی باتیں سنی ہیں جن کو میں تم سے کہنا نہیں چاہتا کہ تمہاری قدر و منزلت میرے دل سے زائل ہو جائے۔ ابن عباس نے کہا۔ وہ کیا باتیں ہیں مجھ کو بتائیے۔ اگر وہ غلط ہوں گی تو اُس کے خلاف میں ظاہر کروں گا اور اگر حق ہوں گی تو آپ کو حق سے رنجیدہ نہ ہونا چاہیے۔ عمر نے کہا کہ تم برابر کہتے ہو کہ یہ خلافت ہم سے ظلم و حسد کے ساتھ لی گئی ہے۔ ابن عباس نے کہا کہ حسد تو وہ ہے کہ شیطان نے حضرت آدم پر حسد کیا۔ اور اُن کو بہشت سے نکالا اور ہم آدم کی اولاد ہیں اور ہم پر حسد بہت کیا جاتا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ اس حق کا مالک کون ہے۔ پھر کہا اے خلیفہ کیا عرب نے عجم پر حجت نہیں قائم کی کہ رسولِ خدا ہم سے ہیں اور ہم تم سے بہتر ہیں اور قریش تمام عرب پر فضیلت کا دعویٰ کرتے ہیں کہ رسول اللہ ہم میں سے ہیں۔ لہذا ہم بھی تمام قریش پر یہی حجت قائم کرتے ہیں کہ رسولِ خدا ہم میں سے ہیں۔ یہ سن کر عمر نے کہا اچھا اب اٹھو اور اپنے گھر چلے جاؤ۔ جب ابن عباس رواد ہوئے تو عقب سے عمر نے جلا کر کہا اے جانے والے جو کچھ تجھ سے صادر ہوا تیرے حق کی رعایت کی وجہ سے میں ہاتھ نہیں اٹھاتا ہوں (یعنی تجھ سے

دگر کرتا ہوں) ابن عباس نے پیچھے مڑ کر کہا کہ میرا تم پر اور تمام مسلمانوں پر جناب رسول خدا کے سبب سے عظیم حق ہے جو شخص اس حق کی رعایت کرتا ہے اپنے حصہ کی حفاظت کرتا ہے اگر اُس کو ضائع کرنا سے تو اس نے اپنا حصہ باطل کر دیا یہ کہا اور چلے گئے تو عمر نے حاضرین سے کہا مرحبا ابن عباس کو میں نے کبھی اس کو نہیں دیکھا کہ کسی سے مباحثہ و مقابلہ کرے مگر یہ کہ اُس پر غالب آتا ہے۔

ایک دوسرے کے برعکس ان خبروں سے کسی عاقل پر پوشیدہ نہیں رہتا کہ وہ حضرت جانتے تھے کہ خلافت امیر المومنین کا حق ہے اور حیلوں اور مکاریوں سے آپ کے حق کو باطل کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں اور ہر ایک ان باتوں میں سے اُن کے نفاق و عہد ایمان پر واضح دلیل ہے جیسا کہ کہا کر میں نہیں چاہتا کہ میں اپنی حیات و حیات میں اس امر شوم کا تحمل ہوں۔ جب وہ جانتے تھے کہ جناب امیر خلیفہ ہوں گے تو لوگوں کو حق کے راستہ پر لے چلیں گے۔ اور ہمیشہ لولا علی لہلک عمر کہتے تھے تو کیوں اپنے بعد واپس نہیں کیا۔ شاید ان کے بعض گنا ہوں کا کفارہ ہو جاتا۔ اگر حقیقت میں متحمل ہونا نہیں چاہتے تھے تو کیوں امور فحیح کے متحمل ہوتے اور کیوں یہ تدبیریں کیں کہ اُن کو جو خود اُن کے اعتراف کے بموجب سب سے زیادہ حقدار اور سب سے زیادہ اولیٰ تھے۔ خلافت نہ پہنچے اور اُس کی طرف منتقل ہو جائے جو انہی کے اقرار و اعتراف کے مطابق واقعی میدانگنی اُن سے بہتر تھی اور انتہائی ذلت سے مارے گئے۔ باوجودیکہ فرماتے تھے کہ نبوت و خلافت کو نبی ہاشم کے لیے ہم جمع نہ کریں گے۔ ابن عباس نے ان کا شافی جواب دیا ہے اور حق تعالیٰ فرماتا ہے الامر کلہا للہ یعنی بیشک تمام امور خدا کی طرف سے ہیں اور فرمایا کہ لا تقلدوا سبیل یدی اللہ و رسولہ۔ (یعنی خدا و رسول پر کسی امر پر سبقت نہ کرو) اس بارے میں بہت سی آیتیں اور حدیثیں بیان ہو چکی ہیں اور نبی ہاشم کا کیا قصور تھا کہ امامت و خلافت کے قابل نہ تھے سوائے اس کے کہ محدث نبوت، علم و حکمت کے ابواب، ہدایت کے علم، تقویٰ کے مینارے اور خدا کی راہ کے رہنما تھے اور کیوں تمام انبیاء جیسے نوح و ابراہیم و اسمعیل و اسحاق و یعقوب و داؤد و غیرہ کی پیغمبری ان کے اہلیت کی خلافت سے مانع نہ ہوئی اور پیغمبر آخر الزماں جو تمام پیغمبروں کے سردار اور سب سے افضل تھے۔ آپ کی نبوت مانع ہوئی اور کہا کہ اگر نبوت و خلافت دونوں تمہارے لیے ہو تو ہمارے لیے کچھ نہ رہے گا محض عداوت و حسد اور حجاب جاہ و ریاست کے سبب سے ہے۔ جبکہ خداوند عالم نے خلافت کو اُن کے لیے پسند کیا اور تم کو اس قابل نہ سمجھا تو اس میں کسی کا کیا قصور ہے۔

۴۔ اور کم سنوں کا عذر بھی عجیب تھا لیکن جب کسنی پیغمبری میں مانع نہ ہو جیسے حضرت یوسفؑ

و جناب یحییٰؑ و حضرت عیسیٰؑ اور حضرت سلیمانؑ وغیر ہم کی پیغمبری تو خلافت میں کیوں ان حضرت کے لیے مانع ہوگی اور خاتم الانبیاء کی نبوت و رسالت کے لیے چالیس سال کی عمر ہونا کافی ہو، تو چالیس سال سے زیادہ آپ کی خلافت کے لیے کیوں کافی نہ ہو۔ اور سورۃ برأت کی تبلیغ اور غزوة تبوک میں ہارونی منزلت اور خلافت کے لیے چند سال پہلے جب آپ کی گمشدگی مانع نہ ہوئی تو آنحضرتؐ کی وفات کے چند سال بعد کیونکر مانع ہو گئی۔ اور دوسرا عذر کہ اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے محبت رکھتے ہیں۔ جب کہ عزیزوں کی محبت خدا کے لیے ہو اور رسول خداؐ کی رسالت کی اجرت ہو تو کیوں ٹہری ہوگی۔

لہذا معلوم ہوا کہ یہ خطا بہت سی خطاؤں پر مشتمل ہے۔ (اول) یہ کہ خود روایت کی ہے۔ روز ستیفیہ کہ آئمہ چاہیے کہ قریش سے ہوں اور انصار اسی دلیل سے مطیع و فرمانبردار ہوتے اور روز شوریٰ کہا کہ اگر سالم خلیفہ کا غلام ہوتا تو میں اس کی خلافت میں شک نہ کرتا حالانکہ وہ یقیناً قریش سے نہ تھا۔ اور صحیحاً یہ ایک دوسرے کی ضد ہے یا نص اور اتفاق کی مخالفت بمقدمہ اولیٰ میں سابقاً مذکور ہوا۔ اور ابن اثیر نے کامل میں عمرو بن مسمون سے روایت کی ہے کہ جب عمر کو چھڑے سے زخمی کیا ان سے لوگوں نے کہا کہ اگر کسی کو خلیفہ آپ مقرر کر دیتے تو نزاع رفق ہو جاتی۔ تو عمر نے کہا اگر ابو عبیدہ زندہ ہوتے تو ان کو خلیفہ مقرر کرتا۔ اگر خدا مجھ سے سوال کرتا تو میں کہہ دیتا کہ میں نے تیرے پیغمبر سے سنا تھا کہ وہ کہتے تھے کہ وہ امین اُمت ہے۔ اگر سالم زندہ ہوتا تو میں اس کو خلیفہ مقرر کرتا۔ اگر مجھ سے خدا پوچھتا تو میں کہہ دیتا کہ میں نے تیرے پیغمبر سے سنا وہ فرماتے تھے سالم کو عدل سے شدید محبت ہے اور سید مرتضیٰ نے بلا درسی سے روایت کی ہے کہ عمر سے لوگوں نے کہا کہ کسی کو خلیفہ مقرر کیجئے تو اپنے اصحاب سے کہا کہ میں خلافت کی حرص بُری دیکھتا ہوں۔ اور میں خلافت کو ان چھ افراد پر چھوڑتا ہوں۔ کیونکہ رسول خداؐ دنیا سے جب تشریف لے گئے تو ان سے راضی تھے۔ اس کے بعد کہا کہ اگر یہ دو اشخاص سالم یا ابو عبیدہ زندہ ہوتے تو میں خلافت اس کے سپرد کرتا اور اس پر اعتماد کرتا اور قاضی القضاة نے بھی یہ روایت نقل کی ہے۔ دوسرے مقدمہ کے بارے میں۔ جامع الاصول میں صحیح بخاری و مسلم سے ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا کہ لوگ قریش کے تابع ہیں۔ اس امر میں ان کے مسلمان ان کے مسلمانوں کے تابع ہیں اور ان کے کافران کے کافروں کے تابع ہیں۔ نیز دونوں نے عمر سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ امر خلافت ہمیشہ قریش میں رہے گا۔ جب تک کہ ان میں سے دو افراد بھی باقی ہوں۔ اور بخاری نے معاویہ سے روایت کی ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا کہ امر خلافت قریش میں ہے۔ جب تک کہ یہ دین قائم ہے ان سے جو

دشمنی کرے گا۔ خدا اُس کو مُنہ کے بل دوزخ میں ڈالے گا۔ اور ترمذی نے عمر و ابن العاص سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا نے فرمایا کہ قریش خیر و شر میں قیامت تک لوگوں کے حاکم ہیں۔ اور قاضی القضاة نے اس روایت کے معنی (مترجم) میں نقل کیا ہے کہ سقیفہ میں اس روایت کو کسی نے رد نہیں کیا اور سب نے اس کی حقیقت پر گواہی دی اور شہرت کی حد تک پہنچی ہے لہذا معلوم ہوا کہ خلافت کے لیے اس تمنا اور سالم کے استحقاق پر حکم اپنے قول کے برعکس کیا۔ اور نصوص صریح کی مخالفت بھی کی۔ نیز جو عذر سالم کی خلافت کے لیے پیدا کیا جھول بھی ہے، معلول بھی ہے کیونکہ محبت کی زیادتی ایسا امر نہیں ہے جو جمیع شرائط امامت اکٹھا ہو جانے کے لیے لازم ہو اور خلافت کے بارگراں اٹھانے پر قادر ہو۔ اگر یہ حدیث سالم کے لیے عذر کو قطع کرنے کا باعث ہو تو کیوں جناب امیر کی صفت حدیث طبر متواتر میں جبکہ تمام خلافت سے زیادہ خدا کے نزدیک وہ محب ہیں ان کی مکمل محبت نہ ہو باوجودیکہ خدا کا محبوب ہونا خدا کا محبت ہونے سے بالاتر ہے اور محبت کی شدت تمام خلق پر فضیلت کے لیے لازم نہیں ہے لیکن محبوب ہونا ہے۔ لہذا ان حضرت کا تعین کیوں نہیں کیا۔ اور بہت سی آیتوں اور متواتر نصوص سے قطع نظر کیا بعض اکابر اہلسنت نے کہا ہے کہ یہ واضح قرینہ ہے۔ اس پر جو شیعہ روایت کرتے ہیں کہ ابو بکر و عمر و ابو عبیدہ اور سالم نے باہم عہد کیا تھا کہ امامت بنی ہاشم تک نہ پہنچنے دیں گے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ان دونوں کے وجود کی آرزو کرنے کے کیا معنی تھے۔ جبکہ ان میں کوئی مشہور و معروف فضیلت نہ تھی۔ باوجود اکابر کی موجودگی کے جو طرح طرح کی فضیلتوں اور سبقتوں سے ممتاز اور معروف تھے۔

۵ - یہ کہ پہلے قسم کھانی کہ مرنے کے بعد متخل نہ ہوں گا۔ پھر بھی متخل ہوئے اور شوری کی بنیاد ڈالی۔ شوری کی محبت پر کیا دلیل تھی جو خلافت گیری پر مبنی ہوا۔ اس کی انتہا یہ ہے کہ اجتہاد کی مشروعیت سے وابستہ ہو اس کو مان لینے میں بعض پر بعض اجتہاد کی ترجیح کس قانون سے تھی نیز جبکہ خود خلیفہ تھے تو کیوں نہ خود اجتہاد کیا کہ ایک کو معین کرتے بلکہ دوسروں کے اجتہاد سے رجوع کیا جو قتل اور وہ سب تقسیم و تہدید اور توہید کے حکم کا محتاج ہوتا ہے۔ اگر اپنے حکم و اجتہاد پر اکتفا کرتے جیسا کہ ابو بکر نے ان کی خلافت کے بارے میں کیا تو یقیناً فتنہ و فساد سے زیادہ حفاظت اور باعث امن ہوتا اور حقیقت میں بغیر شوری کے محل و صفیں و نہرواں کی جنگ کسی صورت سے نہ ہوتی جیسے کہ ابن ابی الحدید نے معاویہ سے نقل کیا ہے کہ مسلمانوں کے معاملہ کو اور ان کی خواہشوں کو کسی چیز نے پراگندہ و متفرق نہیں کیا مگر شوری نے جس کو عمر نے چھ آرمیوں کے درمیان قرار دیا۔ کیونکہ وہ اس کا باعث ہوا کہ ہر ایک کو خلافت کی خواہش و آرزو

میں مبتلا کیا اور ان کی قوم کو بھی یہ خواہش پیدا ہوئی اور اگر عمر ایک شخص کو خلیفہ کر دیتے جیسا کہ ابوبکر نے کیا تو یہ اختلاف پیدا نہ ہوتے اور ان نعمتوں کی تکمیل کر دی یہاں تک کہ معاویہ اور عمرو عاص کو خلافت کی طرح پیدا ہوئی اس لیے کہ عمر نے معاویہ کو شام کا اور عمرو عاص کو مصر کا حاکم مقرر کیا تھا۔ اس غرض سے کہ ان کی عداوت امیر المومنین کے ساتھ جانتے تھے، اُن کو اس لیے حکومت سپرد کی تھی کہ اگر کبھی امیر المومنین کو خلافت حاصل ہو جائے تو شاید یہ لوگ اطاعت نہ کریں اور جب عمر بھی ہوئے اور اپنی زندگی سے یابوس ہوئے۔ کہا اے اصحاب محمد ایک دوسرے کے خیر خواہ رہنا۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو خلافت میں تم پر عمرو عاص اور معاویہ غالب ہوں گے جب یہ خبر ان دونوں کو پہنچی خلافت کی طرح کی اور جناب امیر کے زمانہ میں سر اٹھایا۔

میرزا بن ابی الحدید نے جعفر بن علی حاجب سے روایت کی ہے کہ محمد بن سلیمان حاجب الحجاب مرد عاقل شیریں کلام اور اویس تھا۔ اور علوم فلسفہ میں بھی دخل رکھتا تھا اور مذہبی تعصب خصوصیت سے نہیں رکھتا تھا۔ میں نے اُس سے علی و عثمان کے بارے میں سوال کیا۔ کہا بنی عبدالمطلب اور بنی ہاشم کے درمیان یہ پرانی عداوت تھی۔ پھر بہت سی باتوں کے بعد اس بارے میں کہا کہ امر خلافت میں اختلاف کا دوسرا سبب یہ تھا کہ عمر نے خلافت کو شورے پر منحصر کیا اور ایک شخص پر نص نہ کیا۔ لہذا اُن میں سے ہر ایک کے نفس میں پیدا ہوا کہ خلافت و بادشاہی کی قابلیت رکھتے ہیں اور ہمیشہ یہ بات ان کے دلوں میں مرکوز تھی۔ اور آنکھ اسی پر لگی ہوئی تھی۔ اور اُنسی کا انتظار کرتے تھے۔ یہاں تک کہ نزاع علی اور عثمان کے مابین قوی ہوئی اور عثمان کے قتل پر معاملہ ختم ہوا۔ اور اُن کے قتل کا سب سے بڑا سبب طلحہ تھا اُس کو ذرا بھی شک و شبہ اس میں نہ تھا کہ عثمان کے بعد خلافت اس کو ملے گی اُس کے سابقہ اعتبار سے اور یہ کہ وہ ابوبکر کا چچا زاد بھائی تھا اور ابوبکر کی اُس زمانہ کے لوگوں کے دلوں میں بہت منزلت تھی اور وہ سخی و جو اد بھی تھے۔ طلحہ نے ابوبکر کی حیات میں بھی خلافت کے بارے میں عمر سے نزاع کیا، اسی وجہ سے ہمیشہ عثمان کی ہلاکت میں کوشش کرتا تھا۔ لوگوں کو اُن کے خلاف ابھارتا، اور اہل مدینہ اور اہل عرب اور شہروں کے باشندوں کے قلوب ان کی طرف سے پھیرتا تھا۔ زبیر بھی اس معاملہ میں اُسکی مدد کرتے تھے اور خلافت اپنے لیے چاہتے تھے۔ ان دونوں افراد کی خلافت کے بارے میں اُمیدیں علی کی اُمید سے کم نہ تھی بلکہ خلافت میں ان کی طرح زیادہ قوی تھی کیونکہ علی کو چھوڑ چکے تھے اور ابوبکر و عمر نے لوگوں کی نگاہوں میں ان کو بہت بے قدر بنا دیا تھا۔ بلکہ ان کو مجبور گئے تھے اور جن لوگوں نے اُن حضرات کے نقصان اور فضائل اور عظمت رسول خدا کے زمانہ میں دیکھے اور سنے تھے ان میں اکثر مر چکے تھے اور

دوسرے لوگ عرصہ کے بعد پیدا ہوئے تھے جو ان حضرت کو نہیں پہچانتے تھے۔ اور ان کو تمام دوسرے مسلمانوں کے مانند جانتے تھے۔ آپ کے فضائل میں سے کوئی چیز لوگوں کے درمیان ظاہر نہ تھی۔ سولے اس کے کہ رسول کے چچا زاد بھائی اور جناب فاطمہ کے شوہر اور سبطین کے پدر بزرگوار تھے۔ آپ کے تمام فضائل و مناقب بھول گئے تھے اور ان حضرت کے بارے میں قریش سے عداوت اور ان سے حضرت کے منحرف ہونے پر اتفاق ہو گیا تھا اس قدر کہ کسی ایک کے بارے میں ایسا اتفاق نہ ہوا تھا۔ قریش طلحہ و زبیر کو دوست رکھتے تھے۔ اس لیے کہ علی کے بغض کی وجہیں ان میں نہ تھیں۔ عمر کے آخر زمانہ میں عثمان قریش کی تالیف قلوب کرتے تھے۔ اور ان سے عطا و بخشش کا اور لوگوں پر فضیلت دینے کا وعدہ کرتے تھے اور وہ دونوں (طلحہ و زبیر) اپنے تئیں لوگوں کے درمیان خلیفہ بالقوة بلکہ بالفعل جانتے تھے کیونکہ عمر نے ان کے لیے نص کیا تھا اور خلافت کے لیے پسند کیا تھا۔ عمر اپنی حیات اور وفات کے بعد بھی نافذ الحکم تھے۔ ان کے افعال و اقوال لوگ مانتے تھے۔ جب عثمان خلیفہ ہوئے طلحہ نے خلافت لینے کا ارادہ کیا۔ وہ خلافت کے بہت حریص تھے۔

اگر شجاعان عرب دروسا جو علی کے ساتھ تھے۔ خلافت علی کو پسند نہ کرتے تو ان حضرت کو نہ ملتی جب خلافت طلحہ و زبیر کے ہاتھ سے نکل گئی تو انھوں نے رخنہ بزرگیمان ان حضرت کی عزت میں ڈالا اور عائشہ کو عراق لے گئے اور جنگ جمل کا فتنہ برپا ہوا۔ جنگ جمل صغین کے لیے ایک مقدمہ اور تہید تھی۔ اس لیے کہ اگر جنگ جمل نہ ہوتی، ہوتی تو معاویہ ان حضرت کی عزت کی جرات نہ کرتا، اور اہل شام میں اُس نے مشہور کیا کہ عائشہ اور مسلمانوں سے جنگ کر کے علی (معاذ اللہ) فاسق ہو گئے اور یہ کہ طلحہ و زبیر کو قتل کیا وہ اہل بہشت سے تھے اور جو شخص کسی اہل بہشت کو قتل کرے وہ جہنمی ہے الغرض فساد صغین فساد جمل سے پیدا ہوا اور اسی کی شاخ تھا اور صغین کا فساد اور معاویہ کا گمراہ ہونا ہر فساد اور فتنہ کا سبب ہوا جو بنی امیہ کے زمانہ میں جاری ہوا۔ اور فتنہ عبد اللہ بن زبیر بھی قتل عثمان کی شاخوں میں سے ایک شاخ تھا۔ کیونکہ عبد اللہ نے دعوے کیا کہ جب عثمان کو قتل کا یقین ہو گیا تو انھوں نے میرے لیے خلافت کی نص کی اور مروان بن حکم اور کچھ دوسرے لوگ اس پر گواہ ہیں۔ تو کیا نہیں دیکھتے ہو کہ ان امور کا سلسلہ کس طرح ایک دوسرے سے ملا ہے اور ہر شاخ اپنی جڑ سے پھیلتی ہے اور درخت سے ملی ہوئی ہوتی ہے اور ہر آگ شعلہ پیدا کرتی ہے اور یہ سب منتہی ہوتے ہیں۔ شجرہ خبیثہ رشوی کی جانب سے جس کو عمر نے فتنہ و ضلالت کی زمیں میں یویا۔ پھر کہا کہ اس سے زیادہ عجیب بات

یہ تھی کہ لوگ عمر سے کہتے تھے کہ سعید بن عاص، معاویہ اور اکثر منافقین کو جو داخل موانعہ مقلوب تھے اور جنگ میں امیر ہوئے تھے۔ اور ان کے فرزندوں کو جو جبراً ایمان کا اظہار کرتے تھے آپ نے حاکم و والی مقرر کیا اور علیؑ، عباس، زبیر اور طلحہ کو کوئی حکومت نہ دی تو جواب میں کہتے تھے کہ علیؑ کا تکبر اس سے زیادہ ہے کہ حکومت میری جانب سے قبول کریں اور اس دوسری جماعت سے ڈرتا ہوں کہ شہروں میں منتشر ہوں گے تو بہت فساد کریں گے۔ لہذا جو ان کی خلافت سے خائف ہو کر فساد کریں گے اور ہر ایک خلافت کا دعویٰ اپنے واسطے کرے گا تو عمر کیوں نہ ڈرے اُس وقت بھی فساد کریں گے۔ جبکہ چھ افراد کو خلافت کے مرتب میں برابر اور مساوی قرار دیا جائیگا۔ لہذا معلوم ہوا کہ اسلام کے فتنے، فسادات شوریٰ اور سقیفہ اور ابوبکر و عمر کی تمام بعثتوں کے سبب سے ہوئے۔

۶۔ یہ کہ سلمان، ابوذر، مقداد اور عمار اور اہلبیت رسولؐ میں سے لوگوں کو جو متفق علیہ صحیح حدیثوں کے مطابق اہل زمین میں سب سے زیادہ نیک اور تمام احکام الہی کے پابند اور جناب رسالت مآبؐ کے محبوب اور جناب امیرؑ کے شیعوں میں تھے اور عباس جناب رسولؐ خدا کے چچا کو شوریٰ میں داخل نہ کیا۔ اور ایسی جماعت کو جو ان کے اپنے اقرار کے بموجب تمام محبوب سے محبوب و موصوف تھے اور معدن نفاق و ثقافت تھے صاحب اختیار اور اس کام کا مرجع بنایا۔

۷۔ یہ کہ فک کے معاملہ میں جو عزتی امر تھا بدیہی دعویٰ اور چار معصومین کی شہادت کو حصول نفع کی تمہت میں رو کر دیا جن کی عصمت و طہارت اور سچائی اور ان کی حقیقت کی شہادت خداوند تعالیٰ اور سرور کائنات دین اور امامت کے بارے میں جو تمام امت اور امور و احکام دین و دنیا و آخرت کی ریاست ہے۔ ایسی جماعت کی طرف رجوع کیا اور سب کو اس امر میں شریک کیا اور حصول نفع کی تمہت اصلاً مانع نہ ہوئی۔

۸۔ یہ کہ اگرچہ بظاہر جناب امیرؑ کو داخل شوریٰ کیا لیکن اس کی تقسیم اس طرح کی اور ایسا جملہ کیا کہ تقیاً خلافت جناب امیرؑ کی طرف سے پلٹ جائے۔ اور اس میں ان کی عداوت ظاہر ہوتی ہے جو ان کے عدم ایمان پر دلالت کرتی ہے کیونکہ یہ نہایت واضح ہے کہ حضرت عمر کے اعتراف کے بموجب طلحہ کو آنحضرتؐ سے عداوت تھی اور ابوبکر سے ربط کے اعتبار سے حضرت امیر علیہ السلام سے بھی عداوت تھی اور حضرت امیرؑ کا خلافت کے بارے میں اُس سے مباحثہ۔ یہ باتیں یہ ثابت کرتی ہیں کہ شوریٰ کا یہ رکن حضرت علیؑ کے خلاف تھا اسی طرح عبد الرحمن عثمان کی دامادی کے سبب اور ان کی تمام نسبتیں جو ان سے تھیں وہ عثمان کی طرف داری کو نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ اسی طرح سعد جو بنی زہرہ و بنی امیہ میں سے تھے عبد الرحمن و عثمان کی مخالفت

نہیں کر سکتے تھے۔ اور وہ سب اُس کے باوجود جناب امیر کی خلافت سے راضی نہیں ہوتے اور زبردستی عمر کے اعتراف کے مطابق کبھی انسان اور کبھی شیطان تھے اُن کے ساتھ ہو جاتے تو امیر المومنین تنہا رہ جاتے۔ اگر آنحضرت کے ساتھ ہو جاتے تو دو شخص ہوتے اور اُس صورت میں کہ سعد بھی ان دونوں حضرات کے ساتھ ہو جاتے تو تین افراد ہوتے۔ عبد الرحمن اور طلحہ بن عبید اللہ موافقت نہیں کرتے تھے۔ الغرض دونوں ان تین صورتوں میں سے ایک صورت میں بھی خلافت اُن حضرت کو نہ ملتی۔ ابن ابی الحدید نے کہا کہ شعبی نے کتاب شوریٰ میں اور جوہری نے کتاب سفینہ میں سہل بن سعد انصاری سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جناب امیر و عباسؓ عمر کے پاس آٹھے جس روز کہ شوریٰ کی بنیاد ڈالی میں اُن کے پیچھے پیچھے چلا میں نے سنا کہ جناب امیر نے عباسؓ سے فرمایا کہ عمر کی اس تدبیر سے خلافت ہمارے ہاتھ سے نکل گئی۔ عباسؓ نے کہا کس طرح تم نے جانا۔ حضرت نے فرمایا کیا آپ نے نہیں سنا کہ وہ کہتے تھے کہ اُس طرف ہونا جس طرف عبد الرحمن ہو۔ سعد عبد الرحمن کی مخالفت نہیں کریں گے کیونکہ وہ عبد الرحمن کے چچا زاد بھائی ہیں اور عبد الرحمن عثمان کے داماد ہیں اہلناجب یہ تینوں اشخاص ایک طرف ہو جائیں گے۔ تو وہ دو اشخاص میرے ساتھ ہوئے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اگرچہ میں دونوں بلکہ ان میں سے ایک کی بھی امید نہیں رکھتا اور ان تمام باتوں سے عمر کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو سمجھائیں کہ عبد الرحمن ہم سے افضل ہے اور خدا کی قسم اُن کے اول یعنی ابوبکرؓ پر فضیلت نہیں رکھتے تھے چہ جائیکہ عبد الرحمن خدا کی قسم اگر عمر اس مرض میں فوت نہ ہوئے تو میں ان تمام امور کے انجام کی بُرائی اُن پر واضح کروں گا۔ جو انھوں نے اول سے آخر تک ہمارے ساتھ کیا ہے۔ اگر وہ مر گئے اور یقیناً مر جائیں گے تو یہ لوگ اس بات پر اتفاق کریں گے کہ خلافت کو مجھ تک نہ پہنچنے دیں۔ اگر ایسا کریں گے تو اپنے کئے کا بدلا میری طرف سے پائیں گے۔ خدا کی قسم گو میں بادشاہی کی رغبت نہیں رکھتا اور دُنیا کو نہیں چاہتا۔ لیکن چاہتا ہوں کہ لوگوں کے درمیان عدالت ظاہر کروں اور احکام خدا اور سنت رسول خداؐ کے ساتھ عمل کروں۔

اگر کوئی کہے کہ جبکہ امیر المومنین جانتے تھے کہ خلافت اُن کو نہ ملے گی تو شوریٰ میں کیوں داخل ہوئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ ابوبکرؓ نے اس حدیث کو ابتدا میں وضع کیا تھا کہ نبوت و خلافت ایک خاندان میں جمع نہیں ہوتی۔ اور عمرؓ بھی بار بار یہی کہتے تھے۔ اور لوگوں کے دلوں میں راسخ ہو گیا تھا کہ حضرت شوریٰ میں شامل نہ ہوں گے۔ اگر حضرت شوریٰ میں داخل نہ ہوتے تو کبھی بنی ہاشم کے لیے خلافت کا احتمال نہ کرتے اور حق ان کی طرف واپس نہ آتا۔ چونکہ وہ حضرت عمرؓ کے حکم سے شوریٰ میں داخل ہوئے تو لوگوں نے جانا کہ وہ روایت موضوع اور اُن کا وہ

قول ہے اصل تھا جیسا کہ ابن ابویہ نے حضرت صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جب عمر نے شوریٰ کی تحریر لکھی ابتدا میں عثمان کا نام اور سب کے آخر میں حضرت علی کا نام لکھا عباس نے حضرت سے کہا کہ تم کو سب کے بعد لکھا ہے، تم کو نکال دیں گے۔ میری بات مانو تم داخل شوریٰ نہ ہونا۔ یہ سن کر حضرت نے ان کا کچھ جواب نہیں دیا۔ جب لوگوں نے عثمان کی بیعت کی عباس نے کہا میں نے نہیں کہا تھا کہ ایسا کریں گے حضرت نے فرمایا چچا جان! میرے داخل ہونے کا ایک سبب ہے جو آپ سے پوشیدہ تھا۔ کیا آپ نے نہیں سنا تھا کہ عمر منبر پر کہتے تھے کہ خدا اطمینان کے لیے نبوت و خلافت جمع نہ کرے گا۔ اس لیے میں نے چاہا کہ وہ اپنی زبان سے اپنی تکذیب کریں اور لوگ سمجھ لیں کہ جو کچھ پہلے کہا تھا باطل اور جھوٹ تھا اور ہم خلافت کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ سن کر جناب عباس خاموش ہو گئے۔ نیز ان حضرات کے امور و افعال میں بہت سی مصالحتیں ہوتی ہیں جن کو ہماری ناقص عقلیں نہیں سمجھ سکتیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر وہ حضرت شوریٰ میں داخل نہ ہوتے تو لوگ ان حضرت کو ان میں سے کسی ایک کی بیعت پر مجبور کرتے۔ ممکن تھا کہ لوگوں کو گمان ہوتا کہ حضرت نے برضا و رغبت خلافت ترک کی اور خوشی ان کی بیعت کی تھی۔ اس کے خلاف کہ شوریٰ میں داخل ہوں اور اپنا حق طلب کریں۔ اور ان پر حجت تمام کریں تاکہ برضا و رغبت کا گمان برطرف ہو جائے۔ جیسا کہ طبری نے اس قصہ میں روایت کی ہے کہ عبدالرحمن نے ان حضرت سے کہا کہ اے علی اپنے لیے راستہ مت کھولو کہ قتل کے جاؤ میں نے خود کیا اور لوگوں سے مشورہ کیا۔ وہ لوگ عثمان کے برابر کسی کو نہیں جانتے۔ پھر جناب امیرؓ باہر چلے آئے اور فرمایا جو مقدر ہو چکا ہے وہ ہو گا۔ طبری کی دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ جب لوگوں نے عثمان سے بیعت کی علی علیہ السلام نے مضائقہ کیا تو عثمان نے یہ آیت پڑھی جو خود ان کی اور انہی کے ایسے لوگوں کے حق میں جنہوں نے رسول اللہؐ کی بیعت کی تھی نازل ہوئی تھی ومن نکث فانما ینکث علی نفسه الخ جب آنحضرتؐ نے یہ دھمکی سنی تو واپس ہوئے اور بیعت کر لی۔ اور فرمایا کہ مگر کیا اور عجیب مکر کیا۔ اور سید تفسیر نے بلاذری سے جو عامر کے معتبر ترین مورخ ہیں روایت کی ہے کہ جب عبدالرحمن نے عثمان کی بیعت کی جناب امیرؓ کھڑے ہوئے تھے۔ بیٹھ گئے، عبدالرحمن نے کہا بیعت کرو اگر نہ کرو گے تو تمہاری گردن مار دوں گا۔ اس روز اس کے سوا کوئی تلوار نہیں رکھتا تھا۔ یہ سن کر جناب امیرؓ غصہ میں اٹھ کر باہر چلے گئے۔ شوریٰ کے اشخاص حضرت کے پیچھے چلے اور کہا کہ بیعت کرو، ورنہ ہم تم سے جنگ کریں گے۔ آخر ان کو واپس لاتے تو حضرت نے بیعت کی۔ ان حالات و خصوصیات سے ہر ایک پر ظاہر ہوا کہ بیعت خوشی و رضامندی کے ساتھ نہیں ہوئی اور اجماع متحقق نہیں ہوا

اور کس طرح جنگ و قتل کی دھمکی کے ساتھ خوشی و رضا مندی اور اختیار کا شائبہ ہو سکتا ہے۔ اور یہ سید مرتضیٰ نے کہا ہے کہ عبد الرحمن نے پہلے تو یہ چال چلی کہ خود کو ان میں سے علیحدہ کر لیا تاکہ لوگ اس کو بے غرض سمجھیں اور جو کچھ وہ کہے مان لیں اور دوسری چال یہ چلی کہ حضرت کے سامنے وہ شرط خلافت کی پیش کی جس کے متعلق جانتا تھا کہ وہ حضرت کو قبول فرمائیں گے یعنی کہا کہ خلافت آپ کو اس شرط سے دی جاتی ہے کہ آپ سیرت ابوبکر و عمر کے مطابق عمل کریں گے اور یہ جانتا تھا کہ وہ حضرت ان دونوں حضرات کی سیرت کو بدعت اور باطل جانتے ہیں اور اس شرط کو قبول نہ کریں گے اور حضرت یہ اظہار نہیں کر سکتے تھے کہ ان کی سیرت باطل تھی کیونکہ اسی کو ان حضرات کے لیے قدر کا سبب قرار دیتے تھے۔ نیز ان دونوں کی سیرت پر عمل کرنا محال تھا کیونکہ ان دونوں حضرات کا طریقہ باہم متفق نہ تھا۔ اس کھلی ہوئی مکاری سے ایسے امر باطل کو حاصل کیا۔

۹۔ تین صورتوں سے اس جماعت کے قتل کا حکم کیا عبد الرحمن کی مخالفت کی صورت میں ان عثمانیوں کے سب دوستوں کی مخالفت کی صورت میں یا کسی چیز پر ان کی رائے سے متفق نہ ہونے کی صورت میں۔ یہ سب کس طرح کے مجرم تھے کہ ان پر یہ لوگ قتل کے مستحق قرار پائے اور عمر کا حکم اور عبد الرحمن وغیرہ کی رائے کس دلیل سے حجت تھی اور کون سا خدا و رسول کا حکم ان کی اطاعت کے واجب ہونے پر دلالت کرتا ہے جن کی مخالفت سے مسلمانوں کی ایک جماعت قتل کی سزاوار ہوتی ہے جن کا قتل یہ نص قرآن عظام گناہان کبیرہ میں سب سے بڑا گناہ ہے۔

۱۰۔ یہ کہ ان سب میں جناب امیر کے قتل کا حکم کیا۔ یہ قتل کا حکم حضرت اور آپ کے پیروں ہی کے لیے تھا جیسا کہ تقسیم کے حیلہ و فریب سے ظاہر ہوا۔ باوجودیکہ بطریق مخالفت و موافق صحیح سندوں سے ثابت ہے کہ ان حضرات کی محبت ایمان اور عداوت کفر ہے اور آپ سے جنگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ، اور آپ سے صلح آنحضرت کیساتھ صلح ہے۔

۱۱۔ یہ کہ بفرض محال اس جماعت کی رائے کی اطاعت واجب تھی تو ان کی مخالفت پر مسلمانوں کے قتل خصوصاً امیر المؤمنین ایسے معصوم بزرگ کے قتل کو کس دلیل نے اس مدت کے تعیین پر دلالت کی کہ اگر تین روز گزر جائیں اور خلافت کا فیصلہ نہ ہو سکے تو واجب القتل ہوں گے یہی

۱۲۔ یہ کہ جناب امیر کو باوجود آپ کے ان تمام محامد و مناقب کے جو ان کی صحاح کی روا سے ثابت ہیں اور اکثر بیان ہو چکے کہ حق اور قرآن سے جدا نہ ہوں گے اور شہ علم و حکمت کے دروازہ ہیں اور تمام مخلوق پر امام برحق اور حجت ہیں۔ ان تمام مناقب کے باوجود حکم دیا کہ عبد الرحمن کی اطاعت کریں جو تمام محامد سے عاری تھا۔ عمر یہ جانتے تھے کہ عثمان کی طرفداری

کہ ان کا چچا زاد بھائی اور داماد تھا نہ چھوڑے گا اگرچہ خود عمر کی اپنے اقرار و اعتراف کے مطابق ضعیف الہائے اور اپنی قوم کو دوست رکھتا تھا اور ان خرابیوں کی وجہ سے قابلِ عقاب نہ تھا۔ اس کی رائے کو آنحضرتؐ کی رائے پر ترجیح دی اور اس کی اطاعت حضرتؐ پر واجب کی یہاں تک کہ اگر حضرتؐ اس کی رائے کے خلاف کریں تو قتل کر دیئے جائیں۔ ان کا عدم ایمان و نفاق و مگر ابھی اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی۔

۱۳۔ جبکہ یہ اُلُفّاقِ مخالف و موافق جناب امیرِ مہمسر کتاب الہی ہیں اور ہرگز حق سے جدا نہیں ہیں اور سفینۂ نجات اور علم امت میں اور عظیمین کے طریقہ سے راضی نہ ہوتے اس سبب سے خلافت سے جو آپ کا مخصوص حق تھا دست بردار ہوئے تو عمر کی ضلالت اور ان کے طریقہ کے باطل ہونے کی اس سے واضح تر کوئی دلیل نہ ہوگی کہ اگر ان کا طریقہ کتاب خدا اور سنت رسول اللہ کے موافق تھا تو کیوں حضرتؐ نے اس کو قبول کیا اور سنت شیخین کو قبول کیا اور عبدالرحمن کتاب خدا و سنت رسول خدا کو ان حضرت کے قبول کرنے اور سنت شیخین قبول نہ کرنے پر ان حضرت کی خلافت پر کیوں راضی نہ ہوا۔ اگر سنت شیخین اس کے مخالف تھی تو خدا و رسولؐ کی مخالفت عین کفر ہے۔

۱۴۔ یہ کہ عثمان جب اس شرط پر راضی ہو گئے تو ان کی خلافت کا باطل ہونا اور ان کی ضلالت بھی ظاہر ہوئی۔ نیز علیؑ کے اجتہاد کی صحت کی صورت میں اگر عثمان مجتہد نہ تھے تو حضرات اہل سنت کے مذہب کے مطابق وہ قابلِ خلافت نہ تھے کیونکہ خلافت کے لیے ان کے نزدیک سب سے بڑی شرط اجتہاد ہے لہذا کیوں عمر نے ان کو خلافت کے شور میں داخل کیا اور عبدالرحمن نے ان کو بیعت کی تکلیف دی اور اگر مجتہد تھے تو کیوں عبدالرحمن شرط کرتا تھا کہ اپنے اجتہاد پر عمل نہ کریں اور ابو بکر و عمر کے اجتہاد سے تجاویز نہ کریں اور کیوں عثمان نے اس شرط کو قبول کیا۔ اگر یہ شرط جائز ہے تو خلافت میں شرط اجتہاد کا فائدہ کیا ہے۔ نیز جب اجتہاد کے ذریعہ سے جناب رسول خدا کی مخالفت جائز ہوتی ہے۔ جبکہ مخصوص قرآنی آپ کی متابعت واجب ہے جیسا کہ حضرات اہل سنت تجویز کرتے ہیں اور ابو بکر و عمر کی غلطیوں کی اسی اجتہاد سے توجیہ کرتے ہیں تو کیوں ان دونوں ناواقفوں کی مخالفت جائز نہ ہوگی۔ اور غلطی کی دوسری وجہیں جن کا ذکر کلام کی طوالت کا باعث ہوگا۔ لہذا جس قدر ذکر کیا گیا حال مزید کے لیے کافی ہے۔

گیارہویں طعن : یہ کہ ابو بکر کو لوگوں نے جناب رسول خدا کے خانہ اقدس میں دفن کیا اور عمر نے وصیت کی کہ ان کو اسی خانہ مقدس میں دفن کریں اور وہ چند وجوہ سے جائز نہ تھا۔

اول - یہ غیر کی ملکیت میں تصرف شرعی جہت کے خلاف جائز نہیں ہے۔
دوسری وجہ : یہ کہ خدا نے آنحضرت کے مکان میں بغیر اجازت داخل ہونے کی ممانعت

کی ہے۔

تیسری وجہ : یہ کہ آنحضرت کی قبر مطہر کے نزدیک زمین پر کدال ماری اور خدا نے آنحضرت کے پاس آواز بلند کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ اور مومن کو خصوصاً آنحضرت کا احترام خاص اور موت میں کیسا ہے۔ اور ہر حال میں اس کی رعایت واجب ہے۔ اس بارے میں تفصیل یہ ہے کہ جناب رسول خدا کی قبر مبارک کی جگہ ایسی نہیں ہے کہ آنحضرت کی وفات کے وقت تک آنحضرت کی ملکیت میں باقی تھی یا آنحضرت کی حیات میں وہ جگہ عائشہ کو منتقل ہو گئی تھی جیسا کہ بعض سنی حضرات نے اس کا دعویٰ کیا ہے۔ پہلی صورت کی بنا پر اس سے خالی نہیں ہے کہ میراث دوسروں تک پہنچی یا صدقہ تھا۔ اگر میراث میں وہ جگہ تھی تو جائز نہ تھا ابو بکر و عمر کو کہ اپنے ذمہ کا حکم دیں لیکن وارثوں کی اجازت سے اور کسی روایت اور خبر میں نقل نہیں ہوا ہے کہ وارثوں سے اجازت طلب کی ہو۔ یا ان سے بذریعہ بیع و خرید حاصل کیا ہو اگر صدقہ تھا تو چاہیے کہ مسلمانوں سے خرید کیا ہو یا ان کی رضامندی حاصل کی ہو۔ اگر عائشہ کی جانب حضرت کی حیات میں منتقل ہو گئی ہو تو چاہیے تھا کہ اس بارے میں کوئی دلیل یا گواہ عائشہ سے طلب کرتے جس طرح جناب فاطمہ سے طلب کیا اور اس لیے کہ عوام کو فریب دینا عائشہ کے پاس کسی کو بھیجا اور ان سے اجازت طلب کی بہر صورت عاقل خمیر پر نظر ہے کہ عائشہ کا اجازت دینا کوئی فائدہ نہیں رکھتا کیونکہ اگر صدقہ تھا تو اس میں سب مستحقین شریک تھے اور صرف عائشہ کی اجازت کافی نہ تھی اگر وہ میراث تھی تو تقسیم سے پہلے بغیر تمام وارثوں کی اجازت کے تصرف اس میں حرام تھا اور نہ تھا عائشہ کا اجازت دینا کوئی وقت نہیں رکھتا۔ اور روایت کی ہے کہ فضال بن حسن ایک روز ابو حنیفہ کی مجلس میں گئے جہاں ان کے شاگردوں کی بہت سی جماعت بیٹھی تھی اور استفادہ کر رہی تھی۔ فضال نے کہا واللہ جب تک میں ابو حنیفہ کو نکل اور ملزم نہ قرار دوں گا اس جگہ سے نہ جاؤں گا۔ پھر ابو حنیفہ کے نزدیک گئے اور سلام کیا اور کہا اے ابو حنیفہ میرا ایک بھائی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جناب رسول خدا کے بعد لوگوں میں سب سے بہتر علی ہیں اور میں کہتا ہوں کہ بہترین مردم ابو بکر ہیں ان کے بعد عمر۔ اس کی کوئی دلیل مجھے بتائیے جو اس پر حجت ہو۔ ابو حنیفہ کچھ دیر سر جھکاتے بیٹھے رہے پھر سر اٹھایا اور کہا ان کی کرامت اور فخر کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ قبر میں آنحضرت کے ساتھ سو رہے ہیں اس سے زیادہ واضح اور کون سی حجت ہوگی۔ فضال نے کہا میں نے اپنے بھائی سے یہ دلیل بیان کی تھی میرے

بھائی نے کہا کہ اگر وہ جگہ آنحضرت کی ملکیت تھی تو ان دونوں حضرات (ابوبکر و عمر) نے اُس مقام میں دفن ہونے میں غلط کیا جس پر ان کا کوئی حق نہ تھا۔ اگر وہ جگہ انہی کی ملکیت تھی اور اُنھوں نے حضرت کو بخش دیا تھا تو اپنی بخشی ہوئی چیز کی جانب رجوع کرنے میں بُرا کیا، اور ایسا عمد توڑا۔ یہ سُن کر ابوحنیفہ نے سر جھکا لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد کہا وہ اپنی لڑکیوں کے مہر کے حق کے سبب وہاں دفن ہوئے ہیں۔ فضال نے کہا کہ اس کے جواب میں میرا بھائی کہتا ہے کہ جب یہک آنحضرت عورتوں کو ان کا مہر نہیں دیتے تھے وہ ان پر حلال نہیں ہوتی تھیں۔ جیسا کہ خداوند عالم فرماتا ہے کہ انا احللنا لك ازواجك اللاتي آتيتن اجورهن۔ ابوحنیفہ نے کہا کہ لو اپنی بیٹیوں کی میراث کے حق سے اس جگہ دفن ہوئے ہیں۔ فضال نے کہا یہ میں نے یہ بھی اُس سے کہا۔ وہ کہتا ہے کہ جناب رسول خدا نے جب گویا سے رحلت کی تو بیبیاں چھوڑیں تو اُس مقام کا آٹھواں حصہ بیبیوں کا حق ہوا۔ اُس آٹھویں حصہ میں سے نو حصے کئے گئے تو ہر بی بی کو ایک حصہ ملا جو ایک بالشت کے برابر بھی نہیں ہوتا۔ کس طرح اتنا بڑا جنازہ اتنی زمین میں دفن کیا۔ نیز ان لوگوں نے فاطمہ علیہا السلام کو میراث نہ دی۔ پھر عائشہ و حصفہ نے کس طرح میراث پائی۔ جب بات یہاں تک پہنچی تو ابوحنیفہ نے کہا اس شخص کو باہر نکالو۔ کیونکہ یہ رافضی ہے۔ اس کے کوئی بھائی وائی نہیں ہے۔ علاوہ ازیں عمر کے حسب و نسب کی خرابی جو کتب مبسوط میں لکھی ہوئی ہے۔ اس رسالہ میں اُس کے ذکر کی گنجائش نہیں۔ اللہ العالم بحقائق الامور۔

تیسرا مطلب : عثمان کے مطاعن کا مختصر ذکر اور ان کے قبیح اعمال کا تذکرہ جو اس قدر مشہور ہیں کہ ان کے بیان کی ضرورت و احتیاج نہیں۔ ان میں سے کچھ ہم اس رسالہ میں بیان کرتے ہیں۔
طعن اول : یہ ہے کہ اپنے چند کافر، منافق اور فاسق رشتہ داروں کو جو کسی طرح کی اہلیت نہیں رکھتے تھے مسلمانوں کا حاکم قرار دیا۔ اور مسلمانوں کے مال اور عورتوں پر ان کو مسلط کیا چنانچہ اپنے مامری بھائی ولید کو کوفہ کا حاکم مقرر کیا۔ اُس سے طرح طرح کے فسق و فجور و عصیان صادر ہوئے اُس کا دار و مدار شراب پینے پر تھا۔ ابن عبد البر نے کتاب الاستیعاب میں اور دوسرے تواریخین و محدثین نے روایت کی ہے کہ ولید ایک روز نشہ میں مسجد میں آیا اور نماز صبح چار رکعتیں پڑھائیں۔ اور اتنا نماز میں ان سے کہا میں عقل رکھتا ہوں اگر کہو تو چار رکعتوں سے زیادہ پڑھاؤں۔ اس کے بعد صاحب الاستیعاب نے لکھا ہے کہ یہ قصہ مشہور ہے اور ان کے ثقہ اہل حدیث و اہل تاریخ نے روایت کی ہے۔ اس کے بعد کہا ہے کہ اہل علم کے درمیان اختلاف نہیں ہے کہ یہ آیہ کریمہ ان جاسکے فاسق بخبرفتبینوا ولید کے حق میں نازل ہوئی ہے

اور خداوند عالم نے اس کو فاسق کہا ہے اور صاحب مروج الذهب اور دوسروں نے روایت کی ہے کہ اُس کا فسق اس حد تک مشہور ہوا کہ منبر پر اُس پر پتھروں کی بارش کی گئی اور اُس کو پکڑ کر مدینہ لائے اور جناب امیر نے اُس پر حدِ نجر جاری کی۔ اگرچہ عثمان راضی نہ تھے۔ اور مروان الحکم منافق کو اپنی خلافت میں دخیل کیا۔ اُس نے جو ظلم و زیادتی چاہی لوگوں پر کی۔ اور عبداللہ بن ابی سرح کو مصر کا امیر و حاکم مقرر کیا۔ جب اہل مصر نے اس کی شکایت کی اور مدینہ میں آکر فریاد کی تو عثمان نے محمد بن ابی بکر کو وہاں کا امیر مقرر کر کے بھیجا اور عبداللہ بن ابی سرح کو پوشیدہ طور سے لکھا کہ جب یہ جماعت وہاں پہنچے تو اُن میں سے بعض کے سر اور وارطھی منڈیا کر اُن کو قید کر دینا اور بعض کو دار پر کھینچنا۔ اس پوشیدہ خط کو اہل مصر نے راستہ میں پکڑا اور تہہ واپس آئے۔ اسی سبب سے وہ قتل کئے گئے۔

دوسری طعن : حکم بن العاص کو جسے رسول خدا نے مدینہ سے اُس کے کفر و نفاق اور بہت ایذا دہی کے سبب جو اس سے آنحضرت کو پہنچی تھیں نکال دیا تھا اور جب تک آنحضرت حیات تھے اُس کو مدینہ آنے کی اجازت نہ دی۔ جب آنحضرت نے دُنیا سے رحلت کی اُس قرابت کی وجہ سے جو وہ عثمان سے رکھتا تھا اور نفاق میں جو باہم متفق تھے عثمان ابو بکر کے پاس آئے اور اُس کی سفارش کی کہ اس کو مدینہ میں آنے کی اجازت دے دیں۔ ابو بکر راضی نہ ہوئے۔ جب عمر خلیفہ ہوئے تو عثمان نے پھر استدعا کی وہ بھی راضی نہ ہوئے۔ جب خود خلیفہ ہوئے تو اُس کو اور اُس کے ایسے لوگوں کو نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ مدینہ لائے ہر چند جناب امیر، زبیر، طلحہ، سعد، عبدالرحمن، عمار اور تمام صحابہ نے اس بارے میں بہت منہج کیا لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔ یہ فعل بھی جناب رسول خدا کے حکم اور سنتِ شیخین کے خلاف تھا جس کے بارے میں شرط کی تھی کہ ان کے طریقہ پر عمل کریں گے۔ ان امور کو واقعہ اور ابن عبدالبر اور دوسرے مؤرخین نے بہت طریقوں سے روایت کی ہے۔

تیسری طعن : یہ کہ ابو ذرؓ جن کی فضیلت و بزرگی اور سبقتِ اسلام میں خاصہ و عامہ میں سے کسی کو شک نہیں اور اپنی صحاح میں ان کی فضیلت میں بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں چونکہ عثمان کی بدعتوں اور مظالم کے سبب سے برابر اُن کی نصیحت و مذمت کرتے تھے اور مدینہ کی گلیوں اور سڑکوں پر گھومتے اور کہتے تھے۔ بشر اللکافرین بعد ابی سرح۔ عثمان نے ان کو مدینہ سے نکال دیا اور شام میں بھیج دیا۔ وہاں بھی جب معاویہ کی بدعتیں اور مظالم دیکھے تو اس کو بھی مذمت و نصیحت کرنے لگے۔ اور جناب امیر کے فضائل و مناقب زیادہ بیان کرتے تھے۔ معاویہ نے ہر چند چاہا کہ ان کو مال و دولت سے راضی کر لے ابو ذرؓ نے

قبول نہیں کیا اور نزدیک تھا کہ اہل شام کو معاویہ کے خلاف کر دیں معاویہ نے عثمان کو لکھا کہ اگر تم کو شام کی ضرورت ہے تو ابوذر کو یہاں سے باہر کرو۔ عثمان نے جواب میں لکھا کہ ابوذرؓ کو میرے پاس مدینہ میں بھیج دے۔ اُس سواری پر جو نہایت ناہموار اور سخت ہو۔ الغرض معاویہ نے اُن بزرگ کو برہنہ اور نہایت سرکش اونٹ پر سوار کر کے ایک نہایت بد مزاج کو ان پر موکل کیا اور حکم دیا کہ رات و دن جھگڑاتا ہوا لے جائے اور ابوذرؓ سے سو سکیں نہ ذرا آرام لے سکیں۔ جب وہ مرد سرکش و درشت نحو اس بزرگ ضعیف و کمزور کو اس تکلیف و اذیت کے ساتھ لایا تو مدینہ تک پہنچتے پہنچتے اُن حضرتؓ کی ران کے گوشت کٹ کٹ کر گر پڑے۔ جب ان کو عثمان کے پاس لائے تو انھوں نے منکر (بڑی باتوں) کے روکنے سے ہاتھ نہ اٹھایا اور عثمان اور ان کے اقربا کی ذمت و نفعیان کے بارے میں محدثین جناب رسول خداؐ سے سُنی تھیں بیان کیں۔ عثمان نے ان کی تکریب کی جناب امیرؓ نے فرمایا کہ ابوذرؓ جو جوٹ نہیں بولتے کیونکہ میں نے جناب رسول خداؐ سے سُنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ سبز آسمان نے سایا نہیں ڈالا۔ زمین گرواؤ تو نے نہیں اٹھایا۔ کسی بات کرنے والے کو جو ابوذرؓ سے زیادہ سچا ہو۔ یہ سکر صحابہ جو وہاں موجود تھے۔ سب نے تصدیق کی کہ ہم نے یہ قول (حدیث) جناب رسول خداؐ سے سُنا ہے جو ابوذرؓ کی شان میں تھا۔ عثمان نے صحابہ سے کہا کہ میں اس بوڑھے دروغ گو کے بارے میں کیا کروں۔ اس کو ماروں یا قید کروں یا قتل کروں یا اس کو شہر سے نکال دوں۔ یہ مسلمانوں کی جماعت کو پرگندہ کرنا چاہتا ہے۔ جناب امیرؓ نے فرمایا کہ میں اُن کے حق میں وہی کہتا ہوں جو مومن آل فرعون نے جناب موسیٰؑ کے حق میں کہا تھا۔ پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی جس کا مضمون یہ ہے کہ اگر وہ سچ کہتے ہیں تو جس چیز کا تم سے وعدہ کرتے ہیں وہ تم تک پہنچے گی۔ اس لیے خدا اس شخص کی ہدایت نہیں کرتا جو گنہگار اور چھوٹا ہوتا ہے۔ پھر عثمان نے ابوذرؓ سے کہا کہ تمہارے مُنہ میں خاک ہو۔ جناب امیرؓ نے فرمایا بلکہ تمہارے دہن میں خاک ہو بیان کرتے ہیں کہ اُن حضرتؓ کے اہواز سے جب ان کو مسلمانوں نے قتل کیا ان کے دہن کو لوگوں نے خاک سے بھرا ہوا پایا۔ الغرض عثمان نے لوگوں کو تاکید کی کہ کوئی ابوذرؓ کے ساتھ نہ اٹھے بیٹھے اور نہ اُن سے بات کرے۔ چند روز کے بعد پھر ان کو طلب کیا اور کہا شہروں سے نکل جاؤ۔ ابوذرؓ نے کہا مجھے شام میں بھیج دو تاکہ کافروں سے جہاد کروں۔ کہا میں نے تم کو شام سے اس لیے بلایا کہ تم نے اُس شہر کو فاسد کر دیا۔ ابوذرؓ نے کہا پھر مجھے عراق بھیج دو۔ کہا ایسی جماعت کے پاس جانا چاہتے ہو جو شک و شبہ رکھتے ہیں اور امانوں پر طعن کرتے ہیں۔ کہا مجھے مصر جانے دو۔ اس پر وہ راضی نہ ہوئے۔ آخر ان کو بڑھو بھیجا جو ان کے نزدیک سب سے بدتر مقام تھا۔

اور لوگوں کو ان کے ساتھ مصاحبت کی ممانعت کر دی۔ جناب ابوذرؓ اُس مقام مغرب تکلیف میں خدا کی عبادت میں مشغول رہتے تھے یہاں تک کہ رحمت الہی سے واصل ہوئے۔ یہ تمام مظالم اور تکلیفیں جو ابوذرؓ پر واقع ہوئیں جناب رسول خداؐ نے ان کو خبر دے دی تھی اور فرمایا کہ تنہا زندگی کرو گے، تنہا مر گے، تنہا محسور ہو گے اور تنہا داخل بہشت ہو گے اور اہل عراق کا ایک گروہ تمہاری تجہیز و تکفین کا متکفل ہوگا۔ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو سوائے ایک دختر کے ان کے پاس کوئی نہ تھا۔ لڑکی نے کہا بابا جان میں تنہا کس طرح آپ کی تجہیز و تکفین کروں گی۔ فرمایا جان پدر میرے حبیب رسول خداؐ نے مجھے خبر دی ہے کہ عراق کے حاجیوں کی ایک جماعت میری تجہیز کرے گی۔ جب میری وفات ہو جائے تو چادر مجھ پر ڈال دینا اور حاجیوں کے راستہ پر جا کر بیٹھ جانا۔ جب وہ آئیں تو میرے مرنے کی خبر ان کو دینا۔ الغرض دختر ابوذرؓ ان کی وفات کے بعد برسر راہ آئی۔ عراقی کا قافلہ جب آیا اُس میں عبداللہ بن مسعود مانک اشتر وغیرہ موجود تھے۔ جب لڑکی نے ابوذرؓ کی خبر ان لوگوں کو دی سب محزون و گریاں ہوئے اور ان کے غسل و کفن اور نماز و دفن کی جانب متوجہ ہوئے۔ دفن کے بعد سب روئے اور ان پر ظلم کرنے والوں پر لعنت کی۔ یہ بھی ابن مسعود کو مارنے اور ان کی ہتک کرنے کا ایک سبب بنا جیسا کہ اس کے بعد ذکر کیا جائے گا۔ ابوذرؓ کو شہر مدینہ سے نکالنے کے وقت جناب امیرؓ کی بے انتہا اہانت عثمان اور ان کے اصحاب نے کی جب کہ حضرت ان کو بیرونی مدینہ پہنچانے گئے تھے۔ اور جو شخص ابوذرؓ ایسے بزرگ پر جو اصحاب کبار اور اہل سابق میں سے تھے جیسا کہ ترمذی وغیرہ نے ان کی شان میں روایت کی ہے کہ زیر آسمان و روئے زمین پر ان سے زیادہ سچا کوئی نہیں اور وہ زہر میں شہید عیسیٰ بن مریم ہیں۔ بہت سی دوسری فضیلتوں کے باوجود جن حضرات اہلسنت نے اپنی صحاح میں روایت کی ہے ظلم ڈھائے اور سردار اہلبیت رسالت کی شان میں ایسی اہانت عمل میں لائے۔ اس کو اہل اسلام میں نہیں شمار کیا جاسکتا۔ چہ جائیکہ وہ مستحق خلافت ہو۔

چوتھی طعن : عبداللہ بن مسعود کو جن کو اکابر صحابہ میں جانتے ہیں اور ان کے فضائل میں عثمان سے زیادہ حدیثیں نقل ہوئی ہیں عثمان نے ان کا وظیفہ بند کر دیا۔ دو مرتبہ ان کو زند و کوب کیا۔ ایک مرتبہ اس لیے کہ کیوں ابوذرؓ کی میت کی نماز پڑھی، چالیس تازیانے مارے۔ دوسری بار اس لیے کہ ان سے مصحف (قرآن مجید) طلب کیا تاکہ اپنے مصحف سے جس میں تحریفیں اور کمی و بیشی کی گئی تھیں مطابق کریں اور انھوں نے نہیں دیا تو اس قدر مارا کہ ان کے پہلو کی دو ہڈیاں ٹوٹ گئی تھیں اور پھر تین روز بعد وہ رحلت کر گئے اور ابن ابی الحدید نے روایت کی ہے

کہ اُن کی وفات کے وقت عثمان اُن کی عیادت کے لیے گئے اور کہا کس سے تم کو شکایت ہے کہا اپنے گناہوں سے۔ پوچھا کیا چاہتے ہو کہا رحمتِ خدا۔ کہا میں تمہارے واسطے طیب لاؤں کہا طیب نے مجھے بیمار کیا ہے۔ کہا میں نے جو تمہارا وطیفہ بند کر دیا ہے پھر مقرر کر دوں۔ جواب دیا کہ میں جب محتاج تھا۔ اب جبکہ مستغنی ہو گیا ہوں تو دیتے ہو۔ کہا تمہارے فرزندوں کے لیے کیا ہوگا۔ کہا خدا اُن کو روزی دیتا ہے۔ کہا میرے لیے خدا سے مغفرت طلب کرو۔ کہا میں خدا سے چاہتا ہوں کہ میرا حق تم سے ملے اور وصیت کی کہ عثمان اُن پر نماز نہ پڑھیں۔ اور عثمان کا ابن مسعود کو مارنا، شہرتانی نے کتاب اللہ میں اور صاحب روضۃ الاحباب اور صاحب کتاب لطائف العارف نے تحریر کیا ہے اور شارح مقاصد اور دوسروں نے بھی تصدیق و تسلیم کیا ہے۔

پانچویں طعن : عمار یا عمر کو مارنا ہے جو صحابہ کبار سے ہیں اور خاصہ وعامہ کی حدیث کی کتابیں ان کے فضائل و مناقب کے ذکر سے بھری پڑی ہیں۔ چنانچہ ابن عبدالبر نے کتاب اثنیعاب میں روایت کی ہے کہ عائشہ نے روایت کی ہے کہ وہ کہتی ہیں کہ اصحاب رسول خدا میں کوئی نہیں ہے مگر یہ کہ اگر میں چاہوں تو اس کے حق میں کلام کر سکتی ہوں سوائے عمار یا عمر کے جن کے بارے میں میں نے رسول خدا سے سنا کہ آپ نے فرمایا کہ عمار ایمان سے بھرے ہوئے ہیں یہاں تک کہ اُن کے پاؤں کے تلوے بھی۔ اور دوسری روایت کے مطابق فرمایا کہ ایمان سے وہ اپنے تلووں سے لے کر کان کی لویں تک ہیں بھرے ہوئے ہیں اور خالد بن ولید سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا نے فرمایا کہ جو شخص عمار کو دشمن رکھتا ہے خدا اُس کو دشمن رکھتا ہے خالد کہتے ہیں کہ جس روز سے میں نے رسول خدا سے یہ سنا ہے میں ان کو ہمیشہ دوست رکھتا تھا اور انس سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا نے فرمایا کہ ہمیشہ علیؑ، عمارؑ، سلمانؑ اور بلالؑ کی مشتاق ہے اور صحیح ترمذی میں انس سے روایت کی ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ہمیشہ تین اشخاص علیؑ و عمارؑ و سلمانؑ کی مشتاق ہے اور عائشہ سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا نے فرمایا کہ کہیں عمار کو دوامروں کا اختیار نہ ہو اگر یہ کہ عمار نے اُس کو اختیار کیا جو اُن کے بدلی پر شواہ ترمذی اور مشکوٰۃ میں مسند احمد بن حنبل سے خالد بن ولید سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے کہ میرے اور عمارؑ کے درمیان نزاع ہوتی میں نے اُن سے سخت کلامی کی۔ عمار جناب رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور میری شکایت کی۔ میں بھی حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عمارؑ کی شکایت کی اور اُن سے سخت کلامی کی۔ آنحضرتؐ خاموش تھے۔ عمارؑ رونے لگے تو حضرتؐ نے سر اٹھایا اور فرمایا کہ جو شخص عمارؑ سے عداوت کرتا ہے خدا اُس سے عداوت کرتا ہے اور جو شخص اُن سے

دوستی کرتا ہے خدا اُس کو دوست رکھتا ہے۔ خالد نے کہا کہ میں حضرت کے پاس سے باہر آیا، اور عمار کو خوش کرنے میں بڑی کوشش کی اور اُن کو راضی کر لیا اور جامع الاصول میں صحیح بخاری سے اپنی سید خداری سے روایت کی ہے کہ جب جناب رسولِ خدا کی مسجد تعمیر کی جا رہی تھی ہم ایک ایک اینٹ اٹھاتے تھے اور عمار دو دو اینٹ اٹھاتے تھے۔ جناب رسولِ خدا نے اُن کو اس حال سے دیکھا تو اپنے دست مبارک سے اُن کے جسم سے خاک جھاڑتے تھے اور فرماتے تھے کہ بیچارہ عمار لوگوں کو بہشت کی طرف بلائے گا اور لوگ اُس کو جہنم کی طرف بلائیں گے۔ اور عمار کہتے تھے کہ میں فتنوں سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔ عمار کا قصہ یہ ہے جیسا کہ اعظم کوئی نے اور تاریخ فتوح میں اور صاحب روضۃ الاحباب وغیرہ نے روایت کی ہے کہ آنحضرت کے صحابہ میں سے کچھ لوگوں نے اتفاق کیا اور عثمان کے فسق و فجور و مظالم کو لکھا اور اُن کو دھمکی دی کہ اگر یہ افعال ترک نہ کرو گے تو تمہارے خلاف ہم لوگ شورش کریں گے اور عمار کو دیا کہ ان کو پہنچادیں۔ عمار نے جب اُن کو دیا تو انہوں نے ایک سطر پڑھا اور پھینک دیا۔ عمار نے کہا اے امیر یہ اصحاب رسولِ خدا کا خط ہے پھینکنے نہیں۔ پڑھیے غور کیجئے اور یقین کیجئے کہ میں آپ کی بھلائی چاہتا ہوں۔ یہ سن کر عثمان نے اپنے غلاموں کو حکم دیا تو اُن سب نے عمار کے ہاتھ پیروں کو زمین پر کھینچا اور اس قدر مارا کہ وہ حرکت کرنے سے مجبور ہو گئے۔ اُس کے بعد عثمان خود ان کے پاس گئے اور چند تالیں جو تھے پہنے ہوئے اُن کے شکم اور اس کے نیچے اعضا پر ماریں اس قدر کہ اُن کو فسق کی بیماری ہو گئی اور وہ بیہوش ہو گئے اور نصف شب تک بیہوش رہے اور ظہر و عصر و مغرب و عشاء کی نماز اُن کی قضا ہو گئی۔ جب نصف شب کے بعد ہوش میں آئے وضو کیا اور نمازیں ادا کیں۔ نیز اعظم کوئی نے تاریخ میں روایت کی ہے کہ جب ابوذر کی وفات کی اطلاع عثمان کو پہنچی تو کہا خدا ابوذر پر رحمت نازل کرے۔ عمار موجود تھے۔ یہ سن کر انہوں نے کہا کہ خدا ابوذر پر رحمت نازل کرے

..... اور ہم دل سے کہتے ہیں۔ عثمان نے کہا کہ تمہارا گمان یہ ہے کہ میں ابوذر کو نکال کر پشیمان ہوا ہوں۔ عمار نے کہا نہیں واللہ یہ گمان نہیں رکھتا ہوں۔ عثمان اس گفتگو سے برا فروختہ ہوئے اور کہا اس کی گردن پر مارو اور مدینہ سے اُسی جگہ نکال دو جہاں ابوذر تھے۔ اور جب تک میں زندہ ہوں یہ مدینہ میں نہ آئے۔ عمار نے کہا خدا کی قسم گتوں اور بھڑکیوں کی ہمسائیگی میرے نزدیک تمہاری ہمسائیگی سے بہتر ہے اور اٹھ کر چلے گئے۔ عثمان نے ان کو بھی نکال دینے کا ارادہ کیا۔ بنی مخزوم جو عمار کے رشتہ دار تھے باہم اتفاق کر کے جناب امیر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا عثمان نے عمار کو آزر دہ کیا اور اُقتربت پہنچائی اور ہم نے برداشت کیا اور اب اُن کے شہر سے نکالنے کا حکم دیا ہے۔ اگر ایسا کیا تو ہم ڈرتے ہیں کہ ہم سے

لے فتنہ یعنی بھینوں کا بڑھ جانا۔

کوئی ایسی بات سرزد نہ ہو جائے جس سے ہم اور وہ دونوں پشیمان ہوں حضرت نے اُن کو تسلی دی اور فرمایا کہ تم صبر کرو تا کہ میں اُن کے پاس جاؤں اور اصلاح کروں۔ پھر عثمان کے پاس گئے اور فرمایا کہ بعض کاموں میں تم بہت بیتاب ہو جاتے ہو اور خیر خواہوں کی بات نہیں سمجھتے۔ اس سے پہلے ابو ذرؓ کو جو مسلمانوں میں سب سے صالح اور جاہلوں میں سب سے نیک تھے۔ مدینہ سے تم نے ریزہ میں نکال دیا اور وہ وہاں غربت میں فوت ہو گئے اور مسلمانوں نے یہ بات پسند نہیں کی۔ اور اب مُسْتَناب ہوں کہ عمارؓ کو نکالنے کا ارادہ رکھتے ہو۔ خدا سے ڈرو اور عمارؓ اور دوسرے مسلمانوں سے دست بردار ہو جاؤ۔ عثمان اس بات کو سن کر غضبناک ہوئے اور کہا پہلے تم کو نکالنا چاہیے۔ کیونکہ سب کو تم برباد کرتے ہو۔ حضرت نے فرمایا کہ تمھاری یہ حد نہیں کہ مجھ سے ایسی باتیں کرو اور تمھارے امکان میں نہیں ہے کہ میرے ساتھ ایسا کر سکو۔ اگر چاہو بھی تو خدا کی قسم تم نہیں کر سکتے۔ اگر شک ہو تو امتحان کر لو تا کہ تم کو معلوم ہو جائے اور خدا کی قسم عمارؓ وغیرہ کا فساد سب تمھاری طرف سے ہے اور ان لوگوں کی کوئی خطا نہیں۔ بڑے کام خود تم کرتے ہو جس کی وہ لوگ تاب نہیں لاتے اور شکایت کرتے ہیں۔ یہ فرما کر اُسٹھے اور چلے گئے۔ جو شخص اس روایت میں شامل کرتا ہے وہ جان لیتا ہے کہ جو شخص اُن لوگوں کو اذیت پہنچاتا ہے، ان کی اہانت کرتا ہے اور مار پیٹ کے ساتھ اُن پر ظلم کرتا ہے جن کے حق میں جناب رسالت مآبؐ نے اُن کے دشمنوں کو خدا کا دشمن قرار دیا ہے اور جناب امیر المؤمنینؑ سے جن کی محبت ایمان اور بغض کفر و نفاق ہے ایسی باتیں کرتا ہے تو ایسے لوگ ایمان و اسلام سے تعلق نہیں رکھتے اور خاصہ و عامہ کی خبروں سے ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ عمارؓ سے عداوت کا بڑا سبب اُن کی جناب امیرؓ سے محبت تھی۔ جیسا کہ ابن ابی الحدید نے روایت کی ہے کہ ابن عباس کہتے ہیں کہ عثمان نے مجھ سے کہا تمھارے چچا کے بیٹے اور میرے ماموں کے لڑکے مجھ سے کیا کام رکھتے ہیں اور مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا کس کے بارے میں کہتے ہو۔ میرے چچا کے بیٹے اور تمھارے ماموں کے لڑکے بہت ہیں۔ کہا علیؑ کے بارے میں کہتا ہوں۔ میں نے کہا خدا کی قسم میں اُن میں خیر و خوبی کے علاوہ کچھ نہیں پاتا ہوں۔ کہا خدا کی قسم تم سے پوشیدہ رکھتے ہیں جو دوسروں سے کہتے ہیں۔ اسی اثنا میں عمار آگئے اور پوچھا کہ کیا کہتے تھے میں نے کچھ سنا کچھ نہیں سنا۔ عثمان نے کہا وہی ہے جو تم نے سنا۔ عمار نے کہا بہت سے وہ مظلوم ہیں جو خیر نہیں رکھتے اور بہت سے ظالم ہیں جو نادان بنے رہتے ہیں۔ عثمان نے کہا تم ہمارے دشمنوں سے اور اُن کے دوستوں اور سرووں میں سے ہو۔ خدا کی بزرگی کی قسم اگر بعض امور کی روایت نہ ہوتی تو تم کو ایسی سزا دیتا جو گذشتہ کی تلافی اور آئندہ تم کو تمھاری حرکتوں سے روکنے

جناب عمارؓ کے عثمان کی کشت اور سخت لگائی۔ عمار کا لائی کو لو جو اب

والی ہوتی۔ عمار نے کہا علیؑ کی دوستی کا عذر میں نہیں کرتا۔ لیکن مجھے سزا دینے کی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ میں تم پر حجت رکھتا ہوں۔ میں سنت کا تابع ہوں اور تم بدعت کے تابع ہو۔ عثمان نے کہا خدا کی قسم تم نشر و فساد کے اعوان و انصار ہو اور نیک امور سے روکنے والے۔ عمار نے کہا میں نے اس کے خلاف جناب رسول خداؐ سے سنا ہے جس روز کہ نماز جمعہ سے واپس آ رہے تھے تم آئے اور کوئی نہ تھا۔ میں نے آنحضرتؐ کے سینہ اقدس اور جو جبین مبارک کو چوما تو حضرتؐ نے فرمایا کہ یقیناً تم ہم کو دوست رکھتے ہو اور ہم تم کو دوست رکھتے ہیں اور یقیناً تم نیک امور کے اعوان (رشتہ و تعلق رکھنے والے) اور شر سے روکنے والے ہو۔ عثمان نے کہا ہاں تم ایسے ہی تھے لیکن بعد میں بدل گئے۔ عمارؓ نے دُعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور کہا اے ابن عباسؓ آئیں کہو۔ اور تین مرتبہ کہا خدا و ندا! تبدیلی کر اُس میں جس نے اس کو (سنتِ رسول و امور خیر کو) تبدیل کیا۔ یہ حکایت چند طریقوں سے عثمان کے کفر و ظلم و فسق پر دلیل ہے۔ (اول) عمار کی چند بار ایذا۔ اور عمار کا تین مرتبہ اُن پر نفرین کرنا اور جناب امیرؓ کو شر سے منسوب کرنا۔ اور اُن حضرتؓ کو اہل شر کرنا اور اُن حضرتؓ سے بغض و عداوت جس کا خود دعویٰ کیا کہ اگر جھوٹ کہا تو فسق بلکہ کفر کیا اور اگر سچ کہا تو یقیناً کفر ہے کیونکہ معلوم ہے کہ وہ حضرتؓ مومن و مسلم سے یقیناً بغض و عداوت نہیں رکھتے اور اُن حضرتؓ سے اُن (عثمان) کا بغض جو خود انہی کے کلام سے واضح ہے عین کفر و نفاق ہے۔

چھٹی طعن : یہ کہ خمس جو اطمینتِ رسولؐ سے مخصوص ہے اور بیت المال کا اور مسلمانوں کا تمام مال اپنے رشتہ داروں اور اولاد کو حد و اندازہ سے بیاہ دیا۔ مجملہ ان کے چار حصوں کو جن کو اپنی چار بیٹیاں دی تھیں چار لاکھ دینار دیا جو اس زمانہ کے حساب سے ساٹھ ہزار تومان (بارہ لاکھ روپے) ہوتے ہیں۔ اور افریقہ کے مال سے مروان کو ایک لاکھ دینار دیئے۔ کلبی اور شہرستانی کی روایت کے مطابق دو لاکھ دینار دیئے جو تیس ہزار تومان (چھ لاکھ روپے) ہوتے ہیں۔ اور واقدی کی روایت کے مطابق وہ تمام مال مروان کو دے دیئے اور کہا ابو بکر و عمر اس مال سے اپنے عزیزوں کو دیتے تھے میں بھی اپنے عزیزوں کو دیتا ہوں۔ نیز واقدی ہی نے روایت کی ہے کہ مال کثیر بصرہ سے لایا گیا۔ سب کو ایک طرف میں جمع کیا گیا اور اپنے اہل و اولاد کو تقسیم کر دیا نیز وہی روایت کرتے ہیں کہ بہت سے اونٹ زکوٰۃ کے بصرہ سے لاتے گئے۔ وہ سب حارث بن الحکم کو دے دیئے۔ اور حکم بن العاص کو سنی قضا عہد کی زکوٰۃ کا حاکم مقرر کیا۔ تیس لاکھ دینار زکوٰۃ میں حاصل ہوئے۔ سب اسی کو دے دیئے اور ایک لاکھ دینار سعید بن العاص کو دیئے۔ لوگوں نے اس وجہ سے اُن پر طعن کیا اور ملامت کی اور روایت کی ہے

جناب عثمانؓ نے اپنے عزیزوں پر بخشش

سعد بن ابی وقاص نے بیت المال کی چابی مسجد میں ڈال دی اور کہا کہ میں آئندہ بیت المال کا خازن نہ رہوں گا اس فعل کی وجہ سے کہ جناب رسول خدا کے طریقہ (نکالے ہوئے) کو ایک لاکھ دینار دیتے ہیں اور ابو مخنف نے روایت کی ہے کہ عثمان نے عبد اللہ بن ارقم خازن بیت المال کو لکھا کہ عبد اللہ بن خالد کو جو عثمان کے رشتہ داروں میں تھا تیس لاکھ دینار اور جو لوگ اُس کے ساتھ ہیں ہر ایک کو ایک لاکھ دینار دے دیجئے۔ اُس نے اُن کی تحریر کو رد کر دیا اور وہ رقمیں نہ دیں۔ عثمان نے کہا کہ تو میرا خازن ہے جو کچھ میں کہتا ہوں کر۔ عبد اللہ نے کہا کہ میں اپنے کو مسلمانوں کا خازن سمجھتا تھا۔ تمہارا خازن تمہارا غلام ہے۔ پھر خزانے کی کنجیاں لاکھ منبر پر لٹکا دیں۔ دوسری روایت کے مطابق ان کے سامنے ڈال دیں اور قسم کھائی کہ ہرگز اس طرف متوجہ نہ ہوگا۔ عثمان نے کنجیاں اپنے قلام نایل کو دے دیں۔ واقعہ نے روایت کی ہے کہ اس واقعہ کے بعد زید بن ثابت کو حکم دیا کہ تیس لاکھ درم بیت المال سے عبد اللہ بن ارقم کے لیے لے جائیں اور کہیں کہ امیر نے بھیجا ہے کہ اپنے عیال اور اقربا پر صرف کرو۔ عبد اللہ نے لینے سے انکار کیا اور کہا کہ مجھے اس مال کی ضرورت نہیں ہے اور میں نے اس لیے کہ عثمان مجھے اُحمرت دیں بیت المال کی خدمت نہیں ملتی ہے اور خدا کی قسم اگر مسلمانوں کا مال ہے تو میری خدمت اس قدر نہیں تھی جس کی اُحمرت اتنی زیادہ یعنی تیس لاکھ درہم ہو اور اگر عثمان کا مال ہے تو میں نہیں چاہتا کہ ان کو نقصان پہنچاؤں۔ کیونکہ وہ بیت المال سے جس کو چاہتے ہیں بغیر حق کے دیتے ہیں اور ابن ابی الحدید نے زہری سے روایت کی ہے کہ جو جوہر (ہیرا) بادشاہ عجم کے خزانے سے عمر کے پاس لوگ لائے ایسا جوہر تھا کہ جب اس پر دھوپ پڑتی تھی اُس کی اشعاع آگ کی ایک ٹیٹھی کے مانند بلند ہوتی تھی۔ عمر نے کہا اس ہیرے کو مسلمانوں میں تقسیم کر دو۔ کیونکہ مجھے گمان ہوتا ہے کہ اس کے سبب سے بلاؤ فتنہ مسلمانوں کے درمیان پیدا ہوگا۔ خازن نے کہا اس ایک جوہر کو میں تمام مسلمانوں پر تقسیم نہیں کر سکتا۔ اور کوئی ایسا نہیں ہے کہ اس کی قیمت دے سکے اور اس کو خرید سکے۔ شاید آٹھ سو سال خداوند عالم مسلمانوں کو ایسی فتح عنایت فرمائے کہ کسی کو اس قدر مقدرت حاصل ہو جائے کہ اس کو خرید سکے عمر نے کہا اس کو بیت المال میں محفوظ رکھو۔ وہ میرا عمر کے قتل ہونے کے وقت تک ہو جو دیکھا عثمان نے اس کو اپنی لڑکیوں میں دے دیا۔ نیز ابن ابی الحدید نے روایت کی ہے کہ ایک شخص امیر المؤمنین کی خدمت میں آیا کہ عثمان سے اُس کے لیے کوئی چیز حاصل کریں۔ حضرت نے فرمایا کہ وہ غلیظوں کا بوجھ ہے نہیں خدا کی قسم ہرگز اُس کے پاس سفارش کے لیے نہ جاؤں گا اور صاحب استیجاب اور دوسروں نے روایت کی ہے کہ عثمان کے قتل ہونے کے بعد ان کی مین بیبیاں موجود

تھیں بعضوں نے چار بیان کی ہیں جن میں سے ہر ایک کو ترکہ میں تراسی ہزار دینار طے ہی کا ڈولاکھ
 اسیاس ہزار مجموعہ ہوتا ہے یا تینتیس لاکھ دو ہزار دینار ہوتے ہیں کہ آخری رقم تقریباً پچاس ہزار
 تومان ہوتی ہے۔ اس بارے میں روایتیں اور خبریں بہت ہیں کہ اس رسالہ میں ان کے ذکر کی
 گنجائش نہیں ہے اور جو شخص مسلمانوں کے مال میں خمس ذوی القربیٰ میں سے اتنی کثیر رقم اپنے
 اور اپنے رشتہ داروں کے لیے مخصوص کرے جس کو اس کے اعز اقسط و مخور اور اسراف و
 تبذیر اور زینت میں صرف کریں اور فقر اور مساکین تکلیف و عسرت میں پڑے ہوں وہ کب
 مسلمانوں کی خلافت عامہ کا اہل ہو سکتا ہے باوجودیکہ اس شرط کے خلاف جس کا ابتداء میں خود
 اقرار کیا تھا کہ ابوبکر و عمر کے طریقہ پر عمل کروں گا۔ اگرچہ عطا و بخشش میں عمر نے ایک کو دوسرے
 پر تفصیل شروع کی۔ لیکن اس طرح کرتے تھے کہ عوام کی نگاہوں میں مشتبہ ہو جاتا تھا، اور
 واقعی حق داروں کی فی الجملہ رعایت کرتے تھے اور خود کم صرف کرتے تھے اور عثمان نے رسولی
 و بدنامی کو اس حد تک پہنچا یا کہ خیانت و شقاوت تمام عالم پر ظاہر ہو گئی یہاں تک کہ ان
 کے قتل پر منہتی ہوئی۔

ساتویں طعن : یہ کہ لوگوں کو زید بن ثابت کی قرأت پر جمع کیا اور صرف اس وجہ سے
 کہ وہ عثمان کا دوست اور علی علیہ السلام کا دشمن تھا۔ چونکہ مناقب اہلبیت اور ان کے اعدا
 کی مذمت کو قرآن سے نکال دینا چاہا۔ اس لیے اس کو قرآن جمع کرنے پر مامور کیا۔ اسی سبب
 سے وہ قرآن جو جناب امیر علیہ السلام نے بعد وفات جناب رسول خدا جمع کیا تھا باوجودیکہ
 حضرت کتاب خدا اور سنت رسالت مآب کے سب سے زیادہ جانتے والے تھے۔ ان
 لوگوں نے قبول نہ کیا۔ جب عمر خلیفہ ہوتے اُس قرآن کو جناب امیر سے طلب کیا کہ اُس میں
 سے جو نہیں چاہتے نکال دیں۔ حضرت نے نہیں دیا اور فرمایا اُس مصحف کو سوائے فرزندوں
 کے کوئی چھو نہیں سکتا اور وہ ظاہر نہیں ہوگا۔ یہاں تک کہ میرے اہلبیت میں سے قائم آل محمد
 ظاہر ہو اور لوگوں کو اس کے پڑھنے اور اُس پر عمل کرنے پر قائم رکھے اور عثمان نے جب
 چاہا کہ قرآن کو جمع کریں۔ زید بن ثابت کو قرآن جمع کرنے کا حکم دیا تو انھوں نے دوسرے
 مصحفوں کو جو عبد اللہ بن مسعود وغیرہ کے پاس تھے جبراً اُن سے لے کر جلا دیا بعضوں نے
 کہا ہے کہ دیگ میں جوش دیا اُس کے بعد جلا دیا تاکہ کسی کو ان پر اطلاع نہ ہو۔ ابن مسعود
 کو مارنے اور ان کی اہانت کرنے کا سبب یہ تھا کہ وہ اپنا مصحف ان کو دینے پر راضی نہ ہوتے
 تھے۔ اس لیے ان سے اس ذلت و اہانت کے ساتھ حاصل کیا اور جلا دیا۔ اور جو مصحف اس
 وقت موجود ہے اور مصحف عثمانی مشہور ہے یہ وہ نسخہ ہے جو اُس سے (یعنی زید بن ثابت سے)

لیا ہے۔ جب یہ خبر عائشہ کو ملی تو کہا اقتلوا حراق المصاحف یعنی مصحفوں کو جلانے والوں کو قتل کر دو۔ اور یہ عمل چند وجوہ سے اُن کے طعن و لعن کے استحقاق کا سبب ہے۔

اول یہ کہ خدا کے کلام کی تردید کی اور یہ کفر ہے جیسا کہ فرمایا ہے افتومنون بہ بعض الكتاب وتكفرون ببعض فما جزاء من يفعل ذلك منكم الا خزي في الحياة الدنيا ويوم القيامة يردون الى اشد العذاب۔ یعنی کیا کتاب کے بعض حصوں پر ایمان لاتے ہو اور بعض سے انکار کرتے ہو۔ لہذا تم میں سے اُس شخص کی جزا جو ایسا عمل کرتا ہے۔ اس کے سوا نہیں ہے کہ دنیا میں بڑی ذلت و خواری سے مارا جائے اور قیامت میں بدترین عذاب میں گرفتار ہو۔ اور یہ اُن کے بُرے اعمال کا نتیجہ تھا کہ دنیا میں ذلت سے قتل ہوئے اور آخرت کے عذاب میں گرفتار ہوئے۔ نیز بعض آیتوں کے نزول سے کراہت رکھتے تھے جن کو نکال دیا اور یہ اعمال کے ضبط و ضائع ہونے کا سبب ہے جیسا کہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے ذلك بانهم كرهوا ما انزل الله فاجبط اعمالهم یعنی اس کا سبب ہے کہ لوگوں نے چاہا جو کچھ خدا نے بھیجا ہے۔ اس لیے خدا نے ان کے اعمال ضائع و بیکار کر دیئے۔

دوسری وجہ : یہ کہ کلام الہی اور بہت سے مصحفوں کی نہایت ہتک کی اور یہ عین کفر ہے۔ کلام خدا کو جوش دینے اور جلانے سے زیادہ اس کی بے توقیری و بے احترامی نہیں ہو سکتی۔

تیسری وجہ : یہ کہ قرآن کے تمام قاریوں کی قرأت پر زید بن ثابت کی قرأت کو ترجیح دینا ترجیح مروجہ اور قول رسول خدا کے رد کرنے کے ضمن میں ہے کیونکہ خود اپنی صحاح میں بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں کہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے اور جناب رسول خدا لوگوں کو مختلف قرأتوں سے منع نہیں فرماتے تھے۔ چنانچہ بخاری نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسول خدا نے فرمایا کہ جبریل نے قرآن کو ایک حرف پر پڑھا اور میں برابر اُن سے زیادہ کا خواہشمند ہوتا تھا۔ انھوں نے زیادہ کیا یہاں تک کہ سات حرفوں تک پہنچے اور جامع الاصول میں صحیح بخاری و مسلم، ماہک، ابوداؤد اور نسائی سے ان کی سندوں سے عمر بن الخطاب سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ہشام ابن الحكم سے جناب رسول خدا کی حیات میں سنا کہ وہ قرآن کی ایک سورۃ پڑھ رہے تھے۔ ہم نے اُن کی قرأت پر کان لگایا۔ انھوں نے بہت سے حرف پڑھے۔ جن کو میں نے رسول خدا سے نہیں سنا تھا۔ نزدیک تھا کہ نماز ہی میں اُن سے میں مقابلہ پر آمادہ ہو جاتا۔ لیکن صبر کیا یہاں تک کہ انھوں نے سلام پھیرا۔ پھر میں نے اُن کی چادر اُن کے گے میں لپیٹ کر کھینچا اور پوچھا کہ یہ قرأت

جو تم نے پڑھی کس سے سُنی ہے اُنھوں نے کہا رسولِ خدا سے۔ میں نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو میں نے رسولِ خدا سے دوسری طرح سنا ہے۔ پھر اُن کو آنحضرت کی خدمت میں لے گیا اور کہا کہ میں نے اس سے قرآن کا ایک سُورہ آپ کی قرأت کے خلاف پڑھتے ہوئے سنا۔ حضرت نے فرمایا اس کو چھوڑ دو۔ پھر فرمایا کہ اے ہشام پڑھو۔ ہشام نے پڑھا جس طرح میں نے اُن کو پڑھتے ہوئے سنا تھا تو حضرت نے فرمایا اسی طرح نازل ہوا ہے۔ بیشک یہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے اور پڑھو جس طرح تم کو آسان ہو۔ ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ ایضاً جامع الاصول میں مجموع صحاح خمسہ مذکور ہے ابن ابی کعب سے اس حدیث کے مثل روایت کی ہے اور بہت سی حدیثیں ان مضامین کے موافق روایت ہیں جن کا ذکر طوالت کا باعث ہے۔ لہذا ایک قرآن و ایک قرأت پر سب کو جمع کرنا اور دوسری قرأت سے منع کرنا حکمِ رسول کے خلاف ہے اور ان کے اعتقاد کے مطابق دین میں بدعت ہے۔ اگر کہیں کہ ساتوں قرأت مشہورہ مُراد ہیں تو وہ باطل ہے۔ کیونکہ قاریوں کے اتفاق سے یہ اختلاف مصحفِ عثمان کے پڑھنے میں تھا کہ سات مصحف لکھے۔ ایک کو مدینہ میں چھوڑا اور دوسرے چھ مصحفوں کو دوسرے ملکوں اور شہروں میں بھیجا۔ اور چونکہ رسم الخط میں کھٹا تھا اور جو کلمات الف پر مشتمل تھے اُن کے الف کو گرا دیا تھا اس سبب سے مصحفِ عثمان میں اختلاف پیدا ہوا اور جو اختلاف اُن کی روایتوں میں وارد ہوا ہے، ان کی ترمذی پر نہیں دکھا سکتے۔ اور صاحب کتاب نشر نے جو قاریوں کے امام اور اُن کے پیشوا ہیں اس کی تصریح کی ہے کہ یہ سبعہ (سات) وہ سبعہِ اعراف نہیں ہے جو روایتوں میں وارد ہوا ہے لفظ سبعہ کے شہزاد کے سبب بعض جاہلوں نے یہ گمان کیا ہے۔ واضح ہو کہ ہم اس کا الزام ان پر نہیں دیتے۔ اُن احادیث کے اعتبار سے جو اُن کے صحاح میں وارد ہوئی ہیں اور وہ رد نہیں کر سکتے۔ ہمارے آئمہ کی حدیثوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن حرفِ واحد سے اور خدا سے واحد کی جانب سے نازل ہوا ہے۔ اور وہ مصحف وہ ہے جس کو جناب امیر نے اُن کو پیش کیا اور اُن لوگوں نے قبول نہیں کیا۔ اور ان کی حدیثیں یا موضوع ہیں اور اُن کو اس لیے وضع کیا ہے کہ اُن حضرت کا قرآن نہ چاہیے کہ قبول کریں اور کمی بیشی کا اختیار ہاتھ سے نہ جائے۔ یا یہ کہ ان سے مراد یہ ہے کہ جب قرآن جمع نہیں ہوا تھا اور متفرق تھا تو تجویز فرمایا ہوگا کہ آیات و سُورہ جو جانتے ہیں، نماز اور غیر نماز میں پڑھیں۔ اور تصحیح مرحوم صحیح کیونکہ ان کی صحاح کی حدیثیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ ابن مسعود اور اُن کی قرأت زید سے راجح ہے بلکہ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ اُن کی قرأت کی متابعت واجب ہے اور اُن کی قرأت ترک کرنا جائز نہیں ہے

جیسا کہ صاحب استیعاب نے روایت کی ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ قرآن کو چار شخصوں سے سیکھو اور ابن مسعود سے ابتداء کی ان کے بعد معاذ بن جبل، ابی ابن کعب، اور سالم مزیف کے غلام سے اور فرمایا کہ جو شخص چاہے کہ قرآن بہتر اور خوب تر اس صورت سے پڑھے جیسے کہ وہ نازل ہوا ہے۔ تو وہ ابن ام عبد کی قرأت سے پڑھے یعنی ابن مسعود کی قرأت کے مطابق اور ابو وائل سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن مسعود سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں کتاب خدا کا اس امت میں سب سے زیادہ جانتے والا ہوں۔ اور ان سے بہتر نہیں ہوں اور کتاب خدا میں کوئی سُورہ اور آیت نہیں ہے۔ مگر میں جانتا ہوں کہ کس چیز کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور کب نازل ہوئی ہے۔ اور ابو وائل کہتے ہیں کہ کسی کو ان کی اس بات سے انکار کرتے ہوئے نہیں سنا۔ اور ابو وائل کہتے ہیں سے وہ کہتے ہیں کہ ابن عباس نے مجھ سے پوچھا کہ دو قرأتوں میں کس قرأت سے قرآن پڑھتے ہو۔ انھوں نے کہا بلکہ وہ قرأت آخر ہے۔ جناب جبریلؑ ہر سال رسول خداؐ پر ایک مرتبہ قرآن پیش کرتے تھے اور جس سال آنحضرتؐ نے دنیا سے مفارقت فرمائی دو مرتبہ پیش کیا۔ اُس وقت ابن مسعود حضرت کے پاس موجود تھے۔ لہذا انھوں نے جو کچھ تبدیلی ہوئی یا جو کچھ قرآن سے غسوخ ہوا اُن سب کا علم حاصل کیا۔ ایضاً علی علیہ السلام سے ابن مسعود کا حال لوگوں نے پوچھا۔ حضرت نے فرمایا انھوں نے قرآن پڑھا اور سنت کو جانا اور ان کے لیے یہی کافی ہے اور شفیق سے روایت کی ہے کہ ابو وائل کا بیان ہے کہ جب عبداللہ بن مسعود کو عثمان نے مصحفوں کے بارے میں حکم دیا تو وہ اُٹھے اور خطبہ پڑھا اور کہا کہ عثمان ہم کو حکم دیتے ہیں کہ قرآن کو زید بن ثابت کی قرأت کے مطابق پڑھیں۔ اُس خدا کی قسم جس کے قبض میں میری جان ہے کہ میں نے جناب رسول خداؐ کی زبان اقدس سے سُن کر ستر سُورے یاد کئے اور زید اُس وقت سر پر کاکل رکھتا تھا اور لوگوں کے ساتھ کھیتا تھا اور خدا کی قسم قرآن میں کوئی چیز نازل نہیں ہوئی۔ مگر یہ کہ میں جانتا ہوں کہ کس بارے میں نازل ہوئی ہے اور کتاب خدا کا مجھ سے زیادہ جانتے والا کوئی نہیں ہے اگر کسی کو اپنے سے زیادہ کتاب خدا کا جانتے والا جانتا اور میرا اونٹ مجھے اُس کے پاس مجھے لے جاسکتا تو میں یقیناً اُس کے پاس جاتا۔ پھر اپنے بیان سے شرمندہ ہو کر کہا کہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ شفیق کا بیان ہے کہ میں ان حلقوں میں جن میں اصحاب رسولؐ تھے گیا اور کسی سے نہیں سنا جو ابن مسعود کے قول کو رد کرتا اور جامع الاصول میں اکثر ان حدیثوں کی ان کے صحاح سے روایت کی ہے۔ لہذا صحف ابن مسعود کو ترک کرنا جن کی فضیلت میں ان کی یہ صحیح روایتیں اور ان سے قرآن حاصل کرنے

عبداللہ بن مسعود کو قرآن کا علم تمام اصحاب سے زیادہ تھا

کا حکم وارد ہوا ہے اور اُن کے قرآن کو جلانا اور زید کی قرأت پر لوگوں کو جمع کرنا جس کے حق میں ان فضائل کا دسواں حصہ بھی روایت نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ اُس کی مذمت میں روایت کی ہے تفصیل مفضول اور قول رسول خدا کا رد کرنا ہے اور چونکہ کتاب استیعاب میں لکھا ہے کہ زید عثمانی تھا اور جناب امیرؓ کی کسی جنگ میں انصار کے ساتھ حاضر نہیں ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے مصحف کی تزحج کا باعث جناب امیرؓ سے عدالت ہی تھی۔ تاکہ اہلبیت کے مناقب اور اُن کے دشمنوں کی مذمت اُس میں سے خارج کر سکیں اور مجملہ ان مصحفوں کے جن کا اعتبار نہ کیا اور جلایا ابن کعب اور معاذ بن جبل کے مصحف تھے۔ باوجود اس کے کہ ان کی صحاح میں ان سے قرآن حاصل کرنے کا حکم متعدد طریق سے وارد ہوا ہے۔ جیسا بعض گزرجکا۔

آنٹھویں طعن : جو سب سے بڑی طعن ہے یہ کہ کبار صحابہ نے جو تمام مخالفین کے اتفاق و اجماع کے مطابق عادل تھے اور ان کے اقوال و افعال کو محبت بانتے ہیں۔ عثمان کے فسق و کفر کا اظہار کیا ہے اور اُن کے کفر و ظلم کی شہادت دی ہے۔ جیسے عمار جن کی بہت طریقوں سے روایت کی ہے کہ وہ بار بار کہتے تھے کہ قرآن میں تین آیتیں عثمان کے کفر پر گواہی دیتی ہیں اور میں چوتھا ہوں۔ وہ آیتیں یہ ہیں۔

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاُولئک ہم الکافرون یعنی جو شخص حکم نہ کرے اُس کے مطابق جو خدا نے نازل کیا ہے تو ایسے لوگ کافر ہیں اور دوسری آیت میں فرمایا ہے کہ وہ لوگ فاسق ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا ہے کہ ایسے لوگ ظالم ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آنٹھویں نے خدا کے حکم کے خلاف حکم کیا۔ اور ابو دائل نے روایت کی ہے کہ عمار کہتے تھے کہ لوگ عثمان کا نام سوائے کافر کے نہ لیتے تھے۔ یہاں تک کہ معاویہ حاکم ہوا۔ اور اعثم کوئی نے فتوح میں روایت کی ہے کہ عمرو بن العاص نے عمارؓ سے پوچھا کہ عثمان کو کس نے قتل کیا۔ کہا خدا نے۔ اور ابن ابی الحدید نے روایت کی ہے کہ عمرو بن العاص نے عمار سے پوچھا کہ کیا عثمان کو علیؓ نے قتل کیا۔ عمار نے کہا علیؓ کے خدا نے قتل کیا اور علیؓ کے ساتھ تھے۔ اُس نے پوچھا کہ تم بھی اُن کے قاتلوں میں تھے کہا ہاں اور آج بھی اُن سے قتال کروں گا پوچھا کیوں اُن کو قتل کیا۔ کہا اس لیے کہ وہ چاہتے تھے کہ ہمارے دین کو بدل دیں۔ جیسے ابو ذر و ابن مسعود کے ساتھ میں عثمان کا حکم خدا کے خلاف عمل بیان ہو چکا اور حدیث کہتے تھے کہ عثمان کے کفر میں مجھے مطلق شک نہیں۔ لیکن شک اس میں ہے کہ اُن کا قاتل کافر تھا جس نے ایک کافر کو قتل کیا یا مومن تھا جس کا ایمان تمام مومنوں سے افضل تھا کہ خاص نیت سے اُن کے

قتل کا مرتکب ہوا۔ حلیفہ کہتے تھے کہ جو امتقاد رکھے کہ عثمان مظلوم قتل ہوئے اس کا گناہ روز قیامت اُن لوگوں سے بہت زیادہ ہے جن لوگوں نے پھڑپھڑے کی پرستش کی۔ اور زید بن ارقم سے لوگوں نے پوچھا کہ تم لوگ عثمان کو کیوں کافر سمجھتے ہو، کہا اس لیے کہ انھوں نے خدا کے مال کو اغنیاء کی دولت اور فریضہ سامان زینت قرار دیا اور رسول خدا کے ہاجروں کو خدا سے لٹنے والوں کے مانند قرار دیا اور کتاب خدا کے خلاف عمل کیا اور عائشہ نے جناب رسول خدا کا پیرا بن ہاتھ میں لے کر کہا کہ ابھی یہ پیرا بن پڑا نا نہیں ہوا اور تم نے آنحضرت کے دین کو کھنہ کر دیا۔ ایضاً۔ تمام صحابہ جو مدینہ میں اطمینان و عزت سے رہتے تھے۔ ہاجر بن وانصار اور دوسرے شہروں کے لوگوں نے جو مدینہ میں آئے تھے عثمان کے قتل پر اجماع کیا اور بعضوں نے اس کا ارتکاب کیا بعضوں نے قتل پر مدد کی اور بعض لاضمی تھے اور اُن کے قتل سے مانع نہ ہوئے۔ اور نہ اُن کی مدد کی سوائے چند افراد کے جو اُن کے مظالم اور بدعتوں میں اُن کے شریک تھے۔ حضرات اہلسنت جو ابوبکر کی خلافت اجماع سے ثابت کرتے ہیں اُن کو چاہیے کہ عثمان کے قتل کے واجب ہونے کے قائل ہوں جو اُن کے کفر یا فسق یا ایسے گناہ کبیرہ کے ارتکاب کے سبب قتل کا باعث ہوا اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں امور استحقاق خلافت کے منافی ہیں کہ خلیفہ واجب القتل معنی نہیں رکھتا۔ یا خلافت ابوبکر کے اجماع کے باطل ہونے کا اقرار کریں۔ کیونکہ اس جماعت کے اکثر لوگ اس اجماع میں داخل تھے اور ان کی تعداد مختلف اقوال کے بموجب دس ہزار یا پندرہ ہزار یا پچیس ہزار اشخاص تھی جو ہر قول کے بموجب اُن سے زیادہ تھے (جو اجماع ابوبکر میں شریک تھے) بلکہ تمام اہل اسلام تھے جو سب کے سب دو حال سے خالی نہ تھے یا اُن کے قتل پر اُن لوگوں نے اتفاق کیا یا اُن کی نصرت و اعانت ترک کی۔ یہاں تک کہ عائشہ اور معاویہ نے بھی مدد نہ کی جیسا کہ تاریخ ہم کوئی ادا ان کی تمام کتابوں میں تحریر ہے کہ انھوں نے جناب امیر کی صداقت اور انھوں نے جناب عثمان کا ہٹا بنایا اور عالم کو پُر آشوب کیا۔ جس وقت اہل اسلام نے عثمان کے قتل کا ارادہ کیا تو عائشہ نے حج کا ارادہ کیا۔ ہر چند مروان نے التجاک، حج میں تاخیر کیجئے اور لوگوں کو اس شورش سے روکنے انھوں نے منظور نہ کیا اور کہا کہ میں اس بات کو پسند کرتی ہوں کہ عثمان جو انوں کے درمیان ہو اور وہ لوگ اس کو دریا میں غرق کر دیں تاکہ ہلاک ہو جائے اور ان کو نعتل کہتی تھیں یعنی ریش دراز احمق یا بوڑھا گیدڑ۔ یا اُن کو ایک یہودی مرد سے تشبیہ دیتی تھیں اور صاحبنا یہ اور تمام توہینیں و صاحبان نعت نے روایت کی ہے کہ عائشہ بار بار کہتی تھیں۔ اخلوا انشلاہ قتل اللہ انشلاہ یعنی اس بوڑھے احمق کو قتل کر دو یا اس یہودی کے مانند مرد کو قتل کر دو۔

خدا اس کو قتل کرے اور ابن ابی الحدید نے اپنے استاد ابو یعقوب معتزلی سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ قتل عثمان پر حرص جو لوگوں کو ان کے قتل پر اُبھار رہی تھیں عائشہ تھیں۔ اور جب معاویہ کو عثمان نے مدد کے لیے بلایا تو اُس نے جواب دیا کہ جب تک وہ خدا کے فرمانبردار تھے خدا بھی اُن کی رعایت کرتا تھا اور جب کہ انھوں نے دین میں تغیر و تبدل کیا اور خدا کے دین کی حرمت کی حفاظت نہ کی، تو خدا نے بھی اُن کو چھوڑ دیا اور جس کی خدا تعالیٰ رعایت نہیں کرتا میں اُس کی مدد نہیں کرتا۔ اس جگہ تو یہی مثل ہے کہ ویل لمن کفرہ نسروہ، اور البوذہ و عمار اور تمام صحابہ کبار اس اجماع میں شریک تھے جنھوں نے اُس موقع پر مخالفت کی تھی۔ یہاں تک کہ جناب امیر علیہ السلام نے بھی جیسا کہ سابق میں بیان ہوا کہ بیعت نہیں کی لیکن چھ ماہ کے بعد اور وہ بھی جبر و اکراہ کے ساتھ اور اس جگہ بہت سے حضرات اہلسنت کے قول کے مطابق اُن کے قتل کا فتویٰ دیا اور دوسروں کے قول کے مطابق اس سے کراہت نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ راضی تھے اور کہا کہ قتلہ اللہ وانا معہ یعنی اللہ نے اُن کو قتل کیا اور میں اُس کے ساتھ تھا یعنی خدا کے ساتھ۔ نیز جن لوگوں نے قتل عثمان پر اتفاق کیا اور ان کے قتل کے کارپرداز تھے انہی لوگوں نے بعینہ اس سے فارغ ہونے کے بعد جناب امیر کی خلافت پر اجماع کیا اور اُن حضرت سے بیعت کی اور حضرات اہلسنت جناب امیر کو باجماع خلیفہ واجب الاطاعت جانتے ہیں تو کس طرح یہاں اُن کا اجماع معتبر اور قتل عثمان پر معتبر نہیں ہوگا۔ یہ طعن چند کسی طعنوں پر مشتمل ہے ہم نے اختصار کے لیے ایک دوسرے میں ضم کر دیا۔

نویس طعن : جناب امیر علیہ السلام کی گواہی ہے جو حق کے ساتھ، قرآن کے ہمسر اور باب مدینہ علم ہیں۔ فریقین کے درمیان عثمان کا ظلم و فسق متفق علیہ ہے جیسا کہ خطبہ شفتیقہ اور اُن حضرت کے تمام خطبے اور کلمات جو اکثر متواتر و مسلم ہیں اس پر دلالت کرتے ہیں جن کا ذکر کلام کی طوالت کا باعث ہے۔ ایضاً اُن حضرت کی گواہی عثمان کے قتل اور اُن کے مار ڈالے جانے کی پرواہ نہ کرنے پر اُن کے کفر و شقاوت کے لیے کافی ہے اور اجماع کے دعوے کی احتیاج نہیں ہے جیسا کہ ابن ابی الحدید نے روایت کی ہے کہ عثمان کے قتل کے بعد جناب امیر نے فرمایا کہ مجھے نہ اچھا معلوم ہوا نہ بُرا۔ لوگوں نے پوچھا کہ اُن کے قتل پر راضی تھے فرمایا نہیں، پوچھا کہ آپ آزرده ہوئے، فرمایا نہیں۔ اور ابن ابی الحدید نے بہت سے ان اخبار کے لکھنے کے بعد کہا ہے کہ ان امور سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب امیر اُن کے قتل کا حکم یا قتل سے ممانعت کوئی ایک نہیں کرتے تھے۔ لہذا اُن کا خون امیر المؤمنین کے نزدیک مباح تھا اور

آنحضرتؐ کے نزدیک ان کے خون کا مباح ہونا ان کے کفر اور ظلم اور عظیم فسق کی دلیل ہے جو ان کے قتل کا باعث ہوئی ہے اور ان کے قتل پر ان حضرتؐ کا راضی نہ ہونا ان کے اسلام اور خوبی پر دلالت نہیں کرتا بلکہ اس سبب سے تھا کہ حضرتؐ مانتے تھے کہ ان کا قتل بہت سے فتنوں کا سبب اور ہزاروں اشخاص کے ارتداد، کفر، اور جنگ جمل و صفین و نہروان میں قتل ہونے کا باعث ہوگا اور ظاہر ہے کہ الیک کا قتل ان تمام فتنوں، اور اتنے ہزار مسلمانوں کے قتل کے لیے لازم ہوتا ہے کہ راضی نہیں ہو سکتے تھے۔ لہذا ان حضرتؐ کا ان کے قتل سے اس طرح مضائقہ نہ رکھنے کے باوجود اس پر دلیل قاطع ہے کہ ان کا ظلم و کفر وعدوان اس کثرت و شدت و زیادتی پر پہنچا ہوا تھا کہ ان تمام فتنوں اور فساد کی برابری کرتا تھا۔ بلکہ مضائقہ نہ رکھنے سے زیادہ ان کے قتل پر خوشی کا اظہار کرتے تھے۔ اور اس اظہار میں تھے جیسا کہ عامر نے روایت کی ہے کہ عثمان کے قتل اور اپنے موروثی تختِ خلافت پر استقرار کے بعد حضرت امیر المومنینؑ نے خطیب پڑھا جو ان فقرات پر مشتمل تھا۔ قاطع طالع و لمح لامج و لاح لایح واعتلد مایل واستبدل اللہ بقول قوما ویوم قوما وانتظرونا الغیورانتظار المدجذب المطروانما الاثمتہ قوام اللہ علی تعلقہ و عرفانہ علی عبادہ ولایینحل الجنة الامن عرفلہ و عرفوہ ولا یینحل النار الامن انکرہم وانکرورہ -

یعنی آفتابِ خلافتِ اہق و لایت سے طلوع ہوا اور قمرِ امامت برجِ حق سے نکلا اور امامت کا ستارہ و صابیت کے آسمان پر چمکا اور جو امورِ حق کے راستہ سے باطل کی طرف متوجہ ہو گئے تھے معتدل اور سیدھے ہو گئے اور حق تعالیٰ نے ایک قوم کو دوسری قوم سے تبدیل فرمایا اور حق کے زور کو باطل زمانہ سے بدل دیا اور ہم باطل حکومتوں کے بدلنے کے منتظر تھے جس طرح لوگ قحط کے زمانوں میں بارانِ رحمت کے منتظر ہوتے ہیں اور اطمینانِ رسالت کے امر و پیشوایانِ دین امورِ خلق کی جانبِ خدا کی جانب سے قیام کرنے والے ہیں اور اس کے بندوں پر پہچانتے والے موکل ہیں اور بہشت میں داخل نہ ہوگا مگر وہ جو ان کو امامت سے پہچانتا ہے اور وہ آئمہ اس کو اس کے ایمان سے پہچانتے ہیں اور جہنم میں داخل نہ ہوگا۔ مگر وہ شخص جو ان سے انکار کرتا ہو اور وہ اس کے منکر ہوں۔ ابن ابی الحدید نے اس خطبہ کی شرح میں لکھا ہے کہ پہلے تین فقروں سے مراد خلافت کا ان حضرتؐ کی طرف منتقل ہونا ہے اور چوتھے فقرہ سے عثمان کے آخری زمانہ کی کجی معنی اور پانچویں فقرہ سے خدا کا عثمان اور ان کے شیعوں کو علی اور ان کے شیعوں میں تبدیل کرنا مراد ہے۔ اس کے بعد ابن ابی الحدید کہتے ہیں کہ اگر لوگ کہیں کہ جبکہ علی علیہ السلام نے دنیا کو طلاق دے دیا تھا تو خلافت، حاصل ہونے کی اس قدر خوشی و مسرت کیسی

تھی۔ تو ہم جواب دیں گے کہ طلاق ذمیوی جاہ و حشم کے اعتبار سے تھی اور خوشی امامت دین اور خلافتِ حق اور شریعت و قوم کے زندہ کرنے کی تھی۔ اس کے بعد کہتے ہیں کہ کیا مذہب معتزلہ کے نزدیک علیؑ قتل عثمان کے منتظر رہے ہوں جیسے قحط میں بارش کا انتظار ہوتا ہے۔ یہ عین مذہب شیعہ ہے تو ہم جواب میں کہیں گے کہ تبدیلی کا انتظار تبدیل و تغیر تھا عثمان کے قتل کا انتظار نہ تھا۔ لہذا ہو سکتا ہے کہ عثمان کے معزول اور ان کے خلافت سے خلع کا انتظار ہو۔ ان ایجادات کے سبب سے جو عثمان نے کئے تھے اور یہ بات ہمارے اصحاب کے مذہب کے موافق ہے۔ الغرض جناب امیر کے ان کلمات شریفہ سے ابن ابی الحدید نے بھی جو اعتراف کیا ہے ظاہر ہوا کہ وہ حضرت عثمان کے قتل سے شاد و خوشحال تھے اور یہی عثمان کی شقاوت کے لیے کافی ہے۔

بیان کرتے ہیں کہ تیمور گورگانی کے زمانہ میں ماوراء النہر کے علماء نے اتفاق کر کے ایک محضر لکھا کہ بغضِ علیؑ تمام لوگوں پر واجب ہے۔ اگرچہ ایک جو کے برابر رکھتا ہو۔ اس سبب سے کہ انھوں نے عثمان کے قتل کا فتوے دیا۔ اور وہاں کے حاکم کو اس پر مجبور کیا کہ یہ حکم دے دے اور اپنے ممالک میں رواج دے۔ حاکم نے فرمایا محضر کو شیخ زین الدین ابو بکر کے پاس لے جاؤ تاکہ ان کی رائے اس بارے میں معلوم ہو شیخ نے اس کی پشت پر لکھا کہ عثمان پر وائے ہو کہ علیؑ رضی اللہ عنہ کے قتل کا فتوے دیتے ہیں۔ امیر کو ان کا یہ لکھنا پسند آیا اور محضر کو باطل و بیکار کر دیا۔

دسویں طعن : یہ کہ عثمان کی سرکشی اور معصیت اس حد کو پہنچی تھی کہ اہل مدینہ نے ان کے قتل کے بعد ان کے غسل و دفن و نماز کی جانب توجہ نہ کی۔ جیسا کہ مدائنی نے مقتل عثمان میں اور واقعی، اعثم کوفی، ابن عبدالبر اور ان کے تمام علماء نے اپنی تاریخ اور کتابوں میں ذکر کیا ہے کہ ان کے قتل کے بعد تین روز تک اہل مدینہ اور اکابر صحابہ

لوگوں کو ان پر غسل و دفن و نماز سے منع کرتے تھے۔ یہاں تک کہ مروان اور اس کے تین ملازمین ان کو دفن کرنے کے لیے گئے۔ لوگوں کو معلوم ہوا تو انھوں نے ان کی لاش پر سنگباری کی۔ تین روز کے بعد جناب امیر نے لوگوں کو ان کے دفن سے روکنے سے باز رکھا تو لوگوں نے ان کو رات کے وقت یہودیوں کے مقبرہ میں لے جا کر دفن کیا اور اکثر علماء نے کہا ہے کہ ان کو بے غسل و کفن دفن کیا اور جناب امیر اور صحابہ میں سے کوئی ایک شخص بھی ان کی نماز میں حاضر نہ ہوا۔ سوائے ان کے چند غلاموں کے۔ اور عادیہ جب حاکم ہوا تو اس کے حکم سے وہ دیوار جو اس مقبرہ اور مسلمانوں کے مقبرہ کے درمیان تھی گرا دی

گئی اور اُس کے حکم سے مسلمانوں نے اپنے مُردے اُن کی قبر کے اطراف میں دفن کئے۔ یہاں تک کہ وہ مسلمانوں کی قبروں سے متصل ہوئی اور تاریخِ اعظم میں جو اس زمانہ میں موجود ہے مذکور ہے کہ جناب امیر نے فرمایا تو عثمان کو دفن کیا۔ دوسری روایت کے مطابق

سر تختہ سے ٹکراتا اور کھٹ کھٹ کرتا جاتا تھا۔ اور حکیم بن خرام نے حیر بن مطعم کے ساتھ اُن پر نماز پڑھی۔ ظاہر ہے کہ جناب امیر اور تمام صحابہ اگر ان کو مسلمان سمجھتے تو اُن پر نماز پڑھنے سے گریز نہ کرتے۔ جو شخص ذرا بھی انصاف رکھتا ہے جانتا ہے کہ جناب امیر کی خلافت۔ اور عثمان کی خلافت کا اعتقاد باہم صحیح نہیں ہو سکتا اور یہ واقعہ یقیناً اُن کی قدح کے ضمن میں ایک ہے اور جناب امیر کی جلالت متفق علیہ ہے۔ لہذا عثمان کی خلافت اور اُن سے قبل شیخیں کی خلافت کا اعتقاد کہ خلافت عثمان جن کی خلافت کی ایک شاخ تھی جانتا نہیں ہے اور کیوں جناب امیر عمار کی ایذا اور اُن کے اخراج کے بارے میں اس قدر مقابلہ اور انکار اور اصرار فرماتے تھے اور قتل عثمان میں اور ترک نماز اور اُن کے دفن میں کہ اُن کے اعتقاد میں ان کی رعایا تھے۔

اس قدر بے توجہی اور سہل انگاری فرمائی اور کتاب صراط المستقیم میں نقل کیا ہے کہ ابن جوزی نے جو ان کے اکابر علماء میں سے ہیں ایک روز امیر المومنین کی تقلید میں کہا۔ سلوئی قبل ان گفتنی یعنی مجھ سے پوچھ لو، جو پوچھنا چاہو، قبل اس کے کہ مجھ کو نہ پاؤ۔ یہ سن کر ایک عورت نے اُٹھ کر سوال کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ سلمان نے مدائن میں رحلت کی اور علی نے مدینہ سے جو ایک مہینہ کی راہ ہے ایک رات میں مدینہ گئے اور اُن کی تجہیز فرمائی اور واپس آئے۔ ابن جوزی نے کہا ایسی ہی روایت کی ہے تو اُس عورت نے کہا عثمان مدینہ میں قتل ہوئے اور تین روز تک پڑے رہے۔ اور علی مدینہ میں موجود تھے اور اُن پر نماز نہیں پڑھی۔ کہا سچ ہے یہ سن کر عورت نے کہا کہ پھر ان میں ایک کی خطا لازم آتی ہے۔ ابن جوزی نے کہا اگر تو اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے آئی ہے تو تجھ پر لعنت ہے اور اگر اس کی اجازت سے آئی ہے تو اُس پر لعنت ہے۔ عورت نے کہا۔ عائشہ جناب رسول خدا کی اجازت سے علیؑ کے ساتھ جنگ کو گھر سے باہر گئی تھیں یا بغیر اجازت گئی تھیں۔ یہ سنی کہ ابن جوزی طرم اور خاموش ہو گئے۔

ابن جوزی کو ایک عورت کا بحث میں شکست دینا

واضح ہو کہ عثمان کے اقوال و اعمال کی بُرائیاں اور بعثتیں اس سے زیادہ ہیں کہ اس رسالہ میں اُن کے ذکر کی گنجائش ہو۔ وہ مبسوط کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں۔ ان میں سے اکثر میں نے کتاب بحار الانوار میں ذکر کیا ہے اور جو کچھ یہاں لکھے گئے وہ انصاف و در کے لیے کافی ہے۔ اور ابن ابی الحدید نے مطامع عثمان ذکر کرنے کے بعد اُن تمام مطامع کا اجمالی جواب یہ دیا ہے کہ ہم انکار نہیں کرتے کہ عثمان نے بہت بعثتیں کیں اور بہت سے مسلمان ان کے ٹمکر ہو گئے۔ لیکن ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ تمام فسق کے درجہ پر نہیں پہنچے اور ان کے اعمال کے حبط و ضائع ہونے کا باعث نہیں ہوئے اور ان کے تمام گناہ صغیرہ کفرہ (محو کئے ہوئے) تھے۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ بخشے ہوئے ہیں اور وہ اہل بہشت سے ہیں تین وجہوں سے :-

پہلی وجہ : یہ کہ وہ اہل بدر سے ہیں اور رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ خدا اہل بدر پر مطلع ہوا اور کہا جو چاہو کرو۔ میں نے تمہارے گناہوں کو بخش دیا۔ عثمان اگرچہ بدر میں حاضر نہیں ہوئے۔ لیکن زخیر رسول خدا کی بیماری کے سبب مدینہ میں رہ گئے تھے اور رسول خدا غیبت میں ان کے حصے اور اُن کے اجر کے ضامن ہوئے۔

دوسری وجہ : یہ کہ وہ اہل بیعت رضوان سے ہیں اور خدا اُن سے راضی تھا کیونکہ اُس نے فرمایا لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يَبَايَعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ - وہ اگرچہ اُس بیعت میں حاضر نہ تھے۔ لیکن رسول خدا ﷺ نے اُن کو کفارِ مکہ کی جانب پیغام دے کر بھیجا تھا۔ اور یہ بیعت اس لیے تھی کہ یہ افواہ مذکور ہوئی کہ وہ قتل کر دیئے گئے۔ آنحضرت ایک درخت کے نیچے بیٹھے اور لوگوں سے مرنے پر بیعت لی پھر حضرت نے فرمایا کہ اگر عثمان زندہ ہے تو میں اس کی جانب سے بیعت کرتا ہوں۔ پھر اپنا بایاں ہاتھ اپنے داہنے ہاتھ پر رکھا اور فرمایا کہ میرا بایاں ہاتھ عثمان کے داہنے ہاتھ سے بہتر ہے۔

تیسری وجہ : یہ کہ وہ اُن دس افراد میں سے ہیں جن کے بارے میں اخبار میں وارد ہوا ہے کہ وہ اہل بہشت سے ہیں۔ لہذا یہ وجہیں دلالت کرتی ہیں کہ وہ بخشے ہوئے ہیں اور خدا اُن سے راضی ہے اور بہشتیوں میں ہیں لہذا یہ دلیل ہے اس پر کہ وہ کافر و فاسق اور مرتکب گناہانِ کبیرہ نہیں ہیں۔

یہ ابن ابی الحدید کے محل اقوال میں اور ہم خدا کی مدد سے ان سب کے اجمالاً و تفصیلاً جوابات دیتے ہیں۔ باوجود اس کے کہ ان وجہوں کی اصل چند خبروں پر ہے جن کو وضع کیا ہے اور خود تنہا راوی ہیں اور بار بار مذکور ہوا ہے کہ ان چند روایتوں سے احتجاج کرنا چاہیے جو فریقین میں مسلم ہوں اور دونوں فرقوں نے روایت کی جو جس طرح ہم نے کیا۔ نہ وہ روایتیں جو

ان سے مخصوص ہوں اور ہم نے ان کو تسلیم نہ کیا ہو اور ان کی روایتوں کی تعداد جو بخاری نے روایت کی ہے چندنا صدیوں نے عبد اللہ بن عمر سے روایت کی ہے اور ابن عمر وہ ہیں جنہوں نے امیر المومنین سے بیعت نہیں کی اور نہ ان کی مدد کی۔ وہ ان حضرت کے دشمن تھے اور حجاج کافر و فاسق کے پیڑوں پر بیعت کی۔ اور امیر المومنین نے روزِ جمل حدیثِ عشرہ مبشرہ کی تکذیب اور رو فرمائی۔ جیسا کہ شیخ طبرسی نے کتاب احتجاج میں روایت کی ہے کہ جب جناب امیر نے اہل بصرہ سے جنگِ جمل میں ملاقات کی زیرِ کِوِطِلب فرمایا وہ طلحہ کے ساتھ حضرت کے سامنے آئے۔ حضرت نے فرمایا خدا کی قسم تم دونوں اصحابِ محمد کے تمام اہل علم اور عائشہ سب جانتے ہو کہ جناب رسولِ خدا نے اصحابِ جمل پر لعنت کی ہے اور وہ ذلیل اور رجسٹِ حق سے ناامید ہے جو آنحضرت پر افتراء کرتا ہے۔ زبیر نے کہا ہم کس طرح ملعون ہیں۔ حالانکہ ہم اہل بہشت سے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ اگر میں تم کو اہل بہشت سے جانتا تو تم سے جنگ کرنا حلال نہ سمجھتا۔ زبیر نے کہا کیا آپ نے سعید بن عمرو بن العاص بن نفیل کی وہ حدیث نہیں سنی ہے جو اُس نے روایت کی ہے کہ قریش کے دس افراد اہل بہشت سے ہیں حضرت نے فرمایا کہ میں نے اس حدیث کو اُس سے سنا ہے۔ اُس نے عثمان سے ان کی خلافت کے زمانہ میں نقل کیا ہے۔ زبیر نے کہا کیا آپ گمان کرتے ہیں کہ اُس نے اس حدیث کو رسولِ خدا پر افتراء کیا ہے۔ حضرت نے فرمایا میں تمہارا جواب نہ دوں گا جب تک یہ بیان نہ کرو گے کہ وہ دس افراد کون ہیں۔ زبیر نے کہا وہ ابو بکر، عمر، عثمان، طلحہ، زبیر، عبد الرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، ابو عبیدہ بن جراح اور سعید بن عمرو بن نفیل۔ حضرت نے فرمایا یہ نو ہوتے۔ دسواں کون ہے؟ تو زبیر نے کہا آپ ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ تم نے میرے اہل بہشت ہونے کا اقرار کیا اور جو اپنے اور اپنے دوستوں کے اہل بہشت ہونے کا دعویٰ کرتے ہو۔ میں نہیں کہتا اور نہ مانتا ہوں۔ زبیر نے کہا کیا آپ گمان کرتے ہیں کہ اُس نے رسولِ خدا پر جھوٹا باندھا ہے؟ حضرت نے فرمایا گمان ہی نہیں بلکہ یقین سے جانتا ہوں کہ اُس نے آنحضرت پر افتراء کیا ہے اور خدا کی قسم ان میں سے بعض جن کے نام تم نے لیے ہیں جہنم کے سب سے نیچے طبقہ میں اُس صندوق کے اندر ہوں گے جو وہاں کے ایک درے کے ایک کنوئیں میں ہے اور اُس کنوئیں کے منہ پر ایک پتھر ہے کہ جب خدا چاہتا ہے کہ جہنم کو روشن اور مشتعل کرے تو اُس پتھر کو اُس کنوئیں کے منہ پر سے اٹھا دیتا ہے۔ میں نے یہ خبر رسولِ خدا سے سنی ہے۔ اگر میں نے نہ سنا ہو تو خدا تم کو فخر پر فحیاب کرے اور میرا ٹھون تھارے ہاتھ سے بہاتے۔ اگر میں نے سنا ہے تو خدا مجھ کو تم پر اور تمہارے ساتھیوں پر

حدیثِ عشرہ مبشرہ کی تفسیر زبانِ امیر المومنین

ہم کے سب سے نیچے طبقہ کا حصہ

ظفر یاب فرمائے اور تمھاری رُوحوں کو جلدِ جہنم میں لے جائے۔ یہ سن کر زہیر اپنے ساتھیوں کے پاس واپس ہوئے اور روتے تھے۔ ایضاً ان حضرات نے اپنی صحاح میں سعید بن عمرو عبد الرحمن بن عوف سے روایت کی ہے اور دونوں داخل عشرہ مبشرہ ہیں۔ اور اس روایت میں متہم ہیں۔ اس کے باوجود کہ اکثر متکلمین امامیہ نے عقلی دلیلوں سے ثابت کیا ہے کہ عقلاً جائز نہیں ہے کہ خداوند تعالیٰ غیر معصوم کو خبر دے کہ اُس کا انجام یقیناً بہشت ہے کیونکہ یہ اُس کو قبیح افعال پر ابھارنے کا باعث ہے اور اس میں اختلاف نہیں ہے کہ ان میں سوائے جناب امیر کے کوئی معصوم نہ تھا اور اس پر اتفاق ہے کہ ان میں سے بعض سے کیا ترصد رہوئے۔ ایضاً۔ اگر یہ حدیث صحیح تھی تو کیوں ابوبکر اور ان کے علاوہ دوسروں نے روزِ یقین اپنے مناقب میں بیان نہ کیا۔ اسی طرح عمر نے کسی موقع پر اس کو ذکر نہیں کیا اور عثمان نے جس وقت ان کو حضور کیا تھا اور ان کے قتل کا ارادہ لوگ رکھتے تھے اور وہ لوگوں کے سامنے اپنے مناقب بیان کرتے تھے کیوں اس حدیث سے متمسک نہ ہوئے۔ اگر اس کی کوئی حقیقت ہوتی تو یہ حدیث اُن کے لیے زیادہ نفع کا باعث تھی۔ ان دوسری باتوں سے جن کا انھوں نے ذکر کیا۔ ایضاً۔ یہ خبر اگر واقعی ہوتی تو کیا ممکن تھا کہ اکابرِ ہاجرین اُن کے قتل کی جرات کرتے اور وہ لوگ خاص کر جناب امیرؓ سید الاوصیاء کیونکر راضی ہوتے کہ لوگ ایسے شخص کو جس کے متعلق یقین رکھتے تھے کہ وہ بہشتی ہے ذلت و خواری کے ساتھ مزید پڑال دیں اور اُس پر نماز نہ پڑھیں اور عثمان کے احوال و انصاری نے اُن لوگوں پر یہ حجت پیش نہ کی (کہ وہ بہشتی ہیں) ایضاً اگر ایسا ہو تو طلحہ کفر لازم آتا ہے کہ باتفاق فریقین اس نے اُن کا قتل حلال سمجھا۔ ایضاً۔ لازم آتا ہے کہ روزِ جمل طرفین کے لشکر کا فر ہوں۔ کیونکہ اُن عشرہ مبشرہ میں سے بعض اس طرف اور بعض اُس طرف تھے۔ اور ہر ایک دوسرے کے قتل کو حلال جانتے تھے۔ ایضاً۔ اگر یہ حدیث ثابت ہوتی تو چاہیے تھا کہ عمر اپنے کو جانتے کہ منافق نہیں ہیں لہذا کیوں مدینہ سے پوچھتے تھے کہ رسولِ خدا نے مجھے منافقین میں شمار کیا ہے یا نہیں؟ ایضاً میں کہتا ہوں کہ اہل بدر کے متعلق حدیث یا اپنے ظاہر پر معمول ہے جیسا کہ ابن ابی الحدید نے سمجھا ہے کہ عام اجازت ان کو دی ہے اور مغفرت گناہانِ گذشتہ و آئندہ سب پر شامل ہے یا کوئی تجویز و تخصیص اُس میں ہے۔ پہلے امر کے متعلق لازم آتا ہے کہ اہل بدر سے تکلیف ساقط ہوگی اور ان کو تمام مجرماتِ صغیرہ و کبیرہ کے ارتکاب کی عام اجازت دی ہوگی۔ ہر چند وہ فعل کفر ہی پر مبنی ہو جیسے قرآن مجید کی بے حرمتی اور یہ اجماع اور ضرورتِ دین کے مخالف ہے۔ اور کسی نے اہل بدر کی عصمت کا دعویٰ نہیں کیا ہے سوائے جناب امیرؓ کے۔ اس میں شک

نہیں کہ آنحضرت کے سوا دوسرے لوگ گناہوں کے مُرکب ہوتے تھے۔ لہذا ان کو ایسی مغفرت کی خبر دینا اور تبلیغ پر ان کو برا ٹیختہ کرنا ہے اور خداوند تعالیٰ سے اس کا صادر ہونا محال ہے اور دوسرے امر کے متعلق کہ تجویز و تخصیص اُس میں شامل ہوتی ہے یا اجازت کی تخصیص مغفرت سے کرتے ہیں اور تقسیم کرتے ہیں گناہان گذشتہ و آئندہ کی مغفرت سے اور یہ باوجود اس کے کہ اجماع کے مخالف ہے تو ان کو کچھ فائدہ نہیں بخشتا اور اس پر دلالت نہیں کرتا کہ جو کچھ ان سے گناہان صغیرہ صادر ہوئے ہیں محکمے ہوئے ہیں یا گناہان گذشتہ سے مغفرت کی تخصیص کرتا ہے۔ اور اعمال و ادا ماشتم سے بدر میں ان کے حسن و عمل میں مبالغہ سے مراد ہے اور ان کی رضا کا اظہار ان کے عمل شائستہ کے سبب سے ہے۔ لہذا ان کو فائدہ نہیں پہنچاتا ہے۔ اور یہ سب اُس صورت میں ہے جبکہ ہم تسلیم کریں کہ عثمان اس عمل میں اہل بدر کے ساتھ شریک ہیں اور ابن عمر کی ضعیف روایت سے وابستہ ہیں جن کا حال سابق میں مذکور ہوا۔ اور بیعت رضوان سے تمسک ان کی جانب سے جناب رسول خدا کے بیعت کرنے کی روایت کی صحت تسلیم کرنے کی صورت میں اُس سے استدلال چند وجوہ سے داخل شدہ ہے۔

(اول) خداوند تعالیٰ نے رضا کو آیت میں ایمان اور بیعت دونوں پر منحصر فرمایا ہے۔ نہ صرف تنہا بیعت پر اور عثمان اور ان کے گروہ کا ایمان مقبول نہیں۔ بلکہ خلفائے ثلاثہ کے نفاق پر بہت سی حدیثیں وارد ہیں۔

(دوسرے) یہ کہ ہم نہیں مانتے کہ المؤمنون پر الف لام استعراق کا نئے خصوصاً یہ کہ اس آیت میں اس کے بعد چند اوصاف مذکور ہوئے ہیں جو کسی خاص جماعت کے مخصوص پر دلالت کرتے ہیں۔ کیونکہ اس کے بعد فرمایا ہے کہ پھر خدا نے جانا جو کچھ ان کے دلوں میں تھا تو ان پر اطمینان و سکون نازل فرمایا اور ان کو نزدیک فتح کے ساتھ ثواب دیا اور ان فتوحات کے ذریعہ جو بیعت رضوان کے بعد بلا فاصلہ ہوئیں اور حیر کی فتح تھی اور جناب رسول خدا نے ابوبکر و عمر کو اُس جنگ میں بھیجا اور وہ دونوں حضرات بھاگ آئے تو رسول خدا کو غیظ آیا اور حضرت نے علی کو بھیجا، تو آپ نے فتح کیا جیسا کہ بیان ہو چکا۔ لہذا امیر المؤمنین اُس کے بعد آیت سے مخصوص ہیں اور وہ لوگ بھی جو آپ کے ساتھ تھے اور ان حضرت کے ساتھ عثمان کا ہونا معلوم نہیں۔ لہذا عثمان کا آیت کے حکم میں داخل ہونا ثابت نہیں۔ یہ جواب حکمیں شیعہ میں سے بعض نے دیا ہے۔

(تیسرے) یہ کہ آیت کا عام ہونا اور اُس میں عثمان اور ان کے گروہ کا شامل ہونا تسلیم ہونے کی صورت میں اُس کا فائدہ یہ ہے کہ بیشک خدا مومنوں سے راضی ہوا جبکہ وہ زیرِ درخت

بیعت کرتے تھے۔ لیکن آیت یہ کب دلالت کرتی ہے کہ ان سے خدا کی رضا مندی و انہی ان کی موت کے وقت تک ہوگی اور ان سے خدا کی ناراضی کا کوئی فعل صادر نہ ہوگا اور گناہان کبیرہ کے مرتکب نہ ہوں گے اور ان کی تعداد پندرہ سو یا تیرہ سو تھی اور یہ ظاہر ہے کہ ان میں سے بیشتر صحرا ت اور کبا تر کے مرتکب ہوئے۔ اگر کوئی شخص اپنے غلام سے ایک روز جبکہ وہ اچھا کام کرتا ہے کتا ہے کہ میں تجھ سے راضی ہوا اُس وقت جبکہ تو نے فلاں کام کیا یا فلاں کام کرنے کے سبب سے اور دوسرے روز اُس کی سخت تر نافرمانی کرتا ہے تو وہ غلام پر غضبناک ہوتا ہے اور اُس کو سزا دیتا ہے تو کوئی آقا کو ملامت نہیں کرتا اور اُس کو ایک دوسرے کے خلاف عمل کرنے سے منسوب نہیں کرتا۔ خاص طور سے جو آیت اسی شورہ میں اس آیت سے تھوڑے فاصلہ سے پہلے واقع ہوئی ہے۔ اس امر پر صریح ہے کہ اس بیعت کی قبولیت عہد کے پورا کرنے پر مشروط ہے اور ممکن ہے کہ اس بیعت کو توڑیں جیسا کہ فرمایا ہے

الذین بیایعونک انما بیایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیہم فمن تلک فاتما ینکک علی نفسہا ومن اذی بما عاہد علیہا اللہ فسیؤنیما اجرا عظیما۔

یعنی جو لوگ تم سے اے رسولؐ بیعت کرتے ہیں وہ تم سے نہیں بلکہ خدا سے بیعت کرتے ہیں۔ خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔ تو جو شخص اس بیعت کو توڑے گا تو وہ اپنے نفس کے لیے توڑے گا (یعنی اُس کا ضرر خود اُس کی ذات پر ہوگا) اور جو شخص اُس عہد کو پورا کرے گا جو اُس نے خدا سے کیا ہے تو خدا جلد اُس کو اُس کا اجر عظیم عطا کرے گا۔ لہذا معلوم ہوا کہ اس بیعت کا فائدہ اُس وقت اُن کو حاصل ہوگا اور خدا کی خوشنودی و رضا مندی اُن کے شامل حال ہوگی جبکہ کوئی امر جو اس کے خلاف ہو اُن سے صادر نہ ہو۔ اور وہ پہلے جنگ خیبر سے بھاگے۔ اُس کے بعد اہل بیعت پیغمبرؐ سے عداوت کی اور اپنے دین کو باطل کیا اور شریعت کو درہم و برہم کیا اور اُن حضرت کے وصی اور خلیفہ کو محضول کیا۔ اور اُس کے جگہ کے مکروں کو شہید کیا۔ ان اعمال قبیحہ کے بعد اُس بیعت کا حکم اور خدا کی خوشنودی و رضا مندی اُن کو کب حاصل ہو سکتی ہے۔ میں نے ان مضامین کو کچھ طول دیا۔ اس لیے کہ مخالفین میں سے بعض اس آیت و روایات کو حوام شیعہ کے سامنے بیان کرتے ہیں اور شبہ ڈالتے ہیں۔ اور وہ حوام کبھی اُن کے جواب سے عاجز ہوتے ہیں۔ عثمان کے مطاعن اس سے زیادہ ہیں کہ اس رسالہ میں ان کا احصا کیا جاسکے۔ لہذا میں نے اس رسالہ میں اسی قلیل گفتگو پر اکتفا کیا اور جو شخص اُن تمام مطاعن سے آگاہ ہونا چاہے کتاب بجا رالاتوار کی جانب رجوع کرے۔ اسی طرح معاویہ، طلحہ، زبیر اور عائشہ، حفصہ، خلفائے بنی امیہ اور خلفائے بنی عباس

اور تمام اربابِ بدعت و ثقافت کے حالات اسی کتاب اور تمام کتب اصحاب کے حوالے کرتا ہوں۔

ساتواں مقصد۔ جملہ ائمہ اطہار علیہم السلام کی امامت کا بیان۔
 واضح ہو کہ لفظ شیعہ کا اطلاق اس شخص پر کرتے ہیں جو جناب امیر کو جناب رسول خدا
 کے بعد خلیفہ مانے اور امامیہ و اثنا عشریہ اس پر اطلاق کرتے ہیں جو سب بارہ اماموں کو حضرت
 قائم امام ہمدی علیہ السلام تک کو امام اور خلیفہ خدا و رسول مانے اور وہ عصمت کو امام
 میں شرط جانتا ہو۔ رسول خدا کے بعد علی کو۔ ان کے بعد امام حسن کو ان کے بعد امام حسین
 کو۔ ان کے بعد امام زین العابدین کو، ان کے بعد امام محمد باقر کو۔ ان کے بعد امام جعفر
 صادق کو ان کے بعد امام موسیٰ بن جعفر علیہما السلام کو ان کے بعد علی بن موسیٰ الرضا کو ان
 کے بعد محمد بن علی تقی کو۔ ان کے بعد علی بن محمد تقی کو۔ ان کے بعد حسن بن علی عسکری کو اور ان
 کے بعد مجتہدین الحسن ہمدی کو امام جانے اور حضرت ہمدی کو زندہ اور خلق کی نگاہوں سے
 غائب اعتقاد رکھتا ہو۔ وہ حضرت یقیناً ظاہر ہوں گے، اور تمام بدعتیں زائل و محو فرمائیں
 گے اور عالم کو عدالت سے بھر دیں گے۔ مذہب حق شیعہ فرقوں کے مذہبوں میں یہی ہے۔
 لہذا اکثر زیدیہ و اسمعیلیہ و افضلیہ و واقفیہ اور کیسانیہ داخل شیعہ ہیں۔ لیکن امامیہ و اثنا عشریہ
 میں داخل نہیں ہیں اور شیعہ کے اس معنی میں بہت سے فرقے ہیں۔ جیسا کہ فقہ رازی، محمد شرفی
 اور صاحب مواقف اور دوسروں نے نقل کیا ہے اور بشرطیکہ اسی سے زیادہ ہیں۔ جیسے
 کیسانیہ جو جناب امام حسین علیہ السلام کے بعد محمد بن حنفیہ امیر المؤمنین کو خلیفہ جانتے ہیں
 بعض کہتے ہیں کہ محمد بن حنفیہ مرے نہیں ہیں۔ وہی ہمدی ہیں اور غائب ہو گئے ہیں اور ظاہر ہو گئے
 ان کے بعد کوئی امام نہیں ہے بعض نے کہا ہے وہ مر گئے ہیں۔ اور امامت ان کی اولاد کو
 پہنچی اور ان کے درمیان بہت سے باطل مذاہب تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ وہ سب ختم ہو
 گئے اور زیدیہ جو امام حسین یا امام زین العابدین علیہما السلام کے بعد امام زین العابدین
 کے فرزند زید کی امامت کے قائل ہوئے ہیں۔ اور بعض جناب امیر کو بلافاصلہ خلیفہ جانتے
 ہیں۔ اور بعض خلفائے ثلاثہ کے بھی قائل ہوئے ہیں۔ اسمعیلیہ امام جعفر صادق کے بیٹے
 اسماعیل کو امام جانتے ہیں۔ حالانکہ اسماعیل، امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانہ میں فوت
 ہو گئے تھے۔ اور ان کا جنازہ علانیہ اٹھایا گیا اور ان پر حضرت نے نماز پڑھی اور وہ چند فرقے
 ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ اسمعیل فوت نہیں ہوئے۔ جناب صادق علیہ السلام نے ان کو
 نقیہ کرتے ہوئے منصور و النقی سے پوشیدہ کر دیا اور ان کی موت کا اظہار کیا۔ وہ حضرت

کے بعد حضورِ مدّت تک زندہ رہے اور امامت اُن کی اولاد کو ملی۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ حضرت کی حیات میں ہی فوت ہو گئے تھے اور اُن کی وفات کے بعد نص امامت برطرف ہو گئی۔ اور حضرت کے بعد اسمعیل کی اولاد کی جانب منتقل ہوئی۔ اس فرقہ کے اکثر افراد کچھ زمانہ کے بعد متحد ہو گئے۔ اور تمام عبادتیں چھوڑ دیں اور تمام گناہوں کو مباح کر دیا اور اس فرقہ کے کچھ افراد اس زمانہ میں پوشیدہ ہیں اور ناووسیدہ ہو گئے تھے کہ حضرت صادقؑ نے رحلت نہیں کی ہے بلکہ پوشیدہ ہو گئے ہیں۔ وہ ظاہر ہوں گے اور وہی ہمدی ہیں اور افضح جو حضرت صادقؑ کے بعد اُن حضرت کے بڑے صاحبزادے عبد اللہ افضح کو جو ظاہر و باطن دونوں طرح معیوب تھے۔ اس سبب سے امامت اُن کی جانب منتقل نہیں ہوئی امام جانتے تھے اُن کے بعد امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی امامت کے قائل ہوئے۔ عبد اللہ افضح حضرت صادقؑ کے بعد چند روز زندہ رہے۔ پھر فوت ہو گئے اور واقفیدہ جو کہتے ہیں کہ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ زندہ اور پوشیدہ ہیں، وہی ہمدی ہیں۔ اُن کے بعد دوسرے اماموں کے قائل نہیں ہوئے اور چند عجیب عجیب فرقوں کا ذکر کیا ہے۔ ان تمام فرقوں میں سے اس وقت تک کہ ۹۰ھ سے تین فرقوں سے زیادہ باقی نہیں ہیں۔ امامیہ۔ اسمعیلیہ اور زیدیہ۔ باقی تمام فرقے ختم و زائل ہو گئے اور نام کے سوا اُن کا کوئی نشان باقی نہیں ہے جیسے حضرت صادقؑ کے فرزند محمد کی امامت اور موسیٰ برج اور جعفر کذاب اور ایسے ہی لوگوں کی امامت کے قائل لوگ اب معدوم ہیں۔ ان مذہبوں کے باطل ہونے کے بیان کی احتیاج نہیں جو ختم ہو گئے کیونکہ ان میں سے کوئی مدعی امامت ظاہر نہیں ہے۔ اور باجماع امت معلوم ہے کہ تکلیف ساقط نہیں ہوئی ہے۔ اور تکلیف بغیر اس کے کہ کوئی ہو جو تکلیف الہی ان سے بیان کرے اور ان کے علوم میں ان کو تعلیم دینے کے لیے موجود ہو اور یہ ایسی تکلیف ہے جس کی طاقت بندے نہیں رکھتے۔ اور یہ عقلاً قیح ہے۔ نیز یہ کہ تمام امت کا اس پر اتفاق ہے کہ مذہب حق اُن کے درمیان باقی ہے تو آپر عمل کر کے وہ مکلفین اور ذوقاً۔ ایضاً تمام امت اجماع کرب کے ساتھ مذہب موجود ہے سوا دوسرے مذہب کی نفی پر متفق ہے اور امت ائمہ اثنا عشر کا ثبوت اور تمام مذہب کا باطل کرنا خواہ وہ سٹ چکے ہوں یا موجود ہوں پانچ طریقوں سے ممکن ہے۔

پہلا طریقہ : طریق نص ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک مجمل۔ دوسری مفصل۔ مجمل کی چند قسمیں ہیں۔

(پہلی قسم) جو صاحب الاصول نے صحیح بخاری و مسلم سے جا برہی سمرہ سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے جناب رسول خدا سے سنا۔ آپ نے فرمایا کہ میرے بعد بارہ امیر

ہوں گے۔ پھر آپ نے کچھ کہا جس کو میں نے نہیں سنا تو میں نے اپنے پدر بزرگوار سے پوچھا کہ حضرتؑ نے کیا فرمایا تھا۔ کہا فرمایا تھا کہ سب قریش سے ہوں گے۔ دوسری روایت کے مطابق فرمایا کہ ہمیشہ لوگوں کا معاملہ جاری و ساری رہے گا۔ جب تک کہ بارہ امام ان کے حاکم ہوں گے اور مسلم نے دوسری سند سے جاہل سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں اپنے والد صاحب کے ساتھ جناب رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آنحضرتؐ کو یہ فرماتے ہوئے میں نے سنا کہ یہ دین غالب اور بلند ہے۔ یہاں تک کہ بارہ خلفاء اور میرے والد نے کہا کہ حضرتؑ نے فرمایا کہ سب قریش سے ہوں گے۔ پھر دوسری سند سے اسی مضمون کی روایت کی ہے اور دین کے بجائے اسلام فرمایا ہے۔ پھر جامع الاصول میں اسی مضمون کو صحیح ترمذی اور نسائی سے روایت کی ہے اور بعض روایتوں میں یہ ہے کہ آنحضرتؑ سے لوگوں نے پوچھا کہ اُس کے بعد کیا ہوگا۔ فرمایا فتنہ و مہم آشوبی بعض فراتوں میں اس طرح ہے کہ ہمیشہ یہ دین قائم و باقی رہے گا۔ یہاں تک کہ اُن کے حاکم بارہ امیر ہوں۔ ایضا صحیح مسلم میں عامر بن سعید بن ابی وقاص سے روایت کی ہے کہ میں نے جابر بن سمرہ کو لکھا کہ مجھ کو اُس سے آگاہ کرو جو تم نے رسول خداؐ سے سنا ہے۔ انھوں نے مجھ کو لکھا کہ میں نے رسول خداؐ سے روز جمعہ بوقت شام سنا جبکہ اسلمی کو سنگسار کیا حضرت نے فرمایا کہ یہ دین قیامت تک ہمیشہ قائم و برقرار رہے گا۔ اور ان پر بارہ خلفاء ہوں گے۔ جو قریش سے ہوں گے۔ اور اس روایت کا آخری حصہ یہ ہے کہ پھر قیامت کے نزدیک جھوٹے آئیں گے۔ اور اُن کی معتبر کتابوں میں کئی سندوں سے شعبی نے سروق سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں ابن مسعود کے پاس تھا وہ ہم کو قرآن سنارہے تھے کہ ایک شخص اٹھا اور اُس نے پوچھا کہ کیا تم نے رسول خداؐ سے پوچھا کہ اُن حضرت کے بعد کتنے خلیفہ ہوں گے۔ جبرائیل نے کہا جب سے میں عراق میں آیا ہوں۔ کسی نے مجھ سے یہ سوال نہیں کیا ہاں میں نے رسول خداؐ سے سوال کیا۔ حضرت نے فرمایا بارہ افراد نقبائے بنی اسرائیل کی تعداد کے مطابق ہوں گے اور سب قریش سے ہوں گے۔ اور ابو جحیفہ نے روایت کی ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا کہ میری امت کا معاملہ ہمیشہ درست رہے گا۔ یہاں تک کہ بارہ خلیفہ گزریں جو سب قریش سے ہوں گے اور اس سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ برابر یہ دین قائم رہے گا۔ یہاں تک کہ بارہ خلفاء قریش سے ہوں۔ جب وہ گزر جائیں گے زمین اپنے اہل سمیت حرکت میں آئے گی۔ نیز عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ میرے بعد بارہ افراد خلیفہ ہوں گے۔

رسول خدا کے بعد بارہ خلفاء کی پیشین گوئی

ایضاً روایت کی ہے کہ ابن عمر نے ابی الطفیل سے کہا کہ بارہ خلفاء کو شمار کر لو ان کے بعد خرابی، قتل و خون ریزی ہوگی۔ ایضاً مروی ہے کہ عائشہ سے لوگوں نے پوچھا کہ کتنے خلیفہ جناب رسولِ خدا کے ہوں گے۔ کہا حضرت نے مجھ کو خبر دی کہ بارہ خلیفہ ہوں گے۔ لوگوں نے پوچھا وہ کون کون ہیں۔ کہا میرے پاس حضرت کے بتائے ہوئے ان کے نام لکھے ہیں۔ لوگوں نے کہا ہم کو وہ نام بتائیے تو عائشہ نے انکار کیا اور ان مضامین پر بہت سے دوسرے لفظوں کے ساتھ روایت کی ہے۔ اور صحیح بخاری و مسلم میں عبد اللہ بن عمر سے روایت ہوئی ہے کہ رسولِ خدا نے فرمایا کہ ہمیشہ یہ امر قریش میں رہے گا۔ جب تک کہ دو اشخاص مجھ باقی رہیں اور اسحاق بن سلیمان عباسی سے روایت کی ہے کہ ہارون رشید نے کہا کہ مجھ کو میرے آبا و اجداد نے عباس کے حوالے سے خبر دی ہے کہ رسولِ خدا نے فرمایا اے چچا میرے فرزندوں میں سے بارہ خلفاء ہوں گے۔ بعد میں امور ناپسندیدہ اور عظیم سختیاں رونما ہوں گی۔ اس وقت میرے فرزندوں میں سے مہدی ظاہر ہوگا۔ اور خدا اُس کے امر کو ایک شب میں مُرست کر دے گا۔ وہ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا، اُس کے بعد جبکہ وہ ظلم و جور سے بھر گئی ہوگی اور وہ زمین پر رہے گا جب تک خدا چاہے گا۔ پھر مجال ظاہر ہوگا۔ اور ائمہ اشاعشر کی خلافت پر ان احادیث کی دلالت کی وجہ سے کہ تمام فرقہ آہ اسلام میں سے خلفاء کی اس تعداد اور بارہ امام کے خاص طور سے ان کے قریش سے ہونے کا اور ان کی خلافت کے جب تک خلع باقی ہے جاری و باقی رہنے کا شیعوں کے فرقہ اثنا عشری کے سوا کوئی فرقہ قائل نہیں ہے۔ لہذا اپنی حدیثوں سے جو ان کی صحاح میں بار بار وارد ہوئی ہیں۔ ہمارا مذہب ثابت ہوا اور دوسرے تمام مذاہب باطل ہو گئے اور مخالفین کے تصدیب کی زیادہ تعجب چیز بات یہ ہے کہ ان حدیثوں کو ان میں سے بعض نے چاہا ہے کہ اپنے مذہب کے موافق قرار دیں۔ کہتے ہیں کہ پیغمبر خلیفہ اور امیر المؤمنین اور امام ہیں اور بنی امیہ میں دوسرے سات اشخاص ہیں۔ بعضوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد صالح خلفاء ہیں اور ان کے بعد حسین بن عبد اللہ بن زبیر اور عمر بن عبد العزیز اور پانچ دوسرے بنی عباس میں سے ہیں۔ اور یہ دونوں تو جہیں نہایت بے عقلی کی دلیل ہیں کیونکہ تمام خلفائے بنی ارباب بنی عباس شقاوت و ضلالت اور جہالت میں ایک دوسرے کے مثل تھے سوائے عمر بن عبد العزیز کے جو بعض اچھے اطوار رکھتے تھے۔ لہذا ان میں سے بعض کا انتخاب کرنا اور بعض کو رد کرنا بے وجہ ہے۔ ایضاً تمام حدیثوں کا ظاہر ان کی خلافت کا ایک دوسرے سے متصل اور جاری رہنا ہے اور بعض صریح ہے کہ روز قیامت تک باقی رہیں گے اور بعض میں مذکور ہے۔ فاذا مضوا ماجت الارض باہلہا یعنی جب یہ ائمہ دنیا سے چلے

بارہ خلفاء رسول کے متعلق ہیں۔

جائیں گے۔ زمین اپنے اہل سمیت موج میں آجائے گی اور نظام عالم درہم برہم ہو جائے گا۔ اور بعض صترح ہیں کہ خلافت قریش روز قیامت تک باقی رہے گی۔ لہذا معلوم ہوا کہ یہ تاملیں ان کو فائدہ نہیں پہنچا سکتیں، بلکہ یہ حدیثیں ہمارے مدعا کے لیے کافی دوانی ہیں۔

(دوسری قسم) احادیث نقلین ہیں اور انہی کے مثل حدیثیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ جناب رسول خدا نے قرآن و اہلبیت کی متابعت کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ لوگوں آپس سے قیامت تک جہاد نہ ہوں گی اور مخالفوں کے خلفاء ختم ہو گئے اور اہلبیت میں کسی کی خلافت کے قائل نہیں ہیں اور آئمہ اسمعیلیہ اگر ہوں تو وہ چند فاسق اور ملحد ہیں جو ظاہر میں سلاطین کے تابع ہیں اور فسق و فجور اور طرح طرح کی معصیت میں مشہور و معروف ہیں اور کوئی عاقل ان کی امامت تجویز نہیں کرتا اور زید بھی اپنے اصول دین میں کسی دلیل سے متمسک نہیں ہیں۔ ان کے اعتقاد میں ہر فاطمی نسب والا جو تلوار سے خروج کرے امام ہے اور وہ آئمہ جن کی امامت کا دعویٰ وہ اس وقت کرتے ہیں۔ اگر ان کا نسب ثابت ہو جائے تو چاہیے کہ وہ احکام الہی اور قرآن مجید کے معانی کے عارف و جاننے والے ہوں یہاں تک کہ ان کا کتاب خدا کے ساتھ ہوتا صادق ہو حالانکہ ان میں سے اکثر کفار و کفرت سے جاہل و نادان واقف ہیں اور اپنی فروع دین میں اکثر مسائل میں ابوحنیفہ کے مقلد ہیں اور اپنی خاص امامت پر کوئی حجت اور دلیل نہیں رکھتے۔ اور نہ اپنی امامت پر کوئی قصص رکھتے ہیں اور اس پر اجماع ہی منعقد ہوا ہے۔ بلکہ تمام سلاطین جو ر کے مانند قلبہ اور قہر کے ساتھ بادشاہ ہوتے ہیں اور اس کو امامت کا نام رکھا ہے۔ اور افاضل اہلبیت جیسے حضرت باقر و صادق کو گالیاں دیتے ہیں اور ناز کر لیتے ہیں۔ باوجودیکہ خوارج کے علاوہ تمام امت ان کی جلالت و عدالت اور فضیلت کا اقرار کرتی ہے۔ اس جہت سے وہ خوارج کے مانند ہیں۔ لہذا احادیث اہلبیت میں وارد ہوا ہے کہ زید یہ مخالفین سے بدتر ہیں۔ کیونکہ مخالفین ہمارے شیعوں سے عداوت رکھتے ہیں۔ لیکن ہمارے ساتھ عداوت نہیں کرتے اور زید یہ ہمارے ساتھ عداوت کرتے ہیں۔

(تیسری قسم) ابن ابی الحدید نے صاحب جلیۃ الاولیاء سے روایت کی ہے اور احمد بن حنبل کی کتاب فضائل میں اور خصائص نظری میں بھی مذکور ہے کہ جناب رسول خدا نے فرمایا کہ جو شخص چاہے کہ اس کی زندگی میری زندگی کے مانند اور اس کا مرنا میرے مرنے کے مثل ہو اور جنت عدن میں ساکن ہو جس کو خدا نے اپنے دست قدرت سے تیار کیا ہے اور وہ میری منزل ہے تو اس کو چاہیے کہ میرے بعد ولایت علی کو اختیار کرے اور ان کے

فرزندوں میں سے اوصیاء و ائمہ کی پیروی کرے بیشک وہ میری عزت میں اور میری طہنت سے خلق ہوئے ہیں اور میری عقل اور میرا علم خداوند عالم نے اُن کو نصیب و روزی کیا ہے لہذا واہے ہو میری اُمت کے اُس گروہ پر جو اُن کی تکذیب کریں اور میرے اور اُن کے درمیان جدائی ڈالیں اور اُن کے حق میں میری رعایت نہ کریں۔ خدا میری شفاعت اُن کو نہ پہنچائے۔ (بجو تھی وجر) زعفرانی نے روایت کی ہے کہ رسول خدا نے فرمایا کہ فاطمہؑ کی راحت و خوشی ہے۔ اُس کے دونوں فرزند میرے میوہِ دل ہیں اور اُس کا شوہر میری آنکھوں کا نور ہے اور اُس کی اولاد سے ائمہ میرے پروردگار کے امین ہیں اور ایک کھنچی ہوئی سیماں خدا اور خلق کے درمیان ہیں جو شخص اُن کی متابعت اختیار کرے گا۔ نجات پائے گا اور جو شخص اُن کو چھوڑ دے گا اور علیحدہ ہوگا جہنم کے سب سے نیچے طبقہ میں جائے گا۔ اس بارے میں ان کی کتابوں میں حدیثیں بہت ہیں۔ چونکہ ان کی صحاح میں نہیں ہیں اس لیے میں نے نہیں لکھیں اور نص متصل کے بارے میں یہ ہے کہ جب خلافت امیر المؤمنینؑ ثابت ہوئی اُن حضرت کی جانب سے امام حسنؑ کی جانب نص اور امام حسینؑ کی جانب سے امام حسینؑ کی جانب نص۔ اسی طرح ہر ایک امام کی طرف سے دوسرے امام کی طرف امام ہمدی علیہ السلام تک نص علماء و محدثین امامیہ کے فرقوں کے درمیان جو ہر زمانہ میں ان میں سے متعدد ہر شہر اور ملک میں رہے ہیں متواتر رہے اور انھوں نے اپنی تصانیف اور کتابوں میں درج کی ہیں اور ظاہر ہے کہ ان کا اس پر دعوت دینا دیانت و حقانیت کے سوا کوئی امر نہ تھا۔ کیونکہ ملک و بادشاہی ہمیشہ مخالفین کے قبضہ میں رہی ہے اور وہ قاہر اور غالب رہے ہیں۔ اور ان روایتوں، حدیثوں اور خبروں کو نہایت خوف کی حالت میں محفوظ رکھا ہے۔ اگر ان کی عرض حصول دینا ہوتی تو چاہیے تھا کہ خلفائے جور اور مخالفین سے متصل ہوں اور خوف اور ڈر سے نجات پائیں اور محترم و مکرم ہوں۔ اسی کے ساتھ یہ کہ میں جانتا ہوں کہ وہ نہایت صالح اور نیک سیرت رہے ہیں اور جھوٹ سے نہایت پرہیز کرتے رہے ہیں اور جو شخص ان قرآن اور ان صورتوں سے یہ روایتیں کرتا ہے یقیناً اس کو ان کی حقیقت کی اطلاع ہوتی ہے اور شیعوں کے معتبر یقینوں سے بارہ اماموں کی حدیثیں اور اُن کے مقدس نام، جناب رسولِ خدام اور ہر ایک حضرات ائمہ معصومین علیہم السلام سے متواتر ہیں اور سب اعجاز سے متصل ہیں۔ کیونکہ اُن ہر ایک کے باپ اور ماؤں کے نام سے اُن کے وجود سے پہلے بارہویں امام کی غیبت اور اُن کے حالات اور روزِ ولادت کے بعد تک کی خبر دی ہے۔ اور جو کتابیں ان احادیث پر مشتمل ہیں حضرت امام زین العابدینؑ سے حضرت قائم کے زمانہ تک

شیدہ و سستی کے درمیان راجح اور محفوظ و مضبوط رہی ہیں۔ لہذا ان حدیثوں میں شک و شبہ کی راہ نہیں ہے۔

دوسرا طریقہ : افضلیت ہے، اور اس میں شک نہیں کہ آئمہ میں ہر ایک اپنے تمام اہل زمانہ سے افضل رہے ہیں خصوصاً ان خلفاء سے جنہوں نے ان کا حق غضب کیا تھا تمام علوم و صلاحیت، تہذیب و تقویٰ، اور فضائل و مناقب میں افضل تھے۔ اور مخالف و موافق سب اس بارے میں متفق ہیں اور مشکل مسئلوں اور دقیق امور اور واقعات میں تمام علماء و فقہاء ان کی طرف رجوع کرتے تھے اور ان کی باتوں کو حجت اور قابل اتباع جانتے تھے اور وہ حضرات تمام ائمہ اور رعایا کا مرجع رہے ہیں اور تمام خلفائے نبویؐ و نبی عباس ان کو خلافت کے مقام کا مستحق جانتے تھے اور ان کے حساب میں رہے ہیں۔ یعنی تعداد و مجموعہ میں سے ہے۔ اور عامہ و خاصہ کی حدیثوں اور تاریخوں کی کتابیں ان کے مراتب و فضائل و مناقب سے بھری ہوئی ہیں خاص طور سے حسین علیہم السلام کے فضائل و مناقب سے جو اس قدر زیادہ ہیں جن کا احصاء نہیں کیا جاسکتا اور جامع الاصول میں صحیح بخاری و مسلم و ترمذی سے برابر بن عازب سے روایت کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول خداؐ کو دیکھا کہ امام حسن علیہ السلام کو اپنے کاندر سے پر سوار کئے ہوئے تھے اور فرمایا تھے کہ میں اس کو دوست رکھتا ہوں۔ اے خدا تو بھی اس کو دوست رکھ۔ ایضاً سب نے برابر سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خداؐ نے ایک روز حسین علیہم السلام کو دیکھا اور کہا اے خدا میں ان کو دوست رکھتا ہوں۔ لہذا تو بھی ان کو دوست رکھ۔ ایضاً جامع الاصول میں صحیح ترمذی سے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسول خداؐ امام حسن علیہ السلام کو اپنے کاندر سے پر سوار کئے ہوئے تھے۔ ایک شخص نے امام حسنؑ سے کہا کہ صاحبزادے تمھاری سواری کیسی اچھی ہے۔ حضرت نے فرمایا وہ بھی بہت بہتر سوار ہے۔ ایضاً صحیح ترمذی سے انس سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خداؐ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کے اہلبیت میں کون آپ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے فرمایا حسینؑ۔ اور جناب فاطمہؑ سے فرماتے تھے کہ میرے دونوں فرزندوں کو لاؤ۔ جب وہ آتے تھے تو حضرت ان کو پیار کرتے تھے اور ان کو گود میں لیتے اور اپنے سینہ پر لٹالیتے تھے۔ ایضاً صحیح مذکور سے روایت کی ہے ابوہریرہؓ سے وہ کہتے ہیں کہ میں رسول خداؐ کے ساتھ تھا حضرت نے بہت دنوں سے مجھ سے بات نہیں کی تھی اور نہ میں نے حضرت سے گفتگو کی تھی۔ یہاں تک کہ بازار قینقار تک گئے پھر واپس آئے اور جناب فاطمہؑ کے گھر گئے اور فرمایا کیا میرا بچہ یہاں ہے

یعنی امام حسن - پھر میں نے دیکھا کہ وہ باہر آئے اور آنحضرت کی جانب دوڑے اور دونوں نے اپنے اپنے ہاتھ ایک دوسرے کی گردن میں ڈال دیئے۔ پھر جناب رسول خدا نے فرمایا، خداوند! میں اس کو دوست رکھتا ہوں تو بھی اس کو دوست رکھ اور اس کو بھی دوست رکھ جو اس کو دوست رکھے۔ اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے بھی اس مضمون کی ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا جناب فاطمہ کے بیت اقدس میں گئے اذین تبرہ حسن کو بلایا۔ وہ حضرت آئے۔ آپ کی گردن مبارک میں ایک تمویذ بندھا ہوا تھا جب حضرت نے ان کو دیکھا ہاتھ پھیلا دیئے اور ان کو اپنی آغوش میں لیا اور فرمایا خداوند! میں اس کو دوست رکھتا ہوں تو بھی اس کو دوست رکھ۔ ابوہریرہ کہتے ہیں کہ میں نے اس دعا کو سنا اس وقت سے میرے نزدیک حسن بن علی علیہما السلام کی زیادہ کوئی دوست نہ تھا نیز صحیح ترمذی سے اسامہ سے روایت کی ہے کہ ایک رات کو میں ایک ضرورت سے آنحضرت کی خدمت میں گیا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت کوئی چیز اپنی ران پر رکھے ہوئے ہیں اور ایک کپڑا اس پر ڈالے ہوئے ہیں۔ جب میں اپنی ضرورت سے فارغ ہوا۔ میں نے پوچھا کہ وہ کونسی چیز ہے جسے آپ اپنی گودی میں لیے ہوئے ہیں۔ میں نے کہا کہ حضرت نے کپڑا پٹا دیا تو میں نے دیکھا حسن و حسین علیہما السلام حضرت کی رانوں پر سوتے ہوئے ہیں۔ حضرت نے فرمایا یہ دونوں میرے فرزند ہیں اور میری مومنہ کے بیٹے ہیں۔ خداوند! میں ان دونوں کو دوست رکھتا ہوں تو بھی ان کو دوست رکھ اور ان کو بھی دوست رکھ جو ان دونوں کو دوست رکھے ایضاً صحیح ترمذی سے یعلیٰ بن مردہ سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا نے فرمایا کہ حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔ خداوند! دوست رکھ اس کو جو حسین کو دوست رکھے حسین ایک سبط ہے اسباط میں سے۔ اور ابن ابی الحدید نے جامع الاصول میں اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ سبط اولاد کی اولاد سے یعنی ان اسباط میں سے ہے جس میں فرزند ان یعقوب رہے ہیں۔ گویا پیغمبروں میں سے ایک ہے۔ نہایت اللغت میں پھر اسی حدیث کو نقل کیا ہے اور اس کی تفسیر میں لکھا ہے یعنی خیر و خوبی کی امتوں میں سے ایک امت ہے اور کہا ہے کہ دوسری حدیث میں وارد ہوا ہے کہ حسین دو سبط رسول اللہ ہیں۔ پھر کہا ہے کہ آنحضرت کے دو گروہ اور دو گروہ ہیں۔ ایضاً صحیح ترمذی سے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ رسول خدا نے فرمایا کہ حسین بہترین جوانان اہل بہشت ہیں۔ ایضاً اور صحیح بخاری و مسلم و ترمذی سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے عبد افتر بن عمر سے پتھر کے مار ڈالنے اور اس کو حالت احرام میں مارنے کے بارے میں پوچھا۔ ابن عمر نے پوچھا تو کہاں کا

حسین کی خدمت سے یہ جناب رسول خدا کے ارشادات

رہنے والا ہے۔ اُس نے کہا عراق کا، تو ابن عمر نے کہا اس شخص کو دیکھو کہ مجھ سے مجھ کے مارنے کے بارے میں دریافت کرتا ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے فرزندِ رسولؐ کو قتل کیا۔ حالانکہ جناب رسولؐ خدا سے میں نے سنا کہ آپ نے اُن کے اور اُن کے بھائی کے حق میں فرمایا کہ وہ دونوں دنیا میں میرے باغ کے دو پھول ہیں۔ اور فرمایا کہ وہ دونوں جو انان بہشت کے سردار اور سب سے بہتر و برتر ہیں۔ نیز صحیح نسائی سے عبد اللہ بن مسعود سے اُس نے اپنے پدر سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نماز مغرب یا عشاء کے لیے تشریف لائے اور حسنؓ یا حسینؓ آپ کے کانہ سے پر تھے۔ حضرت صفت کے آگے کھڑے ہوئے اور اُن کو زمین پر چھوڑ دیا۔ اور نماز کے لیے تکبیر کہی اور اٹھائے نماز میں ایک سجدہ کو بہت طول دیا۔ میں نے سزا ٹھایا دیکھا کہ وہ پتھر حضرت کی پشتِ اقدس پر سوار ہے اور حضرت سجدہ میں ہیں یہ یہ دیکھ کر میں پھر سجدہ میں چلا گیا جب حضرت نماز سے فارغ ہوئے لوگوں نے پوچھا یا رسولؐ آپ نے ایک سجدہ کو بہت طول دیا۔ یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ کوئی امر صادر ہوا، یا آپ پر وحی نازل ہوئی۔ فرمایا یہ سب کچھ نہ تھا۔ لیکن میرا فرزند میری پشت پر سوار ہو گیا تھا اور میں نے نہیں چاہا کہ جلد اُس کو طلعہ کر دوں۔ یہاں تک کہ اُس کی خواہش پوری ہو جائے اور وہ لطف اندوز ہو جائے۔ اور بخاری، سنن ابی داؤد، ترمذی اور نسائی سے حسن بصریؒ سے روایت کی ہے کہ ابو بکر نے کہا کہ میں نے رسول خداؐ کو منبر پر دیکھا اور امام حسنؓ آپ کے پہلو میں تھے۔ حضرت کبھی لوگوں کو دیکھتے تھے کبھی حسنؓ کو، اور فرماتے تھے کہ یہ فرزندِ سید اور بزرگ مرتبہ ہے۔ شاید خداوند عالم میری امت کے دو عظیم گروہوں میں اس کے توسط سے اصلاح فرماتے۔ اور صحیح بخاری اور ترمذی سے انس سے روایت کی ہے کہ کوئی حسنؓ و حسینؓ سے زیادہ رسول اللہؐ سے مشابہ نہ تھا۔

ان کے فضائل میں حدیثیں عدد و انتہا سے زیادہ ہیں اور آیتِ تطہیر و مباہلہ وغیرہ کا اُن کی فضیلت، میں نازل ہونا کافی ہے۔ ان میں سے اکثر ان کی امامت میں صریح ہیں خاص طور سے خدا و رسولؐ کے محبوب، ہونا۔ کیونکہ معلوم ہے کہ جناب رسول خداؐ کی محبت خدا کی محبت کی تالیق ہے اور آنحضرتؐ کی محبت بشری قربت کی وجہ سے نہ تھی جیسا کہ بارہا بیان کیا جا چکا جب وہ حضرات خدا کے محبوب، اور آنحضرتؐ کے نزدیک آپ کے اہلیت میں سب سے زیادہ محبوب تھے تو چاہیے کہ قرب میں خدا کے نزدیک اور کمالات میں تمام امت سے زیادہ ہوں، سوائے امیر المؤمنینؑ کے جن کی افضلیت بدلائل خارجہ معلوم ہوئی۔ اور ان احادیث کے آخر میں بہت سی روایتوں میں مذکور ہے کہ ابوبہرہؓ ماخیر منہما یعنی ان کے پدر ان سے

بہتر ہیں لہذا وہ حضرت تمام نعلی سے اُمت میں خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہوں گے۔
 خصوصاً ان لوگوں سے جو ان کے زمانہ میں جبراً خلافت پر قابض ہوئے اور حضرت نے ان پر
 متعدد موقوفوں پر لعنت کی تھی۔ ایضاً جس کی دوستی خدا کی محبت کا باعث ہو، چاہے کہ اس کی
 معرفت و محبت ارکان دین میں سے ہو اور وہ ہرگز کسی گناہ سے آلودہ نہ ہوا ہو۔ ورنہ اس کی
 عداوت اُس شخصیت کے سبب واجب ہوگی۔ ایضاً اور جو شخص اس قدر خصوصیت آنحضرت
 سے رکھتا ہو کہ حضرت فرمائیں کہ وہ مجھ سے ہے اور میں اُس سے ہوں اور بنی اسرائیل کے
 اسباط سے اس کی تشبیہ دی ہو۔ جو انبیاء اور اوصیائے انبیاء تھے۔ وہ دوسروں سے اُمت
 کا زیادہ سزاوار ہے۔ اسی طرح ان کا بہترین جوانانِ اہلِ بہشت ہونا تمام عالمین پر ان
 کی فضیلت کی دلیل ہے، سوائے اس کے جو دلیلِ خارج سے ہو کیونکہ بہشت میں بالاتفاق
 سب جوان ہوں گے کوئی بوڑھا نہ ہوگا۔ اگر اس سے وہ گروہ مراد لیا جائے جو حالتِ جوانی
 میں دُنیا سے گئے ہیں تو یہ غلط ہے۔ کیونکہ وہ حضرات بزرگی اور سنِ پیری میں شہید ہوئے ہیں
 اس کے باوجود ہمارا مقنا ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ بہت سے پیغمبر بھی جیسے حضرت کی جوانی
 دُنیا سے رخصت ہوئے ہیں۔ اگر وہ ان سے افضل ہوں تو یقیناً منصوص و معتقد اور پیشوا
 تعلق ہوں گے۔ اگر کہیں کہ جب وہ حضرات جوان تھے، تب فرمایا تھا کہ وہ اہلِ بہشت کی
 جماعت سے بہتر ہیں جو جوانی کے سن میں ہوں۔ یہ بھی بے فائدہ ہے اس لیے کہ وہ حضرات
 اُس وقت پتھر تھے جو ان نہ تھے اور اس کو بھی مان لینے کی صورت میں ہمارا مطلب ثابت
 ہے کیونکہ جب وہ تمام اہلِ بہشت سے سنِ شباب میں افضل ہوں تو پھر ان کی افضلیت
 پورے طور پر ثابت ہوتی ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ عامر نے اس حدیث کے مقابلہ
 میں ابوبکر و عمر کے لیے وہی فضیلت ثابت کرنا چاہا ہے اور ایک حدیث وضع کی ہے۔
 کہ ابوبکر و عمر اہلِ بہشت کے بوڑھوں کے سردار ہوں گے۔ اس سے غافل ہو کر کہ بہشت
 میں کوئی بوڑھا نہ ہوگا۔ اور دوسرے احتمالات بھی باطل ہیں جیسا کہ تم کو معلوم ہوا ہو جو بیکہ
 اس ضعیف حدیث کے نقل کرنے میں خود منفر دین اور عمر کے صاحبزادے سے نقل کیے
 جو اس بارے میں حصولِ نفع اور عداوتِ جناب امیر علیہ السلام میں مشہور و متہم ہیں۔ اور
 معلوم ہے کہ حدیث سیدنا شبابِ اہلِ الجنۃ کے برعکس ہے جس کو عامر و خاصر نے
 متواتر طریقے سے روایت کی ہے۔ ایضاً ان روایتوں کے خلاف ہے جس کی روایت اپنی
 معتبر کتابوں میں کیا ہے کہ جناب رسولِ خدا نے فرمایا کہ عبدالمطلب کی اولاد اہلِ بہشت کی
 سردار و بزرگ ہے یعنی میں علی و جعفرؑ یہ ابوطالب کے دونوں فرزند اور حسن و حسینؑ ہمدنی

تک۔ اگر کہیں کہ وہ اہل بہشت کی اس جماعت سے بہتر میں جو اس وقت پورے تھے باوجودیکہ بہت بعید ہے۔ یہ بات ان کو کچھ نفع نہیں پہنچاتی۔ کیونکہ یہ دلالت نہیں کرتی ان کی فضیلت پر اس جماعت پر جو اس وقت سن شباب یا طفولیت میں رہی ہے۔ جیسے جناب امیر اور امام حسینؑ اور اسی کے مثل وہ حدیث ہے جو انامدینۃ العلمہ وعلی بابہا کے مقابلہ میں وضع کی ہے اور اس حدیث میں جوڑ دیا ہے کہ عرسقفھا غافل ہیں اس سے کہ شہر میں چھت نہیں ہوتی۔ ایضاً ان حضرات کے لیے سجدہ میں طول دینے کی حدیث خدا کے نزدیک ان کے نہایت قرب و منزلت پر دلالت کرتی ہے کہ انحضرت کے جماعت کے آداب مستحبات جس میں اختصار مطلوب ہے ترک فرماتے ہیں۔ اس لیے کہ پتھر کی خواہش پوری ہو جاتے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کے قلب مبارک کو رنج پہنچے۔ اگر ہر ایک ان میں سے امامت کے اثبات کیلئے کافی نہ ہو تو شک نہیں ہے کہ ان تمام فضیلتوں سے مرتبہٴ افضلیت معلوم ہوتی ہے جو ان حضرات سے مخصوص رہی ہے اور ان کے اہل عصر ان کے ساتھ ان میں شریک نہیں رہے ہیں اس لیے سب سے زیادہ سزاوار اور حق دار امامت ہوئے۔ کیونکہ تزییح مروج اور تفضیل مفضول قبیح ہے۔

تیسرا طریقہ : عصمت ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ عقیدہ و نظریہ دلیلوں عصمت امام کا واجب ہونا ہم نے ثابت کر دیا ہے اور کوئی فرقہ سوائے اثنا عشریہ کے عصمت ائمہ کا قائل نہیں ہے کیونکہ خود دعویٰ کرتے ہیں کہ نہیں ہیں۔ اس لیے وہ تمام مذاہب باطل اور مذہب اثنا عشریہ حق ہے۔

چوتھا طریقہ : معجزہ ہے۔ اور ائمہ میں سے ہر ایک کے بے حد حساب معجزات ظاہر ہوئے اور ان کے شیعہوں میں متواتر ہیں۔ بلکہ عامہ کے درمیان بھی متواتر ہیں۔ چنانچہ ابن طلحہ شافعی نے مطالب السؤل میں اور ابن صلبخ کئی ماگی نے فصول المہمہ میں اور علامہ حلی نے شواہد النبوة میں اور علمائے عامہ سے اور دوسروں نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے اور ان کو کرامت کا نام دیا ہے یہاں تک کہ نواب و سفرائے حضرت صاحب الامر کے ہاتھوں سے عظیم معجزات ظاہر ہوئے ہیں جو ان کی سفارت و نیابت کو جانتے تھے۔

پانچواں طریقہ : اجماع ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ تمام امت اس پر متفق ہے کہ ان مذاہب کے درمیان سے مذہب حق باہر نہیں ہے اور ہم نے دوسرے مذہبوں کو باطل کر دیا اس لیے کہ وہ سب باتفاق نص عصمت، معجزہ اور افضلیت سے عاری ہیں کیونکہ ان گروہوں میں اکثر گروہ ان امور مذکورہ کا اپنے تمام اماموں میں جن کی امامت کا وہ دعویٰ کرتے

ہیں دعویٰ نہیں کرتے اور جو گروہ ان امور کا قائل ہے جیسے ناووسیدہ، واقفینہ اصل امامت میں
اشجار عشریہ کے ساتھ شریک ہیں لہذا ان کی امامت سب کے اجماع سے ثابت ہے اور
وقف وغیبت اور حیات کا دعویٰ جو انہی سے مخصوص ہے متواترہ ثابتہ نصوص کے ذریعہ
بارہ کی تعداد کے وجود میں خاص کر انہی حضرات میں ثابت ہے اور ان کی موت کا ثبوت
باطل ہے اور دوسری طرف ان کی امامت کے اثبات کے لیے ہے کہ اگر کوئی دلیل میں دراجھی
انصاف رکھتا ہے اور اپنے تئیں تعصب سے خالی کر کے طالب حقی ہوتا ہے اور ان میں غولہ
ونکر کرتا ہے وہ یقیناً ہدایت پاتا ہے۔

پہلا طبقہ رقیبہ : وہ علوم جو ان سے تمام عالم کے فرقوں میں منتشر ہوئے اور وہ علوم
جو مشہور عالموں میں سے ہر ایک ایک علم میں ممتاز ہیں، وہ تمام علوم ہمارے ائمہ میں جمع ہیں جیسا
کہ سابق میں مذکور ہوا کہ تمام علماء جناب امیر کی رعایا ہیں اور سب نے آپ ہی سے حاصل
کیا ہے اور تمام علوم میں اپنے کو انہی حضرات سے منسوب کرتے ہیں۔ جیسے اصول دین احکام
شریعت۔ تفسیر قرآن۔ علم نحو۔ علم طب۔ حکم و وصایا۔ علم آداب۔ علم اخلاق۔ علوم معاشرت۔ علم
سیاست۔ علم نجوم وغیرہ وغیرہ سب انہی حضرات سے نقل کیا ہے اور آپ ہی کے کلام کو قابل
اتباع جانتے ہیں اور کوئی اعتراض ان علوم کے بارے میں نہیں کیا ہے۔ باوجود اس عداوت
کے جو اکثر فرقے باطل غرضوں کے لیے ان حضرات سے رکھتے ہیں۔ اسی طرح تمام ان علوم کو ان کی
ذریعت کے ائمہ سے اخذ کیا ہے اور اہل علم میں سے کسی نے ان کے فضل و جلالت علو سے
مرتبہ میں شک نہیں کیا ہے۔ اور امام زین العابدین کے زمانہ میں جب بنی اُمیہ کے جبار غاب
ہوتے تھے اور کفر عالم پر چھایا ہوا تھا اور رقیبہ شدید تھا۔ لوگوں کو اپنی طرف راہ نہیں دیتا تھا۔
اس وقت تمام علوم یا کم از کم دعائیں ہیں جو ان حضرات سے منقول ہوئی ہیں
جیسے صحیفہ کاندہ جو کتب سماویہ سے مشتاق ہے اور ظاہر ہے کہ الہام الہی کے ذریعہ آنحضرت کی
زبان مجرب بیان پر جاری ہوئی ہیں۔ اس سبب سے اس کو انجیل اربعیت و زبور آل محمد سے ملقب
کیا ہے اور تمام دعائیں جن کو اس عاجز نے ان حضرات کی دُعاؤں میں سے کئی صحیفہ کے برابر جمع
کی ہیں۔ خدا کی قسم اگر وہ نہ ہوتیں تو لوگ قاضی الحاجات کی بارگاہ میں مناجات کا طریقہ نہ جانتے
اور آپ کے آداب حسنہ کلمات جلیلہ اور اطوار پسندیدہ جن سے خاصہ وعامہ کی کتابیں مزین
ہیں۔ ارباب حال و اصحاب زہد و ریاضت کے لیے نمونہ ہیں جن کے ذریعہ سے اکتفا کر سکتے
ہیں چونکہ امام محمد باقر اور امام جعفر صادق کے زمانہ میں جبکہ بنی اُمیہ کی حکومت کا اختتام اور
بنی عباس کی سلطنت کی ابتداء تھی۔ ان دونوں بزرگوں سے اس قدر حلال و حرام کے مسائل علم تفسیر و

کلام انبیاء کے حالات اور بادشاہان عرب و عجم کے سیر و فوارس و غیرہ غرائب علوم منتشر ہوئے اور عالم پرچھا گئے اور شیعوں کی باتیں اطرافِ عالم میں منتشر ہوئیں اور وہ ہمیشہ مناظروں اور مباحثوں میں تمام فرقوں کے علماء پر غالب ہوئے اور علمائے مشہور میں سے چار نزاریاں شیخوں نے حضرت صادقؑ سے روایت کی ہے۔ ان میں اکثر صاحب تصانیف تھے اور چار شیعوں میں تیار ہوئے جنہوں نے امام باقرؑ و صادقؑ و کاظمؑ کے اصحاب سے روایت کی تھی اور ان کو کسی مسئلہ میں علمائے مخالفین سے رجوع ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔ بلکہ سب علمائے مخالفین انہی حضرات کے محتاج تھے۔ ابوحنیفہ اور ان کے تمام علماء و قضات جب کسی مسئلہ میں عاجز و پریشان ہوتے تھے، محمد بن مسلم اور انہی کے ایسے ان حضرات کے اصحاب سے رجوع کرتے تھے اور محمد بن نعمان جو ان حضرات کے اصحاب میں سے تھے اور طاق الحاصل کوذہ میں ایک دکان کرتے تھے وہ ان کے اس قدر علماء کو مناظروں اور مباحثوں میں عاجز کرتے تھے کہ وہ طایعین ان کو شیطان الطاق کہتے تھے اور شیعوں نے ان کا مومن الطاق نام رکھا تھا۔ ہشام بن الحکم، ہشام بن سالم، محمد بن مسلم اور نزارہ وغیرہ فنونِ علوم میں خاص کر دونوں مشائخ علم کلام میں اس قدر ماہر ہوئے تھے کہ خلفاء اور انصار کے درباروں میں مخالفین کے مشہور علماء سے مباحثے کرتے تھے اور ہر ایک پر غالب ہوتے تھے اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بھی نشرِ علوم میں اس مرتبہ پر تھے۔ یہاں تک کہ ہارون نے ان حضرت کو قید کر دیا اور حضرت امام رضاؑ سے قبیلِ مدینہ میں کہ خراسان میں تھے اس قدر علوم و آسنا منتشر ہوئے کہ فرودگاہیں اس بارے میں لوگوں نے جمع کی ہیں۔ مامون نے تمام مذاہب کے علماء کو جمع کیا تاکہ ان حضرات سے مناظرہ کریں۔ شاید ان حضرت کا مجرظ ظاہر ہو۔ لیکن حضرت ہر ایک پر غالب ہوئے اور سب نے ان حضرات کی امامت کا اقرار کیا اور دینِ حق میں داخل ہوئے اور حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نو سال کی عمر میں امام ہوئے۔ اور اپنی امامت کے پہلے سال حج کے لیے تشریف لے گئے۔ اور اکثر شیعہ حضرات اطرافِ عالم سے حج کے لیے آئے تاکہ ان حضرت کی خدمت میں باریاب ہوں ان میں سے اکثر مشہور فضلاء میں سے تھے۔ حضرت نے ان کے تین ہزار مسئلہ کلامی وغیرہ کے حق کے طریقہ سے تین روز کے قیام منیٰ میں جواب دیے کہ سب حیران ہو گئے اور مامون کی مجلس میں یحییٰ بن اکثم اور سارے مشہور علماء سے مناظرہ کیا سب عاجز ہوئے اور آپ کے فضل و اہانت کا سب نے اقرار کیا۔ اور حضرت امام علی نقی و امام حسن عسکری سلام اللہ علیہما سرمن رہے ہیں ان کی قیدیوں تھے۔ اس سبب سے ان کی خدمت میں لوگ کم پہنچتے تھے۔ اسی لیے ان سے حدیث کم مروی ہوئی ہیں۔ لیکن ہر سال آپ کے شیعوں کی بہت عرضیاں آپ کی خدمت میں پہنچتی تھیں اور

وہ حضرات اُن کے جواب لکھتے تھے۔ جو مسائل خلفاء پر مشتبہ ہوتے تھے اُن حضرات کے سامنے پیش کرتے تھے اور وہ خلفاء اُن کے احوال کو تمام فقہاء کے احوال پر ترجیح دیتے تھے اور کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اُن حضرات نے ان علوم کو علمائے مخالفین یا اُن کے راویوں سے اخذ کیا ہے۔ کیونکہ ہرگز اُن میں سے کسی ایک نے اُن کو نہیں دیکھا تھا کہ علمائے میں سے کسی ایک کے پاس اپنی لاعلمیت ظاہر کی ہو۔ ایضاً ان کے علوم دوسروں کے علوم سے الگ اور انہی سے مخصوص ہیں اور تمام علماء علم میں ان کے محتاج رہے ہیں اور وہ حضرات سنی کے محتاج نہیں تھے۔ لہذا معلوم ہوا کہ ان کا علم لدنی ہے جو خدا و رسول کی جانب سے اُن کو ملا اور خداوند تعالیٰ نے اُن کو ان علوم سے مخصوص کیا تاکہ اُمت کے لیے پناہ و سہارا ہوں اور ان کو اُن حضرات کا معجزہ قرار دیا جیسا کہ ان کے جد حضرت رسالت مآب کا معجزہ یہ تھا کہ علوم اولین و آخرین اور انبیاء و مرسلین کے قصے بغیر اس کے کتابوں میں پڑھیں یا کسی سے سنیں بیان فرمایا ہے۔

دوسرا طریقہ: یہ کہ تمام اُمت نے ان کی طہارت و عدالت پر اجماع کیا ہے اور کسی کو طاقت نہ تھی کہ ان اماموں میں سے کسی ایک میں کوئی خرابی نکالتا یا کسی فسق یا عیب سے نسبت دیتا باوجود اس کے کہ آپ کے دشمنوں میں خلفاء و امراء اور آپ سے حسد کرنے والے بے انتہا کوششیں کرتے تھے اور جو اُن سے عداوت کا اظہار کرتا تھا اس کو یہ خلفاء اپنا مقرب قرار دیتے تھے اور جس شخص کے متعلق اُن حضرات کی محبت و ولایت کا گمان کرتے تھے اُس کو نکال دیتے اور تمام سہولتوں سے محروم کر دیتے، بلکہ اُس کے قتل اور ہلاکت کی کوشش کرتے کیونکہ دیکھتے تھے کہ بیشتر لوگ ان کی امامت کا اعتقاد جو نبوت کی قائم مقام ہے رکھتے ہیں۔ اور اُن کے شیعہ شہروں میں منتشر ہو گئے ہیں اور ان حضرات سے معجزات صادر ہونے اور گناہوں اور جرائم سے معصوم ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ خلق کرنے والے ان حضرات کے حیرت انگیز حالات اور محاسن صفات اور عیب کی خبروں اور تمام معجزات کے صدور کے سبب ان میں سے بعض ان کی پیغمبری اور بعض خدائی کا اعتقاد کرتے ہیں۔ اور اس قدر دشمنوں اور عداوت کی زیادتی کے باوجود کوئی ان کے حق میں افتراء نہ کر سکا اور نہ کسی گناہ اور خطا کی ان کو نسبت دے سکا۔ باوجودیکہ ہم دیکھتے ہیں عادت عام یہ ہے کہ جو شخص تھوڑا مرتبہ اور لوگوں کے درمیان علم و صلاح میں تھوڑی سی منزلت پیدا کر لیتا ہے۔ دشمنوں کی زبان سے محفوظ نہیں رہتا اور لوگ یقیناً اُس کے لیے چند عیوب ثابت کرتے ہیں اور چند امور اُس کے حق میں افتراء کرتے ہیں تاکہ اُن کی قدر و عزت کو پست کریں اور اُس کو اُس کے مرتبہ سے گرا دیں۔ لہذا یہ اُن آئمہ اطہار علیہم السلام کے معجزات میں سے ہے کہ خداوند عالم نے ان کے دشمنوں کے ہاتھ اور زبان کو باندھ دیا ہے اور

اُن کے مراتب و صفات دوست و دشمن کے درمیان اس درجہ پر ظاہر کیا ہے کہ کسی میں ان پر تہمت لگانے اور افسوس کرنے کی مجال نہیں ہے۔

تیسرا طریقہ : اسلام کے تمام فرقوں میں خواہ وہ اُن حضرات کو امام مانتے ہوں خواہ وہ لوگ جو امام نہیں مانتے۔ سب نے ان کی طہارت، بلندی مرتبہ، فضیلت اور عدالت پر اتفاق کیا ہے سوائے تھوڑے خوارج اور انہی کے ایسے لوگوں کے جو اسلامی فرقوں سے خارج ہیں۔

باقی سب اُن حضرات کے اقوال کو حجت مانتے ہیں اور ان سے روایتیں نقل کرتے ہیں اور اپنی کتابوں میں نہایت تعظیم و تکریم کے ساتھ درج کرتے ہیں۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ حضرت امام محمد باقرؑ و صادقؑ اور تمام ائمہ اطہار کے فضلاء اصحاب میں سے عراق، حجاز، خراسان اور فارس وغیرہ میں، کثیر جماعت رہی ہے۔ جیسے زرارہ، محمد بن مسلم، ابویوسف، دونوں شام، حمران، مجید مؤمن طاق ابان بن تغلب، اور معاویہ بن عمار اور کثیر جماعت جن کا احصاء نہیں ہو سکتا اور کتب رجال اور علمائے شیعہ کی فہرستوں میں مسطور ہیں۔ اور وہ لوگ رؤسا شیعہ تھے۔

اور فقہ، حدیث و کلام میں کتابیں تصنیف کر کے مسائل جمع کئے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے پیرو اور شاگرد بہت تھے۔ وہ برابر ائمہ کی خدمت میں آتے تھے اور حدیثیں سننے لگتے۔ اور عراق وغیرہ تمام شہروں میں واپس جاتے تھے۔ اور اپنی کتابوں میں درج کرتے رہے ہیں، اور ان سے روایت کرتے اور ان کے معجزات منتشر کرتے رہے ہیں اور ائمہ کے ساتھ اُن کا اختصاص ظاہر ہے۔

جس طرح ابویوسف اور ابوجنیفہ کے تمام شاگردوں کو ابوجنیفہ سے اختصاص اور شافعی کے شاگردوں کا شافعی سے اختصاص ہر شخص کو معلوم ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ائمہ اطہار ان کے اقوال و احوال سے آگاہ تھے۔ لہذا دوق سے خالی نہیں۔ یا جماعت جن باتوں کو آنحضرتؐ سے مذہب شیعہ کے بارے میں نسبت دیتے ہیں سچ کہتے ہیں اور حق پر ہیں یا جھوٹ کہتے ہیں اور باطل ہیں، اگر اُن باتوں میں اپنے ائمہ کے دعویٰ امامت، ان پر نص اور اُن سے معجزات کا صدور اور ان کے مخالفوں کے کفر و فسق سے نسبت دینے میں سچے ہیں تو یہ تمام مراتب حق اور ثبات ہیں۔ اور اگر جھوٹ کہتے ہیں تو کیوں ان کے ائمہ نے باوجود ان کے احوال و اقوال سے آگاہ ہونے کے اُن سے علیحدگی اختیار نہ کی اور ان کے جھوٹ اور باطل اطوار کو ظاہر نہیں کیا جس طرح ابوالخطاب و غیرہ بن شیعہ اور تمام غلو کرنے والوں اور گمراہوں سے علیحدگی اختیار کی۔ اور اگر دانستہ چشم پوشی کی ہے اور اُن کے باطل مذاہب کے اقوال و افعال کو صحیح قرار دیا تو العیاذ باللہ خود اہل ضلال سے ہوں گے کہ ان باتوں سے اُنہی تھے اور ان کے محسوس کو قبول کیا کرتے تھے۔ لیکن کوئی مسلمان اس امر کو ان سے منسوب نہیں کرتا۔

اور اُن حضرات کو ایسا نہیں جانتا۔

چوتھا طریقہ : یہ کہ خدائے تعالیٰ نے سارے دوست و دشمن کو اُن کی تعظیم و تکریم پر مجبور کیا۔ یہاں تک کہ خدائے جبار اور اُن کے اُمراء جو اُن سے نہایت عداوت رکھتے تھے ان کی تعظیم و توقیر کرتے تھے اور اُن کی جلالت اور فضیلت سے انکار نہیں کرتے تھے۔ جیسے خدائے ثلاثہ جنھوں نے امیر المؤمنین کا حق غضب کیا تھا اپنے زمانہ امامت میں اُن حضرت اور حسین علیہم السلام کے اکرام و اعزاز میں نہایت مُبالغہ کرتے تھے۔ اسی طرح وہ لوگ جنھوں نے اُن حضرت کی بیعت توڑی اور باوجودیکہ مقابلہ اور جنگ پر آمادہ ہوئے پھر بھی حضرت کی فضیلت سے انکار نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح معاویہ کو اُس کا تمام کام فساد اور دشمنی پر تھا پھر بھی اُن حضرت کے فضائل و مناقب سے انکار نہیں کرتا تھا اور عثمان کے قتل میں شریک کرنے کے سوا اُن حضرت سے کسی فسق کی نسبت نہیں دیتا تھا۔ وہ اتنا ہی جانتا تھا کہ حضرت اُس کی امارت اُس کے لیے برقرار رہنے دیں تو وہ ان حضرت کی خلافت کا اقرار کر کے بیعت کر لے گا۔ اور بار بار حضرت کے مناقب و فضائل اس کے سامنے ذکر کرے جائے تھے اور وہ انکار نہیں کرتا تھا۔ اور یزید باوجود ان قبائح اعمال کے حضرت سید الشہداء کی فضیلتوں سے انکار نہیں کرتا تھا۔ اور حضرت امام زین العابدین کی تعظیم کرتا تھا۔ اور واقعہ حورہ میں مسلم بن عقیقہ سے سفارش کی تھی کہ اُن حضرت اور ان کے اہلبیت کی رعایت کرے۔ اور بنی مروان بھی اُن حضرت کی نہایت تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ اسی طرح تمام بنی امیہ و بنی عباس ائمہ میں سے ہر ایک کی جو اُن کے زمانہ میں تھے بظاہر تمام لوگوں سے زیادہ رعایت کرتے تھے۔ یہاں تک کہ متوکل باوجود اس عداوت و بغض و عصبیت کے حضرت امام علی نقی کی نہایت تعظیم کرتا تھا۔ باوجود اس کے تمام ائمہ اطہار علیہم السلام اُن کے قیدی اور زبردست تھے اور خلفاء اُن سے نہایت عداوت رکھتے تھے۔ لیکن خدائے تعالیٰ نے اُن کے دلوں کو اس قدر تسخیر کر دیا تھا کہ وقت ملاقات نہایت تعظیم و تکریم کرتے تھے اور ان کی اہانت اور ذلت پر قدرت نہ رکھتے تھے۔ اسی کی مؤثر سے وہ کہ خدائے عالمین نے مختلف گروہوں کے فلولب اُن کے قبور مقدسہ اور مشاہدِ مشرفہ کی زیارت و تعظیم کے لیے مشغول کر دیئے ہیں۔ یہاں تک دور و دراز مقامات سے شدید خطروں کے باوجود ان حضرات کی زیارت کے لیے آتے ہیں اور اپنی بڑی حاجتیں ان کے ضریحِ مطہرہ کے پاس طلب کرتے ہیں اور پوری ہونے کی اُمید رکھتے ہیں اور پوری ہوتی ہیں اور سخت خطروں میں اُن کے مقدس روضوں میں پناہ لیتے ہیں اور امان پاتے ہیں لیکن مخالفین اپنے خلفاء و ائمہ کی قبروں کے نزدیک

جن کا اعتقاد رکھتے ہیں یہ اعمال عمل میں نہیں لاتے اور پناہ انہی حضرات کی ضرورتوں سے حاصل کرتے ہیں۔ ایضا خلفائے بنی امیہ و بنی عباس باوجودیکہ ان میں اکثر عالم تھے اور اکثر مغرب و مشرق کے بادشاہ ان کے مطیع و تابع تھے اور ان کے بیروہارے آئمہ کے شیعوں سے تعداد میں بہت زیادہ تھے تاہم ان کے قبور فرسودہ اور متروک ہو گئے اور ان میں اکثر کے بارے میں علم نہیں کہ وہ کہاں دفن ہیں۔ اور شاذ و نادر قبر جو معلوم ہے تو کوئی ان کی زیارت کی رغبت نہیں کرتا۔ اور سادات میں بعض جن کی حضرت رسول خدا سے نسبت ہے۔ ان کے مرتبہ سے زیادہ ہیں جو کہ بظاہر علم و زہد و پرہیزگاری اور عبادت میں بہت زیادہ ہیں۔ ان کی حیات و موت میں سوائے سے ایک بھی ان کی اور ان کی قبر کی تعظیم ان کے لیے نہیں کرتے اور اگر ان میں سے بعض کی قبروں کی تعظیم و رعایت کرتے ہیں تو انہی سے نسبت کے اعتبار سے ہے جیسے حضرت مصومہ رقم و شاہزادہ ابو العظیم۔ لہذا یہ ان حضرات کے معجزوں میں سے ہے کہ خداوند عالم نے ان کی تعظیم پر ان کی حیات اور وفات کے بعد مختلف قسم کے بندوں کے قلوب مسخر کر دیے۔ باوجودیکہ زیادتی نفع کی امید ان سے نہیں تھی اور لوگ خلفائے جور سے ان کے احترام و اکرام کے سبب سے نقصان اٹھاتے تھے پھر بھی ان کی تعظیم و تکریم ترک نہیں کرتے تھے۔ اور خلفائے جور کوششیں کرتے تھے کہ لوگ ان کی زیارت ترک کر دیں۔ خصوصاً حضرت امام حسین کی کہ متوکل نے چاہا تھا کہ ان حضرت کی اورتہ ام شہیدوں کی قبروں کی جگہ پر ہل چلا کر کھیتی کرے تاکہ حضرت کی قبر کی جگہ ناپید ہو جائے، لیکن نہ کر سکا۔ اور ہل بھول میں جوتے ہوئے تھے جب حائر تک پہنچتے تھے اس میں داخل نہ ہوتے تھے۔ اس لیے بہت سے بیلوں کو مار ڈالا لیکن کوئی داخل حائر نہ ہوا۔ پھر اس نے ایک گروہ کو پیشہ و کدال کے ساتھ بھیجا تھا تاکہ ان حضرت کی قبر کو منہدم کر دیں۔ جب یہ لوگ وہاں پہنچے تو کچھ ہستیاں قبر کے نزدیک ظاہر ہوئیں۔ جو لوگوں نہیں پہچانتے تھے۔ انھوں نے روکا۔ ان حراب کرنے والوں کے سردار نے ان پتیلوں کی بارش کرنے کا حکم دیا۔ تو جس نے ان کی بیابا تیر مارا اس تیر نے واپس آ کر خود اسی تیر چھیننے والے کو مار ڈالا۔ آخر ان لوگوں کو جلد ملک کا حکم پہنچا کہ دریا کاٹ کر پانی کا رخ قبر اقدس کی جانب پھیر دیں۔ اس پر عمل کیا گیا جب پانی حائر کے قریب پہنچا چاروں طرف بلند ہو گیا۔ لیکن حضرت کے حائر میں داخل نہیں ہوا بعض نے کہا ہے کہ حائر کا وجہ تسمیہ یہی ہے۔ پھر اس ملعونہ نے حکم دیا کہ راستوں پر تختیاں لٹائیں اور جو شخص زیارت کے لیے جاتے اس کو قتل کر دیں اور اس کے گھر کو منہدم کر دیں اور لوٹ لیں۔ پھر بھی لوگوں نے زیارت ترک نہ کی اور باوجود اس خطرے اور خوف کے زیارت کے لیے جلتے

متوکل کا امام حسین کی رودی پر ہل چلانے اور اس کو منہدم کرنے کی ناکام کوشش

۱۔ حائرہ زمین جس کے چاروں طرف بندی ہو

رہے اور یہ صورت اس کے سوا نہیں ہے کہ خدا ان کی قدر و منزلت بلند کرنا اور ان کے درجے کی بلندی کو ظاہر فرمانا چاہتا ہے۔ قطع نظر معجزات کے جو ان کے مشاہدہ مقدسہ سے ظاہر ہوتے ہیں اکثر دنوں میں خاص گیسٹڈ الشہداء کی صریح اقدس کے نزدیک اندھے بینا ہو گئے۔ اور مزمن امراض کے مریض شفا یاب ہوتے۔ جن کا اعتراف مخالف موافق سب کرتے ہیں۔ اور اس فقیر (مراود خود علامہ مجلسی) نے ان میں سے بعض کا ذکر بحار الانوار، حیات القلوب اور جلال العیون میں کیا ہے اور بہت معتبر طریقے سے منقول ہے کہ قتادہ بصری جو عامر کے مشہور مفتزین میں سے ہیں۔ حضرت امام محمد باقرؑ کی خدمت میں آئے۔ حضرت نے پوچھا کیا تم یہی فقیہ اہل بصرہ ہو۔ عرض کی ہاں۔ حضرت نے فرمایا انسوس سے تم پر اسے قتادہ خداوند کیم نے ایک گروہ کو پیدا کیا ہے جن کو خلق پر اپنی جنت قرار دیا ہے اور وہ زمین کی بیخیں ہیں۔ اور علم الہی کے خزینہ دار ہیں۔ خدا نے ان کو برگزیدہ کیا، قبل اس کے کہ خلایق کو پیدا کرے وہ اُس کے عرش کی داہنی جانب چند نور تھے۔ یہ سون کو قتادہ بہت دیر تک خاموش رہے کہ بات کرنے کی طاقت نہ تھی۔ پھر کہا کہ خدا کی قسم میں خلفاء، فقہاء، ابن عباس اور بادشاہوں کے پاس بیٹھا ہوں۔ لیکن میرا دل ان کے پاس مضطرب نہیں ہوا جس قدر آپ کے پاس مضطرب ہوا ہے۔ حضرت نے فرمایا تو جانتا ہے کہ کس کے سامنے ہے۔ تو اُس خاندان کی ایک بلند ہستی کے سامنے بیٹھا ہے جن کی شان میں خدا نے فرمایا ہے۔ فی بیوت اذن اللہ ان ترفع ویذکر فیہا اسمہا الذی یعنی نور الہی کی مشکوٰۃ جس سے خدا نے اپنے نور کی مثال دی ہے۔ ان چند مکانوں میں روشنی ہیں جن میں خدا نے اجازت دی ہے اور مقرر فرمایا ہے کہ بلند و مشہور ہوں اور ان میں خدا کا نام ذکر کیا جائے اور جن پر صبح و شام وہ چند اشخاص خدا کی تسبیح و تہنیز یہ کریں جو یاد خدا سے اور نماز قائم کرنے سے اور زکوٰۃ دینے سے تجارت اور خرید و فروخت، غافل نہیں کرتی۔ حضرت نے فرمایا تو اس وقت انہی مکانوں میں بیٹھا ہے اور ہم اس مکان کے رہنے والے ہیں۔ قتادہ نے کہا آپ نے خدا کی قسم سچ فرمایا۔ خدا مجھ کو آپ پر خدا کرے۔ خدا کی قسم وہ مکانات پتھر اور گارے سے نہیں بنے ہیں۔ بلکہ وہ خانہ آباد، نبوت و امامت و علم و حکمت ہے۔ ایضاً دوسری معتبر روایت میں وارد ہوا ہے کہ جس سال ہشام بن عبدالملک حج کے لیے گیا تھا۔ مسجد الحرام میں، اُس نے دیکھا کہ لوگ حضرت امام محمد باقرؑ کے گرد ہجوم کئے ہوئے ہیں اور اپنے مورین دریافت کرتے ہیں۔ ابن عباس کے شاگرد حکمران نے ہشام سے کہا کہ وہ کون ہے جس کی جبین مبارک سے نور علم چکا رہا ہے میں جانتا ہوں کہ اُس کو عاجز و شرمندہ کروں۔ جب حضرت کے

نور علم چکا رہا ہے

قریب آیا اور کھڑا ہوا تو اُس کا تمام جسم کانپنے لگا اور وہ مضطرب ہوا، اور کہا یا ابنِ رسول اللہ
میں بہت سی مجلسوں میں ابنِ عباس اور دوسروں کے پاس بیٹھا ہوں لیکن میری یہ حالت
نہیں ہوئی۔ حضرت نے وہی جواب دیا جو قتادہ کو دیا تھا۔ لہذا معلوم ہوا کہ امام کے مہجرات
.. امامت کے گواہوں میں سے ہیں کہ خداوندِ عالم اُن کی محبت اُن کے دوستوں کے دلوں
میں اور اُن کی ہیبت و شہمت کے دلوں میں ڈالتا ہے تاکہ طوعاً و کرہاً حیات و ممات میں اُن
کی تعظیم کریں۔ اور یوں دُنیا کی حاجتوں میں اُن کی جانب پناہ لیں۔ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ
مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ۔

آٹھواں مقصد بارہویں امام کے وجود اور آپ کی غیبت کا ثبوت جاننا چاہیے کہ
امام ہدیٰ کے خروج کی حدیثیں خاصہ و عامہ نے متواتر طریق سے روایت
کی ہیں۔ چنانچہ جامع الاصول میں صحیح بخاری و مسلم و ابوداؤد و ترمذی سے ابوہریرہؓ سے روایت
کی ہے کہ رسولِ خدا صلعم نے فرمایا کہ اُس خدا کی قسم جس کے قبضہ و اختیار میں میری جان ہے کہ
نزدیک ہے کہ فرزندِ مریم نازل ہوں تاکہ حاکم عادل ہوں وہ نصاریٰ کی صلیب توڑیں گے۔
اور مشوروں کو مار ڈالیں گے۔ اور جزیرہ برطرف کریں گے۔ یعنی اُن سے سوائے اسلام کے کچھ
قبول نہ کریں گے۔ اور اس قدر مال زیادہ کریں گے کہ مال دیں گے اور کوئی قبول نہ کرے گا۔
پھر ابوہریرہؓ نے کہا کہ رسولِ خدا نے فرمایا کہ تمہارا کیا حال ہوگا اُس وقت جبکہ تمہارے درمیان
عیسیٰ بن مریم اور تمہارے امام آئیں گے جو تم میں سے ہوں گے یعنی مہدیؑ۔ اور صحیح مسلم
سے جابر سے روایت کی ہے کہ رسولِ خدا نے فرمایا کہ میری اُمت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر
جنگ کرے گا۔ اور قیامت تک غالب ہوگا۔ پھر عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے تو اُن کا امیر کے
گاکہ آئیے تاکہ آپ کے ساتھ نماز پڑھیں، وہ کہیں گے نہیں۔ تم ایک دوسرے پر امیر ہو
اس لیے کہ خدا نے اس اُمت کو گلامی رکھا ہے۔ اور مستند ابی داؤد و ترمذی سے ابنِ مسعود سے
روایت کی ہے کہ جناب رسولِ خدا نے فرمایا کہ اگر دُنیا کا ایک روز بھی باقی رہے گا تو یقیناً
خداوندِ عالم اُس روز کو طول دے گا۔ یہاں تک کہ اُس روز میری اُمت میں سے یا میرے اہل بیت
میں سے ایک شخص کو جس کا نام میرے نام کے موافق ہوگا، مبعوث کرے گا۔ وہ زمین کو عدل و
انصاف سے بھر دے گا جس طرح وہ ظلم و جور سے بھری ہوگی اور دوسری روایت کے مطابق
فرمایا کہ دُنیا ختم نہ ہوگی یہاں تک کہ میرے اہل بیت میں سے ایک مرد بادشاہ ہو جس کا نام میرے
نام کے موافق ہوگا اور ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ اگر دُنیا کا ایک روز بھی باقی رہ جائے گا تو
خدا اس کو طول دے گا تاکہ میرے اہل بیت میں سے ایک بادشاہ ہو جس کا نام میرے نام کے موافق ہوگا۔

اور سنن ابوداؤد سے حضرت علیؑ سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ اگر زمانہ اور دنیا سوائے ایک روز کے باقی نہ رہے گی تب بھی خداوند عالم میرے اطمینان میں سے ایک شخص کو لائے گا جو زمین کو انصاف سے بھر دے گا۔ جس طرح وہ ظلم و جور سے بھری ہوگی۔ ایضاً سنن ابوداؤد سے ام سلمہؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ہمدی میری عمرت سے فرزند ان فاطمہؑ سے ہے اور ابوداؤد ترمذی سے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ ہمدی میری اولاد میں سے ہے۔ کشادہ پیشانی کشیدہ ناک ہوگا۔ اور زمین کو عدل و داد سے بھر دے گا۔ جیسا کہ وہ ظلم و جور سے بھری ہوگی۔ اور سات برس تک بادشاہی کرے گا۔ پھر روایت کی ہے کہ ابوسعید نے کہا کہ ہم ڈرتے تھے کہ پیغمبر کے بعد بدعتیں پیدا ہوگی تو ہم نے آنحضرتؐ سے سوال کیا۔ فرمایا میری امت میں ہمدی ہوگا اور وہ ظاہر ہوگا اور پانچ سال یا سات سال بادشاہی کرے گا پھر ایک شخص اُس کے پاس آئے گا اور کہے گا کہ اے ہمدی مجھے عطا کیجئے تو حضرت اُس کے دامن میں اس قدر زر و مال دیں گے کہ دامن بھر جائے گا اور سنن ترمذی سے ابواسحاق سے روایت کی ہے کہ جناب امیر نے اپنے فرزند حسین کو دیکھا اور فرمایا کہ میرا یہ فرزند قوم کا سردار اور سب سے بہتر ہے۔ جیسا کہ تیند لانیار نے اُس کا تیند نام رکھا ہے، اور اُس کے صلب سے ایک مرد ہوگا جو تمہارے پیغمبر کا سانام رکھتا ہوگا اور آنحضرتؐ کی خلق و خلق میں شبیہ ہوگا، اور زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا اور حافظ ابو نعیم جو محدثین عامر میں مشہور ہیں۔ ان کی صحاح سے چالیس حدیثیں روایت کی ہیں جو انی حضرت کے نام و نسب و احوال و صفات پر مشتمل ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ علی بن بلال نے اپنے پدر سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں جناب رسول خدا صلعم کی خدمت میں گیا، اُس زمانہ علالت میں جس میں حضرت نے دنیا سے مفارقت کی۔ اور جناب فاطمہؑ آنحضرتؐ کے سر ہانے بیٹھی ہوئی تھیں اور روتی جاتی تھیں۔ یہاں تک کہ آپ کے رونے کی آواز بلند ہوئی اور جناب رسول خداؐ نے سر ان کی جانب اٹھا کر فرمایا۔ اے میری حبیبہ فاطمہؑ تمہارے رونے کا کیا سبب ہوا۔ فاطمہؑ نے کہا میں ڈرتی ہوں۔ کہ آپ کے بعد آپ کی امت مجھ کو ضائع کر دے گی۔ اور میری حرمت کی رعایت نہ کرے گی۔ حضرت نے فرمایا کہ اے میری حبیبہ شاید تم کو نہیں معلوم کہ خدا زمین پر مطلع ہوا تو تمہارے پدر کو اختیار کیا۔ پھر اُس کو اپنی رسالت کے ساتھ مبعوث کیا۔ پھر دوسری مرتبہ مطلع ہوا اور تمہارے شوہر پر مطلع ہوا اور مجھ کو وحی کی کہ تمہارا نکاح ان سے کروں۔ اے فاطمہؑ خدا نے مجھ کو سات خصلتیں عطا فرمائی ہیں کہ ہم سے پہلے کسی کو نہیں عطا کی ہیں اور نہ ہمارے بعد کسی کو دے گا۔ میں خاتم کرسل ہوں اور خدا کے نزدیک

ان سے زیادہ مکرم اور غلیق میں سب سے زیادہ خدا کے نزدیک محبوب ہوں۔ اور میں تمہارا باپ ہوں اور میرا وصی بہترین اوصیاء ہے اور خدا کے نزدیک محبوب ترین غلیق ہے اور وہ تمہارا شوہر ہے اور بہارا شہید بہترین شہداء ہے اور سب شہیدوں سے خدا کے نزدیک زیادہ محبوب ہے اور وہ تمہارے پدر اور شوہر کے چچا حمزہ ہیں۔ اور ہم سے ہے وہ جس کو خدا نے دو پر عطا فرمائے ہیں اور وہ فرشتوں کے ساتھ بہشت میں پرواز کرتے ہیں جہاں چاہتے ہیں اور وہ تمہارے باپ کے چچا زاد بھائی اور تمہارے شوہر کے بھائی ہیں اور اس امت کے دو سبط ہم میں سے ہیں اور وہ تمہارے دونوں فرزند حسنین ہیں۔ اور وہ بہترین جوانان اہل جنت ہیں اور ان کے پدر اُس خدا کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے ان سے بہتر ہیں۔ اے فاطمہ! اُس خدا کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ حسن و حسین علیہما السلام سے اس امت کا سردار مہدی پیدا ہوگا۔ اور اُس وقت ظاہر ہوگا جیکہ دنیا میں فتنے اور فسادات ہو رہے ہوں گے۔ اور امن کے راستے بند ہوں گے۔ اور بعض لوگ بعض کو فارت کریں گے نہ بزرگ لوگوں پر رحم کریں گے اور نہ لڑکے بزرگوں کا ادب کریں گے۔ اُس وقت خدا ان کے فرزندوں میں سے کسی کو بھیجے گا جو گمراہی کے قلعوں کو اور ان دلوں کو فتح کرے گا جو حق سے غافل ہیں اور آخر زمانہ میں دین خدا کے ساتھ قیام کرے گا جس طرح میں نے قیام کیا اور زمین کو عمل و انصاف سے بھر دے گا جس طرح کہ وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔ اے فاطمہ! عملگین نہ ہو۔ اور گریہ مت کرو کیونکہ خدائے عزوجل تم پر مجھ سے زیادہ رحیم اور مجھ سے زیادہ مہربان ہے اُس منزلت کے سبب سے جو تم کو میرے نزدیک حاصل ہے اور اس محبت کے سبب سے جو تمہاری میرے دل میں ہے اور خدائے تم کو اُس کے ساتھ تزیین کیا ہے جس کا حسب سبب سے بلند ہے اور جس کا منصب زیادہ گرامی ہے جو رعایا پر سب سے زیادہ مہربان اور بابرہمیتیم کرنے میں لوگوں میں سب سے زیادہ عادل اور احکام الہی کا سب سے زیادہ جاننے والا ہے اے فاطمہ! میں نے خدا سے سوال کیا ہے کہ میرے اہلبیت میں سے سب سے پہلے جو میرے پاس آئے وہ تم ہوگی۔ اور علی علیہ السلام نے فرمایا کہ جناب رسول خدا کے بعد جناب فاطمہؑ بہتر روز زندہ رہیں۔ یہاں تک کہ اپنے پدر سے واصل نہ ہوں۔

لے مؤلف فرماتے ہیں کہ رسول خدا نے حضرت امام مہدی علیہ السلام کو حسن و حسین علیہما السلام دونوں سے نسبت دی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حضرت ماں کی طرف سے امام حسن کی نسل سے ہیں۔ اس لیے امام محمد باقرؑ کی مادر گرامی امام حسن کی دختر تھیں اور چند دوسری حدیثیں حافظ ابو نعیم نے روایت کی ہیں کہ وہ حضرت امام حسین کی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

ایضاً ابو نعیم سے حذیفہ اور ابو ثمامہ باہلی سے روایت کی ہے کہ ہمدنی کا چہرہ ستارہ کے مانند چمکتا ہوا ہوگا۔ اور آپ کے چہرہ اقدس کی داہنی طرف ایک سیاہ خال ہوگا۔ اور عبد الرحمن بن عوف کی روایت کے مطابق آپ کے دندان مبارک کشادہ ہوں گے۔ اور عبد بن عمر کی روایت کے مطابق آپ کے سر پر ابر سیاہ لگن ہوگا۔ اور آپ کے بالائے سر سے ایک فرشتہ نداوے گا، کہ یہ ہیں ہمدنی اور خلیفہ خدا۔ لوگو! ان کی پیروی کرو اور عبد اللہ کے فرزند جابر اور ابو سعید کی روایت کے مطابق جناب عیسیٰ حضرت ہمدنی کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ اور صاحب کفایۃ الطالب محمد بن یوسف شافعی نے جو علمائے علم میں سے ہیں، ایک کتاب جناب امام ہمدنی کے ظہور اور آپ کے صفات و علامات کے بارے میں لکھی ہے۔ وہ پچیس ابواب پر مشتمل ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ میں نے تمام محدثوں کی روایت شیعوں کے طریقہ کے علاوہ کی ہے۔ کتاب شرح السنۃ حسین بن سعید بغوی جو عامہ کی معتبر کتابوں میں سے ہے اس کا ایک قدیم نسخہ فقیر (ملاکہ مجلسی) کے پاس ہے جس میں ان کے علماء کے اجازات تحریر ہیں۔ اس میں پانچ حدیثیں جناب ہمدنی کے اوصاف میں ان کی صحاح سے روایت کی ہیں اور حسین بن سعید و فرات نے مصابیح میں جو عامہ کے درمیان راجح ہے۔ پانچ حدیثیں غروج امام ہمدنی علیہ السلام کے بارے میں روایت کی ہیں اور علمائے شیعہ میں سے بعض نے عامہ کی کتب معتبرہ سے ایک سو چھپن حدیثیں اس بارے میں نقل کی ہیں اور وہ حضرت امام ہمدنی کی ولادت اور غیبت میں ہیں اور اس بارے میں ہیں کہ آپ بارہویں امام ہیں اور نسل امام عسکری علیہ السلام سے ہیں۔ اور ان میں اکثر حدیثیں آپ کے اعجاز کے بارے میں ہیں کیونکہ ترتیب کے ساتھ امام ہمدنی تک اماموں اور خلفاء کی خبر دی ہے اور آنحضرت کی ولادت اور یہ کہ آپ کی دو غیبت ہوئی۔ پہلی سے دوسری بہت زیادہ طولانی اور یہ کہ آپ پوشیدہ طور سے تمام خصوصیات کے ساتھ پیدا ہوں گے۔ اور یہ تمام مراتب واقع ہوئے اور جو کتابیں ان خبروں پر مشتمل ہیں معلوم ہے کہ ان مراتب کے ظہور کے برسوں پہلے تصنیف ہوئی ہیں۔ لہذا یہ خبریں تو اترے قطع نظر دوسری چند صورتوں سے فائدہ دیتی ہیں۔ ایضاً آپ کی ولادت باسعادت سے کثیر جماعت کی آگاہی اور اصحاب ثقہ میں سے کثیر جماعت کا آپ کی ولادت کے وقت سے غیبت کے

(بقیہ حاشیہ گذشتہ) نسل سے ہیں اور دارقطنی جو عامہ کے مشہور محدثین میں ہیں، حدیث کو ابو سعید خدری کے مطابق روایت کی ہے اور اس کے آخر میں کہا ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ اس امت کا ہمدنی ہم میں سے ہے۔ جس کے پیچھے عیسیٰ نماز پڑھیں گے پھر ساتھ امام حسین کے کانڈے پر رکھ کر فرمایا کہ وہ اس کی نسل سے پیدا ہوگا۔ ۱۲

وقت تک آپ کو دیکھنا اور اُس کے بعد بھی معلوم ہے اور خاصہ و عامہ کی معتبر کتابوں میں مذکور ہے۔ چنانچہ اس کے بعد مذکور ہوگا انشاء اللہ۔ اور کتاب فضول حمہ، مطالب السؤل، شواہد النبوة اور ابن عساکر اور مخالفین میں سے بہت سے علمائے اہل کتابوں میں اُن حضرت کی ولادت تمام خصوصیات کے ساتھ درج کی ہے جن کی شیعوں نے روایت کی ہے۔ لہذا جس طرح آپ کے آہٹے ظاہر اُن کی ولادت معلوم ہے۔ آپ کی ولادت بھی معلوم ہے اور آپ کی طول عمریت و آپ کی ولادت کی پوشیدگی اور آپ کی عمر کے راز ہونے کو مخالفین جو عقل سے بعید ہونا قرار دیتے ہیں کچھ فائدہ نہیں کیونکہ جو امور قاطع دلیلوں سے ثابت ہوئے ہوں محض بعید کہہ دینے سے اُس کی نفی نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ کفار قریش قیامت کا انکار کرتے تھے محض استنجا دستہ کہ بوسیدہ پتیاں خاک شدہ کس طرح زندہ ہو سکتی ہیں۔ باوجودیکہ اس کی مثالیں سابقہ آیتوں میں بہت واقع ہوئیں۔ اور احادیث خاصہ و عامہ میں وارد ہوا ہے کہ جو کچھ سابقہ آیتوں میں واقع ہوا ہے۔ اس کی مثل اُس امت میں واقع ہوگا۔ منجملہ ان کے جناب ابراہیمؑ میں جب فرود کے منجموں نے خبر دی تھی کہ اس زمانہ میں ایک شخص پیدا ہوگا جو تمہارے دین اور ملک کو برباد کرے گا۔ اور فرود نے حکم دیا تھا کہ مردوں اور عورتوں کو ایک دوسرے سے جدا کریں۔ اور جناب ابراہیمؑ کے پدر بزرگوار نے پوشیدہ ان کی مادر گرامی سے مقاربت کی اور حضرت ابراہیمؑ پوشیدہ ایک فار میں پیدا ہوئے۔ اور ایک مدت تک پوشیدہ رہے اور جناب موسیٰؑ کو بھی جب منجموں نے خبر دی تھی کہ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص پیدا ہوگا جو فرعون کی بلاکت کا باعث ہوگا۔ فرعون نے بنی اسرائیل کے لوگوں کو مار ڈالنے کا حکم دیا۔ اور جناب موسیٰؑ کا گل اور ولادت پوشیدہ واقع ہوئی جیسا کہ مشہور ہے اور اُس کے بعد جبکہ فرعون کے خوف سے بھاگے برسوں مصر کے اطراف میں رہے اور فرعون باوجود اس طاقت و سلطنت اور غلبہ کے اُن کے مکان پر مطلع نہ ہوا، اور حضرت یعقوبؑ اور یوسفؑ کے درمیان نردوں کا فاصلہ تھا۔ یوسفؑ بادشاہ تھے اور جناب یعقوبؑ پیغمبر۔ چونکہ خداوند عالم چاہتا تھا کہ اُن کا ثواب زیادہ سے زیادہ کرے وہ برسوں اپنے فرزند کے وجود اور اُن کے حالات سے آگاہ نہ ہوئے لہذا استنجا دہو سکتا ہے جیکہ خلفائے جور نے ثنا تھا کہ جناب رسول خداؐ اور اُمّ اطہار نے خبر دی تھی کہ بارہویں امام ظاہر ہوں گے اور دنیا کو عدل و داد سے بھریں گے اور خلفائے جور اور ظالم بادشاہوں کو مٹادیں گے۔ اور شیعہ ہمیشہ آپ کے ظہور کا انتظار کرتے تھے اور وہ لوگ اِس فور کے پوشیدہ رکھنے میں کوشش کرتے تھے۔ لہذا امام علی نقیؑ اور امام حسن عسکریؑ علیہما السلام کو سرمن راستے میں قید کر رکھا تھا اور برابر اُن حضرت کے حمل اور ولادت کی خبر لیتے

حضرت صاحب اللہ کے وجود اور قیامت کی باتیں

تھے اور اُس گوہر کے ضائع کرنے پر آمادہ رہتے تھے۔ خداوند عالم نے اپنی قدرتِ کاملہ کا اظہار فرمایا اور اُن حضرت کا محل پوشیدہ رکھا اور آپ کی ولادت باسعادت کو ان ظالموں اور خلیفوں سے پوشیدہ رکھا اور اُن حضرت کو ظالموں کے شر سے اپنی حفظ و حمایت کے ساتھ دور رکھا جس طرح آپ کی ولادت کو پوشیدہ رکھا تھا اسی طرح شیعوں اور دوستوں اور مخالفوں پرانگہ ظہور مثل آفتاب نصف النہار کے ظاہر و ہویا کرے گا تاکہ حجتِ دنیا والوں پر تمام ہو۔ اور گروہ کثیر جن کے نام مشہور ہیں آپ کی ولادت باسعادت سے آگاہ ہوئے جیسے حکیمہ خاتون اور وہ قابلہ جو سرمن راستے میں اُن کی ہمسایہ تھی اور ولادت کے بعد امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات کے بعد تک بہت سی جماعتیں اُن حضرت کی خدمت میں پہنچیں اور جو معجزات اُن حضرت کی ولادت کے وقت آپ کی والدہ ماجدہ نرجس خاتون میں ظاہر ہوئے وہ شمار و حساب سے زیادہ ہیں۔ میں نے کتاب بحار الانوار، ج ۱۰، ج ۱۱، ج ۱۲، ج ۱۳ اور دوسرے رسالوں میں تحریر کیا ہے اور سب سے زیادہ مشہور تاریخ ولادت شریف میں یہ ہے کہ ۲۵۵ھ میں واقع ہوئی۔ اور ایک جماعت نے ۲۵۶ھ میں کہا ہے۔ بعض نے ۲۵۷ھ میں بیان کیا ہے اور خاصہ و عامہ کی مشہور روایت کی بنا پر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات ۳۰۴ھ میں ہوئی۔ لہذا وقت امامت آپ کا سن مبارک قول اول کی بنا پر پانچ سال تھا اور دوسرے قول کی بنا پر چار سال اور تیسرے قول کی بنا پر دو سال تھا۔ اسی کے ساتھ اُن حضرت سے معجزات اور عجیب و غریب حالات ظاہر ہوتے تھے۔ اُن حضرت کی دو غیبت تھی۔ ایک صغریٰ دوسری کبریٰ اور آپ کی غیبت میں آپ کے سفیر اور نائب تھے جن کو لوگ عرضیاں دیتے تھے اور مسائل پوچھتے تھے اور جوابات اُن حضرت کے دست مبارک کے لکھے ہوئے باہر آتے تھے کہ سادات و فقہائے شیعہ کو پہنچا دو، اور جماعت کثیر کو ہر سال وظیفہ ملتا تھا، اور سفیروں کے ہاتھ اور زبان پر عظیم معجزات ظاہر ہوتے تھے جن کو لوگ یقین کے ساتھ جانتے تھے۔ کہ وہ لوگ اُن حضرت کی جانب سے مقرر ہیں۔ چنانچہ مال کی مقدار مال بھیجنے والے کا نام لیتے تھے اور جو کچھ راستہ میں اُن پر گزارا ہوتا اُن سب سے آگاہ کرتے اور موت اور بیماری اور اُن کے آئندہ کے تمام احوال بیان فرماتے اور اسی طرح واقع ہوتا اور اُن سے طرح طرح کے معجزات ظاہر ہوتے۔ اور اس غیبت صغریٰ میں سفیروں کے علاوہ بہت سی جماعتیں اُن حضرت کی خدمت میں پہنچیں۔ اس غیبت کی مدت تقریباً چوبیس سال تھی۔ سفیر بہت تھے لیکن معروف سفیر جن کو شیعہ ہمیشہ پہچانتے تھے اور اُن سے رجوع کرتے تھے چار افراد تھے۔ اُن میں سے پہلے عثمان بن سعید اسدی تھے کہ حضرت امام علی نقی اور امام حسن عسکری علیہما السلام نے

اُن کی عدالت و امامت پر نص فرمایا تھا اور شیعوں سے کہا تھا کہ جو کچھ وہ کہیں سچ اور سچی ہے اور ہماری طرف سے کہتے ہیں۔ اُن کے بعد جب کہ وہ رحمتِ خدا سے واصل ہو گئے ، ابو جعفر محمد بن عثمان امام حسن عسکری اور ان کے پدر بزرگوار کی نص سے حضرت صاحب الامر کی جانب سے اُن کے قائم مقام ہوئے۔ اور حضرت صاحب الامر نے عثمان کی وفات کے بعد محمد کو نام رکھا کہ اِنَّا قَدْ وَاثَقْنَا بِهٖ رَاجِعُونَ۔ ہم امرِ خدا کو تسلیم کرتے ہیں اور اُس کی قضاء و قدر پر راضی ہوئے ہیں تمہارے باپ نے ایک بختی کے ساتھ زندگی کی۔ وہ مردِ مجیدہ اور پسندیدہ تھے۔ لہذا خدا ان پر رحمت نازل کرے اور ان کے اولیاء اور دوستوں سے ان کو ملحق فرمائے۔ کیونکہ وہ ان اولیاء کے حکم میں ہمیشہ اہتمام کرنے والے تھے۔ اور جو امورِ خدا اور ائمہ ہدیٰ کے قُرب کا باعث تھے، ان میں کوشش کرتے تھے۔ خداوند عالم ان کے سپرہ کو منظور کرے اور اُن کی لغزشوں کو بخش دے اور حق تعالیٰ تمہارے ثواب کو عظیم کرے اور تم کو صبر نیک کرامت فرمائے۔ ان کے مرنے کے سبب سے مصیبت تم پر اور ہم پر دونوں پر پڑی ہے اور ان کی جدائی نے تم کو اور ہم کو محزون و مغموم کیا تو خدا ان کو آخرت واپس جانے میں شاد کرے، اور کمالِ سعادت میں سے ہے کہ خدا نے تعالیٰ نے ان کو تمہارا ایسا فرزند عطا فرمایا ہے جو ان کا جانشین ان کے بعد ہوتا ہے اور ان کے معاملہ میں ان کا قائم مقام ہوتا ہے اور اُن پر رحم کرتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ تمہارے مقام اور جو کچھ خدا نے تمہاری ذات میں تمہارے نزدیک مقرر کیا ہے۔ الحمد للہ لوگ اُس پر راضی ہیں۔ خدا تمہاری مدد کرے اور تقویت و اعانت فرمائے اور توفیق دے اور تمہارا حافظ و ناصر و مددگار ہو اور کئی بلند ترقی و اس مقدس جانب سے ان کی سفارت پر مشتمل شیعوں کے لیے ظاہر ہوئی۔ اور ان کی عدالت و نیابت پر شیعوں کا اجماع منقطع ہوا۔ اور مومنین ہمیشہ معاملات میں ان کی جانب رجوع کرتے تھے اور اُن سے معجزات ظاہر ہوتے تھے۔ انھوں نے فقر میں کتابیں تصنیف کیں جو ان مسائل پر مشتمل ہیں جو انھوں نے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام اور اپنے پدر بزرگوار سے سنی تھیں۔

ابن بابویہ نے انہی سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ خدا کی قسم حضرت صاحب الامر ہر سال موسم حج میں کعبہ اور مشاعر میں تشریف لاتے ہیں۔ لوگوں کو دیکھتے اور پہچانتے ہیں اور لوگ اُن کو دیکھتے ہیں مگر نہیں پہچانتے۔ لوگوں نے اُن سے پوچھا کہ تم نے صاحب امر کو دیکھا ہے کہاں اسی مدت میں کہا ہے کہ تمہارے کعبہ کے بڑے سے پلٹے ہوئے تھے اور کہتے تھے خداوند میرے پیو سے اپنے دشمنوں سے انتقام لے اور ابن بابویہ، شیخ طوسی، اور دوسرے لوگوں نے علی بن احمد دلال

قہمی سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں ایک روز محمد بن عثمان کی خدمت میں گیا کہ ان کو سلام کروں۔ میں نے دیکھا کہ وہ ایک تختہ اپنے سامنے رکھے ہوئے ہیں اور ایک نقاش کو بٹھائے ہوئے ہیں جو قرآنی آیتیں اُس پر نقش کرتا ہے اور اُس کے حاشیوں پر ائمہ اطہار کے نام لکھتا ہے۔ میں نے پوچھا اے میرے سید یہ کیا ہے۔ فرمایا کہ میں اُس کو اپنی قبر کے لیے بنا تا ہوں تاکہ اسی پر مجھے دفن کریں یا میری قبر میں میری نیشیت سے لگا دیں اور اُس کو میرے لیے سہارا قرار دیں۔ میں نے اپنی قبر کھود رکھی ہے۔ ہر روز اُس میں داخل ہوتا ہوں اور ایک جزء قرآن پڑھتا ہوں۔ پھر باہر آتا ہوں۔ جب فلاں سال کا فلاں مہینہ اور اُس کا فلاں روز آئے گا میں دُنیا سے رحلت کروں گا۔ اور اسی تختے پر اُس قبر میں دفن ہوں گا میں ان کے پاس سے باہر آیا اور اُس مخصوص روز کو لکھ لیا اور برابر اُس کا انتظار کرتا تھا یہاں تک کہ اسی روز اسی مہینے اور اسی سال جیسا کہ بیان کیا تھا برحمت الہی واصل ہوئے اور اسی قبر میں مدفون ہوئے اس خبر کی اُن کی دختر اور دوسروں نے بھی اسی طریقہ سے روایت کی ہے اور روایت کی ہے کہ ۳۵۰ھ جم میں رحمت ایزدی سے واصل ہوئے۔ جب ان کی وفات کا وقت آیا حضرت صاحب الامر علیہ السلام نے ان کو حکم دیا کہ ابوالقاسم حسین بن روح کو اپنا قائم مقام کریں اور جعفر بن محمد بن مثیل محمد بن عثمان سے نہایت اختصاص رکھتے تھے۔ اور حضرت کے اکثر کاموں کا ان کو حکم دیتے تھے۔ اکثر لوگوں کا گمان یہ تھا کہ ان کو اپنا نائب مقرر کریں گے جعفر نے کہا کہ میں محمد بن عثمان کے احتضار کے وقت ان کے سر ہانے بیٹھا تھا اور اُن سے باتیں کرتا تھا اور سوالات کرتا تھا۔ حسین بن روح ان کے پیروں کے پاس بیٹھے تھے۔ محمد میری جانب متوجہ ہوئے اور کہا کہ حضرت نے مجھ سے فرمایا ہے کہ حسین بن روح کو اپنا نائب بناؤں۔ یہ سن کر میں اٹھا اور حسین بن روح کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ پر بٹھایا اور خود ان کے پیروں کے پاس بیٹھ گیا۔ اُس کے بعد جعفر، حسین بن روح کی خدمت میں رہتے تھے اور اُن کی خدمت کرتے تھے۔ اور محدثین شیعہ کی بہت سی جماعتوں نے روایت کی ہے کہ جب محمد بن عثمان کی وفات کا وقت آیا۔ انہوں نے اکابر شیعہ کو طلب کیا اور سب سے کہا کہ اگر مجھ کو موت آگئی تو ابوالقاسم حسین بن روح کو بخشتی کی جانب امر نیابت و سفارت منقول ہوگا مجھے یہ حکم حضرت صاحب الامر کی جانب سے ملا ہے کہ ان کو اپنے بعد نائب قرار دوں۔ میرے بعد اپنے امور میں ان کی طرف رجوع کرنا۔ اس لیے تمام شیعہ اُن کی طرف رجوع کرتے تھے اور اکیس سال سے زیادہ وہ سفارت میں مشغول رہے اور تمام شیعہوں کے مزاج رہے اور اس طرح تقیہ کئے ہوئے تھے کہ اکثر شیعہ حضرات ان کو اپنے میں سے سمجھتے تھے۔

اور اُن سے نہایت محبت کرتے تھے، یہاں تک کہ ماہ شعبان ۳۲۶ھ میں ریاضِ جنت کی جانب رحلت کی اور حضرت صاحب الامر کے حکم سے شیخ جلیل علی بن محمد سمیری کو اپنا وصی اور قائم مقام قرار دیا اور تین سال تک امرِ نیابت اُن سے متعلق رہا اور وہ نیمہ شعبان ۳۲۹ھ میں رحمتِ الہی سے واصل ہوئے۔ اور یہ بتاروں کی تاثیر تھی کہ اکثر علمائے شیعہ و مجتہدین نے اس سال عالمِ بقا کی جانب رحلت فرمائی اور غیبتِ کبریٰ کی ابتدا ہوئی اور بظاہر حضرت کے آثارِ امامت منقطع ہوئے۔ اسی سال ثقتہ الاسلام محمد بن یعقوب کلینی اور رئیس المحدثین علی بن بابویہ نے عالمِ بقا کی جانب رحلت فرمائی۔ احمد بن ابراہیم نے کہا کہ ہم مشائخ شیعہ کے ساتھ علی بن محمد سمیری کی خدمت میں گئے جب حاضر ہوئے تو انہوں نے پہلی بات یہ کہی خدا رحمت کرے علی بن محمد بن بابویہ فقیہی پر جو اس وقت رحمتِ الہی سے واصل ہوئے یہ سن کر مشائخ نے اُس روز کی تاریخ لکھ لی۔ اُس کے سات یا آٹھ روز کے بعد خبر پہنچی کہ علی اسی روز اور اسی وقت رحمتِ الہی سے واصل ہوئے۔ اور حسین پسر علی بن بابویہ نے اس خبر کو اسی صورت سے روایت کی ہے اور ابن بابویہ اور شیخ طوسی اور دوسروں نے حسن بن احمد کتب سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم بغداد میں تھے اُس سال جس میں سمیری نے رحلت فرمائی۔ اُن کی وفات سے چند روز قبل ہم اُن کی خدمت میں گئے۔ انہوں نے ایک فرمان حضرت صاحب الامر کا نکالا جس کا مضمون یہ تھا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ - اے علی بن محمد سمیری خدا تمہارے بھائیوں کا تمہارے غم میں اجرِ عظیم قرار دے۔ پھر روزِ بید تم دنیا سے مفارقت کرو گے۔ لہذا اپنے کاموں کو ختم کرو اور کسی کو اپنا وصی و قائم مقام اپنی وفات کے بعد مت قرار دو کیونکہ مکمل غیبت واقع ہوئی۔ اس کے بعد میں کسی کے لیے ظاہر نہ ہوں گا۔ مگر خدا کی اجازت سے۔ اور یہ ظاہر ہونا اس کے بعد ہوگا جبکہ غیبت کی مدت طویل ہو چکی ہوگی۔ اور قلوب سخت ہو گئے ہوں گے اور زمین ظلم و جور سے بھر جائے گی۔ اس کے بعد بعض شیعہ مشاہدہ کا دعویٰ کریں گے۔ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ خروجِ سفیانی اور صدائے آسمانی سے پہلے محمد کو دیکھا ہے، وہ دروغ گو اور افتراء کرنے والا ہے۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ - جس نے کہا ہم نے اس فرمان کے تمام نسخوں کو لکھا اور باہر آئے۔ پچھٹے روز پھر اُن کی خدمت میں گئے اور اُن کو حالتِ اختضار میں پایا۔ کسی نے اُن سے پوچھا کہ آپ کے بعد آپ کا وصی کون ہوگا۔ کہا خدا کا حکم اور اُس کی حکمت سے جس کو وہ عمل میں لائے گا۔ یعنی غیبتِ کبریٰ۔ یہ کہا اور عالمِ اعلیٰ کی جانب رحلت کی ہے

لہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

وہ معجزات جو سفیروں کے ہاتھ اور زبان سے ظاہر ہوئے۔

وہ معجزات اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کے ذکر کی اس رسالہ میں گنجائش نہیں ہے۔ شیخ ابن بابویر نے کہا ہے کہ مجھے علم ابن بغدادی نے خبر دی کہ میں بخارا میں تھا ابن جواد شیردہ شمش نے مجھے سونے کے چند ٹکڑے دیئے کہ بغداد میں حسین بن روح کو دے دوں۔ ایک ٹکڑا گم ہو گیا۔ میں نے ایک ٹکڑا اسی وزن کے برابر خرید لیا اور اسی میں ملا دیا اور حسین بن روح کے پاس لے گیا۔ جب میں نے کھولا۔ آپ نے اس خرید شدہ ٹکڑے کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ اس ٹکڑے کو اٹھا لو جو گم شدہ کے عوض تم نے خریدا ہے۔ وہ ہمارے پاس پہنچ گیا ہے اور ہاتھ بڑھایا اور گمشدہ ٹکڑا مجھے دکھایا۔ میں نے اس کو پہچانا۔

ابوعلی نے بیان کیا کہ میں نے ایک عورت کو بغداد میں دیکھا جو پوچھ رہی تھی کہ حضرت صاحب الامر کے ذیل کون ہیں۔ آپ کے شیعوں میں سے ایک شخص نے تہہ بتایا تو وہ عورت حسینؑ کے پاس آئی اور کہا بتائیے میں کون سی چیز لائی ہوں تو آپ کے حوالے کروں۔ حسینؑ نے کہا جو کچھ لائی ہے اس کو دربائے دجلہ میں پھینک دے تاکہ میں بتاؤں کہ کیا چیز لائی ہے۔ یہ سن کر وہ عورت گئی اور جو کچھ لائی تھی دجلہ میں پھینک آئی اور حسین بن روح کے پاس واپس آئی۔ حسین نے خادم سے کہا حقہ (کاغذ کی ڈبیہ) لاؤ۔ خادم وہ حقہ لایا حسین نے کہا یہ حقہ ہے جو تولائی تھی اور دجلہ میں ڈال آئی تھی۔ اس حقہ میں ایک جوڑا سونے کا ہاتھ کا کڑا اور ایک بڑا ہے جس میں دو دانہ نصب ہے اور اس میں ایک چھوٹا کڑا ہے جس میں ایک دانہ ہے اور دو انگوٹھیاں ہیں جس میں ایک کا نگینہ عقیق ہے اور دوسرے کا فیروزہ۔ پھر حقہ کو کھولا گیا تو جو کچھ آپ نے بتایا تھا اس میں تھا۔ جب اس عورت نے یہ حالت مشاہدہ کی بیہوش ہو گئی۔

سفیروں میں سے ایک دوسری جماعت ان چار افراد کے علاوہ تھی جن کے پیروں کو بعض شیعہ چومتے تھے۔ جیسے حکیمہ خاتون حضرت کی چھوٹی۔ جن کا ذکر سابق میں کیا گیا، محمد بن جعفر اسدی۔ حاجز، شاد محمد بن ابراہیم بن مہر یار۔ قاسم بن العلام جو مدتوں نمایا تھے اور ان کی وفات سے سات روز قبل مینا ہوئے تھے۔ حضرت نے ان کی وفات کی اطلاع ان

لے (حاشیہ سابقہ صفحہ) مؤلف فرماتے ہیں کہ ثقہ لوگوں میں بہت سے اشخاص نے روایت کی ہے کہ غیبت کبریٰ میں ان حضرت کو دیکھا ہے اس وقت نہیں پہچانا۔ لہذا ممکن ہے کہ اس حدیث میں یہ مراد ہو کہ اگر دعویٰ کریں کہ اس وقت دیکھا ہے اور پہچانا ہے تو جھوٹ کہتے ہیں۔ اگر مشاہدہ کے ساتھ نیابت اور سفارت کا دعویٰ بھی کریں تو جھوٹ بولتے ہیں۔

کو دی اور ان کے لیے کفن آذربائیجان بھیجا اور دوسرے لوگ تھے جن میں بعض شاذ و نادر ان حضرت کی خدمت میں جاتے تھے اور بعض ان چاروں سفیروں کے توسط سے پہنچتے تھے اور کلینی، شیخ طوسی اور شیخ طبرسی نے زہری سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت صاحب الامر کو بہت تلاش کیا اور بہت مال خرچ کیا اور اس سعادت سے محروم رہا یہاں تک کہ محمد بن عثمان عمروی کی جو کہ ان حضرت کے ایک نائب تھے خدمت میں گیا اور ایک مدت تک ان کی خدمت کی۔ یہاں تک کہ ایک روز میں نے التماس کیا کہ مجھ کو ان حضرت کی خدمت میں پہنچا دیجئے۔ انہوں نے انکار کیا۔ بہت عاجزی کی تو کہا کل صبح آؤ۔ جب میں ان کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہ خود آ رہے ہیں اور ایک جوان خوشرو اور خوشبو سے معطر ان کے ہمراہ تاجروں کی بیعت میں ہے اور کچھ مال آستین میں رکھے ہوئے ہے۔ عمروی نے اشارہ کیا کہ یہی وہ جوان ہے جس کو تم چاہتے تھے۔ میں ان حضرت کی خدمت میں گیا اور جو پوچھنا چاہتا تھا پوچھا حضرت نے جواب دیا۔ اور ایک مکان کے دروازے پر پہنچے جو چھپا ہوا نہ تھا اور اس کی طرف میرا کچھ خیال نہ تھا۔ حضرت نے داخل ہونا چاہا۔ عمروی نے کہا اگر کوئی اور سوال ہو تو پوچھ لو کیونکہ دوبارہ حضرت کو نہ دیکھو گے۔ جب میں نے سوال کرنا چاہا حضرت نے توجہ نہ کی اور مکان میں داخل ہو گئے اور فرمایا کہ طعون ہے طعون ہے جو نماز مغرب میں تاخیر کرے۔ یہاں تک کہ ستارے آسمان پر اچھی طرح نکل آئیں۔ اور طعون ہے طعون وہ جو نماز میں اتنی تاخیر کرے کہ ستارے غروب ہو جائیں۔ یعنی فضیلت حاصل کرنے میں تاخیر کرنے اور قطب راوندی، کلینی اور دوسروں نے روایت کی ہے کہ اہل مدائن میں سے ایک شخص نے کہا کہ میں اپنے ایک رفیق کے ساتھ حج کو گیا۔ موقف عرفات میں بیٹھا تھا اور ایک جوان ہمارے نزدیک بیٹھا تھا۔ پاجامہ اور چادر میں ملبوس تھا۔ میں نے ان دونوں لباس کی قیمت کا اندازہ ایک سو پچاس دینار کیا۔ اس کے پیروں میں زر و نعلین تھی۔ سفر کا اثر اس کی صورت سے ظاہر نہ تھا۔ ایک سائل نے مجھ سے سوال کیا۔ میں نے اس کو زد کر دیا۔ وہ اس جوان کے پاس گیا۔ جوان نے کوئی چیز زمین سے اٹھائی اور اس کو دی۔ سائل نے اس کو بہت دعائیں دیں۔ وہ جوان اٹھا اور ہماری نظروں سے غائب ہو گیا۔ تو ہم سائل کے پاس گئے اور اس سے پوچھا کہ اس جوان نے تم کو کیا دیا کہ اس قدر دعائیں تم نے اس کو دیں۔ اس نے ہم کو دکھایا وہ سونے کا ٹکڑا تھا جو ریت کے مانند دانت رکھتا تھا۔ جب ہم نے اس کا وزن کیا تو بیس مثقال تھا۔ تب میں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ ہمارے امام اور ہمارے مولا ہمارے قریب تھے اور ہم نے نہ جانا۔ انہی حضرت کے اعجاز سے سنگیہ سونا ہوا تھا۔

ماز مغرب تمام ستارے نکلنے سے پہلے پڑھنے کی تاکید

امام زاد کے جو کچھ سے سنگیہ سونا ہوا جاتا

پھر ہم عرفات میں گھومے اور ان حضرت کو تلاش کیا مگر وہ نہ ملے۔ ہم نے اہل مکہ و مدینہ کی اس جماعت سے پوچھا جو حضرت کے گرد تھی کہ وہ مرد کہاں گیا۔ لوگوں نے کہا وہ علوی ایک جوان ہے ہر سال حج کو پیادہ آتا ہے۔

قطب راوندی نے صراح میں حسن مشرق سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں ایک روز حسن بن عبداللہ بن احمد ناصر الدولہ کی مجلس میں تھا۔ وہاں حضرت کے اطراف اور آپ کے غائب ہونے کا ذکر ہو رہا تھا۔ میں نے ان باتوں کا مذاق اڑایا۔ اسی اثنا میں میرے چچا حسین مجلس میں داخل ہوئے اور میں وہی باتیں کر رہا تھا۔ کہا اے فرزند میں بھی تمہارے ہی ایسا اس معاملہ میں اعتقاد رکھتا تھا یہاں تک کہ تم کی حکومت مجھ کو دی گئی۔ جس وقت کہ اہل قم خلیفہ سے بغاوت پر آمادہ تھے اور جو حاکم وہاں جاتا تھا اس کو قتل کر دیتے تھے اور اطاعت نہیں کرتے تھے۔ اس لیے مجھے ایک لشکر دے کر قم بھیجا۔ جب میں طرز کے نواح میں پہنچا تو شکار کو گیا۔ ایک شکار میرے پاس سے نکل گیا میں اس کے پیچھے چلا اور بہت دور تک گیا یہاں تک کہ ایک نہر تک پہنچا اور نہر کے اندر روانہ ہو گیا۔ جس قدر میں جاتا تھا نہر کی وسعت بڑھتی جاتی تھی۔ اسی اثنا میں ایک سوار ظاہر ہوا جو اسپ اشہب پر سوار تھا اور خزانہ کا سبز عمامہ باندھے ہوئے تھا کہ اس کی آنکھوں کے سوا اس کے نیچے کچھ نہ معلوم ہوتا تھا۔ وہ دو سرخ موزے پاؤں میں پہنے ہوئے تھے۔ مجھ سے کہا اے حسین! اس نے مجھ کو امیر نہیں کہا، اور نہ کینت ہی سے یاد کیا۔ بلکہ حقارت کے ساتھ نام لیا اور کہا کیوں غلطی کرتا ہے اور میرے ناجیہ کو سبک سمجھتا ہے اور کیوں اپنے مال کا خمس میرے اصحاب اور نائب کو نہیں دیتا۔ حسین کہتے ہیں کہ میں باوقار و شجاع مرد تھا کہ کسی چیز سے نہیں ڈرتا تھا۔ اس کے کلام سے کانپ گیا اور خائف ہوا۔ میں نے کہا اے میرے سید و مرزا! آپ جو فرمائیں میں عمل میں لاتا ہوں۔ فرمایا کہ جب اس مقام پر پہنچنا جہاں کا ارادہ رکھتے ہو آسانی کے ساتھ بغیر جدال و قتال کے شہر میں داخل ہونا اور کمانا اور جو چھ کمانا اس کا خمس اس کے مستحق کو پہنچانا۔ میں نے کہا میں نے سنا اور اطاعت کروں گا۔ پھر فرمایا کہ جا۔ اور خود سوار ہوتے اور گھوڑے کی لگام پھیری اور روانہ ہو گئے اور میری نظر سے غائب ہو گئے۔ پھر میں نہیں جانتا کہ کہاں گئے۔ میں نے ان کو دانسنے باتیں بہت تلاش کیا اور بھول گیا جب شہر قم میں پہنچا۔ میں گمان کرتا تھا کہ اہل قم سے جنگ کرنا پڑے گی۔ اہل قم میرے پاس بیرون شہر آئے۔ اور کہا کہ جو شخص ہمارے مذہب کے خلاف ہوتا تھا اور آتا تھا تو ہم اس سے جنگ کرتے تھے اور آپ چونکہ ہم میں سے ہیں اور ہماری طرف آتے ہیں ہمارے اور

اس زمانہ سے حال قم کی حالت اور اس کے اسرار کا تذکرہ

آپ کے درمیان کوئی مخالفت نہیں ہے شہر میں چلے اور شہر کا انتظام جس صورت سے چاہیے کیجئے جیسا بیان کرتے ہیں کہ میں تم میں مقول رہا اور اُس سے زیادہ مال جمع کیا جس قدر امید تھی۔ خلیفہ کے عاملوں نے مجھ سے حسد کیا اور خلیفہ سے میری شکایت و مذمت کی یہاں تک کہ خلیفہ نے مجھے معزول کر دیا۔ میں بغداد واپس آیا اور سب سے پہلے خلیفہ کے مکان پر گیا۔ اور اُس کو سلام کیا پھر اپنے گھر واپس ہوا۔ لوگ مجھ سے ملاقات کے لیے آتے تھے۔ اسی درمیان میں محمد بن عثمان عمروی آئے اور تمام لوگوں کے آگے گزرتے ہوئے میری مسند پر بیٹھے اور میری پشت پر تکیہ کیا۔ میں اُن کی اس حرکت سے بہت غصہ ہوا۔ لوگ آتے تھے اور جاتے تھے۔ وہ بیٹھے تھے اور حرکت نہیں کرتے تھے۔ لمحہ بہ لمحہ میرا غصہ زیادہ ہوتا گیا جب مجلس سے سب لوگ چلے گئے تو وہ میرے قریب آئے اور کہا کہ میرے اور تمہارے درمیان ایک راز ہے سنو! میں نے کہا بیان کرو۔ کہا اسپ اشہب کے سوار فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنے وعدہ کو وفا کیا۔ یہ سن کر مجھے وہ قصہ یاد آیا۔ میں کانپ گیا اور کہا میں سنتا ہوں اور اطاعت کروں گا اور جان و دل سے احسان مند ہوں۔ پھر میں اٹھا اور اُن کا ہاتھ پکڑا اور اندر لے گیا اور اپنے خزانہ کو کھولا اور پورے مال کا خمس ادا کیا۔ بعض اموال جو میں بھول گیا تھا۔ انھوں نے یاد دلایا اور اُس کا بھی خمس لیا۔ حسین کہتے ہیں کہ اُس کے بعد سے میں نے حضرت صاحب الامر کے محاملات میں شک نہیں کیا۔ یہ تمام حالات سن کر حسن ناصر الدولہ نے کہا کہ میں نے بھی اس قصہ کو اپنے چچا سے سنا اور میرے دل سے بھی شک زائل ہو گیا اور اُن حضرت کے بارے میں یقین کر لیا۔

شیخ طوسی وغیرہم نے روایت کی ہے کہ علی بن بابویہ نے عریضہ حضرت صاحب الامر کی خدمت میں لکھا اور حسین بن روح کو دیا۔ اُس عریضہ میں التجا کی تھی کہ حضرت اُن کے لیے دُعا کریں کہ خداوند عالم ایک فرزند اُن کو عطا کرے۔ حضرت نے اُن کے جواب میں لکھا کہ میں نے دُعا کی اور خداوند عالم تم کو جلد دو فرزند صالح اور نیکو کار عطا فرمائے گا۔ تھوڑے ہی دنوں میں خدا نے اُن کو دو فرزند ایک کینز کے بطن سے کرامت فرمائے۔ ایک محمد دوسرے حسین محمد نے بہت سی تصنیفیں چھوڑیں۔ منجملہ ان کے کتاب "من لا یحضرہ الفقیہ" ہے۔ اور حسین سے بہت سے محدثین و فضلاء کی نسل پیدا ہوئی۔ محمد فرماتے تھے کہ میں حضرت صاحب الامر کی دُعا کے سبب پیدا ہوا ہوں۔ ان کے آباء حضرات اُن کی تعریف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ سزاوار ہے کہ جو حضرت صاحب امر کی دُعا کے سبب پیدا ہوا ہو، ایسا ہی ہو اور شیخ صدوق محمد بن بابویہ نے بسند صحیح احمد بن اسحاق سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں گیا اور چاہتا تھا کہ اُن حضرت سے سوال کروں کہ اُن حضرت کے بعد کون امام

حضرت صاحب الامر کی دُعا سے ابن بابویہ کو فرزند عطا کیا۔ ایک ہی لفظ عریضہ کے مؤلف ہیں

ہوگا۔ قبل اس کے کہ میں سوال کروں، حضرت نے فرمایا کہ اے احمد! خداوند عالم نے جس روز سے کہ آدم کو خلق کیا ہے، اس وقت تک زمین کو حجت سے خالی نہیں چھوڑا اور نہ روز قیامت تک خالی چھوڑے گا، اس سے جو خلق پر حجت خدا ہوگا۔ جس کی برکت سے بلاؤں کو اہل زمین سے دفع کرے گا۔ اور اُس کی برکت سے آسمان سے بارش کرے گا۔ اور زمین کی برکتوں کو اگائے گا۔ میں نے کہا یا ابن رسول اللہ! پھر کون آپ کے بعد امام و خلیفہ ہوگا۔ یسین کر حضرت اٹھے اور خانہ اقدس میں تشریف لے گئے اور فرمایا ہی باہر تشریف لاتے۔ آپ کے دوش اقدس پر ایک فرزند شب چہارہ کے مانند تھا جو تین یا چار سالہ معلوم ہوتا تھا۔ حضرت نے فرمایا اے احمد! یہ ہے میرے بعد امام۔ اگر ایسا نہ ہوتا کہ تم خدا اور اُس کی حجت کے نزدیک گرامی اور مکرم نہ ہوتے تو میں اس کو تھیں نہ دکھاتا۔ اس فرزند کا نام اور کیفیت جناب رسول خدا کے نام و کنیت کے موافق ہے۔ یہ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔ اُس کے بعد جبکہ جو روستم سے بھر چکی ہوگی۔ اے احمد! اس کی مثال اس امت میں مختصر اور ذوالقرنین کی مثال ہے۔ خدا کی قسم یہ غائب ہوگا جو غائب ہونے کا حق ہے۔ اس کی غیبت سے کوئی شخص ہلاک ہونے اور گمراہ ہونے سے نہیں بچے گا، سوائے اس کے جس کو خدا اس کی امامت کے قول پر قائم رکھے۔ اور خدا اُس کو توفیق دے کہ اُس کی کشائش کے حصول کی دعا کرے۔ میں نے عرض کی کہ کیا کوئی معجزہ اور علامت ظاہر ہو سکتی ہے تاکہ میرے دل کو اطمینان ہو۔ یسین کر وہ پتھر بزبان فصیح عربی بولا کہ میں زمین میں ہوں، بقیۃ خدا اور اُس کے دشمنوں سے انتقام لینے والا۔ اور اب دیکھنے کے بعد پھر میری تلاش مت کرنا۔ احمد کہتے ہیں کہ میں خوش و عزم حضرت کی خدمت سے واپس ہوا۔ پھر دوسرے روز اُن حضرت کی خدمت میں گیا اور کہا یا ابن رسول اللہ! میری خوشی اُس سے زیادہ ہوئی جو آپ نے مجھ کو عطا فرمائی۔ مجھ سے بیان فرمائیے کہ سنت حضرت ذوالقرنین جو اُن حضرت میں ہو، وہ کیا ہے حضرت نے فرمایا وہ سنت طول غیبت ہے اے احمد۔ میں نے عرض کی یا ابن رسول اللہ! ان حضرت کی غیبت طولانی ہوگی؟ فرمایا ہاں میرے پروردگار کی قسم اتنی طویل ہوگی کہ اکثر ان میں سے لوگ دین سے پھر جائیں گے جو اس کی ولایت کے قائل ہوں گے اور دین حق پر باقی نہ رہے۔ مگر وہ جس سے خدا سے عزوجل نے روزِ ميثاق ہماری ولایت کا عہد لیا ہوگا اور اُس کے دل میں صنعت کے قلم سے ایمان لکھا ہوگا اور اس کی تائید روح ایمان سے کی ہوگی۔ اے احمد یہ خدا کے امور غریبہ و عجیبہ میں ہے اور اس کے پوشیدہ رازوں میں سے ایک راز ہے اور اُس کے غیب میں سے ایک غیب ہے۔ لہذا اسی پر اکتفا کرو جو

انگلیاں آسمان کی جانب بلند کیں حضرت کو چھینک آئی تو آپ نے کہا الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ اور کہا کہ ظالموں کو گمان ہے کہ رحمت خدا برطرف ہو جائے گی۔
 اگر مجھے خدا سے تعالیٰ بات کرنے کی اجازت دے تو کوئی شک نہ ہوگا۔ ایضاً نسیم نے تو
 کی ہے کہ اُن حضرت کی ولادت کے ایک شب بعد میں آپ کے پاس گئی اور مجھے چھینک
 آئی تو آپ نے فرمایا یہ رحمہ اللہ میں سن کر بہت خوش ہوئی۔ پھر حضرت نے فرمایا میں
 تم کو چھینک کے بارے میں خوشخبری دوں۔ میں نے عرض کی ہاں میرے سید! فرمایا میں روز
 تک موت سے امان ہے۔ ابوعلی خیزدانی نے حضرت امام عسکریؑ کی کینز سے روایت کی ہے
 کہ جب حضرت امام منظر کی ولادت ہوئی تو میں نے آپ کے جسم اقدس سے ایک خوشحال
 نور دیکھا جس نے اطراف آسمان کو روشن کر دیا اور سفید طائر دیکھے جو آسمان سے نیچے آ رہے
 تھے۔ اور اپنے پر حضرت کے سر اور چہرے اور تمام بدن سے ملتے تھے اور آسمان کی جانب
 اُڑ جاتے تھے۔ جب میں نے اس واقعہ کا ذکر حضرت امام حسن عسکریؑ سے کیا۔ حضرت ہنسے
 اور فرمایا کہ یہ آسمان کے فرشتے ہیں جو آتے ہیں تاکہ اُن حضرت سے برکت حاصل کریں۔ اور
 یہ سب اُن کے ناصر و مددگار ہوں گے جبکہ وہ خروج کریں گے۔

اور دو شیخ بزرگوار شیخ محمد بن بابویہ قمی اور شیخ طوسی رحمہما اللہ نے کہا ہائے نصیبت میں
 بسند معتبر بشیر بن سلیمان بردہ فروش سے جو ابوالیوب انصاری کی اولاد میں سے تھے اور امام علی
 نقی علیہ السلام کے خاص شیعوں میں سے اور شہر سمرقند میں ان کے ہمساہ تھے، روایت
 کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک روز کا فر غلام حضرت امام علی نقی علیہ السلام میرے پاس آئے
 اور مجھے بلایا۔ جب میں اُن حضرت کے پاس گیا اور بیٹھا تو فرمایا کہ تم انصاری کی اولاد میں سے ہو
 اور ہم اہلبیت کی ولایت و محبت رکھتے ہو اور جناب رسول خدا کے زمانہ سے اس وقت
 تک ہمیشہ ہمارے محل اعتماد رہے ہو۔ میں تم کو ایک فضیلت سے مشرف کرتا ہوں اور تم
 کو اُس کے لیے اختیار کرتا ہوں تاکہ اُس کے سبب سے تم کو ہماری ولایت پر اور شیعوں
 پر سبقت حاصل ہو۔ میں تم کو ایک پوشیدہ راز سے آگاہ کرتا ہوں اور ایک کینز کے خریدنے کے
 لیے بھیجتا ہوں۔ پھر ایک خط انگریزی زبان میں نہایت خوشخط لکھا اور اُس پر اپنی مہر شریف ثبت
 کی اور روپیوں کی تھیلی لائے جس میں دوسو بیس اشرفیاں تھیں اور فرمایا یہ خط اور اشرفیاں
 اور نقد ادا جاؤ اور پاشت کے وقت فلاں روز پل پر جاؤ۔ جب اسیروں کی کشتیاں ساحل پر
 پہنچیں۔ ان کشتیوں میں کینزیں ہوں گی۔ وہاں امرائے بنی عباس کے دکلا ر اور تھوڑے سے
 جو انان عرب ہوں گے جو کینزوں کے پاس جمع ہوں گے۔ تم دُور سے اُس بردہ فروش کو دیکھنا۔

حضرت صاحب الامر کی والدہ شہزادی روم کا حال

کا نام عمرو بن یزید ہے۔ وہ تمام دن ایک کینز کے بارے میں خریداروں سے مول تول کرتا رہے گا۔ اُس کینز کی یہ یہ صفیتیں ہیں اور اُس کے تمام اوصاف بیان فرمائے۔ وہ ایک موٹا ریشمی لباس پہنے ہوگی۔ وہ خریداروں کو اپنی طرف دیکھنے اور اپنے چھوٹے سے منہ اور انکار کرے گی۔ اور تم اُس کی رومی آواز پس پردہ سے سنو گے۔ یاد رکھو وہ رومی زبان میں کہے گی افسوس ہے کہ میرا پردہ عفت چاک ہوا۔ اُس وقت خریداروں میں سے ایک شخص کے گاکہ میں اس کینز کی قیمت تین سواشرخیاں دیتا ہوں۔ کیونکہ اس کینز کے اوصاف نے مجھ کو خریدنے پر رغبہ کر دیا ہے۔ وہ کینز عربی زبان میں اس شخص سے کہے گی کہ تو اگر سلیمان بن داؤد کی شان میں ظاہر ہو اور اُس کی بادشاہی حاصل کر لے، تب بھی میں تیری جانب رغبت نہ کروں گی۔ اپنا مال ضائع مت کر اور میری قیمت مت دے۔ اس وقت وہ پردہ فروش کے گاکہ میں تیرا کیا علاج کروں کہ کسی خریدار سے راضی نہیں ہوتی۔ اور خیر تجھے فروخت کئے چارہ بھی نہیں ہے۔ اس وقت وہ کینز کہے گی کہ کیوں جلدی کرتے ہو۔ یقیناً خریدار پیدا ہوگا جس کی جانب میرا دل مائل ہوگا۔ اور اس کی دیانت اور وفاداری پر مجھے اعتماد ہوگا۔ اُس وقت تم اُس پردہ فروش کے پاس جانا اور کہنا کہ میرے پاس ایک خط ہے جس کو ایک شریف اور بزرگ نے لطف و مہربانی سے زبان و حروف انگریزی میں لکھا ہے۔ یہ خط اُس کینز کو دے دو کہ پڑھے اگر اس خط کے لکھنے والے سے راضی ہو تو میں اُس بزرگ کی جانب سے وکیل ہوں کہ اس کینز کو اُن کی جانب سے خریدوں۔ یشرین سلیمان کہتے ہیں کہ جو کچھ حضرت نے خبر دی تھی سب واقع ہوا اور جس طرح مجھ سے فرمایا تھا میں عمل میں لایا۔ کینز نے جس وقت نامہ کو دیکھا بہت روتی اور عمرو بن یزید سے کہا کہ مجھے اس صاحب نامہ کے ہاتھ فروخت کر دو اور اس کو بہت قسمیں دیں کہ اگر تم مجھے اس کے ہاتھ نہ بیچو گے تو اپنے تئیں ہلاک کر دوں گی۔ پھر میں نے اُس کی قیمت کے بارے میں بہت گفتگو کی۔ یہاں تک کہ اُس کی قیمت پر راضی ہوا جو حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے مجھے دی تھی۔ میں نے وہ رقم اُس کو دی اور کینز کو لے لیا۔ وہ بہت خوش اور مسرور ہوئی اور میرے ساتھ اُس حجرے میں آئی جو میں نے بغداد میں لیا تھا۔ جب وہ حجرہ میں پہنچی، امام کا خط نکالا اور چٹا اور آنکھوں سے لگایا اور چہرہ اور بدن سے ملا۔ میں نے اُس سے تعجب کے ساتھ کہا کہ خط کو چومتی ہے اور اُس کے لکھنے والے کو نہیں پہچانتی۔ اُس نے کہا اے عاجز اور کم معرفت یہ غیروں کے اوصیاء اور فرزندوں کی بزرگی و احترام کے لیے اپنے کان میری جانب کر اور اپنا دل میری باتوں کے سننے کے لیے متوجہ کر تو میں اپنے حالات تجھ سے بیان کروں۔ میں قیصر بادشاہ روم کے بیٹے

جو صاحب الامر کا والد ہے اجداد میں تاشی کا مختصر حال تو اس کی زانی

کی لڑکی ہوں اور میری ماں شہنشاہ بن جموں الصفا حضرت عیسیٰ کے وصی کی اولاد میں سے ہیں۔ میں تم کو ایک امر عجیب سے آگاہ کرتی ہوں۔ میرے جدِ قیصر نے چاہا تھا کہ میرا نکاح اپنے بھائی کے لڑکے سے کریں اُس وقت میں تیرہ سال کی تھی۔ میرے جد نے اپنے قصر میں حواریان حضرت عیسیٰ کی نسل سے تین سو علماء اور عابدوں کو اور امرارہ و روسا میں سے سات سو شخصوں کو اور کشکر کے سرداروں اور حاکموں اور فرج کے اکابر اور قبائل کے سرداروں میں سے ہزار اشخاص کو جمع کیا اور ایک تخت کو جسے اپنی بادشاہی کے زمانہ میں طرح طرح کے جواہرات سے آراستہ کیا تھا۔ اُس تخت میں چالیس پائے بنائے گئے تھے اور اپنے بتوں اور صلیبوں کو بلندی پر رکھا تھا۔ پھر اپنے بھائی کے لڑکے کو تخت پر بھیجا۔ جب پادریوں نے انجیلیں اپنے ہاتھوں میں لیں کہ پڑھیں وہ سارے بت اور صلیبیں سنگوں زمین مگر پڑیں اور تخت کے پائے ٹوٹ گئے اور تخت زمین پر گر پڑا اور بادشاہ کے بھائی کا لڑکا بھی گر کر بہوش ہو گیا۔ اُس وقت پادریوں کے چہرہ کا رنگ متخیر ہو گیا اور اُن کے جسم میں لرزہ پیدا ہوا تو اُن کے بزرگ نے میرے جد سے کہا کہ اسے بادشاہ ہم کو ایسے امر سے مُعاف کر جس کے سبب سے سختیں ظاہر ہوئیں جو دلالت کرتی ہیں کہ دینِ مسیح زائل ہو جائے گا۔ یہ سن کر میرے جد نے اس امر کو فال بد سمجھا اور علماء اور پادریوں سے کہا کہ اس تخت کو دوبارہ مُدرست کرو اور صلیبوں کو ان کی جگہ پر قائم کرو اور اس بد بختی روزگار کے بھائی کو حاضر کرو کہ اس لڑکی کو اس سے تزویج کروں۔ کہ اُس بھائی کی سعادت اس بھائی کی نحوست کو دفع کرے۔ جب ایسا کیا اور اُس دوسرے بھائی کو تخت پر لے گئے اور انجیل پڑھنا شروع کیا تو پھر وہی پہلی سی حالت ظاہر ہوئی۔ اور اس بھائی اور اُس بھائی کی نحوست برابر بٹھری۔ لیکن اس کے لڑکے نہیں سمجھا کہ یہ کسی اور سردار سلطان کی سعادت کے سبب سے ہے۔ ان دونوں بھائیوں کی نحوست کے سبب سے نہیں ہے۔ الغرض لوگ متفرق ہو گئے اور میرے جد غضبناک حرم سرا میں واپس چلے گئے اور نجات کے پروں میں مہنہ چھپایا۔ رات کو جب میں سوئی خواب میں دیکھا کہ حضرت مسیح اور شمعون اور حواریوں کی ایک جماعت میرے قصر میں جمع ہوئی اور نور کا ایک منبر جو رفعت میں آسمان سے سر بلندی کرتا تھا اُسی مقام پر نصب کیا جہاں میرے جد نے تخت رکھا تھا۔ پھر جناب رسولِ خداؐ اور آپ کے وصی اور داماد علیؑ اور ان کی بزرگ اولاد میں سے اماموں کی جماعت نے قصر کو اپنے قدروں سے منور فرمایا۔ جناب مسیح نے ادب سے حضرت خاتم الانبیاؑ کی تعظیم اور استقبال کے لیے قدم بڑھایا اور اپنا ہاتھ حضرت کی گردن مبارک میں ڈال کر حضرت کو لائے۔ اُس وقت جناب رسالتِ مآبؐ نے فرمایا کہ یا روحِ اللہ میں اس لیے آیا ہوں کہ تمہارا

وصی شمعون کی اولاد سے لڑکی لیکہ کو اپنے اس سعادت مند فرزند کے لیے خواستگاری کروں اور اشارہ فرمایا برج ماہ امامت و خلافت حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام ان حضرت کے فرزند کی طرف۔ سن کا خط تم نے مجھے دیا ہے۔ یہ سن کہ جناب عیسیٰ نے حضرت شمعون کی جانب دیکھا اور کہا کہ دونوں جہان کی عزت نے تمہاری طرف رخ کیا، اپنی نسل کو آل محمد کی نسل سے پیوند کر دینے کے لیے کہا مجھے جان و دل سے قبول ہے۔ الغرض وہ تمام حضرات منبر پر تشریف لے گئے اور جناب رسول خدا نے اور حضرت مسیح نے خطیہ پڑھا اور حضرت امام حسن عسکری کے ساتھ میرا عقد کیا اور جناب رسالت مآب کے فرزند ان سعادت مند حضرت مسیح کے حواریوں کے ساتھ گواہ ہوئے۔ یہ خواب دیکھ کر جب میں بیدار ہوئی اپنے قتل ہونے کے خوف سے اس خواب کو اپنے پدر اور جد سے میں نے نہیں بیان کیا اور اس خزانہ لاکھال کو اپنے سینہ میں پوشیدہ رکھا اور اس آفتاب فلک امامت کی آنش محبت روز بروز میرے سینہ میں بھرتی رہی اور میرا سرمایہ صبر و قرار جاتا رہا۔ یہاں تک کہ میرے لیے کھانا پینا حرام ہو گیا۔ اور ہر روز چہرہ اترتا اور جسم لاغر ہوتا گیا اور آثار عشق نہاں میرا ظاہر ہونے لگا ہمارے شہر کا کوئی طبیب ایسا نہ تھا جس کو میرے علاج کے لیے میرے جہنہ حاضر نہ کیا ہو، اور میرے درد کے علاج کے بارے میں اس سے نہ پوچھا ہو۔ لیکن کسی علاج سے فائدہ نہ ہوا۔ آخر جب میرے علاج سے مایوس ہوئے تو ایک روز مجھ سے کہا کہ اے نور چشم تیرے دل میں کئی آرزوئے ذیابے؟ جسے میں تیرے لیے عمل میں لاؤں۔ میں نے کہا اے میرے بد بزرگوار کشائش کے دروازے میں اپنے واسطے بند دیکھتی ہوں۔ اگر مسلمان قیدیوں کی اذیت و تکلیف کو جو آپ کے قید خانہ میں ہیں رفع فرمائیے اور ان کی زنجیروں کھلو اگر ان کو آزاد کر دیجئے تو مجھے امید ہے کہ حضرت مسیح اور ان کی مادر گرامی مجھے عاقبت بخشیں۔ جب انھوں نے ایسا عمل کیا تو کچھ صحت میں نے اپنی ظاہر کی اور تھوڑی غذا میں نے تناول کی۔ یہ دیکھ کر میرے جد خوش اور مسرور ہوئے اور دوسرے مسلمان قیدیوں کا احترام کرنے لگے۔ پھر چودہ لاکھوں کے بعد میں نے خواب دیکھا کہ بہترین زنان عالمین حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا میرے دیکھنے کو آئی ہیں۔ اور حضرت مریم بہشت کی حوروں میں سے ہزار کنبیوں کے ساتھ ان محصور کے ساتھ میں جنازہ مریم نے مجھ سے فرمایا کہ یہ خاتون بہترین زنان عالمین اور تمہارے شوہر امام حسن عسکری کی مادر گرامی ہیں۔ پھر میں ان عظیمہ کے دامن سے لپٹی اور روئی اور شکایت کی کہ حضرت امام حسن عسکری مجھ پر ظلم کرتے ہیں اور میری ملاقات سے انکار فرماتے ہیں۔ یہ سن کر ان معذرہ نے فرمایا کہ میرا فرزند جس طرح تمہاری ملاقات کو آئے۔ حالانکہ تم خدا کے ساتھ شکر کرتی ہو اور ترسانہ مہرب پر

ہو اور میری بہن مریم دختر عمران ہیں جو خدا کی جانب سے تم سے بیزاری اختیار کرتی ہیں تم اگر
یہ پسند کرتی ہو کہ خدا اور مریم اور مسیح تم سے خوش ہو اور حضرت امام حسن عسکریؑ تمہارے دیکھنے
کو آئیں تو کہو اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلًا اللهُ جَب میں نے یہ دونوں
طیبہ کلمے زبان پر جاری کئے حضرت سیدۃ النساء نے مجھے سینے سے لگایا اور دلہاری فرمائی
اور کہا اب میرے فرزند کی منتظر رہو کہ میں اُس کو تمہارے پاس بھیجوں گی۔ پھر میں بیدار ہو گئی۔
اور کلمہ طیبہ زبان پر جاری رکھتی تھی اور اُن حضرت کی ملاقات گرامی کا انتظار کرتی تھی جب
دوسری رات آئی اور میں سوئی تو خورشید جمال حضرت طالع ہوا۔ میں نے کہا اے میرے
سیدہ و آقا اپنی محبت کے دام میں مجھے اسیر کرنے کے بعد کیوں اپنے جمال کی مفارقت سے
مجھ پر ایسی جفا فرماتے ہیں۔ فرمایا کہ تمہارے پاس میرے دیر میں آنے کی سوائے تمہارے
مشرف ہونے کے اور کوئی وجہ نہ تھی۔ اب چونکہ مسلمان ہو چکی ہو تو ہر شب تمہارے پاس
آؤں گا۔ اس وقت تک جبکہ خداوند عالم ہم کو اور تم کو نظر ہر ایک دوسرے کے پاس
پہنچائے اور اس جدائی کو وصال سے تبدیل کرے۔ پھر اُن رات سے آج تک ایک رات
نہیں گزری ہے کہ میری جدائی کے درد کا اپنے شربت وصال سے علاج نہ فرمایا ہو بشر
بن سلیمان نے پوچھا کہ آپ کس طرح اسیروں میں شامل ہو گئیں۔ جواب دیا کہ مجھے امام حسن
عسکری نے ایک شب خبر دی کہ فلاں روز تمہارے جد مسلمانوں سے جنگ کے لیے لشکر بھیجیں
گے اور محمد اُن کے پیچھے روانہ ہوں گے۔ تم کینزوں اور خدمتگاروں میں شامل ہو جانا۔ اس
صورت سے کہ تم کو نہ پہچانیں اور اپنے جد کے پیچھے روانہ ہونا اور فلاں راستے سے چلنا۔
میں نے ایسا ہی کیا۔ مسلمانوں کے طیبہ میرے پاس سے گزرے اور مجھ کو اسیر کر لیا اور آخر میرا
حال اس حد تک پہنچا جو تم نے دیکھا۔ اور اس وقت تک کسی کو نہیں معلوم کہ میں بادشاہ روم
کی دختر ہوں اور میں ایک پیر و ضعیف مسلمان کے حصہ غنیمت میں آئی۔ اُس نے میرا نام
پوچھا۔ میں نے نرہس بتایا۔ کہا یہ نام کینز کا ہے۔ یہ تمام حالات سن کر بشیر نے کہا تجھ
سے کہ تم اہل فرنگ ہو اور عربی زبان بخوبی جانتی ہو۔ اُس نے کہا ہاں میرے جد مجھ سے
بہت محبت کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ مجھ کو آداب حسنہ سیکھنے میں مشغول رکھیں ایک
مترجم خاقان کو مقرر کیا جس نے مجھے زبان عربی سکھائی۔ یہاں تک کہ میری زبان پر یہ بخوبی
جاری ہو گئی۔ بشیر کہتے ہیں کہ جب میں اس کو سرمن راستے لایا اور حضرت امام علی نقی علیہ السلام
کی خدمت میں پہنچا دیا۔ حضرت نے اُس کینز سے خطاب فرمایا کہ کس طرح خداوند عالم نے تم
پر دین اسلام کی عزت اور دین نصاریٰ کی ذلت ظاہر فرمائی اور شرف و منزلت محمد و آل محمد
سے لشکر کے آگے چلنے والے اور کجباتی کرنے والے۔

صلوات اللہ علیہم سے تم کو روشناس کیا۔ عرض کی یا ابن رسول اللہ کیونکر میں آپ سے وہ باتیں بیان کروں جس کو آپ میرے متعلق جانتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ کیا تم چاہتی ہو کہ ان دو صورتوں میں سے کسی ایک سے تم کو شرف اندوز کروں۔ یا تو دس ہزار اشرفیاں لے لو یا تم کو ابدی عزت کی خوشخبری دوں۔ عرض کی بلکہ میں ابدی شرف کی خوشخبری چاہتی ہوں۔ بال نہیں چاہتی حضرت نے فرمایا کہ تم کو اُس فرزند کی خوشخبری ہو جو مشرق و مغرب عالم کا مالک ہوگا اور زمین کو عدل و داد سے بھر دے گا، اُس کے بعد جبکہ وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔ عرض کی کہ وہ فرزند کس سے پیدا ہوگا۔ فرمایا اُس شخص سے جس کے لیے جناب رسول خدا ص نے بخاری خواستگاری کی۔ پھر تم سے پوچھا کہ جناب مسیح اور اُن کے وصی نے تمہارا عقد کس کے ساتھ کیا۔ عرض کی آپ کے فرزند امام حسن عسکریؑ کے ساتھ۔ حضرت نے فرمایا تم اُن کو پہچانتی ہو۔ کہا اُس رات سے جبکہ بہترین زنانِ عالم کے ہاتھ پر مسلمان ہوتی ہوں۔ ایک رات بھی ایسی نہیں گزری کہ وہ حضرت مجھے دیکھنے نہ آئے ہوں۔ پھر حضرت نے کافر خادم کو بلایا اور فرمایا کہ جاؤ میری بہن حکیمہ خاتون کو بلالو۔ جب وہ عظیم تشریف لائیں۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ وہی کنیز ہے جس کا ذکر میں نے کیا تھا۔ حکیمہ خاتون نے اُن کو گلے سے لگایا اور بہت محبت کا اظہار فرمایا اور بہت خوش ہوئیں۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ اے دختر رسول خدا اس کو اپنے گھر لے جاؤ اور اس کو واجبات اور نعمتیں سکھلاؤ۔ کیونکہ وہ امام حسن عسکریؑ کی زوجہ اور حضرت صاحب الامرؑ کی ماں ہے۔

مشائخ عظام ذوی الاحترام محمد بن یعقوب کلینی اور محمد بن بابویہ قمی اور شیخ ابو جعفر طوسی اور سید مرتضیٰ وغیرہم نے جو محدثین عالیشان میں سے ہیں، حکیمہ خاتون سے روایت کی ہے کہ ایک روز حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام میرے گھر تشریف لائے اور جس خاتون کو غور سے دیکھا۔ میں نے عرض کی کہ آپ کو اُس کی خواہش ہو تو آپ کی خدمت میں بھیج دوں فرمایا اے چھوٹی یہ نگاہ تجھ کی وجہ سے تھی۔ کیونکہ عنقریب خداوندِ عالم اُس کے بطن سے ایک عظیم المرتبت فرزند پیدا کرے گا جو عالم کو عدالت و انصاف سے بھر دے گا۔ اُس کے بعد جبکہ وہ ظلم و ستم سے بھری ہوگی۔ میں نے کہا تو پھر میں اُس کو آپ کے پاس بھیج دیتی ہوں۔ فرمایا کہ میرے پدر بزرگوار سے اجازت لے لیجئے۔ حکیمہ خاتون فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے پسرے پہنے اور اپنے بھائی علیؑ کی خدمت میں گئی اور سلام کر کے بیٹھی ہی تھی اور بغیر اس کے کہ میں کچھ بات کروں حضرت نے اعجاز سے فرمایا کہ اے حکیمہ زرخیں کو میرے فرزند کے لیے بھیج دیجئے۔ میں نے عرض کی اے میرے سید میں اسی عرض سے آئی تھی کہ اس بارے میں آپ سے اجازت

حاصل کروں۔ فرمایا اے محترمہ صاحب برکت خدا چاہتا تھا کہ تم کو ایسے ثواب میں شریک کرے اور خیر و سعادت سے کافی حصہ تم کو کرامت فرمائے کیونکہ تم کو ایسے امر میں واسطہ قرار دیا۔ حکیمہ خاتون کا بیان ہے کہ جلد جلد میں اپنے گھر آئی اور ان معدن قنوت و عفاف کا زلف اپنے مکان میں واقع کیا اور چند روز بعد ان سجد اکبر اور ان زہرہ منظر کو خانہ خورشید انور یعنی ان کے والد محترم کے گھر لے گئی اور چند روز بعد وہ آفتاب مطلع امامت عالم بقارہ کے مغرب میں غروب ہو گیا اور ماہ برج خلافت امام حسن عسکریؑ امامت میں ان کے جانشین ہوئے، اور میں برابر ان کے پذیر بندر گوارا کی مقدرہ سعادت کے مطابق امام علیہ السلام کی خدمت میں پہنچتی تھی ایک روز نرجس خاتون آئیں اور کہا اسے خاتون عظم اپنے پیروں کو پھیلانے کہتے تھے آپ کے اُتار دوں۔ میں نے کہا تم ہی میری خاتون اور میری مالک ہو۔ میں ہرگز پسند نہیں کر سکتی کہ تم میرے بچتے اُتار دو اور میری خدمت کرو بلکہ میں تمہاری خدمت کروں گی اور احسان اپنی آنکھوں پر رکھوں گی۔ جب امام حسن عسکریؑ نے میری یہ گفتگو سنی کہا خدا آپ کو جزائے خیر دے۔ اے چھوٹی جان! پھر میں ان حضرت کی خدمت میں غروب آفتاب تک بیٹھی رہی۔ پھر اپنی کینز کو آواز دی کہ میرے کپڑے لا۔ تو میں چلوں۔ امام نے فرمایا کہ چھوٹی جان آج شب ہمیں رہینے کیونکہ اس رات خدا کے نزدیک گرامی فرزند پیدا ہوگا جس کے ذریعہ سے حق تعالیٰ زمین کو علم و ایمان و ہدایت سے زندہ کرے گا، اس کے بعد جبکہ کفر و ضلالت پھیلنے سے مراد ہو چکی ہوگی۔ میں نے پوچھا کس سے وہ بچہ متولد ہوگا۔ حالانکہ میں نرجس میں حمل کا مطلق اثر نہیں پاتی ہوں۔ فرمایا کہ نرجس ہی سے پیدا ہوگا کسی دوسرے سے نہیں۔ یہ سُن کر میں اٹھی اور نرجس کی نیشٹ اور پیٹ کو ملاحظہ کیا۔ کسی طرح کوئی اثر نہ پایا تو واپس آکر عرض کیا حضرت نے بتیتم فرمایا اور کہا کہ جب صبح ہوگی تو حمل کا اثر ان سے ظاہر ہوگا۔ ان کی مثال مادر موسیٰ کی سی ہے کہ ولادت کے وقت تک کوئی تغیر ان میں ظاہر نہیں ہوا۔ اور کوئی شخص ان کے حال سے مطلع نہیں ہوا۔

کیونکہ فرعون زناںِ عالم کا حکم موسیٰؑ کی تلاش میں چاک کرا دیتا تھا اور اس فرزند کا حال بھی حضرت موسیٰؑ کے حال کے مشابہ ہے۔ دوسری روایت میں یہ ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ ہم اومیائے پیغمبرانِ خدا کا حمل حکم میں نہیں ہوتا بلکہ پہلو میں ہوتا ہے اور نہ ہم بدھم سے پیدا ہوتے ہیں بلکہ ماں کی ران سے پیدا ہوتے ہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کے انوار ہیں۔ اُس نے ہم سے کثافت و نجاست دور رکھا ہے۔ حکیمہ کہتی ہیں کہ میں نرجس کے پاس گئی اور یہ حالات بیان کئے۔ وہ بولیں کہ اے خاتون میں اپنے میں کوئی اثر نہیں پاتی ہوں۔ ان عرض رات میں وہاں ٹھہر گئی اور افطار کر کے نرجس کے قریب سوئی اور ہر گھڑی ان کی خبر لیتی رہی۔ وہ اپنے حال پر سو رہی تھی اور ہر لمحہ میری حیرت

حضرت صاحبہ...
ولادت کا حال

زیادہ ہوتی رہی۔ اس رات میں ہر رات سے پہلے نماز تہجد کے لیے اٹھی اور نماز شب ادا کی اور جب نماز وتر میں مشغول ہوئی تو جس خواب سے بیدار ہوئیں اور حضور کے نماز شب بجالائیں۔ جب میں نے دیکھا تو صبح کا ذب طلوع ہو چکی تھی۔ نزدیک تھا کہ میرے دل میں کچھ شک پیدا ہو، اُس وعدہ کے سبب سے جو فرمایا تھا۔ ناگاہ حضرت امام حسن عسکریؑ نے اپنے حجرہ سے آواز دی کہ شک نہ کیجئے کہ وہ وقت آپہنچا ہے۔ اُس وقت میں نے جس میں تکلیف مشاہدہ کی تو اُن کو اپنی گرد میں لے لیا اور نام خدائے تعالیٰ اُن پر دم کیا۔ حضرت نے آواز دی کہ سورۃ انا انزلناہ فی لیلۃ القدر ان پر دم کیجئے۔ میں نے جس خاتون سے پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے کہا وہ اثر ظاہر ہوا جس کے متعلق میرے مولانا فرمایا تھا۔ پھر میں نے سورۃ انا انزلناہ پڑھنا شروع کیا۔ میں نے سنا کہ وہ پچھلے ہی حکم میں میرے ساتھ پڑھتا ہے اور مجھ کو سلام کرتا ہے۔ میں ڈری تو حضرت نے آواز دی کہ تعجب مت کیجئے خدا کی قدرت سے کہ وہ ہمارے پتھوں کو حکمت کے ساتھ گویا کرتا ہے اور بزرگی میں ہم کو اپنی محبت زمین میں قرار دیا ہے جب امام علیہ السلام کی بات ختم ہوئی۔ جس میری نگاہوں سے غائب ہو گئیں، گویا میرے اہران کے درمیان ایک پردہ حائل ہو گیا۔ اس حال سے میں حضرت امام حسن عسکریؑ کی خدمت میں فریاد کرتی ہوئی دوڑی حضرت نے فرمایا اے پھوپھی واپس جاتیے ان کو اپنی جگہ پر آپ دیکھیں گی۔ جب میں واپس آئی پردہ ہٹا ہوا تھا اور جس خاتون میں ایک نور مشاہدہ کیا کہ میری آنکھیں خیر ہو گئیں اور حضرت صاحب الامر کو دیکھا کہ رو قبیلہ زانو کے بل سجدہ میں جھکے ہوئے ہیں اور کلمہ کی انگلیاں آسمان کی جانب بلند کئے ہوئے کتے ہیں اشھلان لا الہ الا اللہ وات جتدی رسول اللہ صلات ابی امین المؤمنین ولی اللہ۔ پھر ایک ایک نام کا نام لیا۔ یہاں تک کہ اپنی ذات تک پہنچے اور فرمایا اللھم انجزلنی وعدی واتمم علی امری وثبت وطائی واملا الارض عدلا وقسطاً یعنی خداوند انصرت کا وعدہ جو تو نے مجھ سے فرمایا ہے پورا کر اور میرا امر خلافت و امامت تمام کر اور میرا غلبہ اور دشمنوں سے میرا انتقام لینا ثابت کر اور زمین کو میرے سبب سے عدل و انصاف سے بھر دے۔ پھر امام حسن عسکریؑ نے مجھے آواز دی کہ اے پھوپھی میرے فرزند کو گود میں لے لو اور میرے پاس لاؤ۔ جب میں نے ان کو گود میں لیا تو ان کو نعتنہ شدہ اور نافر بردہ اور پاکیزہ پایا۔ آپ کے داسنے بازو پر رکھا تھا جات الحق وزھق الباطل ان الباطل کات زھوقا یعنی حق آیا اور باطل نازل ہوا بیشک باطل مٹ جانے والا ہی ہے اور ثبات و تقائیں رکھتا۔ حکیمہ خاتون فرماتی ہیں کہ میں اُس فرزند سعادت مند کو اُن کے والد بزرگوار کے پاس لے گئی۔ جب حضرت صاحب الامر کی نگاہ

اپنے پدر بزرگوار پر پڑی حضرت کو سلام کیا حضرت نے اُن کو گود میں لیا اور اپنی زبان مبارک ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان ملی اور ان کے دہن اور دونوں کان پر زبان پھیری اور اُن کو اپنے بائیں ہاتھ کی پھیلی پر بٹھایا اور دستِ مطہران کے مبارک پر پھیرا اور فرمایا کہ اے فرزندِ قدرتِ خدا باتیں کرو۔ یہ سن کر حضرت صاحبِ الامر نے استعاذہ فرمایا یعنی کہا استعوذ باللہ من الشیطان الرجیم اور پھر فرمایا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَنُرِیْدُ اَنْ نَّمْنَعَ عَلَی السَّیِّئِیْنَ اَسْتَضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلْهُمُ اُمَّتًا وَنَجْعَلْهُمُ الْوَارِثِیْنَ وَنَمُکِّنْ لَّهُمْ فِی الْاَرْضِ وَنُرِیْمَا فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُمْ مَا كَانُوْا یُحْذِرُوْنَ۔ یہ آیتِ کریمہ احادیثِ معتبرہ کے موافق انہی حضرت اور اُن کے آباءے طاہرین کی شان میں نازل ہوا ہے۔ اس کے ظاہری الفاظ کا ترجمہ یہ ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ اُس جماعت پر احسان کریں جن کو تم گناہوں نے زمین پر کمزور کر دیا ہے اور ان کو پیشوا یا ان دین قرار دیں اور ان کو وارثانِ زمین بنا لیں اور ان کو تمہیں قبیلہ زمین پر عطا کریں اور فرعون اور ہامان یعنی اول و دوم اور ان کے لشکروں کو ان اماموں کے ذریعہ وہ امور دکھائیں جن سے وہ بھاگتے تھے۔

پھر حضرت صاحبِ الامر نے جناب رسولِ خدا حضرت امیر المؤمنینؑ اور تمام اماموں اور اپنے پدر بزرگوار تک ہر ایک پر صلوٰۃ بھیجی۔ اسی اثنا میں بہت طائر حضرت کے قریب سر ظاہر ہوئے۔ ان میں ایک نے کہا اس طفل کو لو اور بخوبی اس کی حفاظت کرو، اور ہر چالیس روز کے بعد ایک مرتبہ میرے پاس لاؤ۔ یہ کہہ کر اُس طائر نے اُن حضرت کو لیا اور آسمان کی جانب پرواز کر گیا اور تمام طیور اُس کے پیچھے اڑ گئے۔ امام حسن عسکریؑ نے فرمایا کہ میں نے اسے فرزندِ تم کو اُسے سپرد کیا جس کو مادر موسیٰؑ نے موسیٰؑ کو سپرد کیا تھا۔ یہ دیکھ کر تر جس خاتون رونے لگیں حضرت نے فرمایا خاموش رہو کیونکہ تمہارے دودھ کے سوا وہ کسی کا دودھ نہیں پئے گا۔ اور جلد اُس کو تمہارے پاس واپس لے آئیں گے جیسے حضرت موسیٰؑ کو ان کی ماں کے پاس واپس لاتے تھے۔ چنانچہ خداوندِ عالم نے فرمایا ہے کہ ہم نے موسیٰؑ کو ان کی ماں کے پاس واپس بھیجا تاکہ ان کی ماں کی آنکھیں ان کے دیکھنے سے روشن ہوں۔ حکیمہ خاتون نے پوچھا کہ یہ طائر کیسا تھا جسے آپ نے صاحبِ الامر کو سپرد فرمایا۔ حضرت نے فرمایا یہ روحِ القدس ہے جو اتم پر نازل ہے جو خدا کی جانب سے ان کو خط و لغزش سے محفوظ رکھتا ہے اور ان کو علم سے آراستہ کرتا ہے حکیمہ کہتی ہیں کہ چالیس روز کے بعد جب میں حضرت کے خاندانِ اقدس میں گئی تو ایک طفل کو دیکھا جو پیروں سے چلتا ہے۔ میں نے کہا اے میرے سید یہ دو برس کا بچہ ہے، حضرت مسکراتے اور فرمایا کہ پیغمبروں اور ان کے اوصیاء کے بچے جو امام ہوتے ہیں، دوسرے بچوں کے خلاف

نشوونما کرتے ہیں اور وہ ایک عیدتے کے دوسرے ایک سال کے بچوں کے مانند ہوتے ہیں۔ وہ ماں کے شکم میں باتیں کرتے ہیں۔ قرآن پڑھتے اور پروردگار عالم کی عبادت بجالاتے ہیں اور دودھ پینے کے زمانے میں فرشتے ان کا حکم بجالاتے ہیں اور صبح و شام ان پر نازل ہوتے ہیں۔ حکیمہ خاتون کا بیان ہے کہ میں ہر چالیسویں روز حضرت کی خدمت میں امام حسن عسکریؑ کے زمانے میں پہنچتی تھی اور حضرت کی وفات سے چند روز پہلے ان سے ملاقات کی۔ وہ اُس وقت کامل مرد ہو چکے تھے۔ میں نے ان کو نہیں پہچانا۔ میں نے اپنے بھائی کے لڑکے یعنی امام حسن عسکریؑ سے کہا کہ یہ کون مرد ہے جس کے پاس بیٹھنے کو آپ مجھ سے فرماتے ہیں فرمایا کہ یہ نرجس کا لڑکا ہے اور میرے بعد میرا خلیفہ ہے اور میں عنقریب تمہارے درمیان سے چلا جاؤں گا۔ تو چاہیے کہ تم اس کی بات قبول کرنا اور اُس کے حکم کی اطاعت کرنا۔ پھر چند روز کے بعد حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے عالم قدس کی جانب رحلت فرمائی اور میں اب ہر صبح و شام حضرت صاحب الامرؑ کی خدمت میں حاضر ہوتی ہوں میں جس بارے میں سوال کرتی ہوں حضرت جواب دیتے ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ میں سوال کرنا چاہتی ہوں اور ابھی سوال نہیں کرتی ہوں کہ حضرت جواب ارشاد فرماتے ہیں۔

محمد بن عبداللہ مطہری نے روایت کی ہے کہ حضرت امام عسکری علیہ السلام کی وفات کے بعد میں حکیمہ خاتون کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اُن مظلّم نے مجھ سے حضرت حجت اور امام زمانہ کے بارے میں سوال کیا۔ میں نے اُن کو اُس حیرت سے آگاہ کیا۔ سو لوگوں کو عارض ہوئی ہے۔ فرمایا بیٹھو۔ جب میں بیٹھا تو فرمایا اے محمد خدا زمین کو کسی حجت سے خالی نہیں چھوڑتا۔ جو ناطق ہوتا ہے اور علانیہ دعوائے امامت کرتا ہے یا خاموش ہوتا ہے اور تفریق کرتا ہے، اور امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کے بعد امامت دو بھائیوں کی نہ ہوگی بلکہ یہ وہ فضیلت ہے جو خداوند عالم نے حسینؑ کو تمام آئمہ پر عطا فرمائی ہے اور خدا نے فرزند ان حسینؑ کو فرزند ان حسنؑ پر ترجیح اور امامت سے ان کو مخصوص فرمایا جس طرح فرزند ان ہارونؑ کو جناب موسیٰؑ کے فرزندوں پر ترجیح دی تھی اور ان کو امامت پیغمبری اور وصایت سے مخصوص فرمایا تھا جس طرح فرزند ان ہارونؑ کو جناب موسیٰؑ کے فرزندوں پر ترجیح دی تھی اور ان کو امامت پیغمبری اور وصایت سے مخصوص فرمایا تھا ہر چند جناب موسیٰؑ جناب ہارونؑ سے بہتر تھے۔ اور فرزند ان ہارونؑ قیامت تک ہمیشہ فرزند ان موسیٰؑ پر فضیلت رکھتے ہیں اور اس اُمت کو مجبوری ہے اس حیرت سے جس سے اہل باطل شک میں پڑتے ہیں اور شیعیانِ کامل خالص ہوتے ہیں یہاں تک کہ خدا پر پیغمبروں کے بھیجنے کے بعد کوئی حجت نہیں رہتی اور یہ حیرت امام حسن عسکریؑ کی وفات کے بعد ہوگی۔ میں

نے عرض کی اے خاتون! کیا امام حسن عسکری علیہ السلام کے کوئی صاحبزادے ہیں۔ وہ معظمہ عسکری اور فرمایا جبکہ کوئی فرزند نہ ہوگا تو ان حضرت کے بعد جنت خدا کون ہوگا۔ میں نے عرض کی اے میری مخدومہ ان حضرت کی ولادت اور غیبت کس طرح ہوگی۔ یہ سن کر حکیمہ خاتون نے ولادت کا حال جس طرح بیان ہو چکا بتایا۔ دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ حکیمہ خاتون نے فرمایا کہ میں حضرت صاحب الامر کی ولادت کے تین روز بعد ان حضرت کی ملاقات کی مشتاق ہوئی اور حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور پوچھا کہ میرا مولا کہاں ہے۔ فرمایا میں نے ان کو اُسے پتہ کر دیا جو ہم سے اور تم سے ان کا زیادہ حقدار ہے۔ ساتویں روز میرے پاس آتا۔ الغرض میں ساتویں روز گئی تو ایک گھوارہ دیکھا اور گھوارے کے پاس دوڑی ہوئی پہنچی۔ میں نے اپنے مولا کو دیکھا جو چودھویں رات کے چاند کے مانند تھے۔ وہ میرے سامنے بیٹھے اور تبسم فرماتے تھے۔ پھر حضرت نے آواز دی کہ میرے فرزند کو لاؤ۔ جب میں حضرت کے پاس لے گئی تو حضرت نے زبان ان کے دہن میں پھرائی اور فرمایا کہ بتائی کہ وہ حضرت صاحب الامر نے کلمہ شہادتین زبان اقدس پر جاری کیا اور جناب رسول خدا اور تمام آئمہ پر صلوات بھیجی اور بسم اللہ کہا اور کوسی آیت تلاوت فرمائی جو گزرتی چلی۔ پھر امام حسن عسکری نے فرمایا کہ اے فرزند! جو کچھ خداوند عالم نے پیغمبروں پر نازل کیا ہے ان میں سے کچھ پڑھو۔ یہ سن کر حضرت صاحب الامر نے اجتہاد کی اور صحف آدم زبان سرمانی میں پڑھا، اور کتاب ادیس، کتاب ہنود، کتاب صلح، صحف ابراہیم، تورات موسیٰ، انجیل عیسیٰ اور میرے بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قرآن سب ہی پڑھا۔ پھر پیغمبروں کے حالات بیان کئے پھر امام حسن عسکری نے فرمایا کہ جب خداوند عالم نے اس امت کے ہمدنی کو مجھے کرامت فرمایا اور دو فرشتوں کو بھیجا جو ان کو سرا پر دہ عرشِ رحمانی تک لے گئے۔ خدائے تعالیٰ نے ان سے خطاب فرمایا کہ میرے بندے۔ میں نے تجھ کو اپنے دین کی نصرت کے لیے اور اپنی شریعت کے امور کے اظہار کے لیے خلق کیا ہے۔ تو ہی میرے بندوں میں ہدایت یافتہ ہے۔ میں اپنی مقدس ذات کی قسم کھاتا ہوں کہ لوگوں کو تیری اطاعت کے سبب ثواب عطا کروں گا اور تیری نافرمانی کے باعث سزا اور عذاب میں مبتلا کروں گا۔ اور تیری شفاعت اور ہدایت کے سبب اپنے بندوں کو بخشوں گا۔ اور تیری مخالفت کے سبب عذاب کروں گا۔ اے دونوں فرشتو! اس کو اس کے پدر کے پاس واپس لے جاؤ اور اس کو میری جانب سے سلام پہنچاؤ، اور کہو کہ وہ میری پناہ، حفاظت و حمایت و ہدایت میں ہے۔ میں دشمنوں کے شر سے اس کی حفاظت و حرمت اس وقت تک کرتا رہوں گا جبکہ اس کو ظاہر کروں گا۔ اور اس کے سبب سے

امام حسن عسکری علیہ السلام کی فضیلت اور شرف و عبادت

حق کو قائم اور باطل کو مٹانے کے لیے خاص ہوگا۔ اُس وقت دینی حق میرے لیے خاص ہوگا۔ اور بہت سے شیعوں نے جناب امام حسن عسکریؑ کی حیات میں اور آپ کی وفات کے بعد ان حضرت کو دیکھا ہے اور آپ سے معجزات مشاہدہ کئے ہیں۔ ان میں سے ایک معجزہ یہ ہے جس کی شیخ جلیل محمد بن بابوی قمی نے ابوالادیان سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت کرتا تھا اور حضرت کے خطوط شہروں میں لے جاتا تھا۔ پھر جس روز کہ حضرت نے عالم بقار کی جانب رحلت فرمائی۔ مجھے طلب فرمایا اور چند خطوط مدائن کے لیے لکھے اور فرمایا کہ جب پندرہ روز بعد تم سامراہ میں واپس آؤ گے تو میرے مکان سے گریز کرنا کی آوازیں سنو گے۔ مجھ کو اُس وقت غسل دے رہے ہوں گے۔ ابوالادیان نے کہا۔ اے میرے سید جب یہ واقعہ ہانکہ واقع ہوگا تو امر امامت کس سے متعلق ہوگا۔ فرمایا کہ جو تم سے میرے خطوط کا جواب طلب کرے گا وہی امام ہے۔ میں نے عرض کی دوسری علامت بیان فرمائیے حضرت نے فرمایا جو مجھ پر نماز پڑھے گا وہ میرا جانشین ہے۔ میں نے کہا کوئی اور علامت؟ فرمایا کہ جو شخص بتائے گا تھیلی میں کیا ہے وہ تمہارا امام ہے۔ حضرت کا رعب اس سے مانع ہوا کہ میں حضرت سے پوچھوں کہ کون سی تھیلی؟ پھر میں باہر نکلا اور وہ خطوط اہل مدائن کے پاس لے گیا اور ان کے جوابات لے کر واپس ہوا جس طرح حضرت نے فرمایا تھا۔ پندرہویں روز داخل سامراہ ہوا۔ نالہ سو فریاد کی آوازیں حضرت کے خانہ مطہر سے بلند تھیں جب میں حضرت کے درقاوس پر پہنچا۔ جعفر کذاب کو دیکھا کہ گھر کے دروازے پر بیٹھا ہے اور شیعہ اُس کے گرد جمع ہیں اور اُس کو اس کے بھائی امام حسن عسکریؑ کی تعزیت اور خود اُس کی امامت کی تہنیت دے رہے تھے میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر یہ شخص امام ہے تو امامت کی دوسری قسم ہوگئی۔ یہ فاسق کب امامت کی اہلیت رکھتا ہے۔ کیونکہ میں پہلے سے جانتا تھا کہ وہ شراب پیتا ہے۔ جو کھیتا ہے اور طنزور بجاتا تھا۔ الغرض میں اُس کے پاس گیا اور تعزیت اور تہنیت ادا کی۔ اُس نے مجھ سے کچھ نہ پوچھا۔ اسی اثناء میں عقید خادم باہر آیا اور جعفر سے کہا اسے تھکا بھائی کو کفن پہنا دیا گیا ہے آؤ اور ان پر نماز پڑھو۔ جعفر اٹھا اور تمام شیعہ اُس کے ساتھ ہوئے۔ جب ہم صحن میں پہنچے دیکھا کہ امام حسن عسکری علیہ السلام کو کفن کرنا ابوت میں رکھا ہے جعفر آگے کھڑا ہوا کہ اپنے برادر اطہر پر نماز پڑھے اور جب اُس نے چاہا کہ تکبیر کرے۔ ناگاہ ایک طفل جس کے گھونگریالے بال تھے۔ کشادہ دندان چاند کے کٹھے کے مانند آیا اور جعفر کو کھینچا اور کہا اے چچا پیچھے کھڑے ہو۔ کیونکہ میں اپنے پدر پر نماز پڑھنے کا زیادہ سزاوار ہوں۔ بیٹن کر جعفر کے پیچھے کھڑا ہوا اور اُس کے پھرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ وہ طفل آگے کھڑا ہوا اور اپنے

جناب حضرت صاحب الامرؑ نے اُس کے ہاتھ میں

پدر بزرگوار پر نماز پڑھی اور حضرت کو امام علی نقی علیہ السلام کے پہلو میں دفن کیا۔ پھر میری جانب متوجہ ہوا اور فرمایا کہ اے بصری خطوط کے جواب جو خیرے پاس میں آیا ہے تو اکر کر میں نے وہ خطوط سوائے کروئیے۔ پھر اپنے دل میں کہا کہ اس طفل سے دو علامتیں جو حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمائی تھیں ظاہر ہو گئیں ایک اور باقی ہے اور میں باہر آیا۔ حاجز اور شاہ نے حضرت سے اس لیے کہ اس پر حجت تمام کرے کہ وہ امام نہیں ہے کہا کہ وہ طفل کون ہے۔ جعفر نے کہا واللہ میں نے اس کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اور نہیں پہچانتا۔ اسی اثنا میں اہل قم کی ایک جماعت آئی اور امام حسن عسکری کو دریافت کیا معلوم ہوا کہ حضرت نے رحلت فرمائی تو پوچھا کہ امامت کس سے منتقل ہے۔ لوگوں نے جعفر کی طرف اشارہ کیا۔ یہ سن کر وہ لوگ جعفر کے پاس گئے اور تعزیت و تہنیت دے کر بولے کہ ہمارے پاس چند خط اور کچھ مال ہے بتائیے کہ وہ خطوط کس جماعت کے ہیں اور مال کس قدر ہے تاکہ میں آپ کے حوالے کروں۔ جعفر یہ سن کر اٹھا اور کہا لوگ مجھ سے علم غیب چاہتے ہیں۔ اسی اثنا میں حضرت صاحب الامر کا خادم باہر آیا اور کہا تمہارے پاس فلاں شخص اور فلاں فلاں کے خطوط ہیں۔ اور ایک مختلی ہے جس میں ہزار اشرفیاں ہیں اور ان میں دو اشرفیاں ہیں جو بیڑ سونا چڑھا ہوا ہے۔ یہ سن کر ان لوگوں نے وہ خطوط اور مال حضرت کے خادم کے حوالے کر دیا اور کہا جس بزرگ نے تم کو بھیجا ہے کہ یہ خطوط اور مال لے آؤ۔ وہی امام زمانہ ہے۔ امام حسن عسکری کی مراد اسی مختلی تھی جو آپ نے خادم کو اپنی وفات سے پہلے بتائی تھی۔ یہ حالات مشاہدہ کرنے کے بعد جعفر معتد کے پاس گیا جو اس زمانہ کا خلیفہ زمانہ تھا اور ان واقعات کا ذکر کیا۔ اس نے اپنے خدمت گاروں کو بھیجا انھوں نے حضرت امام حسن عسکری کی کینز صیقل کو گرفتار کیا کہ اس طفل کا پتہ بتائے۔ اس نے انکار کیا اور ان کا شکے رفع کرنے کے لیے کہا کہ میں امام حسن عسکری سے حاضر ہوں۔ اس سبب سے اس کو ابن ابی الشواب قاضی کے پیر دیا کہ جب اٹکا پیدا ہو تو اس کو مار ڈالے۔ ناگاہ عبداللہ بن محمد بن علی خلیفہ کا وزیر مر گیا اور صاحب الزنج نے بصرہ میں خروج کیا اور وہ لوگ اپنے حال میں الجھ گئے اور وہ کینز قاضی کے مکان سے اپنے مکان واپس آئی۔ اور شرح طوسی نے دوسری روایت کے مطابق رشیق سے روایت کی ہے کہ معتد خلیفہ نے آدمی بھیجے اور مجھے دوسرے دو افراد کے ساتھ طلب کیا۔ اور حکم دیا کہ ہم تینوں میں سے ہر ایک دو دو گھوڑے لیں۔ ایک پر سوار ہوں اور دوسرے کو خالی کھینچتے ہوئے سبکبار نہایت عجلت سے سامرہ بہائیں اور امام حسن عسکری کے مکان کا پتہ بتایا اور کہا گھر کے دروازہ پر پہنچو۔ ایک جھشی غلام اس دروازہ پر بیٹھا ہوگا۔ گھر کے اندر داخل ہو جانا اور جس کو اس مکان میں پاؤ اس کا سر میرے پاس لاؤ۔ رشیق راوی کہتا ہے کہ جب ہم حضرت کے

امام زمانہ کے عورات

معتد امام زمانہ کی گرفتاری کے لیے لوگوں کو بھیجا اور ان کا حکم واپس آنا

دروازے پر پہنچے۔ دلہیز پر ایک سیاہ غلام کو دیکھا کہ بیٹھا ہے اور پا جامہ کا بند ہاتھ میں لیے ہوتے ہے اور بن رہا ہے۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ اس گھر میں کون ہے، کہا اس کا مالک۔ اور پھر ہماری طرف متوجہ نہ ہوا۔ اور نہ ہماری کچھ پروا رکھی۔ ہم مکان میں داخل ہوئے۔ مکان نہایت پاکیزہ تھا اور مقابل میں ایک پردہ تھا جس سے بہتر ہم نے نہیں دیکھا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ابھی ابھی کاریگر کے ہاتھ سے بن کر آیا ہے۔ مکان کے اندر کوئی نہ تھا۔ ہم نے پردہ اٹھایا۔ بڑا حجرہ تھا۔ گویا ایک دریا پانی سے لہراتا ہوا اس حجرہ میں موجود ہے اور حجرہ کے آخر میں ایک شخص پانی پر ایک بوریا بچھائے ہوئے ہے اور اُس پر کھڑا ہے۔ بہتیت کے لحاظ سے نہایت خوبصورت و پاکیزہ۔ نماز میں مشغول ہے۔ اور ہماری جانب قطعی التفات نہیں کرتا۔ احمد بن عبد اللہ نے حجرہ میں قدم رکھا کہ داخل ہو۔ وہ پانی میں ڈوب گیا۔ اُس نے بہت بےقراری اور اضطراب کا اظہار کیا۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر اُس کو باہر نکالا۔ وہ بیہوش ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہوش میں آیا۔ پھر دوسرے رفیق نے داخل ہونے کا ارادہ کیا۔ اس کا بھی یہی حال ہوا۔ الغرض میں بہت حیران ہوا اور عذر خواہی کے لیے زبان کھولی۔ اور کہا کہ میں خدا سے اور آپ سے لے بارگاہِ خدا کے مقرب بزرگ معذرت چاہتا ہوں۔ خدا کی قسم میں نہیں جانتا تھا کہ کس کے پاس آتا ہوں اور حقیقت حال سے میں آگاہ نہ تھا۔ اب میں خدا سے توبہ کرتا ہوں کہ ایسی جرات نہ کروں گا۔ لیکن وہ کسی طرح میری باتوں کی جانب متوجہ نہ ہوا اور نماز میں مشغول رہا۔ ہمارے دلوں میں عظیم ہیبت طاری ہوئی اور ہم واپس آگئے۔ اور معتد ہمارا انتظار کر رہا تھا اور دربانوں سے کہہ رکھا تھا کہ جب ہم واپس آئیں تو ہم کو معتد کے پاس لے جائیں۔ ہم لوگ رات کو پہنچے۔ ملاقات کی اور تمام قصہ اُس سے بیان کیا۔ اُس نے پوچھا کہ مجھ سے پہلے کسی سے ملاقات کی یا کسی سے کچھ باتیں کیں؟ میں نے کہا نہیں۔ پھر بڑی بڑی قسمیں کھا کر کہا کہ اگر اس واقعہ کا ایک حرف بھی میں نے سنا کہ تم نے بیان کیا ہے تو یقیناً سب کی گردن مار دوں گا۔ اور ہم اس قصہ کو کسی کو نہیں بیان کر سکے لیکن اُس کے مرنے کے بعد بیان کیا۔

اور محمد بن یعقوب کلینی نے روایت کی ہے کہ خلیفہ عباسی کے لشکر کے ایک سپاہی نے بیان کیا کہ خلیفہ کا ایک سیاہ غلام سر میں راستے گیا میں اُس کے ہمراہ تھا۔ اُس نے امام حسن عسکری کا مکان حضرت کی وفات کے بعد توڑ ڈالا۔ حضرت صاحب الامر مکان سے باہر نکلے اور ایک تبرزین ہاتھ میں لیے ہوتے تھے اور سیاہ سے کہا کہ میرے گھر کے ساتھ کیا کرتا ہے یہاں کانپ

لے ایک قسم کا ہتھیار تیر کے مانند جس کا دستہ لوہے کا ہوتا ہے۔

گیا اور کہا جعفر کذاب کہتا تھا کہ آپ کے پدر کا کوئی فرزند نہیں رہا ہے۔ اگر گھر آپ کا ہے تو ہم واپس جاتے ہیں۔ آخر ہم اُس مکان سے نکل آئے۔ علی بن قیس راوی حدیث کتاب ہے کہ حضرت کے گھر کا ایک خادم باہر آیا میں نے اُس سے اُس حکایت کے بارے میں پوچھا جو اُس شخص نے بیان کیا کہ کیا سچ ہے۔ اُس نے کہا تم کو کس نے خبر دی۔ میں نے کہا خلیفہ کے لشکر کے ایک سپاہی نے۔ تو اس نے کہا کوئی خبر عالم میں پوشیدہ نہیں رہتی۔

شیخ ابن بابویہ اور دوسروں نے روایت کی ہے کہ احمد بن اسحاق جو امام حسن عسکری علیہ السلام کے وکیلوں میں سے تھے سعد بن عبداللہ کو جو ثقہ اصحاب میں سے ہیں اپنے ساتھ اُن حضرت کی خدمت میں لے گئے کیونکہ وہ چند مسائل حضرت سے دریافت کرنا چاہتے تھے سعد بن عبداللہ کا بیان ہے کہ جب ہم حضرت کے دروازہ پر پہنچے۔ احمد نے اپنے اور میرے لیے حاضر ہونے کی اجازت طلب کی اور داخل خانہ ہوئے۔ احمد اپنے ساتھ ایک تھیلی اپنے عبا کے دامن میں چھپاتے ہوئے تھے۔ اس تھیلی میں ایک لسو سا ٹھکانا چاندی اور سونے کے ٹکڑے تھے۔ ہر ٹکڑے کو حضرت کے شیعوں میں سے ایک ایک شیعہ نے مہر کر کے حضرت کی خدمت میں بھیجا تھا جب حضرت کی خدمت میں ہم پہنچے تو دیکھا کہ ایک طفل حضرت کی گود میں کمال حسن و جمال میں مثل ستارہ مندرجی بیٹھا تھا اور اس کے سر پر دو کاکل تھے اور حضرت کے نزدیک سونے کا ایک گیند انار کی شکل میں خوب صورت گینوں اور قیمتی جواہرات سے مرتب رکھا ہوا تھا۔ جس کو بصرہ کے ایک رئیس نے حضرت کے لیے بھیجا تھا اور حضرت کے ہاتھ میں ایک خط تھا جس کو گھر رہے تھے اور جب وہ طفل لکھنے میں مشغول ہوتا تو اس گیند کو پھینک دیتے تھے اور وہ پتھر اُس کے پیچھے دوڑ جاتا تھا اور حضرت خط لکھنے لگتے تھے جب احمد نے تھیلی کو کھولا اور حضرت کے پاس رکھا۔ حضرت نے اُس پتھر سے کہا کہ یہ تمہارے شیعہ کے ہدیے اور تحفے ہیں۔ ان کو کھولو اور صرف کرو۔ اُس طفل نے یعنی حضرت صاحب الامر علیہ السلام نے کہا اے میرے مولا جائز ہے کہ میں اپنا پاک و پاکیزہ ہاتھ حرام مالوں کی طرف بڑھاؤں۔ یہ سن کر حضرت حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا کہ اے پسر اسحاق تھیلی میں جو کچھ ہے ان کو باہر نکالو۔ تاکہ حضرت صاحب الامر حلال و حرام کو ایک دوسرے سے الگ کریں۔ احمد نے ایک تھیلی کو نکالا۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ فلاں شخص کی طرف سے ہے جو تم کے فلاں محل میں ہے اور باسٹھ اشرفیاں اس میں ہیں۔ سینتالیس اشرفیاں اُس چیز کی قیمت ہے جو اُس کو اُس کے باپ کے ورثہ میں ملی تھی۔ اُس نے اُس کو فروخت کر دیا اور چودہ اشرفیاں سات کپڑوں کی قیمت ہے جن کو فروخت کیا ہے۔ اور تین دینار وکان کا کرایہ ہے حضرت امام عسکری نے فرمایا لے

فرزند تم نے صحیح کہا۔ اب بتاؤ ان چیزوں میں کون سی چیز حرام ہے تاکہ اس کو نکال دیا جائے فرمایا کہ ان میں ایک اشرفی رے کے سکہ میں سے ہے جس کو فلاں تاریخ کو ڈھیلا ہے اور فلاں تاریخ اس پر نقش ہے جس پر سے نصف نقش مٹ گیا ہے اور ایک دینار قینچی سے کاٹا ہوا ہے اور ناقص ہے جو ڈیڑھ حصہ ہے اور اس تھیلی میں یہی دو دینار حرام ہیں، اس سبب سے کہ اس کے مالک کی فلاں سال فلاں مہینہ میں ایک جو لاپسے کے پاس ڈیڑھ من رستی تھی۔ اس کے پاس منڈوں پڑی رہی، اور چور اُس کو چیرا لے گیا۔ جب اُس مرد نے کہا کہ اس کو چور لے گیا تو اُس نے باور نہ کیا اور اُس سے تاوان میں اس سے زیادہ باریک رستی اتنے ہی وزن میں لی جیسی چور لے گیا۔ اُس کو بُنا اور فروخت کر دیا۔ یہ دونوں دینار اسی کپڑے کی قیمت میں سے ہے اور حرام ہے۔ جب احمد نے تھیلی کو کھولا اور وہ دونوں دینار انہی نشانوں کے ساتھ جو حضرت صاحب الامرؑ نے فرمایا تھا اُس میں سے نکلے۔ اُن کو احمد نے نکال لیا اور باقی حوالے کیا۔ پھر دوسری تھیلی نکالی۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ فلاں شخص کا مال ہے جو فلاں محلہ میں رہتا ہے۔ اس میں پچاس اشرفیاں ہیں اور میں ان کو نہ لوں گا۔ پوچھا کیوں؟ فرمایا کہ یہ اشرفیاں اُس گندم کی قیمت سے جو اس کے اور اُس کے کسانوں کے درمیان مشترک تھی۔ اس نے اپنا حصہ زیادہ وزن کر کے لیا اور اُن کا مال بھی اس میں ہے حضرت امام حسن عسکریؑ نے فرمایا کہ اے فرزند تم نے صحیح و درست کہا اور احمد سے کہا کہ ان تھیلیوں کو اٹھا لو اور اس کو وصیت کرو کہ اس کے مالوں کو پہنچا دے۔ کیونکہ ہم یہ نہیں چاہتے۔ یہ حرام ہیں۔ یہاں تک کہ تمام شخصوں میں اسی طرح امتیاز کیا۔ پھر جب محمد بن عبد اللہ نے چاہا کہ اپنے مسائل دریافت کرے تو امام عسکریؑ نے فرمایا کہ میرے نور چشم سے پوچھو جو چاہو اور حضرت صاحب الامرؑ کی طرف اشارہ کیا۔ احمد نے تمام مشکل مسائل دریافت کئے اور شافی جوابات سنے اور بعض سوالات جو اس کو فراموش ہو گئے تھے حضرت نے اجازت سے یاد دلانے اور جواب دیئے۔ یہ حدیث طولانی ہے میں نے اپنی تمام کتابوں میں درج کیا ہے۔

کلبنی و بابویہ وغیر ہم نے بسند ہائے معتبرہ غام ہندی سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں اپنے اصحاب کی ایک جماعت کے ساتھ کشمیر میں تھا جو ہند کے شہروں میں سے ہے ہماری تعداد چالیس افراد تھی۔ اُس ملک کے بادشاہ کی داہنی جانب ہم گریوں پر بیٹھے تھے اور ہم سب توریت و انجیل و زبور داؤد اور صحف ابراہیم علیہم السلام پڑھے ہوتے تھے اور لوگوں کے درمیان حکم کرتے تھے اور اُن کو اپنے دین پر آگاہ کرتے اور ان کے حلال و حرام پر فتوے دیتے تھے۔ بادشاہ اور اُس کے علاوہ سب لوگ ہم سے رجوع کرتے تھے۔ ایک روز ہم نے جناب

رسول خدا کا نام ذکر کیا اور کہا کہ کتابوں میں ان حضرت کا نام مذکور ہے اور ان کا معاملہ ہم پر مخفی ہے ہم پر واجب ہے کہ ان کے حالات معلوم کریں اور ان کے آثار کی جستجو و تحقیق کریں۔ ان حضرات کی یہ رائے قرار پائی کہ میں باہر نکلوں اور آنحضرت کے حالات ان کے لیے معلوم کروں پھر میں روانہ ہوا اور اپنے ساتھ بہت سا مال لیا۔ بارہ مہینے تک چلتا رہا تو کابل کے قریب پہنچا۔ ترکوں کی ایک جماعت ملی۔ ان لوگوں نے مجھے بہت مارا اور زخمی کیا اور تمام مال و اسباب میرا لوٹ لیا۔ حاکم کابل کو جب میرا حال معلوم ہوا تو اس نے شہر بلخ بھیج دیا۔ وہاں داؤد بن عباس حاکم تھا۔ جب میری خبر اس کو ملی کہ دین حق کی تلاش میں ہند سے آیا ہوں۔ فارسی زبان جانتا ہوں اور فقہیوں اور متکلمین سے مناظرہ و مباحثہ کرتا رہا ہوں تو اس نے مجھ کو مجلس میں طلب کیا اور فقہاء و علماء کو جمع کیا تاکہ مجھ سے گفتگو کریں۔ میں نے کہا کہ میں اپنے شہر سے نکلا ہوں کہ اس پیغمبر کے حالات کی تحقیق کروں جس کا نام اور صفیہ میں نے اپنی کتابوں میں پڑھی ہیں۔ ان لوگوں نے پوچھا کہ اس پیغمبر کا کیا نام ہے میں نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان لوگوں نے کہا وہ تو ہمارے پیغمبر ہیں جن کی تم تلاش کر رہے ہو۔ میں نے آنحضرت کے شرائع دینی ان سے دریافت کئے انھوں نے بیان کئے۔ میں نے ان سے کہا کہ میں جانتا ہوں کہ وہ پیغمبر ہیں۔ لیکن یہ نہیں جانتا کہ جن کو تم کہتے ہو وہی ہیں جن کو میں تلاش کرتا ہوں یا نہیں۔ بتاؤ وہ کہاں رہتے ہیں تاکہ ان سے ملوں اور ان علامتوں اور دلیلوں سے جو کتابوں میں پڑھی ہیں ان کو معلوم کروں۔ اگر وہی ہیں جن کو میں تلاش کرتا ہوں تو ایمان لالوں گا۔ ان لوگوں نے کہا وہ حضرت تو دنیا سے رحلت فرما گئے۔ میں نے کہا ان کے وصی اور خلیفہ کون ہیں کہا ابو بکر۔ میں نے کہا ان کا نام لویہ تو کنیت ہے۔ ان لوگوں نے کہا عبداللہ بن عثمان اور ان کا نسب قریش سے بتلایا۔ میں نے کہا اپنے پیغمبر کا نسب بیان کرو۔ کہا وہ بھی قریشی ہیں۔ میں نے کہا یہ وہ پیغمبر نہیں ہیں جن کی مجھے تلاش ہے۔ میں جس کی تلاش کرتا ہوں اس پیغمبر کا خلیفہ دین میں اس کا بھائی اور نسب میں اس کے چچا کا بیٹا ہے اور اس پیغمبر کی دختر کا شوہر ہے اور اس کے فرزندوں کا پدر ہے۔ اس پیغمبر کے روتے زمین پر اس مرد کے فرزندوں کے علاوہ کوئی فرزند نہیں ہے جو اس کا خلیفہ ہے۔ جب ان کے فقہاء نے یہ باتیں سنیں تو اچھل پڑے اور کہا اے امیر یہ شخص شرک سے نکل کر کفر میں داخل ہو گیا ہے اور اس کا قتل حلال ہے۔ میں نے کہا اے قوم۔ میں ایک دین رکھتا ہوں اور اس پر قائم ہوں اور اپنے دین سے علیحدہ نہیں ہوں گا۔ جب تک کہ اس سے زیادہ قوی دین نہ پاؤں جس پر ہوں۔ میں نے اس پیغمبر کے صفات ان کتابوں میں پڑھے ہیں جن کو خدا نے اپنے پیغمبروں پر نازل کی ہیں اور میں ہندوستان کے ایک شہر سے آیا ہوں اور اس جاہ و حشم سے

دست بردار ہوا ہوں جو وہاں رکھتا تھا صرف اُن پیغمبر کی تحقیق و جستجو میں۔ جب میں نے تحقیق کی تو تمہارے پیغمبر کو تمہارے بیان کے مطابق اُن علامات کے موافق نہ پایا جو میں نے خدا کی کتابوں میں پڑھا ہے۔ لہذا مجھے چھوڑ دو۔ اُس کی یہ باتیں سُن کر والی بلخ نے کسی کو بھیج کر حسین ابن السکیت کو بلایا جو اصحاب امام حسن عسکری علیہ السلام میں سے تھے اور کہا کہ اس مرد ہندی سے مباحثہ کرو۔ حسین نے کہا اصل کٹ اللہ (خدا تمہاری اصلاح کرے) تمہارے پاس ملتا وقتہا۔ ہیں اور مناظرہ میں وہ سب سے زیادہ بصیرت و علم رکھتے ہیں۔ والی بلخ نے کہا جس طرح میں کتابوں اسی طرح اُس سے مناظرہ کرو۔ اُس کو تنہائی میں لے جا کر اس کی خوب خاطر و مرارت کرو۔ وہ شخص کتاب ہے کہ حسین مجھ کو خلوت میں لے گئے اور اُس کے بعد جبکہ میں نے اپنے حالات اُن سے بیان کئے اور وہ میرے مطلب سے آگاہ ہوئے کہا کہ جس پیغمبر کی تم جستجو کرتے ہو وہی ہے جس کے بارے میں ان لوگوں نے تم سے بیان کیا ہے لیکن اُس کے خلیفہ کو غلط کہا ہے۔ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پسر عبد اللہ پسر عبد المطلب ہیں اور ان کے وصی علی بن ابی طالب بن عبد المطلب ہیں اور وہ مؤخر محمد کے شوہر ہیں۔ غلام کتاب ہے کہ میں نے کہا یہی ہیں جن کو میں تلاش کرتا ہوں۔ پھر میں داؤد والی بلخ کے مکان پر گیا اور کہا اے امیر جن کی مجھے تلاش تھی وہ مجھے مل گئے۔ وانا اشہدان لالہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ۔ پھر والی بلخ نے میرے ساتھ بہت میکی اور احسان کیا اور حسین کے متعلق کہا کہ اُس کا حال معلوم کرتے رہو۔ اور اُس سے باخبر رہو۔ میں اس کے گھر گیا اور اُس سے راہ و رسم پڑھائی اور جن مسائل کی ضرورت تھی مذہب شیعہ کے موافق نماز و روزہ اور تمام فرائض اُن سے معلوم کئے اور میں نے حسین سے کہا کہ ہم نے کتابوں میں پڑھا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) غلام المرسلین ہیں۔ ان کے بعد پیغمبری نہیں ہے اور ان کے بعد امامت اُن کے وصی و وارث اور خلیفہ ہیں اور علیؑ سے خلافت خدا اُن کی اولاد میں جاری رہے گی یہاں تک کہ دنیا ختم ہو۔ لہذا محمد کے وصی کے وصی کون ہیں کہا امام حسن ان کے بعد امام حسین۔ محمد کے دونوں فرزند ان کے بعد سب کو حضرت صاحب الزماںؑ تک شمار کیا۔ اور اُن حضرت کے غائب ہونے کا حال بیان کیا۔ یہ سُن کر میری ہمت پست ہو گئی اس سے کہ اُن حضرت کے ناجیہ مقدمہ کی تلاش کروں۔ شاید حضرت کی خدمت میں پہنچ سکوں۔ راوی کہتا ہے کہ پھر غلام تم آیا اور ہمارے اصحاب کے ساتھ ساتھ رہنے لگا۔ پھر وہ ہمارے اصحاب کے ساتھ بغداد گیا۔ اُس کا ایک ساتھی سندھی تھا جو تحقیق مذہب حق میں اُس کا رفیق تھا۔ غلام کہتے ہیں کہ مجھے اس کا اخلاق پسند نہ آیا اور میں اُس سے جدا ہو گیا اور بغداد سے سامرا گیا اور بنی عباس کی مسجد میں پہنچا۔ یہاں تک کہ عباسیہ قریہ میں وارد ہوا اور نماز پڑھی

بنا کہ ایک شخص کا واقعہ ہے کہ تالیف میں بقدر و غیرہ پیچھا کرتا ہوں امام زمانہ سے ملاقات کا شرف پاتا

پھر اُس امر میں غور کرنے لگا جس کے ماحصل کرنے کی کوششیں کر رہا ہوں۔ ناگاہ ایک شخص میرے پاس آیا اور کتام فلاں شخص ہو۔ اور مجھ کو اُس نام سے مخاطب کیا جو نام میرا ہندی میں تھا اور کوئی اُس سے آگاہ نہ تھا۔ میں نے کہا ہاں میں تو یہی ہوں۔ کہا تمہارے مولا تم کو طلب کرتے ہیں۔ چلو یہ سن کر میں اُس شخص کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ وہ مجھ کو غیر معروف راستوں سے لے گیا۔ یہاں تک کہ میں ایک مکان اور باغ میں داخل ہوا۔ میں نے دیکھا کہ میرے مولا بیٹھے ہیں اور مجھ سے ہندی زبان میں فرمایا کہ اے فلاں شخص خوب آتے۔ تمہارا مزاج کیسا ہے اور اُن کو کس طرح چھوڑا۔ یہاں تک کہ میرے چالیس ساتھیوں کا نام لیا جو میرے ہمراہ تھے۔ اور جو کچھ مجھ پر گزرا تھا سب کی خبر دی اور یہ تمام باتیں ہندی زبان میں کہیں اور فرمایا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ اہل قہر کے ساتھ حج کے لیے جاؤ۔ میں نے کہا ہاں اے میرے سید! فرمایا اس سال مت جاؤ۔ ان کے ساتھ واپس جاؤ اور آئندہ سال جانا۔ پھر مجھے روپیوں کی ایک تھیلی عطا فرمائی جو حضرتؑ کے پاس رکھی ہوئی تھی اور فرمایا کہ اس کو خرچ کرو۔ اور بغداد میں فلاں شخص کے مکان پر جاؤ اور اُس کو کسی بات سے آگاہ نہ کرنا۔

لاوی کہتا ہے کہ اُس کے بعد فاطمہ واپس ہوا اور حج کو نہ گیا اُس کے بعد قاصد آئے اور خبر لائے کہ حاجی اس سال عقبہ سے واپس آئے۔ تب سمجھا کہ حضرتؑ نے اسی واسطے اُس سال حج کو جانے سے منع فرمایا تھا۔ پھر وہ خراسان کی جانب چلا گیا اور دوسرے سال حج کے لیے گیا اور خراسان واپس ہوا اور ہمارے لیے ہدیہ خراسان سے بھیجا۔ پھر وہ ایک مدت تک خراسان میں رہا۔ یہاں تک کہ رحمتِ الہی سے واصل ہوا۔

قطب راوندی نے جعفر بن محمد بن قولیہ شیخ مفید کے استاد سے روایت کی ہے کہ جب قرامطہ یعنی اسماعیلیہ طہروں نے کعبہ کو خراب کیا اور حجر الاسود کو کوڑے لے جا کر مسجد کوفہ میں ۳۳۴ھ میں نصب کیا جو نصبت کبریٰ کا ابتدائی زمانہ تھا تو لوگوں نے چاہا کہ حجر الاسود کو کعبہ واپس لے جائیں اور اُس کی جگہ پر نصب کریں۔ میں نے حضرت صاحب الامرؑ کی ملاقات کی امید میں اُس سال حج کیا۔ کیونکہ اہل بیت صحیحہ میں وارد ہوا ہے کہ حجر کو معصوم و امام زمانہ کے سوا کوئی نہیں نصب کرتا۔ چنانچہ آنحضرتؑ کی بعثت سے پہلے جبکہ سیلاب نے کعبہ کو خراب کر دیا تھا اور جناب رسولؐ نے اس کو نصب کیا تھا اور اُس زمانہ میں جبکہ عبد اللہ بن زبیر کی موجودگی میں کعبہ کو طہروں نے خراب کیا تھا اور لوگوں نے چاہا کہ اُس کو بنائیں تو جس شخص نے حجر کو رکھا اُس کو لرزہ ہوا اور وہ قائم نہ رہا۔ یہاں تک کہ امام زین العابدینؑ نے اُس کو اُس کی جگہ پر رکھا تو وہ قائم ہوا۔ لہذا اُس سال میں حج کو روانہ ہوا۔ جب بغداد پہنچا۔ ایک سخت بیماری میں مبتلا ہو گیا اور جان سے ناامید ہوا، اور

حج کو نہ جا سکا تو ایک مرد شیعہ کو اپنا نائب مقرر کیا جس کو ابن ہشام کہتے تھے اور ایک عریضہ حضرتت کی خدمت میں لکھا اور مہر کی۔ اُس خط میں میں نے پوچھا تھا کہ میری عمر کتنے سال ہوگی اور اس مرض سے صحت پاؤں گا یا نہیں؟ اور ابن ہشام سے کہا کہ میرا یہ عریضہ اُس کو دینا جو حجر کو اپنی جگہ پر رکھے اور اُس کا جواب لینا۔ میں تم کو اسی کام کے لیے بھیجتا ہوں۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ جب میں مکہ معظمہ میں داخل ہوا تو کعبہ کے خادموں کو کچھ رقم دی کہ حجر نصب کرنے کے موقع پر میری مدد کریں تاکہ میں بخوبی دیکھ سکوں کہ کون حجر کو اس کی جگہ پر رکھتا ہے اور لوگوں کا ہجوم مجھے دیکھنے سے مانع نہ ہو۔ جب لوگوں نے چاہا کہ حجر کو اُس کی جگہ پر رکھیں اُن خادموں نے مجھے درمیان میں لے لیا اور میری حمایت کی۔ میں دیکھتا کہ جو شخص بھی حجر کو رکھتا تھا وہ حرکت کرتا اور قرار نہیں لیتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک جوان خوشرو اور اچھی خوشبو والا۔ اچھے بالوں والا گندمی رنگ ظاہر ہوا اور حجر کو لوگوں کے ہاتھ سے لے کر اُس کی جگہ پر نصب کیا۔ وہ درست کھڑا ہو گیا پھر حرکت نہ کی۔ یہ دیکھ کر لوگوں نے شور کیا اور آوازیں بلند کیں۔ وہ جوان روانہ ہو گیا اور مسجد سے باہر گیا اور میں نہایت تیزی سے اُس کے پیچھے روانہ ہوا۔ لوگوں کو داپہننے بائیں سے دور کرتا ہوا دوڑ رہا تھا۔ لوگوں نے گمان کیا کہ میں دیوانہ ہو گیا ہوں۔ میں اُس جوان کی طرف سے نظر نہیں ہٹاتا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ غائب ہو جائے۔ جب وہ لوگوں کے ہجوم سے نکل گیا تو نہایت آہستہ و اطمینان سے چلنے لگا۔ میں جس قدر دوڑتا تھا اُس کے پاس نہیں پہنچتا تھا۔ جب میں ایسی جگہ پہنچا جہاں سوائے میرے اور اُس کے کوئی نہ تھا تو وہ مرد کھڑا ہو گیا۔ اور میری طرف متوجہ ہوا اور کہا جو کچھ تمہارے پاس ہے مجھے دو۔ میں نے وہ خط اُس کے ہاتھ میں دیا۔ اُس نے اُس کو کھول کر نہیں پڑھا۔ اور فرمایا کہ اُس سے کہہ دو کہ تم کو اس بیماری میں کوئی خطرہ نہیں ہے تم کو صحت ہوگی اور تمہاری اجل محتوم تیس سال بعد آئے گی جب میں نے یہ حال مشاہدہ کیا اور اُس کے کلام مجبوز نظام کو سنا۔ خوف عظیم مجھ پر غالب ہوا۔ اس حد تک کہ میں حرکت نہ کر سکا۔ جب یہ خبر ابن تولویہ کو پہنچی تو اُن کا یقین اور زیادہ بڑھ گیا اور وہ زندہ رہے۔ یہاں تک کہ ۳۶۷ ھ میں محمودی بیماری عارض ہوئی۔ اُنھوں نے وصیت کی اور کفن و حنوط اور سفر آخرت کے ضروریات نمٹا کئے۔ اور ان امور میں بہت اہتمام کرتے تھے۔ لوگ اُن سے کہتے تھے کہ کوئی ایسا سخت مرض نہیں ہے آپ اس قدر اضطراب اور عجلت کیوں کرتے ہیں۔ اُنھوں نے کہا یہ تو ہی سال ہے جس کا وعدہ میرے مولا نے فرمایا تھا۔ آخر اُنھوں نے اسی مرض میں بہشت کی منزل میں انتقال کیا الحمد للہ بسوالیہ الاطہار فی دارالقرار (خدا نے اُن کو ان کے پیشوایان اطہار سے دارالقرار میں ملحق فرمایا)۔

اور سید علی بن طاووس نے نقل کیا ہے کہ میں سامرہ میں تھا۔ تیرہویں شب ماہ ذی القعدہ الحرام
۶۳۷ھ صبح کو حضرت کی آواز میں نے سُنی جو زندہ اور مُردہ شیعوں کے لیے دُعا کرتے تھے۔ مغلان
کے فرماتے تھے کہ ان کو ہماری عبرت، ہماری بادشاہی، ہماری ملک و حکومت میں زندہ کرنا
یا باقی رکھنا اور شیخ ابن بابویہ نے احمد بن فارس سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں شہر مدائن
میں وارد ہوا۔ سب کو سُنی پایا سوائے ایک محلہ کے جس کے باشندوں کو یہی لاشد کہتے تھے۔
وہ لوگ شیعہ امامی مذہب تھے۔ میں نے ان کے شیعہ کا سبب ان کے ایک مرد پیر سے دریافت
کیا جس کے چہرے سے صلاح و دیانت کے آثار نمایاں تھے۔ اُس نے جواب دیا کہ ہمارے
شیعہ ہونے کا یہ سبب ہے کہ ہمارے جدِ اعلیٰ جن کی طرف ہم منسوب ہیں حج کو گئے تھے
انھوں نے بیان کیا کہ میں واپسی میں پیادہ آ رہا تھا۔ چند منزلیں طے کی تھیں کہ ایک جنگل میں
پہنچا۔ قافلہ کی ابتداء میں سو گیا کہ جب قافلہ کے آخری لوگ پہنچیں گے تو بیدار ہو جاؤں گا جب
میں سویا تو بیدار نہ ہوا۔ یہاں تک کہ آفتاب کی گرمی سے میں بیدار ہوا۔ قافلہ گزر چکا تھا اور
راستہ ظاہر نہ تھا تو کل بخدا روانہ ہوا۔ تھوڑا راستہ طے کیا تھا کہ ایک سرسبز شاو آب اور گل
لالہ سے بھرے ہوئے صحرا میں پہنچا کہ میں نے کبھی ایسا مقام نہیں دیکھا تھا۔ جب اُس باغ
میں داخل ہوا تو قصر عالی نظر آیا۔ اس کی طرف روانہ ہوا۔ جب قصر کے دروازے پر پہنچا میں
نے دیکھا کہ دو خادم سفید پوش بیٹھے ہیں۔ میں نے سلام کیا انھوں نے بطریق احسن جواب دیا
اور کہا کہ بیٹھو خدا نے تم کو خیر عظیم دینا چاہا ہے۔ اس لیے تم کو اس مقام پر لایا ہے پھر ان
میں سے ایک خادم قصر میں داخل ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد واپس آیا اور کہا اٹھو اور داخل ہو۔
جب میں اُس قصر میں داخل ہوا تو ایسا قصر دیکھا کہ ہرگز اس شان و عجبی کا قصر نہیں دیکھا تھا۔
خادم آگے گیا دروازہ کے اوپر جو پردہ لٹک رہا تھا اس کو اٹھایا اور کہا اندر جاؤ میں اندر
گیا تو وہاں ایک جوان کو دیکھا جو مکان کے دریاں میں بیٹھا ہے اور ایک طویل شمشیر اُس کے سر
کے قریب چھت سے لٹکی ہوئی ہے۔ نزدیک ہے کہ اُس کا سر شمشیر کے سر سے ٹکرا جائے
وہ جوان ایک چاند کے مانند تھا جو تاریکی میں چمک رہا تھا۔ میں نے سلام کیا۔ اُن جوان نے
نہایت مہربانی اور شیریں زبانی کے ساتھ جواب دیا اور کہا جانتے ہو میں کون ہوں۔ میں نے کہا
نہیں، خدا کی قسم فرمایا میں قائم آل محمد ہوں۔ میں وہ ہوں کہ آخر زمانہ میں اسی شمشیر کے ساتھ
خروج کروں گا۔ اور اس شمشیر کی طرف اشارہ کیا اور زمین کو سچائی عدل اور انصاف سے بھر
دوں گا۔ اُس کے بعد جبکہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔ یہ زمین کہیں مُسکے بل گر پڑا اور چہرہ خاک پر ملا۔
فرمایا ایسا مت کرو۔ سر اٹھاؤ۔ تم اہل مدینہ سے فلاں شخص اُس پہاڑی شہر کے ہو جس کو سہلان کہتے

ہیں۔ میں نے کہا ہاں۔ آپ نے سچ کہا اے میرے آقا و مولا۔ فرمایا کیا تم اپنے اہل و عیال کے پاس جانا چاہتے ہو۔ میں نے عرض کی ہاں اے میرے سید۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنے اہل کی جانب جاؤں اور اس سعادت کی ان کو خوشخبری دوں، جو مجھے نصیب ہوئی ہے۔ یہ سن کر حضرت نے خادم کی جانب اشارہ کیا۔ اُس نے میرا ہاتھ پکڑا اور روپیوں کی ایک تھیلی مجھے دی۔ پھر مجھے باغ سے باہر لایا اور میرے ساتھ روانہ ہوا۔ تھوڑا راستہ طے کیا تھا کہ عمارتیں، درخت، مسجد کے مینارے ظاہر ہوئے۔ خادم نے مجھ سے کہا کہ کیا تم اس شہر کو پہچانتے ہو۔ میں نے کہا کہ ہمارے شہر کے پاس ایک شہر ہے جس کو اسد آباد کہتے ہیں۔ اُس وقت کہا چلے جاؤ، نیکی اور بہتری کے ساتھ یہ کہا اور غائب ہو گیا، اور میں اسد آباد میں داخل ہوا۔ تھیلی میں چالیس یا پچاس اشرفیاں تھیں۔ پھر میں ہمدان پہنچا اور اپنے عزیز اور رشتہ داروں کو جمع کیا اور ان سعادتوں کی خوشخبری دی جو خدائے تعالیٰ نے مجھے میسر فرمائی تھیں اور ہم ان اشرفیوں کے سبب سے ہمیشہ بھلائی اور نعمتوں میں ہیں اور وہ اشرفیاں ہمارے پاس ہیں۔

شیخ طوسی و طبرسی وغیرہم نے بسند ہائے صحیح محمد بن ابراہیم بن ہزبار سے اور بعض نے علی بن ابراہیم بن ہزبار سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے اس نیت سے بیس حج کئے کہ شاید حضرت صاحب الامر کی خدمت میں پہنچ جاؤں لیکن حضرت کی زیارت میسر نہ ہوئی۔ ایک رات اپنے بستر پر سویا ہوا تھا اور ایک آواز سننی کہ کوئی کہتا ہے کہ لے فرزند ہزبار اس سال حج کے لیے آؤ تو اپنے امام زمانہ کی خدمت میں باریاب ہو گے۔ یہ خواب دیکھ کر میں نہایت عرش و مسرور بیدار ہوا اور برابر مشغول عبادت رہا یہاں تک کہ صبح طلوع ہوئی اور رفیق تلاش کرنے باہر نکلا اور چند رفتار تیار ہوئے اور ہم سب روانہ ہوئے اور کو فر پہنچے۔ بہت تلاش کیا لیکن ان حضرت کی کوئی خبر و اطلاع نہ ملی۔ وہاں سے اپنے ہاں کے ساتھ روانہ ہو کر مدینہ طیبہ پہنچے اور وہاں حضرت کو بہت تلاش کیا۔ مگر کچھ خبر نہیں ملی۔ پھر میں مکہ معظمہ روانہ ہوا۔ اور بہت جستجو کی اور امید و ناامیدی کے عالم میں متروک اور فکر تھا یہاں تک کہ ایک رات مسجد الحرام میں انتظار کر رہا تھا کہ تنہائی ہو تو میں طواف میں مشغول ہوں اور تضرع و زاری کے ساتھ خدائے لایزال سے سوال کروں کہ کعبہ میں میرے مقصود کی جانب میری رہنمائی فرمائے۔ جب خلوت ہوئی تو میں طواف میں مشغول ہوا۔ ناگاہ اشنائے طواف میں ایک جوان خوشرو کو دیکھا جو خوشبو سے معطر اور مہنی چادر اوڑھے ہوئے ایک کمر میں دوسرے کاندھے پر اور اس کا ایک ہاتھ ادا بیت منی چادر کا پٹکا کمر میں باندھے ہوئے تھا۔ دوسری چادر کا ایک سر ایک دوش پر اور دوسرا دوسرے دوش پر ڈالے ہوئے تھا۔ جب میں ان کے پاس پہنچا تو وہ میری جانب مخاطب ہوئے اور کہا تم کس شہر کے رہنے

مخبر از امام حسین و سنی صاحب الامر سے ملاقات

والے ہو۔ میں نے کہا اہواز کا باشندہ ہوں تو فرمایا کہ ابن الخضیب کو پہچانتے ہو۔ میں نے کہا
 وہ تو رحمت الہی سے واصل ہوئے۔ کہا خدا ان پر رحمت نازل کرے۔ وہ دنوں کو روزہ لکھتے
 تھے اور راتوں کو عبادت میں کھڑے رہتے اور قرآن کی تلاوت بہت کرتے تھے اور ہمارے
 شیعوں اور مجتہدوں میں سے تھے۔ پھر کاتم علی بن ہزبار کو پہچانتے ہو۔ میں نے کہا وہ میں ہی ہوں
 تو فرمایا خوب آئے اے ابوالحسن اور کہا کہ وہ نشانی تم نے کیا کی جو ان کے اور حضرت امام حسن
 عسکری علیہ السلام کے درمیان تھی۔ میں نے کہا وہ میرے پاس ہے، فرمایا نکالو۔ یہ سن کر میں نے
 ایک انگشتری نکالی جس پر محمد اور علی نقش کیا گیا تھا۔ دوسری روایت کے مطابق یا اللہ یا محمد
 اور یا علی نقش تھا۔ جب اس پر ان کی نگاہ پڑی اس قدر روئے کہ ان کے کپڑے تر ہو گئے
 پھر فرمایا کہ خدا تم پر رحمت نازل کرے۔ اے ابو محمد تم امام عادل تھے اور اماموں کے فرزند
 اور اماموں کے پدر تھے حق تعالیٰ تم کو فردوس اعلیٰ میں تمہارے آباء و اجداد کے ساتھ ساکن کرے۔
 پھر کماج کے بعد گیا ارادہ رکھتے ہو۔ میں نے کہا فرزند امام حسن عسکری کو تلاش کرتا ہوں، فرمایا
 تم اپنے مقصد کو پہنچے ہو۔ انھوں نے مجھ کو تمہارے پاس بھیجا ہے۔ اپنی قیام گاہ پر جاؤ
 اور سفر کی تیاری کرو۔ اور اس راز کو پوشیدہ رکھنا۔ جب رات کا تین حصہ گزر جائے بنی عامر
 کے درہ کی جانب آؤ تو اپنے مقصد میں کامیاب ہو گے۔ ابن ہزبار کہتے ہیں کہ میں اپنے مکان
 واپس آیا اور اسی فکر میں تھا یہاں تک کہ تین حصہ رات کا گذرا اور میں سوار ہوا اور درہ کی جانب
 روانہ ہوا۔ جب وہاں پہنچا اس جوان کو دیکھا۔ جب اس نے مجھے دیکھا کاتم خوب آئے اور تمہارا
 کیا کہنا ہے کہ تم کو حاضری کی اجازت مل گئی۔ الغرض میں اس کے ہمراہ روانہ ہوا۔ یہاں تک
 کہ منی اور عرفات سے گزر کر ہم دونوں طائف کے عقبہ کے نیچے پہنچے تو اس نے مجھ سے کہا
 کہ پیدل ہو جاؤ اور نماز کے لیے تیار ہو جاؤ۔ میں نے اس کے ساتھ نافذ شب ادا کی۔ پھر
 صبح ہو گئی۔ اس نے صبح کی نماز مختصر پڑھی اور سلام پڑھا۔ اور نماز کے بعد سجدہ میں گیا اور
 خاک پر مینہ مل کر سوار ہوا۔ میں بھی سوار ہوا یہاں تک کہ درہ کے اوپر ہم پہنچے۔ اس نے کہا
 ٹیلے کے اوپر دیکھو ایک چیز دکھیو گے۔ جب میں نے دیکھا تو بالوں کا بنا ہوا ایک خیمہ نظر آیا۔
 جس کے ٹوڑنے تمام آسمان اور اس وادی کو روشن کر رکھا تھا۔ اس جوان نے کہا آرزوں
 کی منتی اسی جگہ ہے۔ تمہاری آنکھیں روشن ہوں۔ جب عقبہ سے ہم باہر نکلے تو کہا کہ سواری
 سے اتر آؤ۔ کیونکہ اس جگہ ہر بلندی پست ہو جاتی ہے۔ جب میں سواری سے اتر تو کہا کہ
 اونٹ کی ہمار ہاتھ سے چھوڑ دو اور اس کو رہا کر دو۔ میں نے کہا کہ ناقہ میں کہاں چھوڑوں
 تو کہا کہ یہ وہ حرم ہے جس میں سوائے ولی خدا کے کوئی داخل نہیں ہوتا اور اس سے باہر نہیں

آتا مگر ولی خدا۔ مختصر یہ کہ میں اُن کی خدمت میں چلا یہاں تک کہ خمیرہ مطہرہ و متورہ کے نزدیک پہنچا۔ اُس جوان نے کہا یہاں ٹھہرو میں تمہارے لیے اجازت لے لوں۔ وہ یہ کہہ کر گیا اور تھوڑی دیر کے بعد خمیرہ کے باہر آیا اور کہا تمہاری خوش قسمتی کا کیا کہنا تم کو اجازت مل گئی۔ میں اندر گیا تو دیکھا کہ وہ حضرت ایک نمدے پر بیٹھے ہیں اور ایک سرخ کپڑا نمدے کے اوپر پڑا ہوا ہے اور کھال کے ایک ٹیکہ پر سہارا کئے ہوئے ہیں۔ میں نے سلام کیا حضرت نے میرے سلام سے بہتر جواب سلام دیا۔ میں نے حضرت کا چہرہ دیکھا جیسے چودھویں رات کا چاند۔ غصہ اور نادانی سے بُترا، نہ بہت لانا بہت چھوٹا، کشادہ پیشانی۔ باریک کشیدہ ابرو ایک دوسرے سے ملے ہوئے۔ آنکھیں سیاہ کشادہ۔ ناک کچی ہوئی۔ رخسارے ہموار جن میں سبزہ بھی نہ نکلا تھا۔ نہایت زیبا اور حسن و جمال سے بھرپور۔ دلہنے رخسار پر ایک تل جیسے چاندی کے صفحہ پر ہشک کا نقطہ ہو۔ سہرا قدس پر عنبر کی خوشبو رکھنے والے سیاہ بال کان کی لٹکے نزدیک لٹکے ہوئے۔ آپ کی نورانی پیشانی سے نور چمک رہا تھا جیسے چمکتا ہوا ستارہ۔ نہایت سکینہ و وقار کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ حضرت نے شیعوں کے حالات ایک ایک کر کے مجھ سے پوچھے۔ میں نے عرض کیا کہ وہ مجبور و بے بس بنی عباس کی حکومت میں نہایت تکلیف و اذیت اور ذلت و خواری کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں۔ فرمایا کہ ایک روز آئے گا کہ تم ان کے مالک ہو گے اور وہ تمہارے قبضہ میں ذلیل ہوں گے پھر فرمایا کہ میرے پدر بزرگوار نے مجھ سے عہد لیا ہے کہ میں زمین پر اُس جگہ رہوں جو آبادی سے زیادہ پوشیدہ اور بہت دُور ہو یہاں تک کہ گمراہوں جاہل سرکشوں کے مکر و فریب سے بالکل علیحدہ رہوں تاکہ خداوند عالم اجازت دے کہ میں ظاہر ہوں۔ میرے پدر بزرگوار نے مجھ سے فرمایا کہ اے فرزند خدا تے تعالیٰ شہروں کے رہنے والوں اور بندوں کے تمام طبقوں کو کسی حجت اور امام سے خالی نہیں چھوڑتا تاکہ لوگ اس کی پیروی کریں اور اُس کے ذریعہ سے خدا کی حجت اخلق پر تمام ہو۔ اے فرزند گرامی! تم وہ ہو جس کو خدا نے نشر و اشاعت حق اور باطل اور دین کے دشمنوں کو مٹانے اور گمراہوں کی آگ کو بجھانے کے لیے ہتیا کیا ہے۔ لہذا زمین کے پوشیدہ مقامات میں رہنا اور ظالموں کے شہروں سے دُور قیام کرنا تم کو تنہائی سے وحشت نہ ہوگی۔ یاد رکھو اہل طاعت و اخلاص کے قلوب تمہاری طرف مائل ہوں گے جس طرح طیبور اپنے آشیانوں کی جانب پرواز کرتے ہیں۔ (ہمارے شیعہ) ایسے چند گروہ ہیں جو بظاہر مخالفتوں کے تسلط کے سبب ذلیل ہوں گے۔ لیکن خداوند عالم کے نزدیک گرامی اور عزیز ہوں گے۔ وہ اہل قناعت ہیں اور اہلیت کے دامن سے متمسک ہیں۔ انہی کی پیروی

کرنے والے اور دین میں انہی کے آثار سے استنباط کرنے والے ہیں اور دلیل و برہان سے اعدائے دین سے جہاد کرتے ہیں۔ خدا نے ان کو مخصوص کیا ہے اس کے ساتھ کہ صبر کریں۔ اور مخالفین دین سے تکلیفیں اور اذیتیں برداشت کریں یہاں تک کہ دار قرار (آخرت) میں بھیگی کی عزت پر فائز ہوں۔ اے فرزند! اپنے معاملات کے واقع ہونے اور اقدار پر صبر کرو یہاں تک کہ حق تعالیٰ تمہاری حکومت و سلطنت ظاہر کرے اور زور و مفید علم عظیم (دیوار کعبہ جو رکن و زمزم کے درمیان ہے) اور زمزم کے درمیان تمہارے سر پر لہرائیں اور اہل انجلاں اور قرب و جوار کے لوگ جو حق و جوق جہر الاسود کے نزدیک تمہاری طرف آئیں اور تم سے جہر الاسود کے گرد بیعت کریں۔ وہ ایسے لوگ ہوں گے جن کی طینت نفاق کی آلودگی سے پاک ہوگی اور ان کے دل شقاوت کی نجاست سے پاکیزہ ہوں گے اور ان کی طبیعتیں قبول دین کے لیے نرم ہوں گی۔ وہ گراہوں کے غمتوں کو دفع کرنے پر مستط ہوں گے۔ اُس وقت ملت و دین کے گلزار بار آور ہوں گے اور حق کی صبح روشن ہوگی۔ اور تمہارے ذریعے سے خداوند عالم ظلم و سرکشی و فسادات زمین سے مٹائے گا اور امن و امان کی مسرت دنیا میں چاروں طرف ظاہر ہوگی اور بھاگے ہوئے شرائع دین کے طیور اپنے آشیانوں میں واپس آئیں گے اور فتح و ظفر کی بارش ملت کے باغوں کو سرسبز و شاداب کرے گی۔ اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ اس وقت جو کچھ گفتگو ہوئی، چاہیے کہ اس کو پوشیدہ رکھو اور اظہار نہ کرو مگر ان لوگوں پر جو سچے اور صاف دل اور امانت دار اور وفادار ہوں۔ ابن ہزیرا کہتے ہیں کہ میں چند روز آنحضرت کی خدمت میں مقیم رہا اور اپنے مشکل مسائل اُن جناب سے حل کرتا رہا۔ پھر مجھ کو رخصت کیا تاکہ اپنے اہل و عیال کے پاس جاؤں اور رخصت کے روز میرے پاس پچاس ہزار درم تھے۔ اُن حضرت کی خدمت میں لے گیا اور التماس کیا کہ ایسے قبول فرمائیں حضرت مشکرائے اور فرمایا کہ وطن جانے میں اس رقم کو کام میں لاؤ کیونکہ مسرت بہت زیادہ ہے اور دور و دراز کا سفر تم کو درپیش ہے۔ پھر حضرت نے میرے حق میں بہت دُعائیں کیں۔ اس قسم کی حکایتیں اور خبریں بہت ہیں جن کے ذکر کی اس رسالہ میں گنجائش نہیں ہے۔ ابن بابویہ نے محمد بن ابی عبد اللہ کوفی سے روایت کی ہے کہ اُنھوں نے اس جماعت کی تعداد شمار کی ہے جو اُن حضرت کی خدمت میں باریاب ہوتے ہیں اور اُن پر حضرت کے بھجرات ظاہر ہوتے ہیں جیسے آپ کے دکلاہ اور اُن کے علاوہ۔ اور وہ یہ لوگ ہیں۔

عثمان بن سعید عمروی اُن کے لڑکے محمد بن ابی بلالی اور عطار اور کوفہ کے عاصمی اور ابوہاز کے محمد بن ابراہیم بن ہزیرا۔ اور رقم کے احمد بن اسحاق اور ہمدان کے محمد بن صالح۔ اُسے کے

یسامی اور محمد بن ابی عبد اللہ اسدی آذربائیجان کے قاسم بن عکلا نیشاپور کے محمد بن شاذان۔ یہ تمام اشخاص حضرت کے وکلاء تھے بغیر وکلاء میں سے حابس اور ابو عبد اللہ کندی اور ابو عبد اللہ حنفی اور ہارون فراز ویلی۔ ابو القاسم بن دینس و ابو عبد اللہ ابن فروخ و مسرور سباح آزاد کردہ امام علی نقی علیہ السلام اور احمد بن حسن اور ان کے بھائی محمد و اسحاق نو بخت کے کاتب اور چٹھوں کے لباس والے اور سر مہر تھیلی والے اور حمدان کے محمد بن کشمور اور جعفر بن حمدان و محمد بن حمدان و محمد بن ہارون بن عمران۔ دینور کے حسن بن ہارون اور احمد ان کے بھائی کے لڑکے۔ اور ابو الحسن اور اصفہان کے ابن بادشاہ اور ضمیرہ کے زیدان۔ قم کے حسن بن نصر اور محمد بن محمد و علی بن محمد بن اسحاق اور ان کے پدر اور حسن بن یعقوب۔ اہل رے میں سے قاسم بن موسیٰ اور ان کے فرزند اور ابو محمد بن ہارون اور صاحب سنگہ یزہ اور علی بن محمد بن محمد بنی اور ابو جعفر رفوگر۔ قزوین کے مرواس و علی بن احمد۔ اور فارس کے دو اشخاص اور شہر زور کے پسر خالوید۔ فارس کے مجروح۔ مرو کے ہزار دینار صاحب مال و رقعہ سفید اور ابو ثابت اور نیشاپور کے محمد بن شعیب بن صالح۔ مین کے فضل بن یزید اور حسن ان کے لڑکے و جعفری و ابن الاعرجی و شمشاطی اور مصر کے صاحب مولودین اور صاحب بکۃ اور ابو جابہ نصیبین کے محمد بن و خبا اور ابو ہواز کے حضمینی اور وہ لوگ جو کتب معجزات میں مذکور ہیں ستر اشخاص سے زیادہ ہوتے ہیں اور جو خبر جو اس عدد میں مختلف جماعتوں سے نقل کرتے ہیں بیشک معنی میں متواتر ہوتی ہیں۔

شیخ ابن بابویہ نے بسند معتبر حضرت صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ ہمارے قائم کی ایسی غیبت ہوگی جو بہت طویل ہوگی۔ میں نے عرض کی یا بن رسول اللہ کیوں ایسی طویل غیبت ہوگی۔ فرمایا حق تعالیٰ پیغمبروں کی سنت ان کی غیبتوں میں بلاشبہ اس اُمت میں جاری کرے گا اور لازم ہے کہ حضرت تمام غیبتوں کی مدت کو پورا کریں۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔
لَتَكُنَّ طَبَقًا عَن طَبَقٍ (یعنی اگلے (پیغمبروں) کی سنتوں کے مرکب ہوں گے۔ جس طرح واقع ہوتی ہیں۔

ایضاً عبد اللہ بن افضل سے روایت کی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ یقیناً صاحب الامر کے لیے غیبت ہوگی جس میں ہر مسست ایمان شخص شک کرے گا۔ میں نے عرض کی کیوں؟ فرمایا ہم کو اجازت نہیں ہے کہ ہم اس کی وجہ بیان کریں۔ میں نے عرض کی ان حضرت کی غیبت میں کیا حکمت ہوگی۔ فرمایا وہی حکمت جو سابق پیغمبروں اور ان کے صحابہ کی غیبت میں تھی اور وہ حکمت معلوم نہیں ہوتی۔ مگر ان حضرت کے ظہور کے بعد جس طرح حضرت

حضرت نے کشتی میں سُورِ اِخْرَاج کرنے کی حکمت نہیں بیان کی اور نہ لوط کے کو مار ڈالنے کی اور نہ دیوار درست کرنے کی۔ لیکن ایک دوسرے (حضرت موسیٰ) سے جدا ہونے کے بعد۔ اسے فضل یہ خدا کے امور عجائب و غرائب میں سے ایک امر ہے اور خدا کے لایوں میں سے ایک لازمی ہے اور خدا کے غیب میں سے ایک غیب ہے۔ اور جب ہم نے جانا کہ خداوندِ عالم حکیم ہے تو چاہیے کہ ہم تصدیق کریں کہ اس کے تمام افعال حکمت پر مبنی ہیں اگرچہ ان کی وجہ ہم کو معلوم نہ ہو۔ اور کلینی نے روایت کی ہے کہ اسحاق بن یعقوب نے حضرت صاحب الامر کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا اور محمد بن عثمان کے ذریعہ بھیجا اور غیبت کی وجہ دریافت کی اور یہ کیفیت کے سبب سے لوگوں کو صاحب غیبت سے کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے حضرت نے جواب میں لکھا کہ غیبت کے بارے میں تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ یا ایہا الذین امنوا لا تستملوا عن اشیاء ان تبدلکم تسوکم۔ یعنی اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ایسی چیزوں کے بارے میں مت سوال کیا کرو جو اگر ظاہر ہو تو آزرده ہو جاؤ۔ بیشک ہمارے آباؤ اجداد میں سے کوئی نہ تھا مگر یہ کہ خلیفہِ ظالم کی بیعت جو اس کے زمانہ میں تھا اس کی گردن میں واقع ہوئی اور میں جبکہ ظاہر ہوں گا تو کسی ظالم و غاصبِ خلافت کی بیعت میری گردن میں نہ ہوگی اور یہ جو غیبت میں لوگوں کو مجھ سے نفع پہنچنے کا تم نے سوال کیا تو یہ غیبت آفتاب کے مانند ہے جبکہ ابرائیم کو چھپا لیتا اور غائب کر دیتا ہے۔ بیشک میں اہل زمین کے لیے امان ہوں جس طرح ستارے اہل آسمان کے لیے امان ہیں۔ لہذا ان چیزوں کے بارے میں سوالات سے باز آؤ۔ جس سے تم کو کچھ فائدہ نہ ہو اور ایسی چیزوں کے جاننے کی تکلیف نہ کرو جس کے جاننے کی تکلیف تم کو نہیں دی گئی ہے اور دُعا کرو کہ خدا ہم کو جلد کشائش کرامت فرمائے کیونکہ اس میں تمہاری کشائش اور بھلائی ہے۔ اور تم پر اور ہر اس شخص پر سلام ہو جو حق کی پیروی کرے۔

ابن بابویہ نے بسند معتبر جابر انصاری سے روایت کی ہے کہ انھوں نے جناب رسول خدا سے سوال کیا کہ کیا حضرت قائم کی غیبت میں اُن حضرت کے شیعہ فائدہ اٹھائیں گے حضرت نے فرمایا کیوں نہیں؟ اسی کی قسم جس نے مجھے پیغمبری کے ساتھ بھیجا ہے کہ اُن سے منتفع ہوں گے اور ان کی غیبت میں اُن کے انور ولایت سے روشنی حاصل کریں گے۔ جس طرح لوگ آفتاب سے فائدہ پاتے ہیں۔ ہر چند ابرائیم کو چھپائے ہوئے ہوئے۔

لہ مؤلف فرماتے ہیں کہ زیر آفتاب کی تشبیہ سے چند چیزوں کی طرف اشارہ ہے۔
(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) ۱۔ معتبر حدیثوں اور خبروں کی دلیلوں سے فوراً وجود و علم و ہدایت اور تمام فیوض و کمالات اور بھلائیاں آپ کی برکت سے خلق کو پہنچتی ہیں اور آپ ہی کی برکت و شفاعت اور وسیلہ سے حقائق و معانی شیعویں پر ظاہر ہوتے ہیں اور ان سے فتنے اور فسادات رفع ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے وما کان اللہ لیعذبہم و انت فیہم (خداوند عالم ان کو عذاب میں نہیں مبتلا کرے گا۔ جب تک (اے رسول) تم ان کے درمیان ہو) اور خاصہ و عامہ نے رسول خدا سے روایت کی ہے کہ میرے اہلیت اہل زمین کے لیے باعث امان ہیں۔ جس طرح ستارے اہل آسمان کے لیے سبب امان ہیں اور وہ شخص جس کے دل کی آنکھیں ذرا بھی نور ایمان سے منور ہیں۔ جانتا ہے کہ جب کشائش اور آسانی کسی پر بند ہو جاتی ہے اور اپنے لیے کوئی چارہ کار نہیں جانتا یا کوئی باریک و مشکل مسئلہ اُس پر مشتبہ ہوتا ہے اور وہ ان کے ارواح مُقدسہ سے متوسل ہوتا ہے تو بیشک بقدر توسل رحمت و ہدایت کے دروازے اُس پر کھل جاتے ہیں۔

۲۔ جس طرح آفتاب ابریں پوشیدہ ہوتا ہے باوجود اس سے خلق کو نفع ہونے کے ابر کے رفع ہونے اور برطرف ہونے کے لوگ منتظر رہتے ہیں اسی طرح مخلص مومنین غیبت کے زمانہ میں کشائش کے منتظر ہیں اور نایوں نہیں ہوتے اور عظیم ثواب پاتے ہیں۔

۳۔ یہ کہ باوجود آں جناب کے انوار کی چمک اور آپ کے آثار کے ظہور کے آپ کے وجود کا منکر آفتاب کے وجود کے منکر کے مثل ہے جبکہ وہ ابریں پوشیدہ ہوتا ہے۔

۴۔ یہ کہ جس طرح آفتاب کا ابریں پوشیدہ ہونا کبھی بندوں کے لیے زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ اسی طرح اُن حضرت کی شیعوں کے لیے غیبت باوجود آپ کے آثار سے مومنین کے منتفع ہونے اُن حضرت کے ظہور سے زیادہ نفع بخش ہے مختلف وجوہ کی بنا پر جن کا ذکر طوالت کا باعث ہے۔

۵۔ اکثر آنکھیں آفتاب کی طرف دیکھنے کی تاب نہیں رکھتیں اور زیادہ تر آنکھیں کور ہونے کے سبب سے نہیں دیکھ سکتیں۔ اسی طرح اُن حضرت کے جمال کے آفتاب کو زیادہ تر بصیرت کی کوری دیکھنے سے محروم رکھتی ہے چنانچہ بہت سے لوگ انبیاء کی بعثت سے پہلے اُن پر ایمان لاتے تھے اور بعثت کے بعد اپنے فاسد اعراض کے سبب سے انکار کر دیتے تھے۔ جیسے مینہ کے یہودی اور تعجب نہیں ہے کہ اس زیادہ غیبت کے اکثر شیعہ بھی ایسے ہوں۔

۶۔ یہ کہ ابراہیم کو دونوں میں بعض لوگ ابر کے سوراخوں میں سے آفتاب کو دیکھتے ہیں اور بعض نہیں دیکھتے پاتے اسی طرح ایام غیبت میں بعض شیعہ اُن حضرت کی خدمت میں پہنچتے ہیں اور بعض نہیں پہنچتے۔ چنانچہ حضرت صادق نے فرمایا کہ حضرت قائم کی دو غیبت ہوگی۔ ایک مختصر ایک طولانی اور آپ کی غیبت میں لوگ آپ کے جانے کے قیام کو نہ جانیں گے۔ سوائے خواص شیعویں کے لیکن دوسری غیبت میں کوئی آپ کے جانے کے قیام کو نہ جان سکیں گے مگر آپ کے مخصوص موالیوں اور محبوں کے اور دوسری روایت میں وارد ہوا ہے۔ آپ کے مخصوص لوگوں میں تیس افراد ہمیشہ آپ کی خدمت میں ہوں گے یعنی ان میں سے ایک جب مر جاتا ہے تو اس کی جگہ پروردگرا آجائے گا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر نکلا خطہ ہو)

۷۔ یہ کہ وہ حضرت اور آپ کے آباء اطہار علیہم السلام نفع کے عام ہونے کے سبب آفتاب کے مثل ہیں کوئی شخص انہما ہونے کے باعث ان کے نفع سے محروم نہیں ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ ان کو باطنوں کے حق میں فرماتا ہے کہ من کان فی ہذا اعمی فلو فی الآخرۃ اعمیٰ واصل سببیلہ۔ (یعنی جو شخص اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا اور وہ راستہ سے بھٹکا ہوا ہے) ان کے علاوہ دوسری بہت سی وجہیں ہیں جن کے ذکر کی گنجائش اس رسالہ میں نہیں ہے۔

بعد اس کے جب کہ دلائل قاطعہ اور اعدایت متواترہ حضرت قائم علیہ السلام کے وجود پر قائم ہو چکی ہیں طول حیات کے سبب سے اُن حضرت سے انکار کرنا عقل کے خلاف ہے۔ جبکہ تمام مخالفین حضرت حضرت کے وجود کے قائل ہوئے ہیں اور جناب نوح کی درازئی عمر کے قائل ہیں کہ ہزار سال سے زیادہ بلکہ معتبر روایتوں کے مطابق دو ہزار پانچ سو سال تک ہوئی اور لقمان بن عاد کی عمر تین ہزار سال بھنے کے قائل ہیں۔ اور وہ قابل ہیں شاید کہ جناب رسول خدا کے زمانہ سے آسمان سے حضرت عیسیٰ کے نازل ہونے تک کے قائل ہیں اور جناب عیسیٰ کی عمر حضرت مدی علیہ السلام کے ظہور تک کے قائل ہیں۔ پھر کون سی مشکل ہے کہ حضرت احدیت جناب قائم علیہ السلام کو طویل مدت تک باقی رکھے اس وقت تک جب کہ آپ کے فروع میں مصیحت سمجھے اُن حضرت کو فروع کا حکم دے۔ اور یہ جو کہتے ہیں کہ امام غائب کے وجود سے کیا فائدہ ہے۔ یہ سوال بیکار ہے کیونکہ جب سابق پیغمبروں کی غیبت فریقین کی مسلمہ روایت کے مطابق طولانی واقع ہوئی ہو اور اس حضرت صلعم شعب ابی طالب میں اور طائف میں اور غار میں مدینہ منورہ میں ظاہر ہونے تک اکثر خلافت سے پوشیدہ رہے ہوں اور جو فائدہ اُن پیغمبروں کے وجود اور غیبت سے تھا۔ وہی حضرت قائم کے وجود اور غیبت سے بھی ہو سکتا ہے۔ اور اگر اس کے علاوہ فائدہ نہ ہو جو شیعوں کے اعتقاد میں اُن حضرت کے وجود اور امامت اور حضرت کے ظہور کا انتظار کرنے میں بے انتہا ثواب حاصل ہوتا ہے کانی ہے جیسا کہ منقول ہے کہ جناب امیرالمؤمنین سے لوگوں نے پوچھا کہ خدا کے نزدیک کون سا عمل بہتر اور زیادہ پسندیدہ ہے حضرت نے فرمایا کہ کائنات کا انتظار کرنا۔ اور حضرت امام زین العابدین سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ بارہویں امام کی غیبت طولانی ہوگی۔ کیونکہ خداوند عالم نے عقل و فہم اور معرفت اُن حضرت کو اس قدر عطا کی ہے کہ غیبت آپ کے نزدیک بمنزلہ مشاہدہ کے ہوگئی ہے اور خداوند عزوجل نے اُن حضرت کو اس زمانہ میں بمنزلہ ایک جماعت کے قرار دیا ہے۔ جنہوں نے جناب رسول خدا کے زمانہ میں شمشیر سجھاد کیا ہو۔ اور وہ حق پر مخلص ہمارے سچے شیعہ ہیں۔ وہ دین خدا کی جانب خلق کو پوشیدہ اور ظاہر بظاہر دعوت دینے والے ہیں اور فرمایا کہ کائنات کا انتظار کرنا عظیم کائناتوں میں سے ہے نیز انہی حضرت سے منقول ہے کہ جو شخص ہمارے قائم کی غیبت میں ہماری ولایت پر ثابت و باقی رہے۔ اُس کو بدر و احد کے شہیدوں میں سے ہزار شہیدوں کا ثواب عطا فرماتا ہے۔ اور حضرت صادق سے بسند ہائے معتبر منقول ہے کہ جو شخص حضرت قائم کے ظہور کا انتظار کرے اور اسی حال میں مر جائے اُس شخص کے اندر ہے جو حضرت قائم کے خیمہ میں آپ کے ساتھ (بقرہ ماشیہ صفحہ آئندہ پر ملاحظہ فرمائیں)

امام زمانہ کے طویل العمر ہونے پر دلائل اور اقوال

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) ہو۔ بلکہ اُس شخص کے مثل ہے جو اُن حضرت کے رو برو تلوار سے جہاد کرے۔

بلکہ اُس شخص کے مثل ہے جو حضرت رسول خدا

کی خدمت میں شہید ہوا ہو۔ اور حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا۔ جبکہ ان کا امام ان سے غائب ہوگا۔ تو خوشحال اُن لوگوں کا جو اُس زمانہ میں ہمارے امر پر ثابت رہیں اور ہم سے کم ثواب جو اُن کے لیے ہوگا یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ ان کو نوازے گا۔ کہ اے میرے بندو! تم مجھ پر ایمان لاؤ اور میری غیبت کی تصدیق کی۔ لہذا تم کو میری جانب سے بہترین ثواب کی خوشخبری ہو بیشک تم میرے بند اور میری کینزیں ہو۔ میں تمہاری عبادت قبول کرتا ہوں اور یہی کافی ہے۔ اور تمہارے گناہوں کو معاف کرتا ہوں تمہارے غیروں کے معاف نہیں ہیں اور تم کو بخش دوں گا۔ اور یہی کافی ہے اور تمہاری برکت سے اپنے بندوں کے لیے بارش نازل کرتا ہوں۔ اور اُن سے تمہاری برکت کے سبب بلائیں دفع کرتا ہوں۔ اگر تم نہ ہوتے تو اپنا خدا اُن پر نازل کرتا۔ راوی نے کہا یا بی رسول اللہ! وہ کونسا کام بہتر ہے جو لوگ اُس زمانہ میں کریں گے۔ فرمایا اپنی زبان کی حفاظت کرنا اور اپنے گھر میں رہنا۔ اس بارے میں حدیثیں حدو شمار سے زیادہ ہیں اور یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ اُن حضرت سے لوگوں کو بظاہر فائدہ نہیں پہنچتا۔ اس صورت میں جبکہ ان کو نہیں پہچانتے۔ چنانچہ وارد ہوا ہے کہ وہ حضرت ہر سال حج میں آتے ہیں اور لوگوں کو پہچانتے ہیں لیکن لوگ اُن کو نہیں پہچانتے جب حضرت ظاہر ہوں گے لوگ کہیں گے ہم اُن کو دیکھتے تھے مگر پہچانتے نہ تھے۔ اور حضرت امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ صاحب الامر حضرت یوسفؑ کی شہید ہیں۔ حضرت اہل سنت کیونکر انکار کرتے ہیں۔ برادران یوسف صاحبان محل و فہم تھے اور پیغمبروں کے اسباط تھے۔ وہ اپنے بھائی حضرت یوسفؑ کے پاس گئے اور نذر کاٹوا کیا اور اُن حضرت کے بھائی تھے۔ لیکن ان کو نہ پہچانا۔ یہاں تک کہ خود اُن کو حضرت نے اپنے تئیں پہچنایا۔ تو یہ امت حیران کیا انکار کرتی ہے، کیونکہ حق تعالیٰ جس وقت چاہتا ہے اپنی حجت کو اُن سے پوشیدہ کرتا ہے۔ وہ ان کے درمیان سے گزرتا ہے۔ ان کے بازاروں میں راستہ چلتا ہے اور اُن کے فرشوں پر قدم رکھتا ہے اور وہ اُن کو نہیں پہچانتے۔ یہاں تک کہ خدا اُن کو اجازت دے کہ وہ اپنے کو پہچنوائیں۔ جس طرح جناب یوسفؑ کو اجازت دی کہ اپنے تئیں اپنے بھائیوں کو پہچنوائیں اور مشکلیں کہتے ہیں کہ خدا پر واجب ہے کہ اپنی حجت کو نصب کرے۔ کیونکہ کھف اُس پر واجب ہے۔ اگر لوگ اس حجت کو خالف کریں اور وہ غائب ہو جائے تو لوگوں کا قصور ہے۔ اور کچھ لوگ جن کی اس بارے میں تفصیر نہ ہوگی وہ عظیم قوابل پر فائز ہوں گے۔ خصوصاً جس وقت کہ آمد کی برکتوں کے سبب اُن کے آثار منتشر ہوں گے اور دینی کے مسائل شیعوں کے لیے بیان کئے ہوں گے۔ اور اپنے فقہار اور راویان اخبار کو لوگوں کے دین کا ہادی مقرر کیا ہوگا۔ اور لوگوں کو مسائل دین میں ان کی جانب رجوع کرنے کا حکم فرمایا ہوگا۔ لہذا شیعوں کے لیے آپ کی غیبت میں ایسی ہیرت نہ ہوگی۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے ہر زمانہ میں چند عادلوں کو اہل بیت

ہیرت نہ ہوگی۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے ہر زمانہ میں چند عادلوں کو اہل بیت

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) کی حدیثوں کی روایت کرنے والا مقرر فرمایا ہے۔ جو تحریف کرنے والے فالیوں کی اس دین سے اور مذاہب باطلہ کے اختراع کرنے والوں کی اور جاہلوں کی تاویل کرنے کو اپنے اوپر بند کرنے کی نفی کرتے ہیں۔ اور توقعات اور فرمان حضرت صاحب الامر شیعوں کو پہنچے کہ ہماری غیبت کے زمانے میں ہماری حدیثوں کے راویوں سے رجوع کریں۔ کیونکہ وہ تم پر ہماری حجت ہیں اور میں سب پر یا اُن پر حجت خدا ہوں اور وہ دلیلیں اور نصوص جو ہم نے اُن حضرت کی امامت پر قائم کئے ہیں۔ ان کے لیے ان باتوں کی ضرورت نہیں ہے۔

وَأَشْأَىٰ يَهْدَىٰ مِنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطِ الْمُسْتَقِيمِ ۝
کتاب حق الیقین کی جلد اول ختم ہوئی

**Get more e-books from www.ketabton.com
Ketabton.com: The Digital Library**